

مکتب امامت و خلافت

(حصہ اول)

(مشہور کتاب معالم المدرستین کا ترجمہ)

تالیف

آیت اللہ سید مرتضیٰ عسکری مدظلہ العالی

ترجمہ

حجتہ الاسلام مولانا محمد حسن جعفری

ناشر
دارالمنہاج الصحیحین

جناح ٹاؤن ٹھوکر نیا ریگ ملتان روڈ لاہور۔ فون: 042-5425372

یہ کتاب

اپنے بچوں کے لیے scan کی بیرون ملک مقیم ہیں
مومنین بھی اس سے استفادہ حاصل کرسکتے ہیں۔

منجانب۔

سبیل سکینہ

یونٹ نمبر ۸ لطیف آباد حیدرآباد پاکستان

جملہ حقوق بحق ادارہ محفوظ

نام کتاب	مکتب خلافت و امامت (حصہ اول)
تالیف	آیت اللہ مرتضیٰ عسکری
ترجمہ	مولانا محمد حسن جعفری
اہتمام	مولانا تاریاض حسین جعفری
کمپوزنگ	ادارہ منہاج الصالحین لاہور
پروف ریڈنگ	مولوی غلام حبیب چوہدری غلام حیدر
اشاعت	جنوری 2004ء
ہدیہ	250 روپے

ملنے کا پتہ:

ادارہ منہاج الصالحین

الحمد مارکیٹ، فرسٹ فلور دوکان نمبر 20 غزنی سٹریٹ اردو بازار لاہور۔

عرضِ ناشر

تقابل ادیان سے تفہیم دو جہان ایک ایسا موضوع جو ہر خشک و تر کو محیط ہے لیکن یہ راستہ اتنا کٹھن ہے کہ اس پر چلنے والا ذرہ برابر بھی لڑکھڑا جائے تو ہدایت و نجات کی بجائے بحرِ ظلمات میں گر سکتا ہے۔ یقیناً توفیقِ ایزدی ہی سے یہ مشکل سفر طے کرنا ممکن ہے اور اہل کفر و جہالت پر تو کچھ زور ہی نہیں کہ انہیں راہِ راست اور صراطِ مستقیم کا قائل کیا جاسکے یا وہ خود حق و حقانیت کا ادراک کر سکیں۔ جن کے دلوں پر مہریں لگی ہوں اور آنکھوں پر پردے پڑے ہوں ان کے بارے میں تو بزبانِ قرآن یہی کہا جاسکتا ہے..... لَكُمْ دِينُكُمْ وَلِيَ دِينِ۔

تقابل مذاہب کا معاملہ بھی کچھ ایسا ہی ہے کیونکہ مذہبِ راستہ ہے تو دینِ نظامِ حیات۔ اب اگر راستہ ہی غلط اختیار کر لیا جائے تو نظامِ حیات تک رسائی اور شناسائی و آشنائی کیسے ممکن ہے؟ اور جو یہ کہا جاتا ہے کہ تمام راستے ایک ہی منزل تک جاتے ہیں تو یہ سراسر خام خیالی ہے۔ اس کا نام قطعاً فکرِ وحدت نہیں۔ فکرِ وحدت تو ایک ہی صراطِ مستقیم پر چلتے ہوئے راستے کی رکاوٹوں کو دور کرتے ہوئے اندھیروں کو پھاڑتے ہوئے اور مخالفوں کو پچھاڑتے ہوئے منزلِ مقصود تک پہنچنے کا نام ہے۔ وحدتِ اسلامی اسی طرزِ فکر کا نام ہے ورنہ اپنے اپنے راستے پر چلنا وحدتِ تشبیح و وحدتِ تشن اور وحدتِ وہابیت تو ہو سکتی ہے وحدتِ اسلامی ہرگز نہیں اور اس پر وَاغْتَصِمُوا بِحَبْلِ اللَّهِ جَمِيعًا وَلَا تَفَرَّقُوا۔ کی نصِ قرآنی موجود ہے۔ اللہ کی رسی اور راستہ صرف ایک ہے اور تفرقات کی قطعاً گنجائش ہی نہیں۔ گویا اسلام یا حقیقی ہو سکتا ہے۔ یا غیر حقیقی۔ اب جزوی حقیقی یا جزوی غیر حقیقی کی بحث کا اطلاق بھی مسلمانوں پر تو ہو سکتا ہے اسلام پر

بہ گزرتیں۔ گویا جس طرح دین فطرت یعنی اسلام کی پہچان ہر انسان پر واجب ہے۔ ایجنہ حقیقی مسالک کے ذمہ دار محققین صراطِ مستقیم کو واضح تر کرنے کے لئے مذہب نہیں دین کے تحفظ کے لئے مزید کوششیں کریں تو ہم ایسے پیدھے سادھے مسلمانوں کو رہنمائی کا سامان اور ہدایت کا نور میسر آ سکتا ہے اللہ رب العزت دلوں کے راز اور نیتوں کے حال بہتر جانتا ہے اور ہر انسان کے لئے وحی ہے جس کی وہ کوشش کرتا ہے۔

آخر میں یہ تذکرہ کرنا بھی اپنی تقیدی ذمہ داری سمجھتا ہوں کہ مؤلف کتاب بذا متحقق علامہ سید مرتضیٰ عسکری نے دیا ر حرم کا سفر کیا لہذا حنبلی عقائد ہی کو اہل تسنن کے نمائندہ عقائد کے طور پر پیش کیا ہے جس میں وہ حق بجانب ہیں لیکن بعض مقامات پر حنبلی عقائد حنبلی عقائد سے کافی حد تک مختلف ہیں لہذا اس ضمن میں ہماری ہمدردیاں ان خوش عقیدہ حضرات کے ساتھ ہیں۔ مزید یہ کہ جو لکیر کے فقیر ہونے کی بجائے تحقیقی اور منصفانہ سوچ کے حامل مسلمان ہیں ان کے عقائد ناط مسلکی روایات کی بجائے ان کی اپنی ذہنی و قلبی کیفیت پر مبنی ہوتے ہیں لہذا ان کے لئے بھی نوید سعادت ہے کہ وہ جاوہ حق کے متلاشی ہیں۔

اس کتاب کے مترجم مولانا محمد حسن جعفری صاحب ہماری مبارک باد کے مستحق ہیں کہ عربی سے رواں دواں اردو میں ترجمہ منتقل کر کے اسے کروڑوں مسلمانوں کے سامنے پیش کیا، نشر و اشاعت کی ذمہ داریاں نبھانا بھی کار آسان نہیں۔ اللہ تعالیٰ سب احباب کی توفیقات میں اضافہ فرمائے کہ وہ اس مشن کو جاری و ساری رکھ سکیں۔

والسلام مع الاکرام

طالب دعا!

مولانا ریاض حسین جعفری

سربراہ ادارہ منہاج الصحاحین لاہور۔

فہرست

صفحہ	مضامین	صفحہ	مضامین
	الف۔ آثار انبیاء سے تبرک	15	اہداء
63	حاصل کرنا	17	مقدمہ طبع پنجم
64	نبی کے لعابِ دہن کی برکت	18	کچھ مباحث کتب کے بدلے میں
65	نبی کے آبِ وضو کی برکت	20	تمہید مباحث
	صحابہ نبی کے بلغم کو بھی تبرک	22	۱۔ اختلاف کے علل و اسباب
66	سمجھتے تھے	26	حفاظت قرآن
66	موتے مبارک کی برکت	28	اختلاف کے بیرونی عوامل
69	رسولِ خدا کے تیر کی برکت	31	اتحاد میں حائل رکاوٹیں
70	رسولِ خدا کی پھیل کی برکت	35	۲۔ تلخ مشاہدات
71	ب۔ رسولِ خدا سے توسل	35	پہلا سفر حج
	۱۔ آنحضرتؐ کی ولادت سے	37	دوسرا سفر حج
71	قبل توسل		۳۔ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات
	۲۔ آنحضرتؐ کی زندگی میں	43	اور ان میں اختلاف کا سرچشمہ
73	آپ کا توسل	46	خدا کا دیدار
74	۳۔ وفات کے بعد توسل	50	جنت میں دیدار الہی
75	عباس عم رسولؐ کا واسطہ		صفات الہی کے متعلق کتب
76	صفات رسولؐ میں اختلاف کا سرچشمہ	56	امامت کا نظریہ
84	مذکورہ روایات کی تردید	58	حضرت علیؑ کا فرمان
89	۵۔ انبیاء و اولیاءؑ کی محفل میلاد		۴۔ صفات و خصائص انبیاء میں
89	الف۔ مقام ابراہیمؑ	63	اختلاف اور اس کا منبع و ملاحظہ
90	صحیح بخاری کی ایک روایت کا ماہصل	63	کتب امامت کا نظریہ

- 120 الف۔ غیر اللہ کو پکارنا ❁ 90 ب۔ صفا و مروہ ❁
- 122 ب۔ غیر اللہ کا فیصلہ ❁ 91 ج۔ رمی الجمار ❁
- 123 خوارج کی ابتدا ❁ 92 د۔ قربانی ❁
- 125 کتب ہمت کی طرف سے جو ب ❁ 94 برکت آدم اور اس کی یادگار ❁
- 126 خدا کی صفت ملک ❁ 94 منحوس افراد اپنے ساتھ مکان کو بھی بخش بنا دیتے ہیں ❁
- 128 خالق و مخی ❁ 94 مکین کی نحوست و سعادت کا اثر ❁
- 130 صفت ولی و شفیع ❁ 95 روز جمعہ کی برکت ❁
- 132 کیا خدا کے علاوہ بھی کوئی ولی ہے؟ ❁ 96 ماہ رمضان کی برکت ❁
- رسول خدا کو پکارنا اور ان سے ❁ 97 ۶۔ انبیاء و اولیاء کے مزارات اور قبہ و ثور ❁
- 135 توسل حاصل کرنا ❁ 99 تنقید و تبصرہ ❁
- 136 اختلاف فکر کی دو حقیقی وجوہات ❁ 100 کتب خلافت کی مایہ ناز روایت ❁
- 136 ۱۔ تکبر۔ اختلاف کا پہلا حقیقی سرچشمہ ❁ 104 کتب امامت کا نظریہ اور دلائل ❁
- 140 خلاصہ بحث ❁ 106 ۷۔ مروہ پر گریہ کرنے کا ❁
- ۲۔ ہادیان دین کی تنقیص کا ❁ 111 اختلاف اور اس کا سرچشمہ ❁
- 140 دوسرا حقیقی محرک ❁ 112 رسول خدا کا اپنے فرزند ابراہیم پر گریہ ❁
- 142 اتحاد امت کی تجاویز ❁ 113 ایک نوا سے پر گریہ ❁
- 144 کتاب ہذا اسی سلسلہ کی کڑی ہے ❁ 114 حضرت حمزہ پر رونے کا حکم ❁
- حصہ اول۔ فریقین کی نظر میں شریعت ❁ 115 قبر والدہ پر گریہ ❁
- اسلامیہ کے مصادر 148 ❁ 115 اہل عزا کے لیے کھانا بھیجنا ❁
- 149 اختلاقی امور ❁ 115 ایام سوگوار کی تعین ❁
- 149 تمہیدی کلمات ❁ 115 بکاء میت پر اختلاف کی وجہ ❁
- 150 عربی لغت اور اسلامی اصطلاحات ❁ 115 ۸۔ چند آیات قرآنی جن کی تاویل میں اختلاف ہے ❁
- 150 الف۔ لغت عرب ❁ 120
- 151 ب۔ اصلاح شرعی ❁

- 185 * سقیفہ اور بیعت ابو بکر
- 186 * حضرت عمر کی زبانی سقیفہ کی کارروائی
- 187 * تاریخ طبری سے واقعات سقیفہ کی تفصیل
- 193 * ایک ہمدرد کی خبر رسائی
- 194 * عمومی بیعت
- 195 * بیعت عمومی کے بعد
- 196 * تدفین رسول کے شرکاء
- 197 * ذہن پیغمبر کے بعد کی روئیداد
- 200 * فاطمہؓ کے گھر پناہ لینے والے
- 201 * ہائے اس زد و پشیمان کا پشیمان ہونا
- 210 * حضرت ابو بکر کی بیعت سے
- 210 * اختلاف کرنے والے افراد
- 210 * الف۔ فروہ بن عمرو
- 211 * ب۔ خالد بن سعید اموی
- 212 * ج۔ سعد بن عبادہ
- 215 * عذر گناہ بدتر از گناہ
- 217 * وہ مورخین جنہوں نے سعد کے
- 217 * بیعت نہ کرنے کا ذکر کیا
- 217 * حضرت عمر کی تازہ دگی اور ان کی بیعت
- 218 * شوریٰ اور حضرت عثمان کی بیعت
- 225 * علیؓ جانتے تھے کہ انہیں خلافت
- 226 * نہیں ملے گی
- 226 * شوریٰ کی کارروائی
- 228 * حضرت علی کی بیعت
- 152 * ج۔ اہل شرع کی اصطلاح
- 153 * د۔ حقیقت و حجاز
- 154 * کتب لغت کی تالیف و تدوین
- بحث اول۔ صحبت اور صحابہ کے متعلق
- 155 * دو مکاتب فکر کی رائے
- * فصل اول: مکتب خلافت میں
- 157 * صحابی کی تعریف
- * مکتب امامت کے نزدیک صحابی
- 159 * کی تعریف
- 160 * صحابی کی پہچان کا ضابطہ کار
- 161 * تنقید و تمہرہ
- فصل دوم
- 165 * عدالت صحابہ کا نظریہ
- * عدالت صحابہ کے متعلق مکتب
- 166 * خلافت کا نظریہ
- 170 * مکتب امامت اور عدالت صحابہ
- * کچھ صحابی حوض سے ہٹائے
- جائیں گے
- 173 * مؤمن و منافق کی سوئی
- 175 * بحث دوم۔ امامت فریقین کی نظر میں
- 179 * فصل اول: واقعات خلافت ازید
- 180 * گاہ تاریخ
- 181 * وصیت لکھنے کا حکم
- 184 * وفات پیغمبر کے متعلق حضرت عمر
- 184 * کا نظریہ

- 264 ● سورة برائت کی تبلیغ
- 266 ● معجزات خلفاء
- 270 ● ۲۔ اصطلاح مسلمین میں خلیفہ اور خلیفۃ اللہ کا مفہوم
- 272 ● ۳۔ امیر المؤمنین
- 272 ● ۵۔ امام
- 275 ● ۶۔ امر اور اولی الامر
- 275 ● الف۔ لغوی معانی
- 277 ● ب۔ لفظ امر در عرف مسلمین
- 279 ● ج۔ لفظ امر در نصوص اسلامیہ
- 280 ● ۷۔ وصیت اور وصی
- 284 ● مکتب خلافت کی آراء کا جائزہ
- 284 ● مکتب خلافت کا نظریہ اور استدلال
- 285 ● مذکورہ استدلال کا جائزہ
- 288 ● شوری کے استدلال کی حقیقت
- 288 ● الف۔ کتاب اللہ اور شوری
- 290 ● ب۔ ”وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ“ کا مفہوم
- 292 ● ج۔ مشاورت رسول سے استدلال
- 292 ● ۱۔ غزوہ بدر
- 297 ● ۲۔ جنگ احد
- 301 ● ۳۔ جنگ خندق اور مشاورت
- 305 ● ۲۔ استدلال بیعت کا تجزیہ
- 307 ● قبائل کندہ کا حشر
- 312 ● ۳۔ عمل صحابہ سے استدلال کی تردید
- 313 ● فرمان علی سے استدلال کی حقیقت

فصل دوم 231

- مکتب خلافت کا نظریہ اور استدلال 233
- 233 ● ۱۔ حضرت ابوبکرؓ نے فرمایا
- 233 ● ۲۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا
- ۳۔ مکتب خلافت کے پیروکاروں کی آراء
- 234
- معرفت امام
- 236
- جبر و غلبہ سے امامت کا انعقاد
- 237
- اطاعت امام واجب ہے اگرچہ وہ رسول کی مخالفت بھی کرتا ہو
- 243
- تاخرین پیروان خلافت کا استدلال
- 246
- امامت و خلافت کی اصطلاحات
- 247
- ۱۔ شوری
- 247
- ۲۔ بیعت اور اس کا لغوی مفہوم
- 248
- عہد و حلف
- 248
- بیعت در اسلام
- 249
- الف۔ بیعت عقبہ اولی
- 249
- ب۔ بیعت عقبہ ثانیہ
- 250
- ج۔ بیعت رضوان
- 252
- ۳۔ خلیفہ اور خلیفۃ اللہ فی الارض
- 256
- الف۔ خلیفہ اور خلافت
- 256
- ب۔ خلیفۃ اللہ فی الارض
- 260
- اللہ کے مقرر کردہ خلفاء، لوگوں کے امام ہوتے ہیں
- 261

- 375 ● محمد بن ابی بکر کا خط
- 377 ● معادیہ کا جواب
- عمرو بن العاص کے خط میں
- 380 ● وصایت علی کا ذکر
- حضرت علی کی زبانی اپنی
- 380 ● وصایت کا ذکر
- 382 ● حضرت کے خطبات اور وصایت
- 383 ● حسن مجتبیٰ کے خطبہ میں ذکر وصایت
- 384 ● تعزیت نامہ میں وصایت کا ذکر
- امام حسین کے خطبہ میں
- 385 ● وصایت کا ذکر
- سفاح عباس کے چچا کا وصایت
- 386 ● سے احتجاج
- منصور دو اہلی کے سامنے وصایت
- 387 ● سے احتجاج
- 388 ● وصیت نامہ میں وصایت علی کا ذکر
- ہارون رشید بھی نظریہ وصایت کا
- 389 ● قائل تھا
- 392 ● لفظ وصی اور شعراء
- 396 ● جنگ جمل میں کہے جانے والے اشعار
- 400 ● جنگ صفین میں عقیدہ وصایت کی گونج
- 403 ● وصایت علی بزبان ابن عباس
- 405 ● حجر بن عدی کا عقیدہ
- 406 ● وصایت علی بزبان مامون
- 407 ● مولا کو ہر دور میں وصی کہا گیا
- 319 ● دعوت انصاف
- 321 ● خطبہ ششقیہ
- کیا جبر و غلبہ سے خلافت کا
- 326 ● انعقاد درست ہے؟
- 328 ● سنت رسول کے مخالف کی اطاعت
- 331 ● خلاصہ بحث
- فصل سوم۔ خلافت و امامت در کتب
- اہل بیت 335
- 338 ● عصمت اہل بیت علیہم السلام
- 338 ● آیت کا شان نزول
- 340 ● عمل رسول
- 343 ● کردار اہل بیت کی عظمت
- تعیین اولی الامر کے لیے رسول
- 345 ● کریم کا اہتمام
- 348 ● دعوت ذوالعشرہ اور مسئلہ خلافت
- 352 ● غزوات میں رسول خدا کے جانشین
- 361 ● وصیت در اہم سابقہ
- 362 ● الف۔ شیث کے نام آدم کی وصیت
- 362 ● ب۔ حضرت موسیٰ کی یوشع پر نص
- 364 ● وصی موسیٰ اور وصی مصطفیٰ میں مشابہت
- 365 ● ج۔ شمعون وصی عیسیٰ کی روایت
- 367 ● وصیت و خلافت علی بزبان بنی
- 371 ● اہم سابقہ میں علی کی وصایت
- صحابہ و تابعین کی احادیث میں
- 373 ● وصایت علی کا ذکر

- 485 ❁ دشمنی علی کی تربیت
- 485 ❁ خاندان عصمت سے دشمنی کی انتہا
- 488 ❁ ابن زبیر اور عداوت آل محمد
- 489 ❁ محمد بن سفیانہ کا خطاب
- 491 ❁ ابن زبیر کا بنی ہاشم سے سلوک
- 492 ❁ عبدالملک اور ولید کا عہد حکومت
- 493 ❁ حجاج کا کردار
- 497 ❁ عمر بن عبدالعزیز کا کارنامہ
- 501 ❁ ہشام بن عبدالملک کا عہد حکومت
- 503 ❁ خالد بن عبداللہ القسری کا کردار
- 504 ❁ علی نامی اشخاص کو قتل کیا جاتا تھا
- 506 ❁ طبقہ علماء اور عداوت آل محمد
- 507 ❁ طبقہ حکام اور عداوت آل محمد
- 508 ❁ عوام الناس کا کردار
- 509 ❁ آل محمد اور عہد منصور
- 509 ❁ دور متوکل کے چند مظالم
- 513 ❁ نتیجہ بحث
- 518 ❁ بغض حیدر یا خلافت اموی کا امتیاز
- 518 ❁ عہد معاویہ کا جائزہ
- 519 ❁ آل مروان کی روش
- 520 ❁ دور بنی عباس
- 522 ❁ انحنائے حق کی کوششوں کی توضیح
- 523 ❁ کتب خلفاء بمقابلہ سنت رسول
- ❁ ا۔ سنت رسول میں سے حدیث کے
- 525 ❁ کچھ حصہ کو حذف کر کے مبہم الفاظ داخل کرنا
- 413 ❁ خلاصہ بحث
- 414 ❁ مکتب خلافت اور کتمان حقیقت
- 422 ❁ بی بی عائشہ کی روایت کی حقیقت
- 427 ❁ وفات نبی بربان وصی
- 428 ❁ ام المومنین کی روایت پر مزید تبصرہ
- 431 ❁ دونوں روایات کا تقابلی جائزہ
- 433 ❁ ام المومنین کے دو متضاد موقف
- 435 ❁ حضرت کے متعلق دو متضاد موقف کیوں؟
- 439 ❁ عبدالرحمن کی وفات
- ❁ فضائل علی کو چھپانے اور ان پر
- 444 ❁ سب و شتم کے علل و اسباب
- 444 ❁ قریش کی خواہش
- 445 ❁ دوسرا مکالمہ
- 447 ❁ مذکورہ روایات کا تجزیہ
- 454 ❁ حضرت عمر کی گفتگو کا تجزیہ
- 455 ❁ من ترا حاجی گویم تو مرا قاضی گو
- 458 ❁ حق دار کو حق مل گیا
- 463 ❁ حدیث رسول لکھنے کی ممانعت
- 466 ❁ قرشی و اموی سیاست
- 466 ❁ ا۔ دور معاویہ میں
- 470 ❁ مغیرہ بن شعبہ کا طرز عمل
- 472 ❁ حجر بن عدی کا واقعہ
- ❁ عیدین کا خطبہ نماز سے پہلے
- کیوں پڑھا گیا؟
- 479 ❁ صحابہ کو سب و شتم کا حکم
- 480 ❁ صحابہ کو سب و شتم کا حکم

- ✽ ۲۔ ایک اشارہ کر کے سیرت صحابہ میں سے پورے واقعہ کو حذف کرنا 531
- ✽ ۳۔ حدیث کی من مانی تاویل 532
- ✽ مکتب خلفاء کی پریشانیاں 539
- ✽ طبرانی کی تاویل طلیل کا جواب 541
- ✽ وصایت کے معنی میں ایک اور عالم کی پریشانی 544
- ✽ ۴۔ اشارہ کیے بغیر صحابہ کے کچھ اقوال کو حذف کرنا 546
- ✽ ۵۔ کسی اشارہ کے بغیر پوری حدیث کو حذف کرنا 550
- ✽ ۶۔ احادیث رسول لکھنے سے منع کرنا 553
- ✽ انخافے سنت کی دو مزید مثالیں 554
- ✽ تضعیف روایات اور قتل علماء کی روش 557
- ✽ ۱۔ وصایت علی کا ذکر کرنے والوں کی توہین و تضعیف 557
- ✽ طبقہ صحابہ میں سے وصیت کے راوی 558
- ✽ طبقہ تابعین میں سے وصیت کے راوی 559
- ✽ مکتب حکام کے خلفاء و ائمہ 560
- ✽ وصیت کی احادیث لکھنے والے علماء 560
- ✽ ۲۔ رواۃ حدیث پر طعن و تشنیع کرنا 561
- ✽ ۳۔ ائمہ حدیث پر طعن و تشنیع کرنا 562
- ✽ امام نسائی کی شہادت 567
- ✽ چون نام حق بلند شود دارمی شود 569
- ✽ کتاب اور کتاب خانوں کو نذر آتش کرنا 570
- ✽ بغداد کے اسلام کتب خانہ کی تباہی 572
- ✽ ۹۔ سیرت صحابہ میں تحریف 573
- ✽ ۱۰۔ صحیح روایات کے بدلے خود ساختہ روایات کو رائج کرنا 575
- ✽ سیف کی روایات کی نوعیت 578
- ✽ تاریخ طبری ہی بنیادی ماخذ ہے 580
- ✽ علماء کی مذموم روش اور سیف کی روایات 582
- ✽ سیف کی زبانی اسود عتسی کا قصہ 586
- ✽ اس واقعہ کے راویوں پر ایک نظر 589
- ✽ ۲۔ خدا کے حضور شاہ ایران کی رسول خدا سے گفتگو 590
- ✽ اس روایت کے راویوں پر ایک نظر 593
- ✽ بوائے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں — 593
- ✽ قبیلہ عک اور شمیرین کا ارتداد 594
- ✽ طاہر کون تھا؟ 595
- ✽ اس واقعہ کی حقیقت 596
- ✽ فتح الیس اور اعیسیا کی برہانوں کی داستان 597
- ✽ خون کی نہر 598
- ✽ نہر کی پن چکیاں 599
- ✽ سیف کی روایات کا ناقذانہ جائزہ 599
- ✽ سیف کو پذیرائی کیوں ملی؟ 601
- ✽ سیف کی روایات کی دوسری نوعیت 604

- 653 * مختلف الفاظ سے وحی کی تعیین
- 654 * نبی کا وزیر
- 657 * خلیفہ نبی
- 658 * حضرت علیؑ پیغمبر اکرم کے بعد ولی المؤمنین ہیں
- 662 * ایک دہری شکایت پر رسول خدا کا جواب
- 662 * شکایت کب کی گئی؟
- 663 * جلسہ غدیر اور ولی عہدی امیر
- 668 * واقعہ غدیر کی تفصیل
- 669 * خطبہ غدیر
- 671 * ترجمہ خطبہ
- 674 * حضرت علیؑ کی تاج پوشی
- 676 * واقعہ غدیر کی گواہی
- 678 * وحی موسیٰ اور وحی مصطفیٰ میں مشابہت
- 679 * ولایت اور اولی الامر بزبان قرآن
- 679 * الف۔ نص جلی بر ولایت۔ علی
- 681 * دلالت آیت پر اعتراض
- 685 * ب۔ اولی الامر۔ علی اور ان کی اولاد
- 685 * ج۔ اہل بیت سفینہ نوح اور
- 686 * باب حد کی مثال ہیں
- 687 * علی اور ان کی اولاد رسول خدا کی طرف سے مبلغ ہیں
- 690 * آیات برأت کی تبلیغ کا واقعہ
- 692 * ہارون محمدی
- 693 * لفظ مینبی سے کیا مراد ہے
- 604 * وصایت علیؑ کی شہرت مکتب خلافت کے لیے پریشان کن ہے
- 607 * مکتب خلافت پر سیف کا احسان
- 613 * ابوذر غفاری کے واقعہ میں تحریف
- 616 * اخبار فتن کے متعلق سیف کی روایات پر ایک نظر
- 616 * ۱۔ سیف کی روایات تحریف کا بدترین شاہکار ہیں
- 619 * ۲ سابقہ روایات میں تحریف کی مثالیں
- 620 * ب۔ واقعات میں تحریف
- 623 * سیف اور دوسرے رواۃ کی روایات کا موازنہ
- 625 * ابو ذر سے بدسلوکی
- 626 * ابو ذر مسجد حرام میں
- 627 * ابو ذر مسجد رسول میں
- 629 * دور عثمان کی شورشوں کا انجام
- 632 * صحیح روایات کے مد مقابل سیف کی خود ساختہ روایات
- 639 * نتیجہ بحث
- 641 * صحیح و ضعیف روایات کا میزان
- 642 * حقیقت حال کی وضاحت
- 647 * بحث وصایت کی تکمیل
- 650 * ایسی نصوص و روایات جنہیں چھپا دیا گیا
- 653 * وصایت علیؑ کی باقی نصوص

فصل چہارم۔ دونوں مکاتب فکر میں

بحث امامت کا خلاصہ 744

- 746 ﴿سمر اسلام میں خلافت کیسے قائم ہوئی﴾
- 746 ﴿معاملات کی ابتدا﴾
- 747 ﴿وفات رسول پر حضرت عمر کا موقف﴾
- 748 ﴿سقیفہ بنی ساعدہ کی کارروائی﴾
- 754 ﴿بیعت عمر﴾
- 754 ﴿شورئ اور بیعت عثمان﴾
- 756 ﴿حضرت علیؑ کی بیعت﴾
- 758 ﴿ام خلافت کے متعلق کتب خلفاء کا نظریہ﴾
- 761 ﴿باروگر چند اصطلاحات کی تعریف﴾
- 761 ﴿۱۔ شورئ﴾
- 761 ﴿۲۔ بیعت﴾
- 763 ﴿۳۔ ۳۔ خلیفہ و امیر المؤمنین﴾
- 764 ﴿۵۔ امام﴾
- 765 ﴿۶۔ امر اور اولی الامر﴾
- 766 ﴿۷۔ وصی اور وصی نبی﴾
- ﴿خلافت و امامت کے متعلق کتب﴾
- 768 ﴿خلافت کی آراء کا تنقیدی جائزہ﴾
- 771 ﴿۲۔ بیعت﴾
- 771 ﴿۳۔ عمل صحابہ﴾
- 772 ﴿کلام علی سے استدلال﴾
- ﴿حاکم کی اطاعت کا واجب ہونا﴾
- 772 ﴿اور فسق و معصیت سے معزول نہ ہونا﴾
- 773 ﴿کتب اہل بیت میں امامت کا تصور﴾
- 780 ﴿حکمرانوں کی تیرہ سو سالہ کاوشیں﴾
- 782 ﴿الحاق﴾

- 694 ﴿علوم رسول کا حامل﴾
- ﴿حضرت علیؑ کی پرورش کی کہانی﴾
- ان کی اپنی زبانی
- 699 ﴿آیت نبوی﴾
- 703 ﴿حسینؑ کریمین کے متعلق چند روایات﴾
- 707 ﴿حسینؑ کی شانِ ولایت﴾
- 707 ﴿سبب پیغمبر﴾
- 713 ﴿ظہور مہدیؑ کی بشارت﴾
- ﴿نبیؑ اور آخری وصی کے نام میں﴾
- 713 ﴿یکسانیت﴾
- ﴿مہدیؑ کا تعلق اہل بیت نبوی﴾
- سے ہوگا
- 714 ﴿مہدیؑ کا تعلق نسل جنوں سے ہوگا﴾
- 715 ﴿مہدیؑ اولاد حسینؑ میں سے ہوں گے﴾
- 716 ﴿ائمہ اہل بیت کی امامت کی نصوص﴾
- 716 ﴿۱۔ حدیث ثقلین﴾
- 717 ﴿۲۔ حدیث ثقلین و اندریر خم﴾
- 719 ﴿ائمہ کی تعداد﴾
- 724 ﴿تورات میں بارہ اماموں کی بشارت﴾
- 726 ﴿احادیث کا حاصل﴾
- 727 ﴿مشارحین کی پریشانی﴾
- 735 ﴿نتیجہ بحث﴾
- 735 ﴿کتب خلافت میں بارہ ائمہ کے نام﴾
- 738 ﴿ائمہ ہدیٰ کا مختصر تعارف﴾
- 742 ﴿ایک ضروری تنبیہ﴾

اہداء

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

السلام علیک یا امام العصر ورحمة الله وبرکاته
میرے آقا و مولا! اور فرزند رسول!

”یہ گناہگار اپنی اس حقیر سی کاوش کو آپ کے حضور بعنوان ہدیہ
پیش کرنے کی جسارت کرتا ہے اور آپ کی شانِ فیاضی سے
امید کرتا ہے کہ آپ اسے قبول فرمائیں گے۔“

اور بندہ برادرانِ یوسف کی طرح آپ کی خدمت میں عرض گزار ہے:
یا ایہا العزیز مسنا و اهلنا الضر وجننا ببضاعة
مزجاة فاوف لنا الكيل و تصدق علينا ان الله یجزی
المتصدقین.

اے کریم بن کریم!

”آپ خدا کے حضور ہماری لغزشوں اور گناہوں کی مغفرت کے
لیے شفاعت فرمائیں اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کریں کہ وہ
اپنی شانِ رحیمی سے ہماری اور ہماری قوم کی مشکلات آسان
فرمائے اور ہم پر رحم فرمائے بے شک وہ ارحم الراحمین ہے۔“

آپ کے درکار ادنیٰ سا غلام

مرتضیٰ عسکری



أَعُوذُ بِاللَّهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ.

فَبَشِّرْ عِبَادِ ۝ الَّذِينَ يَسْتَمِعُونَ الْقَوْلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحْسَنَهُ
أُولَئِكَ الَّذِينَ هَدَاهُمُ اللَّهُ وَأُولَئِكَ هُمْ أُولُوا
الْأَلْبَابِ. (صَدَقَ اللَّهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيمُ) (الزمر: ١٨٦٤)

”آپ میرے ان بندوں کو بشارت دیں جو باتوں کو توجہ سے
سننے ہیں اور جو بات اچھی ہوتی ہے اس کی اتباع کرتے ہیں۔
یہی وہ لوگ ہیں جنہیں خدا نے ہدایت دی ہے اور یہی وہ لوگ
ہیں جو صاحبین عقیل ہیں۔“



مقدمہ، طبع پنجم

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

الحمد لله رب العالمین. والصلاة والسلام علی
محمد وآله الطاهرين. والسلام علی أزواجه
الطاهرات امهات المؤمنین و علی اصحابه البررة
الميامین.

قارئین کرام!

ہماری یہ کتاب ہماری دوسری کتابوں ”عبداللہ بن سبا“ اور ”نمسون وملتہ صحابی مخلق (ایک سو پچاس خود ساختہ صحابی“ کی طرح سے ہر ایڈیشن کے موقع پر تکمیل و تنقیح کے مراحل طے کرتی آئی ہے اور اس کے ہر ایڈیشن کی تفصیل کچھ یوں ہے۔

۲۱۵ صفحات	۱۴۰۵ھ	:	پہلا ایڈیشن	❁
۳۷۱ صفحات	۱۴۰۶ھ	:	دوسرا ایڈیشن	❁
۵۱۹ صفحات	۱۴۰۹ھ	:	تیسرا ایڈیشن	❁
۶۱۶ صفحات	۱۴۱۲ھ	:	چوتھا ایڈیشن	❁
۵۹۲ صفحات	۱۴۱۶ھ	:	پانچواں اور موجودہ ایڈیشن	❁

پر مشتمل ہے۔

جلد دوم میں بھی تکمیل و اضافہ جات کا سلسلہ جاری رہا۔ چنانچہ اس کا

پہلا ایڈیشن	۱۳۰۵	۳۷۸	صفحات
دوسرا ایڈیشن	۱۳۱۲	۴۰۵	صفحات

پر مشتمل ہے اور اس سال ۱۳۱۶ء میں اس کے تیسرے ایڈیشن میں مزید اضافے کیے جائیں گے۔

اگر اللہ تعالیٰ نے مجھے زندگی عطا کی اور کتاب ہذا کا نیا ایڈیشن شائع ہوا تو اس کے تمام تر اضافہ جات کتاب ہذا کے آخر میں بشامل کیے جائیں گے اور موجودہ مباحث میں کسی طرح کی کمی بیشی نہیں کی جائے گی۔

کچھ کتاب کے بارے میں

ابتدائی مباحث میں ہم مکتب امامت اور مکتب خلافت کے اختلافات کے علل و اسباب کا جائزہ لیں گے۔ اس کے بعد کتاب کے مباحث دو حصوں میں تقسیم ہو جائیں گے۔

پہلے حصہ میں دونوں مکاتب فکر کے نظریات کے مطابق شریعت اسلامیہ کے مصادر و منابع کا ذکر کیا جائے گا۔ اور اس ضمن میں ان مدارک و مصادر تک رسائی کے ذرائع کا تذکرہ کیا جائے گا اور اس سلسلہ میں اسلام کے عقائد و احکام کے متعلق مفروضات پیش کئے جائیں گے اور اس حصہ میں پانچ مباحث شامل ہوں گی۔

اول: صحبت و صحابیت کے متعلق دونوں مکاتب فکر کی آراء

دوم: امامت و خلافت کے متعلق دونوں مکاتب فکر کے نظریات۔ اور ان دونوں مباحث کو ہم نے ابتداء میں اس لیے پیش کیا کیونکہ یہ مسائل شریعت اسلامیہ تک رسائی کا ذریعہ ہیں اور اسلام کی حقیقی شکل و صورت قائم رکھنے کے لیے مدد و معاون ہیں۔

سوم: اس حصہ میں شریعت اسلامیہ کے مصادر کے متعلق دونوں مکاتب فکر کے نظریات بیان کیے جائیں گے اور اس بحث کی تکمیل دو حصوں میں ہوگی۔

الف: قرآن کریم کے متعلق دونوں مکاتبِ فکر کی روایات۔

ب: سنت رسولؐ کے متعلق دونوں مکاتبِ فکر کے نظریات بیان کیے جائیں گے اور اس کے ساتھ مکتبِ خلافت کی طرف سے اجتہاد اور عمل بالرائے کو شریعتِ اسلامیہ کا ایک مصدر وضع قرار دیے جانے کی بحث ہوگی اور اس بحث کے ساتھ ہی مکتبِ خلافت کی جانب سے مصادرِ شریعتِ اسلامیہ کی بحث مکمل ہو جائے گی۔

چہارم: امام حسین علیہ السلام نے کیا اس لیے قیام کیا تھا کہ آپ اجتہاد اور عمل بالرائے کو سنت رسولؐ سے انحراف سمجھتے تھے؟

پنجم: قیام امام حسین علیہ السلام کے بعد آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کی طرف سے احیائے سنت کی کاوشوں کا جائزہ پیش کیا جائے گا اور اس ضمن میں سنتِ رسولؐ کو معاشرہ میں قائم کرنے کے سلسلہ میں ان کی کامیابیوں کا ذکر بھی کیا جائے گا اور اس بحث کے ساتھ مکتبِ امامت کی طرف سے شریعتِ اسلامیہ کے مصادر اور ان تک رسائی کے ذرائع کی بحث مکمل ہو جائے گی اور یوں دونوں مکاتبِ فکر کی فکری اساس کے مباحث اختتام پذیر ہوں جائیں گے۔

والسلام

واخر دعوانا ان الحمد لله رب العالمین

مرقضى العسکرى

فرزند السيد محمد الحسنى ابن

سيد اسماعيل آل شيخ الاسلام





تمہیدی مباحث



- اختلاف کے علل و اسباب
- امت اسلامیہ میں اختلاف کی خلیج کے اثرات
- خدا کی بعض صفات اور ان میں اختلافات اور ان کا سرچشمہ
- صفات انبیاء اور ان میں اختلافات اور ان کا سرچشمہ
- انبیاء کی محافل میلاد و وفات کے متعلق اختلافات اور ان کا سرچشمہ
- قبور انبیاء پر روضہ جات کے متعلق اختلافات اور ان کا سرچشمہ
- مرنے والے پر گریہ کرنے کے متعلق اختلافات اور ان کا سرچشمہ
- کچھ آیات کی تاویل میں اختلافات
- خلاصہ و اختتام

۱۔ اختلاف کے اسباب و علل

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں پر مہربان ہے اور اس نے انسانی ہدایت کو اپنی ذمہ داری قرار دیا ہے۔ چنانچہ اس نے اپنی ربوبیت کے تقاضے کے تحت انسان کو ایک ایسا دین عطا فرمایا جس سے اس کی زندگی سنور سکتی ہے اور اللہ تعالیٰ نے دین کو سعادت اور کمال انسانی کے آخری مرتبہ تک پہنچنے کا ذریعہ قرار دیا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ہر دور میں دین کی تبلیغ کے لیے انبیائے کرام کو مبعوث فرمایا؛ جنہوں نے انسانوں کو خدائی دین کی تبلیغ کی، خدا کے اس پسندیدہ دین کا نام اسلام ہے۔^(۱)

اللہ تعالیٰ نے تخلیقی طور پر انسانوں کو فطرتِ اسلام پر پیدا کیا اور پھر الہامی اور تسخیری انداز میں ہدایت فرمائی۔^(۲)

۱۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ ”إِنَّ الدِّينَ عِنْدَ اللَّهِ الْإِسْلَامُ“

”اللہ کے نزدیک پسندیدہ دین اسلام ہے۔“ (آل عمران: ۱۹)

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: وَمَنْ يَتَّبِعْ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِينًا فَلَنْ يُقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ

مِنَ الْخَاسِرِينَ. (آل عمران: ۸۵)

”اور جو اسلام کے علاوہ کوئی بھی دین تلاش کرے گا تو وہ دین اس سے قبول نہیں کیا

جائے گا اور وہ قیامت کے دن خسارہ پانے والوں میں سے ہوگا۔“

۲۔ فرمانِ خداوندی ہے۔ سَبِّحْ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلَى الَّذِي خَلَقَ فَسَوَّى وَالَّذِي قَدَّرَ

فَهَدَىٰ وَالَّذِي أَخْرَجَ الْمَرْعَىٰ فَجَعَلَهُ غُثَاءً أَحْوَىٰ. (الاعلى: ۵۱)

خداوندِ عالم کی طرف سے وحی پا کر انبیائے کرامؑ نے اپنی اپنی امتوں کو دینِ حق کی تبلیغ کی لیکن جب نبی دنیا سے رخصت ہوئے تو ان کے ماننے والوں ہی میں سے کچھ خواہشات پرست افراد ان کی تعلیمات میں قطع و برید کر کے تحریف کر دیتے تھے اور پھر مزید ستم یہ ڈھاتے تھے کہ اپنی تبدیل شدہ شریعت کو خدا اور اس کے انبیاء کی شریعت قرار دیتے تھے۔^(۱)

(بقیہ حاشیہ گذشتہ) ”اپنے بلند ترین رب کے نام کی تسبیح کرو جس نے پیدا کیا ہے اور درست بنایا ہے جس نے تقدیر معین کی ہے اور پھر ہدایت دی ہے۔ جس نے چارہ بنایا ہے۔ پھر اسے خشک کر کے کوڑا بنا دیا ہے۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دربارِ فرعون میں رب العالمین کا تعارف کراتے ہوئے یہ جملے ارشاد فرمائے تھے۔ رَبُّنَا الَّذِي أَعْطَى كُلَّ شَيْءٍ حَلْقَهُ ثُمَّ هَدَى. (طہ: ۵۰)

”ہمارا رب وہ ہے جس نے ہر شے کو اس کی مناسب خلقت عطا کی ہے پھر ہدایت بھی دی ہے۔“

فطری ہدایت اللہ تعالیٰ نے ہر چیز کو عطا فرمائی ہے۔ جیسا کہ شہد کی مکھی کے متعلق رب العزت نے فرمایا:

وَأَوْحَىٰ رَبُّكَ إِلَى النَّحْلِ أَنِ اتَّخِذِي مِنَ الْجِبَالِ بُيُوتًا..... (النحل: ۶۸)

”اور تمہارے پروردگار نے شہد کی مکھی کو وحی کی کہ وہ پہاڑوں درختوں اور گھروں کی بلندیوں میں اپنے گھر بنائے۔“

ہدایتِ تسخیری کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَالشَّمْسُ وَالْقَمَرُ وَالنُّجُومُ مَسْحُورَاتٌ بَأْمَرِهِ..... (الاعراف: ۵۴)

”اور آفتاب و ماہتاب اور ستارے سب اس کے حکم کے تابع ہیں۔“

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے: وَإِنَّ مِنْهُمْ لَفَرِيقًا يَلْوُنَ أَلْسِنَتَهُم بِالْكِتَابِ لِتَحْسَبُوهُ مِنَ الْكِتَابِ وَمَا هُوَ مِنَ الْكِتَابِ، وَيَقُولُونَ هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَمَا هُوَ مِنْ عِنْدِ اللَّهِ وَيَقُولُونَ عَلَى اللَّهِ الْكُذِبَ وَهُمْ يَعْلَمُونَ. (آل عمران: ۷۸)

ہر دور میں سنت الہی یہ رہی ہے کہ جب بھی کسی نبی کی تعلیمات تحریفات کا شکار ہوتیں تو اللہ تعالیٰ کسی نئے نبی کو بھیج کر تحریف شدہ تعلیمات کو منسوخ کر دیتا تھا۔ پھر سلسلہ نبوت کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو منصب نبوت تفویض کیا اور ان پر اپنی عظیم الشان کتاب قرآن مجید نازل فرمائی اور اس میں عقائد و احکام بیان فرمائے اور اپنے پیغمبر کو احکام اسلام کی تفصیلی تعلیم فرمائی۔ آپ نے مسلمانوں کو اسلام کے جملہ شرائع کی تعلیم دی۔ آپ نے احکام خداوندی کو عملی صورت میں بیان فرمایا۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نماز قائم کرنے کا حکم دیا، حبیب خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے عمل سے نماز کی رکعات اور نماز کی کیفیت کو متعین فرمایا۔ اللہ تعالیٰ نے ماہ رمضان کے روزے فرض کیے، آنحضرتؐ نے روزہ کی شرائط و حدود بیان فرمائیں۔ اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے صاحبان استطاعت پر حج فرض کیا تو

(بقیہ حاشیہ گزشتہ) ”اور انھیں یہودیوں میں سے بعض وہ ہیں جو کتاب پڑھنے میں زبان کو توڑ موڑ دیتے ہیں تاکہ تم لوگ اس تحریف کو بھی اصل کتاب سمجھنے لگو، حالانکہ وہ اصل کتاب نہیں ہے اور یہ لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب اللہ کی طرف سے ہے، حالانکہ یہ اللہ کی طرف سے ہرگز نہیں ہے، یہ خدا کے خلاف جھوٹ بولتے ہیں حالانکہ سب جانتے ہیں۔“

اہل کتاب کی طرف سے تحریف کے متعلق اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اَفَتَطْمَعُونَ اَنْ يُؤْمِنُوْا لَكُمْ وَقَدْ كَانَ فَرِيْقٌ مِّنْهُمْ يَسْمَعُوْنَ كَلِمَ اللّٰهِ ثُمَّ يَحْرَفُوْنَ مِنْۢ بَعْدِ مَا عَقَلُوْا وَهُمْ يَعْلَمُوْنَ. (البقرہ- ۷۵)

”مسلمانو! کیا تمہیں امید ہے کہ یہ یہودی تمہارے اوپر ایمان لے آئیں گے جب کہ ان کے اسلاف کا ایک گروہ کلام خدا کو سن کر تحریف کر دیتا تھا حالانکہ سب سمجھتے بھی تھے اور جانتے بھی تھے۔“

تحریف کے متعلق البقرہ کی آیات ۲۳، ۲۶، ۱۵۹، ۱۷۳ اور آل عمران کی آیت ۱۸۷

اور النساء کی آیت ۴۶ اور المائدہ کی آیات ۱۳، ۱۵، ۳۱، ۵۹، ۶۱، ۷۱ کو ملاحظہ فرمائیں۔

پیغمبر اسلام نے مناسک حج کی تعلیم دی۔ آپ نے ہی اپنی امت کو طواف اور قربانی کی سعی اور دیگر واجب و مستحب مناسک کی تعلیم دی۔

آنحضرتؐ کی تعلیمات سے حدیث نبویؐ کی تشکیل ہوئی، اور اللہ تعالیٰ نے سیرت رسولؐ کو اسلام کی مجسم تصویر قرار دیا اور لوگوں کو آپ کی اتباع کا حکم دیا اور ارشاد فرمایا:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (الاحزاب: ۲۱)
 ”رسول خدا کی ذات تمہارے لیے بہترین نمونہ عمل ہے۔“

سیرت اور حدیث نبویؐ کو شریعت اسلامیہ میں لفظ ”سنت“ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور خدا و رسولؐ نے ہمیں سنت رسولؐ کی پیروی کرنے کا حکم دیا ہے۔^(۱) اللہ تعالیٰ نے قرآن کے احکام اور سنت نبویؐ کی تعلیمات کے ذریعہ اسلام کی تکمیل فرمائی۔

حضرت رسولؐ کریمؐ نوروجی سے جانتے تھے کہ ان کی امت میں اختلافات پیدا ہوں گے اور امت کئی فرقوں میں بٹ جائے گی اور اس امت کا انجام بھی وہی ہوگا جو کہ سابقہ امتوں کا ہوا تھا اور آپ نے اپنی امت کو اس سے آگاہ کر دیا تھا اور آپ نے فرمایا تھا:

۱۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کی وضاحت اور بیان کا فریضہ اپنے پیغمبر کے سپرد کیا اور ارشاد فرمایا:

وَأَنْزَلْنَا إِلَيْكَ الذِّكْرَ لِتُبَيِّنَ لِلنَّاسِ مَا نُزِّلَ إِلَيْهِمْ وَلَعَلَّهُمْ يَتَفَكَّرُونَ. (النحل: ۴۴)

”اور ہم نے آپ کی طرف قرآن نازل کیا تاکہ آپ لوگوں کے لیے ان احکام کو واضح کریں جو ان کی طرف نازل کیے گئے ہیں اور شاید یہ لوگ اس بارے میں غور و فکر کریں۔“

اللہ تعالیٰ نے رسول خداؐ کو اہل ایمان کے لیے نمونہ عمل قرار دیا اور امت اسلامیہ کو سیرت پیغمبرؐ کی پیروی کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:

وَمَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا. (الحشر: ۷)

”جو کچھ تمہیں رسولؐ دے دیں وہ لے لو اور جس سے رسولؐ منع کر دیں اس سے رک جاؤ۔“

”تم سابقہ امتوں کے نقش قدم پر چلو گے اور تمہارے حالات ان سے یوں یکساں ہوں گے جیسے ایک جوتا دوسرے جوتے کے برابر ہوتا ہے اور اگر وہ لوگ کسی سوہار کے بل میں بھی داخل ہوئے ہوں گے تو تم بھی داخل ہو جاؤ گے۔“ (۱)

حفاظت قرآن

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ہر طرح کی کمی بیشی اور تحریفات سے محفوظ رکھا اور اس کی حفاظت کا ذمہ لیا چنانچہ ارشاد فرمایا:

۱۔ اس سلسلہ کی احادیث کی تفصیل کے لیے ہماری کتاب ”مفسر و مائتہ صحابی تخلق“ کی جلد دوم کا مطالعہ فرمائیں۔ اس مضمون کی احادیث کے لیے حسب ذیل کتابوں کی طرف رجوع کریں۔

۱۔ کمال الدین صدوق ص ۵۷۵ بحار الانوار جلد سوم و ہشتم، مجمع البیان طبری در ضمن لتربین طباقن طبق، جلاء الاذهان گازر۔

ب۔ صحیح البخاری کتاب الانبیاء باب ما ذکر عن بنی اسرائیل ۱۷۱/۲ ح ۳ کتاب الاعتصام بالکتاب السنۃ باب قول النبی لتبعن سنن من کان قبلکم۔ الحدیث ۱۷۶/۳ ح ۲۰۱۔

فتح الباری شرح صحیح البخاری ۱۷/۶۳، ۶۳

ج۔ صحیح مسلم بشرح النووی ۱۶/۲۱۹ کتاب العلم

د۔ صحیح الترمذی ۹/۲۷-۲۸/۱۰۹

ه۔ سنن ابن ماجہ ج ۳۹۹۳

و۔ مسند الطیالسی ج ۱۳۳۶، ۲۱۷۸

ز۔ مسند احمد ۲/۳۲۷، ۳۶۷، ۳۵۰، ۵۱۱، ۵۲۷، ۸۳/۳، ۹۳، ۱۲۵/۳، ۲۱۸/۵، ۳۴۰۔

ح۔ صحیح الزوائد ۷/۲۶۱ نقل عن الطبرانی

ط۔ کنز العمال ۱۱/۱۲۳ عن الطبرانی فی الاوسط والحاکم فی المستدرک

ی۔ درمنثور سیوطی بحوالہ مستدرک حاکم در تفسیر ”ولا تكونوا کالذین تفرقوا“۔

إِنَّا نَحْنُ نَزَّلْنَا الذِّكْرَ وَإِنَّا لَهُ لَحَافِظُونَ (الحجر: ۹)

”بے شک قرآن کو ہم نے نازل کیا اور ہم ہی اس کے محافظ ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے حفاظت قرآن کے متعلق ارشاد فرمایا:

لَا يَأْتِيهِ الْبَاطِلُ مِنْ بَيْنِ يَدَيْهِ وَلَا مِنْ خَلْفِهِ (فصلت: ۴۲)

”باطل نہ تو اس کے سامنے سے آسکتا ہے اور نہ ہی اس کے

پیچھے سے آسکتا ہے۔“

یہ ایک حقیقت ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ہر قسم کی دستبرد سے محفوظ

رکھا مگر حدیث اور سنت تحریف سے محفوظ نہ رہ سکی اور روایات میں شدید اضطراب پایا

جاتا ہے اور اسی اضطراب کو دور کرنے کے لیے علماء کو ”تاویل مختلف الحدیث“ اور

”بیان مشکل الحدیث“ اور ”بیان مشکلات الآثار“ جیسی کتابیں لکھنی پڑیں۔^(۱)

اسی اختلاف حدیث کی وجہ سے مسلمان فہم قرآن کے متعلق اختلاف کا

شکار ہوئے اور انہی احادیث کی وجہ سے ان میں تقسیم کا عمل شروع ہوا۔

احادیث کے علاوہ تفسیر بالرائے اور دوسری اقوام و مذاہب کی معاشرت

نے بھی مسلمانوں کے باہمی اختلاف میں مؤثر کردار ادا کیا اور ہر گروہ نے آیات

قرآنی کی من مانی تاویل شروع کی اور اپنے نظریات کے اثبات کے لیے احادیث کو

بطور سند استعمال کیا اور پھر اختلاف کی یہ خلیج اس قدر چوڑی ہوئی کہ اپنے فرقہ کے

علاوہ دوسرے فرقے کی بات سننے تک کی بھی رواداری باقی نہ رہ سکی اور اس کا نتیجہ

یہ ہوا کہ کلمہ پڑھنے والے ایک دوسرے کو گمراہ بدعتی اور کافر تک کہنے لگے۔

اختلافات کے عوامل صرف اندرونی ہی نہیں تھے بلکہ بیرونی عوامل بھی پوری

طرح سے کار فرما تھے۔

۱۔ ”تاویل مختلف الحدیث“ ابن قتیبہ عبد اللہ بن مسلم التوتنی ۲۷۶ یا ۲۸۰ ہجری کی تالیف

ہے۔ اور ”بیان مشکل الحدیث“ ابن فورک محمد بن حسن التوتنی ۳۰۶ ہجری کی تالیف ہے اور ”بیان

مشکلات الآثار“ ابو جعفر احمد بن محمد الازدی المعروف بالطحاوی لبوتنی ۳۳۱ یا ۳۳۲ کی تالیف ہے۔

اختلافات کے بیرونی عوامل

اسلامی تعلیمات کا حقیقی سرچشمہ حدیث، سیرت اور تفسیر کی کتابیں ہیں۔ لیکن ان میں بھی بیرونی عوامل پوری طرح سے ملوث رہے اور اختلاف کی خلیج کو وسیع کرنے کا سبب بنے۔ بیرونی عوامل کو ہم تین اقسام میں تقسیم کر سکتے ہیں۔

۱۔ ایک منظم منصوبہ کے تحت اہل کتاب کی روایات کو اسلامی تعلیمات میں داخل کیا گیا اور اس سلسلہ میں کعب الاحبار اور تمیم الداری کے نام سرفہرست ہیں۔

۲۔ بعض زنادقہ و ملحدین نے اپنی خود ساختہ روایات اسلامی مصادر میں بعنوان حدیث شامل کیں۔ اس سلسلہ میں ابن ابی العوجاء اور سیف بن عمر کا نام لیا جا سکتا ہے۔

صلیبی جنگوں کے بعد یہود و نصاریٰ میں ایک گروہ پیدا ہوا جسے ”مستشرقین“ کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ ان لوگوں نے کتب اسلام کا مطالعہ کیا اور اس کی کمزور و ضعیف روایات کو تلاش کیا اور پھر انہی روایات کو بنیاد بنا کر انھوں نے جدید اسلوب اور نئے لب و لہجہ میں کتابیں لکھیں اور اس طرح سے انھوں نے اسلام کو پوری طرح سے بدنام کیا اور اسلام کے مخالف (مستشرقین نے) مسلمان قارئین کا اعتماد حاصل کرنے کے لیے مصادر اسلامیہ کی فہرستیں مرتب کیں اور ان فہارس و معاجم کو شائع کیا اور اس ذریعہ سے عام مسلمان قاری ان سے متاثر ہوئے اور جب وہ اپنا علمی سکہ منوانے میں کامیاب ہو گئے تو انھوں نے اسلام کی غلط تعبیر و تشریح کی اور مکتب اسلام کو بدنام کرنے میں کوئی کسر اٹھانہ رکھی اور انہی مستشرقین نے اپنے خود ساختہ نظریات کی ترویج کے لیے ”دائرة المعارف

الاسلامیہ“ اور ”محمد النبی السیاسی“ جیسی کتابیں تالیف کیں۔^(۱)

استعماریت گروں کی اسلام دشمنی صرف مستشرقین کے روپ تک ہی محدود نہ رہی بلکہ انھوں نے اپنے اپنے مدارس سے شاگرد پیدا کیے اور انھیں اسلامی ممالک میں چار سو پھیلا یا، جنھوں نے مسلمانوں میں رہتے ہوئے ان کے یقین کو کمزور کیا اور ان کے عقائد میں شکوک و شبہات پیدا کیے اور استعمار گروں نے ان لوگوں کو روشن فکر اور ترقی پسند قسم کے القابات سے نوازا۔

اگر آپ نے استعمار کے مہروں کو دیکھنا ہو تو علی گڑھ یونیورسٹی کے بانی سر سید احمد خان اور استاد الجلیل احمد لطفی اور مصر میں حقوق نسواں کے علمبردار قاسم امین کو دیکھیں۔ استعمار نے ان جیسے دیگر چہرے ایران، عراق اور دیگر اسلامی ممالک میں بھی متعارف کرائے۔

استعماری چہروں نے اپنی تقریر و تحریر سے اسلام کے حسین چہرے کو داغدار کرنے کی ہر ممکن کوشش کی اور قدیم اسلامی نظریات کے مقابلہ میں مستشرقین کے نظریات کی تائید کی۔ سید احمد خان نے قرآن مجید کی بزعم خویش ایک تفسیر لکھی تھی جس میں اس نے بہت سے اسلامی حقائق مثلاً ملائکہ اور معجزات انبیاء کا انکار کیا اور یہی کچھ ”جرجی زیدان“ نے اپنے قصوں میں کیا۔

الغرض استعمار اور ان کے زر خرید افراد کا ایک ہی مقصد و ہدف ہے اور وہ

۱۔ ہم نے اہل کتاب کی روایات کے متعلق اپنی کتاب ”قیام الائمة باحیاء السنة“ کی جلد ششم اور مستشرقین کی تباہ کاریوں کا تذکرہ اسی کتاب کی جلد سوم اور چہارم میں کیا ہے اور زنا و دق کی خود ساختہ روایات پر ہم نے کتاب مذکور کی جلد ششم اور ”شمون و مائے صحابی مخلق“ کی جلد اول تمہیدی مباحث میں سیر حاصل بحث کی ہے اور ہم نے اپنی کتاب ”عبداللہ بن سبا“ میں ”سیف“ کی تحریف پر مکمل بحث کی ہے اور ہم یہاں مستشرقین کے متعلق یہ وضاحت بھی ضروری سمجھتے ہیں کہ تمام مستشرقین بددیانت نہیں تھے ان میں شاذ و نادر ایچھے بھی گزرے ہیں۔

ہدف یہ ہے جس کا اظہار ایک مستشرق نے ان الفاظ سے کیا تھا

”دین کو دین کی تلوار کے علاوہ کسی دوسری چیز سے قتل نہیں کیا جاسکتا۔“^(۱)

مستشرقین اور ان کے شاگردوں کا طریقہ واردات یہ ہے کہ یہ لوگ قرآن

مجید کی تفاسیر لکھتے ہیں اور حدیث نبویؐ اور سیرت پیغمبر اور آئمہ تحریر کرتے ہیں اور ان کی ہر تحریر کا مقصود یہی ہوتا ہے کہ معجزات و خرق عادت افعال کا کوئی وجود نہیں ہے اور انبیاء و آئمہ کے معجزات کی کوئی حقیقت نہیں ہے اور جنہیں مسلمانوں نے غلطی سے معجزہ سمجھ لیا ہے وہ عام قسم کے واقعات کے علاوہ اور کچھ بھی نہیں ہیں۔

یہ لوگ اپنے قارئین کو کبھی مخفی طور پر اور کبھی ظاہری طور پر یہ باور کراتے

نہیں تھکتے کہ انبیاء و آئمہؑ اپنے اپنے زمانہ کے مثالی انسان تھے اور دین اسلام اس

وقت کے تقاضوں کے عین مطابق تھا اور اس دور قدیم میں اسلام ایک ترقی پسند اور

روشن فکر دین تھا لیکن آج کے جدید دور میں اسلام کی پرانی تعبیر و تشریح کچھ مناسب

نہیں ہے اور ہمیں اس جدید دور میں اسلام کی نئی تعبیر و تشریح کی ضرورت ہے اور

ہمیں قدیم رویہ رکھنے والے اسلام کی بجائے ایک ایسا اسلام چاہیے جو موجودہ دور

کے تقاضوں پر پورا اتر سکتا ہو۔

استعمار نے جہاں فکری طور پر اسلام کو مشکوک بنانے کی کوشش کی ہے وہاں

۱۔ ایک زمانہ میں ہم نے مغرب گزیدہ افراد کی تردید میں کتاب لکھی تھی جس کی پہلی جلد

عراق میں شائع ہوئی مگر اشاعت کے چند دن بعد ہی حکومت عراق نے اس کتاب کو ضبط کر لیا اور

لبنانی حکومت نے بھی ہماری کتاب کے لبنان داخلہ پر پابندی عائد کر دی جس کی وجہ سے ہم اس

بحث کو جاری نہ رکھ سکے۔ اس سلسلہ میں عبدالرحمن حسن حبیکۃ المدینانی کی کتاب ”اعداء الاسلام“

کے سلسلہ کی ”اجنحة المکر الثلاثة“ اچھی کاوش ہے۔ اگرچہ ہمیں اس کتاب کے بعض

مطالب سے اختلاف ہے پھر بھی بحیثیت مجموعی اچھی کتاب ہے۔

اس نے اپنے سیاسی ایجنٹوں کو اقتدار میں لا کر بھی اسلام کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ آپ موجودہ دور کے مسلمان حکمرانوں پر ایک سرسری سی نگاہ ڈالیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان سب کی ڈوری غیر مسلم آقاؤں کے ہاتھ میں ہے۔

ان روح فرسا حالات میں بعض اسلام دوست افراد یہ خیال کرتے ہیں کہ ہمیں اسلام اور اتفاق برقرار رکھنے کے لیے مسلمانوں کے باہمی اختلافات کا ہرگز تذکرہ نہیں کرنا چاہیے اور ہمیں اپنے لب سی لینے چاہئیں تاکہ امت میں اتحاد قائم رہے۔

اس نظریہ کے برعکس میرا خیال یہ ہے کہ جب تک ہم بیماری کی تشخیص نہ کریں گے اس وقت تک ہم صحیح دوا سے قاصر رہیں گے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم ایک دوسرے کا نظریہ معلوم کریں اور اس کے ساتھ اپنے نظریات بھی بیان کریں۔ مگر اس تمام تر عمل میں شائستگی اور شرافت کو ہاتھ سے نہ جانے دیں۔

اتحاد میں حائل رکاوٹیں

جب تک ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا جذبہ نہ ہو اس وقت تک اتحاد کی تمام تر کوششیں رائیگاں جاتی ہیں۔ جب ہم اتحاد امت کی بات کرتے ہیں تو ہم خوارج کا کیا کریں گے جو کہ اس وقت بھی جزیرہ عرب کے مشرقی حصے اور شمالی افریقہ میں موجود ہیں۔

خوارج کے مذاہب کی بنیاد ہی عامتہ المسلمین کی تکفیر پر ہے اور ان کا دعویٰ ہے کہ صرف خوارج ہی مسلمان ہیں اور ان کے علاوہ دیگر تمام اسلامی فرقے کافر ہیں۔

خوارج کے مذہب کی بنیاد حضرت عثمانؓ، حضرت علیؓ، ام المومنین عائشہؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، معاویہ اور عمرو بن عاص سے بیزاری پر قائم ہے خوارج مذکورہ افراد سے صرف بیزاری ہی کا اظہار نہیں کرتے بلکہ ان پر لعنت اور ان کے ساتھ جملہ اہل

اسلام پر لعنت کرنے کو افضل ترین عبادت سمجھتے ہیں۔

علاوہ ازیں اتحاد امت کا خواب شرمندہ تعبیر ہو تو کیسے ہو جب کہ امت میں ایسے افراد موجود ہیں جو قبر رسول اور قبور آئمہ کی زیارات کو عبادت سمجھتے ہیں اور ان سے طلب شفاعت کرتے ہیں اور خدا کے حضور انہیں اپنا وسیلہ قرار دیتے ہیں۔

اس کے برعکس امت اسلامیہ میں ایسے افراد کی بھی کمی نہیں ہے جو ان تمام تر چیزوں کو شرک باللہ اور اسلام کے خلاف بغاوت اور بدعت محرمہ سمجھتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ ساتھ ان کا خیال ہے کہ تیسری صدی ہجری کے بعد سے لے کر آج تک اپنے آپ کو مسلمان کہلانے والے افراد درحقیقت مشرک ہیں۔ اور اسی مکتب فکر کے افراد نے غار حرا کے راستہ کی تمام مساجد کو منہدم کر دیا اور جنت البقیع میں آئمہ اصحاب امہات المؤمنین اور شہدائے احد کے مزارات کو سہاڑ کر دیا۔

اور اس فرقہ کی عجیب ترین بات یہ ہے کہ انہوں نے اپنی مملکت میں قائم یہود و نصاریٰ کی عبادت گاہوں کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا جب کہ گرجاؤں میں صلیب بھی ہے اور حضرت عیسیٰ و مریم کی تصاویر بھی موجود ہیں اور وہاں ان کی عبادت بھی کی جاتی ہے اور وہاں عقیدہ تثلیث کا پرچار بھی کیا جاتا ہے۔ مگر اس کے باوجود ان سے معاہدہ کر لیا گیا ہے اور اس مملکت کا کوئی سرکاری مفتی انہیں مشرک نہیں کہتا اور اس کے برعکس روضہ رسول کی زیارت کرنے والے کو کھلم کھلا سرعام مشرک کہا جاتا ہے۔

مذکورہ اختلافات کے علاوہ بھی امت اسلامیہ کے فرقوں میں اور بھی اختلافات موجود ہیں۔ مثلاً امامیہ اور مالکیہ نماز ہاتھ کھول کر پڑھتے ہیں اور احناف اور حنابلہ نماز ہاتھ باندھ کر پڑھتے ہیں۔ اسی طرح سے وضو میں ایک اسلامی فرقہ سر کے مسح کے بعد پاؤں پر مسح کرتا ہے جب کہ دوسرے فرقے پاؤں دھوتے ہیں۔ اور

اس موجودہ تعصب کی فضا میں تمام امت اسلامیہ میں اتفاق ہو تو کیسے ہو! جب کہ کوئی کسی کے نظریہ کا احترام کرنے پر آمادہ دکھائی نہیں دیتا ان روح فرسا حالات میں چشمِ فلک نے ہمیں یہ مناظر بھی دکھائے ہیں کہ ”جاء دور المجوس“ جیسی دل آزار کتابیں سرکاری سرپرستی میں طبع ہو رہی ہیں اور ایک حکومت اپنے فرقتے کو سچا مسلمان ثابت کرنے کے لیے کروڑوں ڈالر خرچ کر رہی ہے جو پرنٹ میڈیا کے ذریعہ سے یہ ثابت کرنے کی کوششیں کی جا رہی ہیں کہ ان کے علاوہ باقی تمام اہل اسلام شرک و بدعت میں ملوث ہیں وہ اپنے اسی نظریہ کی نشر و اشاعت کے لیے پوری دنیا میں اپنی مساجد و مدارس کا جال پھیلایا جا رہا ہے اور تنگ نظری پر مبنی اپنے نظریہ کی اشاعت کے لیے ہزاروں افراد کو مبلغ بنا کر پوری دنیا میں پھیلایا جا رہا ہے۔ یقیناً یہ سب کچھ امت اسلامیہ کے اتحاد کے لیے نہیں ہے بلکہ یہ تمام تر مساعی مسلمانوں میں تفرقہ پیدا کرنے کی غرض سے کی جا رہی ہے۔

تنگ نظری کی تاریخ استعماری غلبہ ہی سے شروع نہیں ہوئی بلکہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس کی ابتداء امام احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۰ھ سے ہوتی ہے اور اسی تنگ نظری کی مزید تبلیغ شیخ ابن تیمیہ المتوفی ۷۲۸ھ نے کی۔ بعد ازاں آج تک اس مکتب فکر کی کارستانیاں جاری ہیں اور موجودہ دور میں یہ بھی کاروائیاں اپنے عروج پر ہیں اسی تنگ نظری کے نتیجہ میں ہزاروں مسلمان قتل ہوئے اور بیسیوں لائبریریوں کو نذر آتش کیا گیا۔

ان ارضی حقائق کو مد نظر رکھنے کے بعد ہم یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ صرف خاموشی ہی اس کا علاج نہیں ہے کیونکہ ایک طرف خاموشی کسی طرح سے اتحاد کی علامت نہیں بن سکتی۔ ہر فرقہ کو اپنے مافی الضمیر کے اظہار کی مکمل اجازت ہونی چاہیے مگر اس کے لیے اول و آخر شرط یہی ہے کہ تہذیب اور شناسائی کے دامن کو نہ

چھوڑا جائے اور اس کے لیے حکمت، موعظہ حسہ اور جدال احسن سے کام لیا جائے اور پوری دیانت داری سے مسائل کو سمجھنے کی کوشش کی جائے۔

ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یکطرفہ اتحاد سے کوئی مثبت نتیجہ برآمد نہیں ہو سکتا۔ اتفاق و اتحاد اس وقت ہی قائم ہوتا ہے جب طرفین میں اس کی خواہش موجود ہو۔ جب کہ ہمارے ذاتی مشاہدات اس کے برعکس ہیں۔ چنانچہ موضوع کے آغاز سے قبل میں اپنے ذاتی مشاہدات کا تذکرہ کرنا چاہتا ہوں اور ان مشاہدات سے ہمارے قارئین کو بخوبی اندازہ ہو جائے گا کہ مسلمانوں میں اور بالخصوص مسلمانوں کے ایک فرقہ میں کس قدر روا داری پائی جاتی ہے اور ان کے دلوں میں محبت کا کیسا زمزم بہہ رہا ہے۔



۲۔ تلخ مشاہدات

فرقہ پرست افراد کی طرف سے اتنا زہر گھولا جا چکا ہے کہ آج ایک ہی خدا سے ماننے والے اور ایک ہی رسول کا کلمہ پڑھنے والے اور ایک ہی کتاب کی تلاوت کرنے والے اور ایک ہی قبلہ کی طرف رخ کر کے نماز ادا کرنے والے افراد ایک دوسرے کو کافر کہہ رہے ہیں اور ہم آئندہ صفحات میں ان کے استدلال کا بھی جائزہ لیں گے اور ہم آپ کو اپنی ان نشستوں (Meetings) کا حال بھی سنائیں گے جو کہ ہم نے مختلف فرقوں کے علماء سے کیں۔ مگر ہم سب سے پہلے آپ کو اپنے سفر حج کے کچھ مشاہدات سنانا پسند کرتے ہیں۔

پہلا سفر حج

اللہ تعالیٰ کی توفیق شامل حال ہوئی اور میں نے ملک عبدالعزیز آل سعود کے دور حکومت میں زندگی کا پہلا حج کیا۔ ہم زمینی راستہ کے ذریعے عراق سے سعودی عرب گئے اور جب ہم اپنی عراقی گاڑیوں پر واپس عراق آ رہے تھے تو ہمیں رماح نامی شہر میں چوبیس گھنٹے ٹھہرنا پڑا۔ اس دور ان ہم تمام اہل کاروان اسی شہر کی مسجد میں باجماعت نماز ادا کرتے رہے اور جب ہماری روانگی کا وقت ہوا تو بہت سے اہل شہر ہمیں دیکھنے کی غرض سے ہماری گاڑیوں کے پاس جمع ہو گئے۔ اسی

دوران ایک معتبر شخصیت بھی وہاں آئی اور اس نے حاضرین سے کہا۔

”جن حجاج کو تم دیکھ رہے ہو یہ سب کے سب مشرک ہیں اور یہ لوگ حسن و حسین پر گریہ کرتے ہیں۔ پھر اس نے میری طرف اشارہ کر کے کہا یہ ان کا عالم ہے اگر میرے بس میں ہوتا تو میں انھیں قتل کر دیتا۔“

اس کے یہ نازیبا جملے سن کر ہم میں سے ایک شخص نے اس سے کہا: ہم مشرک کیوں ہیں؟ ہم نے تو بیت اللہ کا حج کیا ہے اور ہم نے قبر پیغمبرؐ کی زیارت کی ہے؟

یہ الفاظ سن کر وہ شخص غصہ سے لال پیلا ہو گیا اور کہنے لگا:

آج اگر ابوسعود کا باپ بھی آجائے تو وہ بھی تجھے میرے ہاتھوں سے نہیں بچا سکے گا۔ پھر اس نے یہ الفاظ کہے:

ویش محمد، محمد رجالا مثلی.....

”محمد کیا ہے۔ محمد بھی میرے جیسا ایک آدمی تھا۔ وہ مر گیا ہے اور اس کا معاملہ ختم ہو چکا ہے۔“ (نوعہ باللہ)

عراقی بے چارہ خوف زدہ ہو گیا اور اس سے کہا کہ ہمیں کیا کہنا چاہیے؟ سنگ دل عربی نے کہا: ”تجھے یہ کہنا چاہیے کہ اللہ کے سوا کوئی فائدہ اور نقصان نہیں پہنچا سکتا۔“

استنے میں دوسرے عراقی نے اس سے کہا: کیا محمد تجھ جیسا انسان تھا؟

اس نے کہا: بالکل وہ مجھ جیسا ہی ایک انسان تھا۔ وہ مر گیا اور اس کا معاملہ ختم ہو گیا۔

عراقی نے کہا: مگر محمدؐ پر قرآن نازل ہوا کیا تجھ پر بھی قرآن نازل ہوا ہے؟

ان الفاظ کا اس سے کوئی جواب تو نہ بن پایا مگر وہ لڑنے مرنے پر آمادہ ہو گیا۔ اتنے میں ہمارا کاروان چل پڑا اور خدا نے ہمیں اس منحوس کے شر سے محفوظ رکھا ہمارے اس قافلہ میں ایک سعودی شہری بھی تھا جو کہ عراق جا رہا تھا جب ہم سعودی بارڈر پر پہنچے تو ایک سعودی افسر نے اپنے شہری سے کہا: تو کیسا شخص ہے بلاد اسلام کو چھوڑ کر بلاد شرک کی طرف جا رہا ہے؟ اور یہ کہہ کر اس نے اس سے پاسپورٹ چھین لیا۔ آخر کار بڑی رد و کد کے بعد اس بے چارے کو پاسپورٹ واپس ملا۔

دوسرا سفرِ حج

کافی عرصہ ہوا کہ علمائے عراق نے احکام اسلام کی ترویج کے لیے ایک انجمن قائم کی اور اس مقصد کے حصول کے لئے مساجد اور امام بارگاہوں میں انھوں نے وعظ کیے اور غیر اسلامی قوانین کے خاتمہ کے مطالبات کیے اور اسلامی عصری تحریکوں کی حمایت کا اعلان کیا۔ اس سلسلہ میں ہم نے الجزائر کے مسلمانوں کی تحریک اور فلسطینی تحریک آزادی اور اری ٹیریا کے مسلمانوں کی آزادی کے لیے بھرپور آواز اٹھائی ابھی ہم ان تحریکات کی حمایت کر رہے تھے کہ اس دوران قم کے مدرسہ فیضیہ سے نفاذ اسلام کی تحریک چلی جس کی قیادت علمائے اعلام کر رہے تھے اور رضا شاہ پہلوی نے اسی تحریک کو دبانے کے لیے بے تحاشا قوت استعمال کی جس کے نتیجے میں بہت سے اہل ایمان شہید ہوئے اور پھر پورے ایران میں جلسے جلوس شروع ہو گئے۔

ہم نے ایران کی اس عظیم اسلامی تحریک کی بھرپور حمایت کی اور اس کے لیے ہم نے عراق میں بھی جلسے جلوس کیے اور شہدائے ایران کی مغفرت کے لیے مجالسِ ترحیم کا انعقاد کیا۔

انہی ایام میں مجھے دوسری بار سفرِ حج کی سعادت نصیب ہوئی اور جب میں اپنے رفقاء سمیت سفرِ حج پر جانے لگا تو میں نے ایرانی علماء کی حمایت کے لیے بہت

سے اسٹیکرز (Stickers) بنوائے اور یوں ہم سرزمین حرم پہنچ گئے اور ہم نے مکہ مکرمہ میں اخوان المسلمین کے شامی رہنماؤں سے ملاقات کی اور سعید رمضان سے بھی ہماری مفید ملاقات ہوئی اور اری ٹیریا کی نبض آزادی کے سربراہ محمد آدم سے عرفات میں ہماری ملاقات ہوئی اور ان شخصیات کے علاوہ ہم نے تحریک آزادی فلسطین کے سرکردہ لیڈروں اور اخبار و جرائد کے مدیروں سے ملاقاتیں کیں اور ہندوستان کے مشہور اسکالر ابو الحسن ندوی اور جماعت اسلامی پاکستان کے رہنما سید ابوالاعلیٰ مودودی سے بھی ہماری یادگار ملاقاتیں ہوئیں۔

وہاں ہم نے پروگرام بنایا کہ شبِ عید ایرانی اسلامی تحریک کی حمایت میں ہینڈ بلز اور اسٹیکرز (Stickers) تقسیم کریں گے۔ لیکن مجھے معلوم ہوا کہ ہمارے ایک ساتھی نے کچھ ہینڈ بلز حرم شریف میں تقسیم کیے تو سعودی حکام نے اسے گرفتار کر لیا اور تمام اشتہارات وغیرہ بھی ضبط کر لیے۔ یہ خبر سن کر ہمیں بہت صدمہ ہوا۔ پھر علمائے ایران و عراق نے باہمی مشاورت کی جس میں طے یہ ہوا کہ ہمیں عید کے دن ولی عہد فیصل سے ملاقات کرنی چاہیے اور اس سے اپنے ساتھی کی رہائی کا مطالبہ کرنا چاہیے۔

قصہ مختصر ہم نے ولی عہد فیصل سے ملاقات کی اسی دوران ملاقات میں نے موصوف سے کہا: جناب عالی! آپ کی حکومت اسلامی شریعت کے نفاذ کی داعی ہے اور اس وقت علمائے ایران بھی اسلامی احکام کا نفاذ چاہتے ہیں مگر پہلوی حکومت ان پر مظالم کے پہاڑ توڑ رہی ہے چونکہ آپ کی حکومت اور علمائے ایران دونوں کا موقف یکساں ہے اسی لیے آپ کو علمائے ایران کی امداد کرنا چاہیے آپ تو خادم الحرمین کہلاتے ہیں اسی لیے کہ آپ ستم رسیدہ مسلمانوں کو اپنے ہاں پناہ دیں تاکہ وہ مظلوم یہاں رہ کر تمام عالم اسلام کو اپنی مظلومیت کی داستان سنا سکیں اور اگر آپ ایسا کریں گے تو آپ درحقیقت ”لِيشْهَدُوا مَنَافِعَ لَهُمْ“ کی آیت پر عمل پیرا ہوں گے۔

اس کے بعد میں نے علمائے قم کی تحریک کا تفصیلی تذکرہ کیا اور آخر میں ان سے اپنے ساتھی کی آزادی اور اپنے مطبوعہ مواد کی واپس کا مطالبہ کیا اور کافی دیر تک اس مسئلہ پر ہمارے مذاکرات جاری رہے۔ آخر کار ولی عہد نے ہمارا مطالبہ مان لیا اور ہمارے ساتھی کو آزاد کیا گیا اور ہمارا مطبوعہ مواد ہمارے سپرد کیا گیا ہے جسے ہم نے مناسک حج کی ادائیگی کے بعد حجاج کرام میں تقسیم کیا۔

قیام مکہ کے دوران ہندی مسجد میں مجھے مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا خطاب سننے کی دعوت دی گئی جسے میں نے بڑی فراخ دلی سے قبول کیا میں ان کے خطاب میں شریک ہوا۔ مولانا مودودی نے حیات اسلامیہ کے عنوان پر گفتگو کی انہوں نے فرمایا کہ اس کے لیے آٹھ نکات کی شدید ضرورت ہے۔ پھر انہوں نے مرحلہ وار تمام نکات کی وضاحت کی۔

ان کے خطاب کے بعد مجھے دعوت خطاب دی گئی تو میں نے اپنے خطاب میں کہا کہ مسلمانوں کی وحدت اور عظمت رفتہ کے حصول کے لئے تین نکات کی اشد ضرورت ہے جو یہ ہیں۔

- ۱۔ آج جب کہ بعثت پیغمبر کو چودہ صدیاں گزر چکی ہیں ہمیں اپنے اسلاف کی اندھی تقلید سے آزاد ہو کر کھلے دل و دماغ کے ساتھ شریعت اسلامیہ کے مصادر پر غور کرنا چاہئے اور درایت حدیث اور فقہ و سنت پر تحقیق کرنی چاہیے۔
- ۲۔ استعمار گروں نے اسلامی ممالک کو اپنے لیے نرم چارہ بنا لیا ہے۔ اسی لیے ہمیں مل کر اسلام کی آزادی بخش تحریکوں کا ساتھ دینا چاہیے۔ خواہ وہ تحریک فرانس کے خلاف الجزائر کی مسلمانوں کی ہو یا ہیل سلاسی کے خلاف اری ٹیریا کے مسلمانوں کی ہو یا امریکی غلام رضا پہلوی کے خلاف علمائے ایران کی تحریک ہو۔ بہر نوع ہمیں ان تمام آزادی بخش تحریکات کا ساتھ دینا چاہیے۔

اپنے خطاب میں میں نے علمائے ایران کی تحریک کا تفصیلی تذکرہ کیا۔
 ۳۔ اس دور میں ہمیں ابو ذرؓ، عمارؓ اور سمیہؓ کی طرح سے کامل الایمان اور اسخ
 العقیدہ ہونا چاہیے ہمیں مسلمانان مکہ کی سنت ادا کرتے ہوئے تمام تکالیف
 اور اذیتوں کو خندہ پیشانی سے برداشت کرنا چاہیے۔

میرے مذکورہ خطبات کی شہرت مدینہ یونیورسٹی کے وائس چانسلر شیخ عبدالعزیز
 بن باز تک پہنچی تو انہوں نے مجھے اور میرے وفد کو مدینہ یونیورسٹی آنے کی دعوت بھیج
 دی اور دعوت دیتے وقت ان کا خیال یہ تھا کہ میرا تعلق مکتب خلافت سے ہے۔

بہر نوع انہوں نے ہمارے لیے مدینہ یونیورسٹی کی گاڑیاں روانہ کیں جن
 پر ہم سوار ہو کر یونیورسٹی پہنچے اور یونیورسٹی کے اساتذہ و طلباء نے ہمارا شایان شان
 خیر مقدم کیا۔

یونیورسٹی کے کانفرنس ہال میں مجھے خطاب کرنا تھا جہاں علماء و طلباء بہت
 بڑی تعداد میں موجود تھے۔ چنانچہ میں نے اپنے خطاب میں حمد و ثنا کے بعد عراقی
 علماء کے وفد کی جانب سے مدینہ یونیورسٹی کے علماء کا شکریہ ادا کیا اور رسمی جملوں کے
 بعد میں نے کہا۔

اس شہر کی ایک اپنی تاریخ ہے۔ اسی شہر کو رسول خداؐ کے مقام ہجرت کا
 شرف حاصل ہے رسول خداؐ نے ہجرت کے بعد یہاں پہلا کام یہ کیا تھا کہ مہاجرین
 و انصار میں مواخات قائم کی تھی اور وہی مواخات ایک عظیم اسلامی مواخات کی بنیاد
 بن گئی اس وقت اس یونیورسٹی میں پچیس ممالک کے طلاب تعلیم حاصل کرتے ہیں
 اسی لیے آپ کو بھی یہاں سے مواخات کا سلسلہ شروع کرنا چاہیے اور یہ مواخات
 صرف طلاب تک ہی محدود نہیں ہونا چاہیے بلکہ تمام عالم اسلامی کے ساتھ ہونا چاہیے
 اور آج کے اس دور پر فتن میں ہمیں باہمی مودت و اخوت کی شدید ضرورت ہے

کیونکہ آج فرانس نے الجزائر پر قبضہ کر رکھا ہے اور ہیل سلاسی نے بھی اری ٹیریا کے مظلوم مسلمانوں پر تسلط قائم کیا ہوا ہے اور آج ایران کے علمائے کرام اور مسلمان پہلوی حکومت کے ظلم و تشدد کا نشانہ بنے ہوئے ہیں۔ آج ایران پر استعمار کا ایک گماشتہ حکمران ہے جب کہ قم کے علماء اپنے ملک کو اغیار کی غلامی سے آزاد کرانا چاہتے ہیں اور وہ اسلامی قوانین کا عملی نفاذ چاہتے ہیں۔

پھر میں نے اپنے خطاب میں مسلمانوں کی تفریق کے نقصانات کا تفصیلی تذکرہ کیا اور اتحاد بین المسلمین پر کافی زور دیا۔

میری تقریر کے اختتام پر ہمارے میزبان شیخ بن باز شیخ پر آئے اور انہیں میری تقریر سے معلوم ہو چکا تھا کہ میرا تعلق مکتب امامت سے ہے۔ بہر نوع وہ شیخ پر آئے۔ وہ آنکھوں سے ناپینا تھے۔ انہوں نے پہلے تو کھڑا کر اپنا گلا صاف کیا پھر انہوں نے کہا:

”تم لوگ مشرک ہو۔ تم پہلے مسلمان بنو پھر دوسرے مسلمانوں سے اتحاد کا مطالبہ کرو۔“

اس متعصب شیخ کی بات سن کر میرا لہو کھول اٹھا۔ میں نے اس سے ایک طویل بحث کی جس کے بیان کرنے کی یہاں ضرورت نہیں ہے۔ پہلے سفر حج کے موقع پر ایک ملا ناٹپ شخص کا میں نے نظریہ سنا تھا مگر میں یہ سوچ کر خاموش رہا کہ وہ ایک غیر ذمہ دار شخص ہے مگر جب میں نے ایک ذمہ دار شخص کے منہ سے یہ جملے سنے تو مجھے یقین ہو گیا کہ جب تک عالم اسلام میں اس طرح کے شیوخ موجود ہیں گے تو مسلمان کبھی بھی اتحاد کی دولت سے مالا مال نہیں ہوں گے۔^(۱)

میں نے سفر حج میں مکہ و مدینہ کے علماء سے ملاقاتیں کیں اور مسجد حیف میں علماء سے میرے طویل مذاکرات ہوئے اور رابطہ عالم اسلامی مکہ کے اجلاسوں

۱۔ ایسے ہی شیوخ حرم کے لیے علامہ اقبال نے کہا تھا:

یہی شیخ حرم ہے جو چرا کر بیچ کھاتا ہے گلیم بوذرو دلق اولیس و چادر زہرا (دہلی)

میں بھی میں نے شرکت کی اور علمائے جامعہ ازہر سے بھی ہماری بہت سی ملاقاتیں ہوئیں۔ علاوہ ازیں لبنان، خلیج، ہندو پاک اور کشمیر کے علماء سے بھی ہماری ملاقات ہوئی مگر ان ملاقاتوں میں سے بعض ملاقاتوں میں مجھے ناگوار باتیں سننا پڑیں اور اپنے آپ کو علماء کہلانے والے افراد کے منہ سے مجھے تعصب کی ناگوار بو محسوس ہوئی۔

ان تمام تر ملاقاتوں کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ جب تک فریقین کے نکتہ نظر سے پوری آگاہی نہ ہو اس وقت تک اتحاد کی کوئی بھی مخلصانہ کوشش ثمر آور نہیں ہو سکتی۔ اسی لیے ہم اس کتاب میں پہلے فریقین کے علیحدہ علیحدہ نظریات کا تقابلی مطالعہ پیش کریں گے۔ پھر ہم خدا کی عطا کردہ قوت سے ان اختلافی مسائل کا حل بھی بیان کریں گے اختلافی مسائل میں سے ہم بعض صفات الہیہ سے اپنی بحث کا آغاز کرتے ہیں۔



۳۔ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات اور

ان میں اختلافات کا سرچشمہ

مسلمانوں میں سے کچھ مسلمان ایسے ہیں جن کا خیال ہے:

اللہ نے آدم کو اپنی صورت پر پیدا کیا۔^(۱) اور اللہ کی انگلیاں^(۲)، پنڈلی^(۳) اور قدم ہیں اور مزید برآں یہ کہ اللہ قیامت کے دن اپنا قدم دوزخ میں رکھے گا تو وہ کہے گی بس بس۔^(۴)

۱۔ صحیح البخاری کتاب الاستئذان باب بدء السلام۔

صحیح مسلم کتاب الجنة وصفة نعيمها، باب يدخل الجنة اقوام افندتهم مثل افئدة الطير حديث ۲۸، کتاب البر، باب النهی عن ضرب الوجه حديث ۱۱۵ مسند احمد بن حنبل ۲/۲۳۳، ۲۵۱، ۳۲۳، ۳۶۵، ۴۲۳، ۴۶۲، ۵۶۹۔

۲۔ صحیح البخاری تفسیر سورة الزمر ۲/۱۲۲۔ کتاب التوحيد باب قول الله لما خلقت بيد ۱۸۶/۳۔ باب ”وجوه يومئذ ناضرة“۔

صحیح مسلم کتاب صفة القيامة والجنة والنار حديث ۱۹، ۲۱، ۲۲۔

۳۔ صحیح البخاری تفسیر قوله تعالى ”يوم يكشف عن ساق“ من سورة نون والقلم آیت ۳۳ کتاب التوحيد باب قوله تعالى ”وجوه يومئذ ناضرة“ ۱۸۹/۳۔

۴۔ صحیح البخاری تفسیر سورة ق، کتاب التوحيد باب ”ان رحمة الله قريب من المحسنين“ ۱۹۱/۳۔

ترمذی کتاب صفة الجنة باب ما جاء في ظلواهل الجنة واهل النار۔

صحیح مسلم کتاب الجنة وصفة نعيمها واهلها، باب النار يد لها الجبارون والجنة يدخلها الضعفاء حديث ۳۵، ۳۶، ۳۷، ۳۸۔

علاوہ ازیں خدا کے لیے ایک مکان بھی ہے اور وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ منتقل ہوتا رہتا ہے۔ اس نظریہ کے لوگ ایک حدیث بھی بیان کرتے ہیں کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

كان ربنا قبل ان يخلق خلقه في عماء. اى ليس معه شئ. ماتحتہ هواء وما فوقہ هواء وماثم خلق عرشه على الماء. (۱)

”ہمارا رب مخلوق پیدا کرنے سے قبل بالکل یکہ و تنہا تھا یعنی اس کے ساتھ کوئی چیز نہ تھی۔ اس کے نیچے ہوا تھی اور اس کے اوپر بھی ہوا تھی۔ پھر بعد میں اس نے پانی پر اپنا عرش پیدا کیا۔“ اس نظریہ کے قائل افراد نبی کریمؐ سے ایک اور حدیث نقل کرتے ہیں کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

ان عرشه على سماواته كهكذا. وقال باصابه مثل القبة عليه. وانه ليئط به اطييط الرحل بالراكب. (۲)

”اللہ کا عرش اس کے آسمانوں کے اوپر ہے پھر آپ نے اپنی انگلیوں سے ایک قبہ بنا کر دکھایا اور اللہ کے وزن کی وجہ سے

۱۔ سنن ابن ماجہ المقدمہ باب فی ما انکرت الجھمیۃ حدیث ۱۸۲۔

سنن الترمذی تفسیر سورہ ہود حدیث اول۔ مسند احمد بن حنبل ۱۱/۳۱۔

۲۔ سنن ابی داؤد کتاب التہجد باب فی الجھمیۃ حدیث ۴۲۶۔

سنن ابن ماجہ المقدمہ۔ باب فی ما انکرت الجھمیۃ۔ سنن دارمی کتاب الدقائق، باب فی شان المساجد ونزول الرب تعالیٰ۔

مزید حوالہ جات کے لیے محمد بن عبد الوہاب کی کتاب التوحید اور ابن تیمیہ کی منہاج السنۃ کا مطالعہ فرمائیں۔

اس سے چرچراہٹ کی آوازیں بلند ہوتی ہیں جیسا کہ سوار کی وجہ سے کجاوے سے چرچراہٹ کی آواز آتی ہے۔“
رسول خدا کی ایک حدیث میں یہ الفاظ وارد ہیں:

ينزل الله في اخر الليل الى سماء الدنيا فيقول: من يسألني فاستجب له ومن يسألني فاعطيه؟^(۱)

”اللہ تعالیٰ رات کے آخری حصے میں آسمان دنیا پر اترتا ہے اور کہتا ہے کہ ہے کوئی سوال کرنے والا کہ میں جس کی دعا قبول کروں اور ہے کوئی سوال کرنے والا جسے میں عطا کروں؟“
آنحضرتؐ نے فرمایا:

ينزل في ليلة النصف من شعبان الى سماء الدنيا فيغفر.....^(۲)

”اللہ تعالیٰ نیم شعبان کی شب آسمان دنیا پر اتر آتا ہے اور معاف کرتا ہے.....“

اسی نظریہ کے قائل حضرات نے رسول خدا کی ایک حدیث لکھی ہے۔
يقال لجهنم هل امتأت و تقول هل من مزيد؟ فيضع
الرب تبارك و تعالیٰ قدمه عليها فتقول قط قط.

۱- صحیح البخاری۔ کتاب التَّحِييدُ باب الدعاء والصلاة في آخر الليل وكتاب التوحيد باب قوله تعالى: يريدون ان يبذلوا كلام الله، كتاب الدعوات، باب الدعاء نصف الليل صحیح مسلم، کتاب الدعاء باب الترغيب في الدعاء والذکر في آخر الليل. علاوہ ازیں یہ حدیث سنن ترمذی اور سنن ابن ماجہ اور سنن دارمی اور مؤطا امام مالک اور مسند احمد بن حنبل میں متعدد مقامات پر مرقوم ہے۔

۲- سنن ترمذی، ابواب الصوم، باب ماجاء في ليلة النصف من شعبان سنن ابن ماجہ کتاب اقامة الصلاة، باب ماجاء في ليلة النصف من شعبان مسند احمد بن حنبل ۱۲/۳۳۳

دوسری روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

فاما النار فلا تمتلى حتى يضع رجله فتقول قط قط

فهنالك تمتلى، ويزوى بعضها إلى بعض^(۱)

”یعنی قیامت کے دن دوزخ سے کہا جائے گا کہ کیا تو بھر چکی

ہے تو وہ کہے گی کیا کچھ اور بھی ہے؟ اللہ تعالیٰ اپنا قدم دوزخ پر

رکھے گا تو وہ کہے گی بس بس۔“

۲۔ ”دوزخ اس وقت تک نہ بھرنے پائے گی جب تک اللہ اس پر اپنا

قدم نہ رکھے گا اور جب وہ قدم رکھے گا تو وہ کہے گی بس بس۔“

خدا کا دیدار

اس نظریہ کے قائل افراد نے روایت کی ہے کہ آنحضرت قیامت کے دن

اپنے رب کو دیکھیں گے، چنانچہ روایت ملاحظہ ہو۔

قیامت کے دن جب انبیاء شفاعت سے انکار کر دیں گے تو مومن میرے

پاس آئیں گے۔ میں شفاعت کے لیے جاؤں گا اور اپنے رب سے اجازت طلب

کروں گا مجھے اجازت دے دی جائے گی ”فاذا رأیت ربی وقعت ساجدا“ جب

میں اپنے رب کو دیکھوں گا تو میں سجدہ میں گر جاؤں گا..... میں شفاعت کروں گا.....

پھر دوبارہ جاؤں گا اور جب اپنے پروردگار کو دیکھوں گا تو سجدہ میں گر جاؤں گا۔^(۲)

۱۔ یہ دونوں روایات ابو ہریرہ سے مروی ہیں۔ امام بخاری نے صحیح بخاری میں کتار

التفسیر میں سورہ ق کے ضمن اسے لکھا ۱۲۸/۳۔ علاوہ ازیں باب ”وجوه يومئذ ناضرة“ کتار

التوحید ۱۹۱/۳ میں یہ روایت انس بن مالک سے بھی مروی ہے۔

سنن ترمذی کتاب الجنة باب ماجاء فی خلود اهل الجنة واهل النار. ۱۶/۱۰

مسند احمد بن حنبل ۳۹۶/۲

۲۔ صحیح بخاری کتاب التوحید باب قول اللہ ”لما خلقت بیدی“ ۱۸۵/۳۔

آنحضرتؐ سے اس سلسلہ کی ایک اور حدیث ہے:
 ان الله تبارك و تعالیٰ ينزل يوم القيامة الى العباد
 ليقضى بينهم. (۲)
 ”اللہ تعالیٰ قیامت کے روز بندوں کے پاس فیصلہ کرنے کے
 لیے اترے گا۔“

ایک اور حدیث میں ہے:

انکم سترون ربکم عيانا..... (۳)
 ”تم اپنی آنکھوں سے کھلم کھلا اپنے رب کو دیکھو گے۔“
 ان المسلمین یرون ربهم يوم القيامة كما یرون
 القمر لا یضامون فی رویتہ. (۴)
 ”مسلمان قیامت کے دن اپنے رب کو ایسے ہی دیکھیں گے
 جیسا کہ وہ چاند کو دیکھتے ہیں اور اس کی رویت میں کوئی شک
 نہیں کریں گے۔“
 اور اس دن اللہ تعالیٰ فرمائے گا۔

من كان یعبد شیئاً فلیتبع. فمنهم من یتبع الشمس و
 منهم من یتبع القمر و منهم من یتبع الطواغیت. و

۲- سنن ترمذی، کتاب الزہد، باب ماجاء فی الریاء والسمجة ۲۴۹/۹۔

۳- صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ ”وجوه یومئذ ناضرة“ ۱۸۸/۳۔

۴- صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ تعالیٰ ”وجوه یومئذ ناضرة“، کتاب الصلاة
 باب فضل صلاة العصر و باب وقت العشاء الی نصف اللیل. کتاب التفسیر، باب سورہ ق۔ صحیح
 مسلم، کتاب الصلاة، باب فضل صلاتی الصبح والعصر والمحافظة علیهما۔ ترمذی، کتاب صفة
 الجنة، باب ماجاء فی روية الرب ۱۰-۱۸-۲۰۔

تبقى هذه الامة فيها منافقوها فيأتيهم الله في غير الصورة التي يعرفون فيقول انا ربكم فيقولون نعوذ بالله منك هذا مكاننا حتى ياتينا ربنا فاذا اتانا ربنا عرفناه فيأتيهم الله في الصورة التي يعرفون فيقول انا ربكم فيقولون: انت ربنا فيتبعونه (1)

”جو کوئی کسی کی عبادت کرتا تھا وہ اس کی پیروی کرے۔ لہذا کچھ لوگ ایسے ہوں گے جو سورج کی پیروی کریں گے اور کچھ لوگ چاند کی پیروی کریں گے اور کچھ لوگ طاغوتی طاقتوں کی پیروی کریں گے اور یہ امت عرصہ محشر میں کھڑی رہے گی اور اس میں منافق بھی ہوں گے۔ اس وقت اللہ تعالیٰ ایک ایسی صورت میں آئے گا جسے وہ نہیں پہچانتے ہوں گے۔ ہم اپنے رب کے آنے تک یہاں ٹھہرے رہیں گے۔ جب ہمارا رب ہمارے پاس آئے گا تو ہم اسے پہچان لیں گے۔ پھر اللہ تعالیٰ ان کے پاس اس صورت میں آئے گا جسے وہ پہچانتے ہوں گے اور وہ کہے گا میں تمہارا رب ہوں۔ پھر وہ کہیں گے تو ہمارا رب ہے پھر وہ اس کے پیچھے چلیں گے۔“

ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

حتى اذا لم يبق الا من كان يعبد الله من برو فاجر اتاهم رب العالمين في ادنى صورة من التي راوه فيها فيقال: ماذا تنتظرون؟ تتبع كل امة ما كانت

۱۔ صحیح مسلم کتاب الایمان باب معرفۃ طریق الرویۃ۔ صحیح بخاری کتاب التوحید باب قول

اللہ تعالیٰ ”وجوه يومئذ ناضرة“ ۱۸۸/۳۔ تفسیر سورہ ق۔

تعبداً قالوا..... نحن ننتظر ربنا الذى نعبده. فيقول انا ربكم فيقولون: لا نشرك بالله شيئاً مرتين او ثلاثاً..... فيقول هل بينكم وبينه علامة فتعرفونه بها؟ فيقولون: الساق. فيكشف عن ساق (ثم يسجدون) ثم يرفعون رؤوسهم و قد تحول فى صورته التى رآوه فيها اول مرة فقال انا ربكم فيقولون انت ربنا. (۱)

قیامت کے دن آخر کار ایک ایسا وقت آئے گا جب عرصہ محشر میں صرف وہی لوگ باقی رہ جائیں گے جو خدا کی عبادت کرتے ہوں گے اور ان میں نیک و بد ہر طرح کے انسان شامل ہوں گے۔ اس وقت ان کے پاس رب العالمین ایک ایسی صورت میں آئے گا جو اس صورت کے قریب ہوگی جس میں وہ خدا کو دیکھ چکے ہوں گے ان سے کہا جائے گا تم لوگ کس کا انتظار کر رہے ہو؟

لوگ کہیں گے..... ہم اپنے معبود رب کا انتظار کر رہے ہیں۔ وہ کہے گا میں ہی تمہارا رب ہوں۔ لوگ کہیں گے۔ ہم خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرتے اور وہ یہ جملہ دو تین مرتبہ دہرائیں گے..... اس وقت خدا کہے گا۔ کیا تمہارے اور اس کے درمیان کوئی علامت بھی ہے جس سے تم اسے پہچان سکو؟

وہ کہیں گے۔ جی ہاں پنڈلی علامت ہے۔ پھر اس وقت پنڈلی کھول دی جائے گی (پھر لوگ اس پنڈلی کو دیکھ کر سجدہ کریں گے) اور جب سجدہ سے سر اٹھائیں گے تو دیکھیں گے کہ خدا نے وہ شکل و صورت اختیار کر لی ہوگی جو انہوں

۱۔ صحیح مسلم کتاب الایمان باب معرفۃ طریق الرؤیۃ حدیث ۲۲۹۔ صحیح بخاری تفسیر سورہ نساء باب قولہ "ان اللہ یظلم منقال ذرة" ۸۰/۳ کتاب التوحید: صحیح بخاری در تفسیر "وجوه یومئذ ناظرة" ۱۸۹/۴۔

نے پہلے دیکھی ہوگی۔^(۱)

اور وہ کہے گا میں تمہارا رب ہوں۔ لوگ کہیں گے جی ہاں تو ہمارا رب ہے۔

جنت میں دیدار الہی

اس سلسلہ میں یہ روایت وارد ہے:

ما بینہم وما بین ان ینظروا الی ربہم الارداء الکبیر

علی وجہہ فی جنة عدن. ^(۲)

”ان کے اور خدا کے دیدار کے درمیان جنت عدن میں صرف

خدا کے چہرے پر پڑی ہوئی ردائے کبریائی حائل ہوگی۔“

صحیح مسلم کتاب الایمان باب اثبات رویة المومنین فی الآخرة ربہم

کی حدیث ۲۹۷ میں مذکور ہے:

وان اهل الجنة اذا دخلوها يقول الله تبارک و تعالیٰ

تریدون شیئا ازیدکم؟ فیقولون: الم تبيض وجوهنا؟

الم تدخلنا الجنة و تنجنا من النار؟ فیکشف

الحجاب فما اعطوا شیئا احب الیهم من النظر الی

ربہم عز و جل.

اہل جنت جب جنت میں داخل ہو جائیں گے تو اللہ تعالیٰ ان

سے کہے گا:

۱۔ اگر خدا کو دیکھنے والے حضرات خدا کی شکل و صورت بیان فرما دیں تو ان کا انسانیت

پر عظیم احسان ہوگا۔

۲۔ صحیح بخاری، کتاب التوحید باب قول اللہ ”وجوه یومئذ ناضرة“ ۱۹۱/۳۔ صحیح مسلم کتاب

الایمان باب اثبات رویة المومنین فی الآخرة ربہم حدیث۔ ۲۹۶

کیا تمہیں ان نعمات کے علاوہ بھی کسی چیز کی ضرورت ہے جس کا میں تم پر اضافہ کروں؟ اہل جنت کہیں گے کیا تو نے ہمارے چہرے نورانی نہیں بنائے اور کیا تو نے ہمیں جنت میں داخل نہیں کیا اور کیا تو نے ہمیں دوزخ سے نجات نہیں دی (تو اس کے بعد ہمیں اور بھلا کیا چاہیے) تو اس وقت حجاب ہٹا دیا جائے گا تو اہل جنت کو خدا کا دیدار تمام نعمات جنت سے بہتر معلوم ہوگا۔

رسول خدا نے فرمایا:

بينا اهل الجنة فى نعيمهم (اذ) سَطَعَ لَهُمْ نُوْرٌ فَرَفَعُوْا رُؤُسَهُمْ (فاذ) الرب قد اشرف عليهم من فوقهم فقال اسلام عليكم يا اهل الجنة! قال: وذلك قول الله "سلام قولاً من رب رحيم" قال: فينظر اليهم و ينظرون اليه فلا يلتفتون الى شئ من النعيم؛ ماداموا ينظرون اليه حتى يحتجب عنهم و يبقى نوره و بركته. ^(۱)

”اہل جنت اپنی نعمات میں مستغرق ہوں گے کہ ایک نور چمکے گا وہ اپنے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھیں گے تو خدا اوپر سے جھانک رہا ہوگا اور کہے گا: السلام علیکم یا اہل الجنة۔ یہی قرآن مجید کی آیت ”سَلَامٌ قَوْلًا مِنْ رَبِّ رَحِيمٍ“ کا مقصود ہے۔ آنحضرتؐ نے فرمایا۔ خدا ان کی طرف دیکھے گا اور وہ خدا کی طرف دیکھیں گے اور دیدار کے وقت وہ کسی بھی نعمت کی طرف

متوجہ نہیں ہوں گے۔ پھر حجاب حائل ہوگا مگر دیدار کا نور اور اس کی برکت باقی رہ جائے گی۔

ایک اور حدیث میں ہے:

اکرمهم علی اللہ من ينظر الی وجهه غدوة و عشيا
ثم قرأ رسول اللہ. (ص) وجوه یومئذ ناضرة الی
ربها ناظرة. (۱)

”اہل جنت میں سے جو خدا کے ہاں زیادہ مکرم ہوں گے وہ صبح و شام خدا کے چہرے کا دیدار کریں گے۔ پھر آپؐ نے ”وجوہ یومئذ ناضرة“..... کی آیت تلاوت فرمائی“

ایک اور حدیث میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا:

ان اهل الجنة يزورون الله عز و جل و يبزر لهم
عرشه و يتبدى لهم فی روضة من رياض الجنة و
لا يبقى فی ذلك المجلس احد الا حاضره الله عز و
جل محاضرة حتى انه يقول للرجل منكم الاتذکریا
فلان یوم عملت کذا و کذا؟ فيقول: یا رب افلم
تغفرلی؟ فيقول: بلی..... ثم ننصرف الی منازلنا
فتلقانا ازواجنا فيقلن. اهلاً ومرحباً لقد جئت وَاِنَّ
بک من الجمال والنور والطیب أفضل مما فارقتنا
عليه فنقول: انا جالسنا الیوم ربنا عز و جل و یحقنا
ان نقلب بمثل ما انقلبنا. (۲)

اہل جنت خدا کی زیارت کریں گے اور اللہ اپنا عرش ان کے

۱- سنن ترمذی کتاب صفة الجنة باب رؤية الرب ۱۸/۱۰-۱۹۔

۲- سنن ابن ماجہ کتاب الزهد باب صفة اهل الجنة حدیث ۴۳۳۶ ص ۱۴۵۱۔

۱۳۵۲- سنن ترمذی ابواب صفة الجنة. باب ماجاء فی سوق الجنة. ۱۰-۱۶/۱۷۔

سامنے کرے گا اور باغات جنت کے ایک باغ میں ان کے لیے ایک مجلس تشکیل دے گا۔ اس مجلس میں ہر شخص سے اللہ تعالیٰ باتیں کرے گا۔“

یہاں تک کہ وہ تم میں سے ایک شخص سے کہے گا کہ اے فلاں! کیا تجھے وہ دن یاد ہے جب تو نے فلاں فلاں کام کیا تھا؟ وہ شخص کہے گا: پروردگار تو کیا تو نے مجھے اس کی معافی نہیں دی ہے؟ خدا فرمائے گا: جی ہاں..... پھر ہم اپنے گھروں کو واپس جائیں گے تو ہماری بیویاں ہمارا استقبال کریں گی اور کہیں گی۔ خوش آمدید! آج تو تم بہت ساجسن اور خوشبو لے کر آئے ہو تو ہم ان سے کہیں گے آج ہم اللہ کے پاس بیٹھے رہے اور ہمارا حق بنتا ہے کہ ہم یہ حسن و خوشبو لے کر آئیں۔

خدا کی جسمانییت صرف انہی روایات پر ہم قناعت کر رہے ہیں کیونکہ ہمارا مقصد چند مثالیں پیش کرنا ہے۔ اس مضمون کی تمام روایات پیش کرنا مقصود نہیں ہے۔ ورنہ اس موضوع کے متعلق مکتب خلافت کی کتب حدیث میں بہت خوبادہ روایات موجود ہیں۔ اگر ہم تمام روایات کو جمع کریں تو ایک ضخیم کتاب بن جائے گی۔ مکتب خلافت سے وابستہ افراد ان روایات کی تاویل کو بھی جرم سمجھتے ہیں اور اس کے ظاہری الفاظ کے معانی کو ہی ترجیح دیتے ہیں اور ان احادیث کے ظاہری الفاظ و معانی پر مکمل ایمان رکھتے ہیں اور اسے ایمان باللہ کا ایک حصہ قرار دیتے ہیں اور ان نظریات کے قبول کرنے کو عقیدہ توحید کا لازمی حصہ تصور کرتے ہیں۔ اور جن صاحبان فکر نے ان روایات کی تاویل کی ہے انہیں ”معتلہ الصفات“ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔

مکتب خلافت سے وابستہ افراد میں سے بہت سے علماء نے اس موضوع پر

مکمل کتابیں تالیف کی ہیں۔ مثلاً ابن خزیمہ نے جسمائیت خداوندی کے اثبات کے لیے ایک کتاب لکھی جس کا نام ”التوحید و صفات الرب عز و جل“ ہے۔

اور اس کتاب کے چند ابواب کی فہرست کچھ اس طرح سے ہے۔

اثبات النفس لله خدا کے لیے سانس کا اثبات

اثبات الوجه لله خدا کے لیے چہرے کا اثبات

باب ذکر صورة ربنا ہمارے رب کی شکل و صورت کا باب

باب ذکر اثبات العين لله خدا کے لیے آنکھ کا اثبات

باب اثبات السماع والرؤية لله خدا کے کان ثابت کرنے

اور اسے دیکھنے کا باب

باب ذکر اثبات اليد للخالق الباری خدا کے لیے ہاتھ کا اثبات

باب اثبات الرجل لله تعالیٰ خدا کے لیے پاؤں کا اثبات

باب ان الله ينظر اليه جميع المومنين تمام مومنین خدا کو دیکھیں گے

باب ذكر البيان ان جميع المومنين يرون الله يوم القيامة فحليابه.

تمام مومن قیامت کے دن اللہ کو خلوت میں دیکھیں گے۔

۲۔ امام حافظ عثمان بن سعید دارمی المتوفی ۲۸۰ھ نے ایک کتاب لکھی جس کا

نام الرد على الجهمية ہے اور اس کے ابواب کے عنوان سب ذیل

ہیں۔

باب استواء الرب على العرش وارتفاعه الى السماء

و بينو نته من الخلق.

خدا کے عرش پر بیٹھنے اور آسمان پر بلند ہونے اور مخلوق سے جدا ہونے کا باب

باب النزول ليلة النصف من شعبان.

شعبان کی رات خدا کے اترنے کا باب

باب النزول يوم عرفة روز عرفہ خدا کے اترنے کا باب

باب نزول الرب يوم القيامة للحساب

روز قیامت حساب کے لیے رب کے اترنے کا باب

باب نزول اللہ لاهل الجنة اہل جنت کے لیے خدا کے اترنے کا باب

باب الرؤیة خدا دکھائی دے گا اس کے اثبات کا باب

۳۔ ذہبی نے اسی عقیدہ کے اثبات کے لیے ایک کتاب لکھی جس کا نام

”العلو العال للعلی الغفار“ ہے اور اس نے جسمانییت خداوندی کے

اثبات کے لیے آیات و احادیث اور صحابہ و تابعین، علماء و محدثین کے اقوال بیان

کیے ہیں۔^(۱)



۱۔ ابن خزعمہ حافظ کبیر امام الائمہ تھے ان کا نام محمد بن اسحاق بن خزیمہ تھا۔ ۳۱ھ میں ان کی وفات ہوئی وہ علم حدیث میں امام بخاری اور امام مسلم کے استاد تھے۔ ان کی کتاب ۱۳۷۸ھ میں قاہرہ سے شائع ہوئی۔

امام ذہبی مشہور حافظ حدیث تھے ان کا نام حافظ شمس الدین محمد بن احمد بن عثمان بن قایماز الذہبی تھا۔ اور انہوں نے ۷۲۸ھ میں وفات پائی۔ اور ان کی کتاب کا موجودہ نسخہ مدینہ منورہ سے مکتبہ سلفیہ کے تعاون سے ۱۳۸۸ھ میں شائع ہوا۔

صفاتِ الہی کے متعلق مکتب امامت کا نظریہ

صفاتِ الہی کے متعلق آپ نے مکتب خلافت کے نظریات کا مطالعہ کیا اور اس کے برعکس مکتب امامت اس نظریہ کا قائل نہیں ہے اور وہ خدا کو جسم و جسمانیات سے پاک و منزہ جانتے ہیں اور وہ اللہ تعالیٰ کو ان تمام صفات سے مبرا و منزہ تسلیم کرتے ہیں جن کا تعلق جسم و جسمانیات سے ہے اور مکتب امامت کا نظریہ یہ ہے کہ خدا غیر مرئی ہے یعنی دنیا و آخرت میں خدا کا دیکھنا ناممکن ہے کیونکہ رویت کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ دیکھی جانے والی چیز ایک سمت میں موجود ہو۔ جب اللہ ایک سمت میں محدود ہی نہیں ہے تو اس کو دیکھنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

مکتب امامت خدا کو غیر مرئی تصور کرتا ہے اور اس سلسلہ میں وہ قرآن مجید کی اس آیت سے استدلال کرتا ہے۔

لَا تُدْرِكُهُ الْأَبْصَارُ وَهُوَ يُدْرِكُ الْأَبْصَارَ..... (الانعام: ۱۰۳)

”آنکھیں اس کا ادراک نہیں کر سکتیں جب کہ وہ آنکھوں کا ادراک کرتا ہے“

مکتب خلافت خدا کی رویت کا دعویدار ہے اور وہ اس کے لیے ”وَجُوهٌ يُّؤَمِّنُونَ نَاصِرَةٌ إِلَىٰ رَبِّهَا نَاطِرَةٌ“ کی آیت مجیدہ پیش کرتا ہے اور مکتب خلافت کے پیروکار کہتے ہیں کہ اس آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے۔ اس دن چہرے تر و تازہ ہوں گے اور اپنے رب کی طرف دیکھ رہے ہوں

گے۔ اس آیت مجیدہ کے متعلق مکتب امامت سے وابستہ علماء یہ جواب دیتے ہیں کہ عربی زبان کا اصول ہے کہ بعض اوقات مضاف حذف کر دیا جاتا ہے جب کہ معنی و مفہوم میں مضاف باقی ہوتا ہے جس طرح سے قرآن مجید میں برادران یوسف کا وہ قول موجود ہے جو انہوں نے اپنی صفائی کے متعلق اپنے والد سے کہا تھا۔

”وَاسْتَلِ الْقُرْبَىٰ الَّتِي كُنَّا فِيهَا“ آپ اس بستی سے پوچھیں جہاں ہم موجود تھے۔ مقصد یہ نہیں کہ بستی کی دیواروں سے پوچھیں بلکہ مقصد کلام یہ ہے کہ آپ اہل بستی سے دریافت کریں تو ہماری صداقت ظاہر ہو جائے گی۔ جس طرح سے اس آیت میں لفظ ”اہل“ مضاف محذوف ہے۔ اسی طرح سے ”إِلَىٰ رَبِّهَا نَاطِرَةٌ“ کی آیت مجیدہ میں لفظ ”امر“ مضاف محذوف ہے اور اس صورت میں آیت مجیدہ کا مفہوم یہ ہے کہ اس دن چہرے تر و تازہ ہوں گے اور اپنے رب کے امر کے منتظر ہوں گے۔

مکتب امامت میں ان تمام آیات کی تاویل کی جاتی ہے جن سے جسم و جسمائیت کا ترشح ہوتا ہے۔

اور مکتب امامت سے وابستہ افراد جسم و جسمائیات کے قائل افراد کو فرقہ مجسمہ اور فرقہ مشبہ کے نام سے یاد کرتے ہیں کیونکہ مذکورہ نظریہ کے افراد اللہ تعالیٰ کی تشبیہ مخلوقات سے دیتے ہیں اور جسم قرار دیتے ہیں۔ امام جعفر صادق علیہ السلام نے فرمایا:

من زعم ان الله فوق العرش فقد صير الله محمولا و
لزمه ان الشيء الذي يحمله اقوى منه ومن زعم ان
الله في شيء او على شيء او يخلو منه شيء او يشغل به
شيء فقد و صفه بصفة المخلوقين والله خالق كل
شيء لا يقاس بالقياس ولا يشبه بالناس لا يخلو منه

مکان ولا يشتغل به مکان. (۱)

جس نے یہ گمان کیا کہ اللہ عرش پر ہے تو اس نے اللہ کو اٹھایا جانے والا قرار دیا جب کہ اٹھانے والی چیز اٹھائی جانے والی چیز سے زیادہ قوت والی ہوتی ہے۔ اور جس نے یہ گمان کیا کہ اللہ کسی چیز میں ہے یا کسی چیز کے اوپر ہے یا اس سے کوئی چیز خالی ہے یا اس سے کوئی چیز مشغولی ہے تو اس نے خدا کو مخلوقات کی صفات سے موصوف کیا جب کہ اللہ تمام اشیاء کا پیدا کرنے والا ہے۔ اس کا قیاس کسی چیز سے نہیں کیا جاسکتا اور لوگوں کے ساتھ اس کی تشبیہ نہیں دی جاسکتی۔ کوئی جگہ اس سے خالی نہیں اور کوئی مکان اس کا متضمن نہیں ہے۔

حضرت علیؑ کا فرمان

مکتب امامت سے وابستہ علماء اس سلسلہ میں حضرت علیؑ کے اس فرمان سے استدلال کرتے ہیں۔ آپ نے فرمایا:

ان الله ينزل ولا يحتاج ان ينزل وانما يقول
ذلك من ينسبه الى نقص وزيادة وكل متحرك
يحتاج الى من يحركه او يتحرك به فاحذروا في
صفاته من ان تقضوا له على حد تحدونه بنقص او
زيادة او تحريك اور تحرك او زوال

۱۔ الکافی جلد اول، کتاب التوحید باب العرش والكرسى حدیث ۷ باب الحركة
والانتقال حدیث ۳-۹۔ توحید شیخ صدوق، باب نفی المكان والزمان و الحركة عنه تعالیٰ
حدیث ۹-۱۰-۱۲ باب "وكان عرشه على الماء" حدیث ۱۱۔ باب معنی "الرحمن على
العرش اس-برئ" حدیث ۵-۶-۷-۸۔ بحار الانوار علامہ مجلسی طبع جدید کتاب التوحید باب نفی
الجسم والصورة والتشبيه والحلول والاتحاد حدیث ۲۳-۲۴/۸۷۔

اواستنزال اونھوض اوقعود. (۱)

”اللہ سبحانہ اترتا نہیں اور نہ ہی اسے اترنے کی ضرورت ہے اور اترنے کی باتیں صرف وہ شخص کر سکتا ہے جو خدا کی طرف نقص و زیادتی کو منسوب کرے۔ اور ہر حرکت کرنے والے کو کسی حرکت دینے والے کی ضرورت ہوتی ہے یا کم از کم اسے ایسے اعضاء کی ضرورت ہوتی ہے کہ جن سے وہ حرکت کر سکے۔ خبردار خدا کی صفات کے سلسلہ میں اس بات سے پرہیز کرو کہ تم اس کی کوئی ایسی حد مقرر کر دو جس سے اس کی ذات میں نقص یا زیادتی یا تحریک یا تحرک یا زوال یا اترنے کی خواہش یا اٹھنا یا بیٹھنا لازم آتا ہو۔“

اس سلسلہ میں امام علی رضا علیہ السلام کی یہ گفتگو انتہائی فیصلہ کن ہے:

وقال الراوی للامام علی بن موسی الرضا.

انا روينا من اللہ عزوجل قسم لموسی الکلام و

لمحمد الرؤیة. فقال ابو الحسن الرضا فمن المبلغ

عن اللہ عزوجل الی الثقلین الجن والانس:

”لا تدركه الابصار وهو يدرك الابصار“ و ”ولا

يحيطون به علما“ و ”ليس كمثلہ شی“ ایس محمد

(ص) قابل بلی. قال: فكيف يجیبی رجل الی الخلق

جمیعا فیخبرهم انه جاء من عند اللہ وانه یدعوهم

الی اللہ بامر اللہ و یقول ”لا تدركه الابصار“

الایات، ثم یقول: انا رأیتہ بعینی و احطت به علما و

۱- الکافی، کتاب التوحید باب الحریکة والانتقال حدیث ۱- توحید عددوق باب نفی المكان

والزمان والحركة عنه تعالیٰ حدیث ۱۸- بحار الانوار مجلسی، کتاب التوحید باب نفی الزمان

والمكان والحركة والانتقال عنه تعالیٰ حدیث ۲۵/۳-۳۱۱

هو على صورة البشر؟ اما تستحون؟ ما قدرت الزنادقة ان ترميه بهذا ان يكون ياتى عن الله بشئ ثم ياتى بخلافه من وجه اخر قال الراوى: فانه يقول: "لقدره نزلت اخرى" فقال ابو الحسن (ع) ان بعد هذه الاية ما يدل على ماراى حيث قال "ما كذب الفؤاد مارأى" يقول ما كذب فواد محمد (ص) مارأت عيناه. ثم اخبر بما رأى فقال "لقدرأى من ايات ربه الكبرى" فايات الله غير الله. وقد قال "ولا يحيطون به علما" فاذا رآته الابصار فقد احاطت به العلم و وقعت المعرفة.

فقال ابو قرة: فتكذب بالروايات؟ قال ابو الحسن (ع) اذا كانت الروايات مخالفة للقران كذبت بها..... (1)

راوى نے امام علی رضا علیہ السلام کی خدمت میں کہا:

ہم نے یہ روایت سنی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے موسیٰ علیہ السلام کو کلام سے اور محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو دیدار سے مخصوص کیا: یہ سن کر امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:

اچھا یہ بتاؤ خدا کی طرف سے جنات و انسانوں کو "لَا تَدْرِكُهُ الْاَبْصَارُ" نگاہیں اس کا ادراک نہیں کرتیں اور وہ نگاہوں کا ادراک کرتا ہے کی آیت کس نے سنائی؟ اور "وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا" لوگ علمی طور پر اس کا احاطہ نہیں

۱۔ توحید صدوق طبع طهران ۱۳۶۸ھ ص ۱۱۱-۱۱۲۔ بحار الانوار کتاب التوحید باب نفی الرویة وتادیل الآیات حدیث ۳۱/۳۱۳۔ الکافی کتاب التوحید باب فی ابطال الرویة حدیث ۲۔

کر سکتے۔ بھلا یہ آیت کس نے سنائی؟ اور ”لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ“ کوئی چیز اس کی مثال نہیں ہے۔ بھلا یہ آیت لوگوں کو کس نے سنائی؟ اور کیا یہ آیات محمد مصطفیٰ نے لوگوں کے سامنے بیان نہیں فرمائی تھیں؟

راوی نے کہا: جی ہاں یہ آیات آنحضرتؐ نے ہی لوگوں تک پہنچائیں۔

پھر آپ نے فرمایا:

بھلا یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ ایک شخص تمام مخلوق کی طرف مبعوث ہو کر آئے اور وہ یہ اعلان کرے کہ وہ خدا کی طرف سے آیا ہے اور وہ لوگوں کو خدا کے فرمان کے تحت دعوت دینے کے لیے آیا ہے اور اپنی تعلیمات میں ”لا تدركه الابصار.....“ جیسی آیات پڑھنے کے بعد یہ دعویٰ کرے کہ میں نے اسے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے اور میں نے علمی طور پر اس کا احاطہ کیا ہے اور وہ انسانی شکل و صورت رکھتا ہے؟ کیا تمہیں ایسی باتیں کرتے ہوئے شرم محسوس نہیں ہوتی؟ اور دنیا کا کوئی بھی زندیق اور بے دین اس سے بڑھ کر نبی پر کوئی بہتان تراشی نہیں کر سکتا کہ نبی کی تعلیمات کچھ ہوں اور بعد میں اپنے لیے کچھ اور دعویٰ کرے۔

راوی نے کہا: مولانا! پھر ”لَقَدْ رَأَاهُ نَزْلَةً أُخْرَى“ اس نے دوبارہ اترتے

ہوئے اسے دیکھا کی آیت مجیدہ سے کیا مراد ہے؟

امام علی رضا علیہ السلام نے فرمایا:

اس آیت کے بعد والی آیت نے تو اس کی وضاحت کر دی ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ محمدؐ کے دل نے اس کی آنکھوں کے مشاہدہ کو نہیں جھٹلایا تھا۔ لَقَدْ رَأَاهُ مِنْ آيَاتِ رَبِّهِ الْكُبْرَى۔ بے شک اس نے اپنے رب کی بہت بڑی نشانیوں میں سے کچھ نشانیوں کو دیکھا۔

ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے خود ہی وضاحت کر دی کہ آنحضرتؐ نے

”آیات اللہ“ کو دیکھا تھا اللہ کو نہیں دیکھا تھا کیونکہ آیات اور ہیں اور اللہ اور ہے۔

اللہ تعالیٰ نے تو فرمایا ہے ”وَلَا يُحِيطُونَ بِهِ عِلْمًا“ لوگ علمی طور پر خدا کا احاطہ نہیں کر سکتے۔ لہذا اگر لوگ خدا کو دیکھ لیں تو خدا تو علمی احاطہ میں آجائے گا اور اس کی پہچان مکمل ہو جائے گی۔

ابو بقرہ (راوی) نے کہا: تو کیا آپ روایات کی تکذیب کریں گے؟
امام علیہ السلام نے فرمایا: جب روایات قرآن کے مخالف ہوں گی تو میں ان کی تکذیب ہی کروں گا۔

آئمہ اہل بیتؑ نے آیات کی تفسیر کی اور انہوں نے قرآن مجید میں استعمال ہونے والے الفاظ مثلاً الساق، الید، عرش اور اس طرح کے دوسرے الفاظ کی مناسب تاویل فرمائی۔ اور انہوں نے ”ان اللہ خلق ادم علی صورته“ جیسی احادیث کی بھی احسن انداز سے وضاحت فرمائی۔ ہم اس کی تفصیل لکھنے سے معذرت خواہ ہیں کیونکہ ہمارا مقصود فریقین کے تمام دلائل بیان کرنا نہیں ہے۔ ہم نے دونوں مکاتب فکر میں سے کچھ نمونے پیش کرنے ہیں تاکہ یہ ثابت ہو کہ صفات الہی میں اگر اختلاف پیدا ہوا تو اس اختلاف کا سرچشمہ کیا تھا اور اختلاف نے کہاں سے جنم لیا۔

اس باب کے بعد ہم صفات انبیاءؑ میں دونوں مکاتب فکر کے اختلافات کا جائزہ لیں گے۔



۴۔ صفات و خصائصِ انبیاءؑ میں اختلافات اور اس کا منبع و ماخذ

مکتب خلافت کے پیروکاروں کی نظر میں انبیاءؑ کے آثار سے برکت حاصل کرنا اور ان کی قبور کو مقام عبادت قرار دینا شرک ہے۔
انبیاءؑ کی قبور پر روضہ تعمیر کرنا شرک ہے۔

انبیاءؑ و اولیاء کے ایامِ ولادت اور ایامِ وفات منانا احکامِ خدا کی نافرمانی اور بدعتِ محرمہ ہے۔

انبیاءؑ کو وسیلہ بنانا حدودِ شرک میں داخل ہے اور رسولِ خدا کی وفات کے بعد ان سے شفاعت طلب کرنا ان سے توسل کرنا شریعتِ اسلامیہ کی نفی کرنے کے مترادف ہے۔

مکتبِ امامت کا نظریہ

مکتبِ امامت سے وابستہ افراد درج بالا مسائل کو صحیح نہیں سمجھتے اور وہ درج بالا تمام امور کو جائز سمجھتے ہیں اور اس کے اثبات کے لیے وہ دلائل پیش کرتے ہیں۔

الف: آثارِ انبیاءؑ سے تبرک حاصل کرنا

کتبِ حدیث کے مطالعہ سے یہ حقیقت واضح ہوتی ہے کہ صحابہ کرام رسولِ خدا کے آثار سے تبرک حاصل کرتے تھے اور حصولِ تبرک صرف آپ کی زندگی تک ہی محدود نہ تھا بلکہ یہ سلسلہ وفات کے بعد بھی قائم رہا جس کی چند مثالیں یہ ہیں۔

نبی کے لعاب دہن کی برکت

صحیح بخاری میں سہل بن سعد راوی ہیں کہ ہر رسول خدائے خیر کے دن فرمایا:
 لا عطين الراية غدا هذه يفتح لله على يديه يحب الله
 ورسوله ويحبه الله رسوله. (۱)
 ”کل میں علم ایسے مرد کو دوں گا جس کے ہاتھ پر اللہ فتح دے
 گا۔ وہ اللہ اور اس کے رسول سے محبت کرتا ہو گا اللہ اور اس کا
 رسول اس سے محبت کرتے ہوں گے۔“
 راوی کا بیان ہے:

آنحضرت کے اس اعلان کے بعد لوگ ساری رات سوچتے رہے کہ کل علم
 کسے ملے گا اور جب صبح ہوئی اور تمام صحابہ آنحضرت کے سامنے پیش ہوئے اور ان
 میں سے ہر صحابی علم حاصل کرنے کا خواہش مند تھا۔

آپ نے فرمایا: علی کہاں ہیں؟
 آپ سے کہا گیا کہ ان کی آنکھوں میں تکلیف ہے۔
 آنحضرت نے پیغام بھیجا۔ علی کو آپ کے سامنے لایا گیا.....
 کتاب الجہاد والسیر میں یہ لفظ مروی ہیں۔

فامر فدعی له. رسول خدائے علی کو بلانے کا حکم دیا اور علی کو آپ کے

۱۔ صحیح بخاری، کتاب المغازی، باب غزوة خيبر، ۳/۳۵، کتاب الجہاد والسیر، باب
 نمبر ۱۰۸/۲، باب ما قيل في لواء النبي، ۲/۱۱۱۔ باب فضل من اسلم على يديه رجل، ۲/۱۱۵۔
 کتاب فضائل اصحاب النبي، باب مناقب علي بن ابي طالب، ۲/۱۹۹۔

صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب من فضائل علي بن ابي طالب، حدیث ۳۲ و

۳۳، باب غزوة ذي قرد وغيرها، حدیث ۱۳۲۔ سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب مناقب علي بن ابي
 طالب، ۱۳/۱۷۲۔

پاس پہنچایا گیا تو آپ نے علیؑ کی آنکھوں پر اپنا لعاب دہن لگایا۔ لعاب لگتے ہی علیؑ کی آنکھیں تندرست ہو گئیں اور بیماری کا کوئی نام و نشان تک نہ رہا..... الحدیث۔
صحیح مسلم میں سلمہ بن اکوع راوی ہیں کہ میں علیؑ کے پاس گیا اور میں ان کا ہاتھ پکڑ کر رسول خداؐ کے پاس لایا۔ اس وقت علیؑ آشوب چشم میں مبتلا تھے۔ رسول خداؐ نے ان کی آنکھوں پر اپنا لعاب دہن لگایا تو علیؑ تندرست ہو گئے پھر رسول خداؐ نے انھیں اپنا علم عطا کیا۔^(۱)

نبی کے آب وضو کی برکت

صحیح بخاری میں انس بن مالک سے روایت ہے۔

رأيت رسول الله (ص) وحانت صلاة العصر
فالتمس الناس الوضوء فلم يجدوه فأتى رسول الله
بوضوء فوضع رسول الله في ذلك الاناء يده وامر
الناس ان يتوصأ و امنه فرأيت الماء ينبع من تحت
اصابعه حتى توضع و امن عند اخرهم.^(۲)

ایک دفعہ ہم رسول خداؐ کے ساتھ تھے اور دوران سفر نماز عصر کا وقت ہوا لوگوں نے ادھر ادھر وضو کے لیے پانی تلاش کیا مگر پانی کہیں نہ ملا۔ آخر کار تھوڑا سا پانی رسول خداؐ کی خدمت میں پیش کیا گیا۔ آنحضرتؐ نے اس برتن میں اپنا ہاتھ ڈالا اور لوگوں کو حکم دیا کہ وہ آکر اس پانی سے وضو کریں۔ میں نے دیکھا تو آپ کی انگلیوں سے پانی بہہ رہا تھا اس پانی سے تمام افراد نے وضو کیا۔

یہی روایت جابر بن عبد اللہ انصاریؓ سے بھی مروی ہے اور اس میں اضافہ یہ ہے انہوں نے کہا کہ تمام لوگوں نے اس پانی سے وضو کیا اور تمام لوگوں نے جی

۱- صحیح مسلم کتاب الجہاد والسیر حدیث ۱۳۲۔

۲- صحیح بخاری کتاب الوضوء باب التماس الوضوء اذا ماتت الصلاة ۱۵/۱۳۱۔

بھر کر پانی پیا حضرت جابرؓ سے پوچھا گیا کہ اس وقت آنحضرتؐ کے ساتھ کتنے افراد تھے تو اس نے کہا چودہ سو افراد تھے۔ ایک اور روایت میں افراد کی تعداد پندرہ سو بیان کی گئی ہے۔^(۱)

صحابہ نبیؐ کے بلغم کو بھی متبرک سمجھتے تھے

امام بخاری نے اپنی صحیح میں صلح حدیبیہ کے واقعات کا تذکرہ کرتے ہوئے عروہ بن مسعود کا یہ قول نقل کیا:

واللہ ما تنخم رسول اللہ نخماة الا وقعت فی کف
رجل منهم فدلک بها وجهه و جلدہ و انه اذا توضأ
کا دو ایقتلون علی و ضوئہ.^(۲)

خدا کی قسم اگر خدا نے کھانس کر بلغم بھی خارج کیا تو بھی کسی نہ کسی کے ہاتھوں پر ہی آیا اور اس نے اسے اپنے چہرے اور جلد پر لگا لیا اور جب آنحضرتؐ نے وضو کیا تو وضو کے قطرات اٹھانے کے لیے صحابہ ایک دوسرے سے لڑنے مرنے کے لیے تیار ہو گئے۔

موئے مبارک کی برکت

امام مسلم اپنی صحیح میں رقم طراز ہیں:

۱- صحیح بخاری کتاب الاثریہ باب شرب البرکة والماء المبارک ۳/۲۱۹۔

سنن نسائی کتاب الطہارة باب الوضوء من الاءاء ۱/۲۵۔

مسند احمد ۱/۴۰۲ و سنن داری بروایت عبد اللہ بن عمر ۱/۱۵۔

۲- صحیح بخاری کتاب الشروط باب الشروط فی الجہاد والمصالحة مع اهل

الحرب و کتابة الشروط ۲/۸۲۔ کتاب الوضوء از صحیح بخاری باب البواق و المخاط

ونحوہ..... ۱/۳۸۔ و باب استعمال فضل وضوء الناس..... ۱/۳۳۔ مسند احمد ۳/۳۲۹، ۳۳۰۔

ان رسول اللہ (ص) اتی منی و حلق رأسه بعد ان می
و نحر (ثم جعل يعطيه الناس)
رسول خدا منی میں تشریف لائے اور آپ نے شیاطین کو پتھر
مارنے اور قربانی کے بعد اپنا سر منڈھوایا پھر آپ نے اپنے بال
لوگوں کو دینے شروع کیے۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

انه دعا الحائق فلعلمه فاعطاه ابا طلحة فقال اقسامه
بین الناس. (۱)

”آنحضرتؐ نے حجام کو طلب کیا۔ اس نے آپ کے سر کے
بال مونڈے تو آپ نے وہ بال ابو طلحہ کے حوالے کر کے فرمایا۔
یہ لوگوں میں تقسیم کر دو۔“

انس راوی ہیں: لقد رأيت رسول الله و الحلاق يحلقه و أطاف به

اصحابه فما يريدون ان تقع شعرة الا في يد رجل. (۲)

میں نے دیکھا کہ آنحضرتؐ بال منڈھوا رہے تھے اور حجام بال تراش رہا
تھا۔ صحابہ آپ کے گرد جمع تھے اور ان کی خواہش تھی کہ کسی نہ کسی طرح آنحضرتؐ کا
ایک بال بھی ان کے ہاتھ میں آئے۔

اسد الغابہ میں خالد بن ولید کے متعلق مرقوم ہے کہ اس نے ایران و روم کی
افواج سے جنگیں کی تھیں اور اس نے دمشق فتح کیا۔ وہ جب بھی جنگ میں جاتا تھا

۱۔ صحیح مسلم کتاب الحج، باب السنة يوم النحران يرمى ثم ينحرم يحلق..... حدیث

۳۲۳، ۳۲۴، ۳۲۵۔ سنن ابی داؤد کتاب المناسک، باب الحج و انقصیر حدیث ۱۹۸۱/۲، ۲۰۳

طبقات ابن سعد ۱/ ۱۳۵، مسند احمد ۳/ ۱۱۱، ۱۳۳، ۱۳۷، ۱۳۶، ۲۰۸، مؤازی و اقدی ص: ۳۲۹۔

۲۔ صحیح مسلم، کتاب انفضال باب قرب النبی من الناس و تبرکهم به حدیث ۷۷ ص ۱۸۱۲۔

تو وہ ایک ٹوپی پہن کر جاتا تھا اور اس ٹوپی میں رسول خدا کا ایک بال موجود تھا۔ اس بال کی برکت سے خالد ہمیشہ کامیاب و کامران ہو کر پلٹتا تھا۔

اسد الغابۃ اصابعہ اور مستدرک حاکم میں مذکور ہے کہ جنگ یرموک میں خالد بن ولید کی ٹوپی کہیں گر گئی تو اس نے اپنی فوج سے کہا کہ اس ٹوپی کو تلاش کرو۔ فوج نے ٹوپی تلاش کی تو نہ ملی۔ اس نے دوبارہ تلاش کرنے کا حکم دیا۔ دوسری مرتبہ وہ ٹوپی مل گئی اور وہ ٹوپی بڑی پرانی سی تھی۔

خالد نے کہا: رسول خدا نے ایک بار عمرہ ادا کیا تو آپ نے اپنا سر منڈھوایا۔ لوگ آپ کے سر کے بالوں کے لیے جھپٹ پڑے۔ میں آپ کی پیشانی کے بالوں کی طرف جھپٹا اور آپ کے چند بال میرے ہاتھ لگے اور میں جب بھی جنگ کرتا ہوں تو وہ بال میرے پاس ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ مجھے جنگ میں فتح دیتا ہے۔^(۱)

امام بخاری رقم طراز ہیں:

انه كان عند ام سلمة زوج النبي (ص) شئ من شعر
النبي فاذا اصاب انسانا عين ارسلوا اليها قدحا من
الماء تغمس الشعر فيه فيداوى من احبب.^(۲)

حضرت ام سلمہ زوجہ پیغمبر کے پاس رسول خدا کے کچھ بال تھے۔ جب کسی شخص کو نظر بد لگتی تو لوگ پانی کا پیالہ حضرت ام سلمہ کے پاس بھیجتے تھے اور وہ اس پیالہ میں رسول خدا کے بالوں کو ڈبو دیتی تھیں اور اس طرح سے نظر بد کا علاج کیا جاتا تھا۔

۱- مستدرک حاکم، کتاب معرفۃ الصحابہ باب مناقب خالد بن ولید ۳/۲۹۹۔

۲- صحیح بخاری کتاب اللباس، باب ما یذکر فی الشیب ۳/۲۷۔

عبیدہ کہتے تھے:

لان تكون عندى شعرة منه. اى النبى (ص) احب
الى من الدنيا وما فيها. (۱)

اگر میرے پاس رسول خدا کا بال ہوتا تو وہ مجھے دنیا و ما فیہا
سے زیادہ پیارا ہوتا۔

رسول خدا کے تیر کی برکت

نزل الرسول (ص) بجيشه فى اقصى الحديدية على
ثمذ قليل الماء يتبرضه الناس تبرضا فلم يلبشه الناس
حتى نزحوه و شكوا الى رسول الله (ص) العطش
فانتزع سهما من كنانته ثم امرهم ان يجعلوه فيه
فوالله ما زال يجيش لهم بالرى حتى صدروا عنه. (۲)

”رسول خدا نے اپنے لشکر کو لے کر حدیبیہ کے آخری کنارے
پر پڑاؤ ڈالا۔ وہاں پانی کا ایک گڑھا تھا جس میں تھوڑا سا پانی
تھا۔ کچھ دیر میں حضور کے لشکر نے اسے خالی کر دیا اور پانی کی
کمی کی رسول خدا کے پاس شکایت کی گئی۔ آنحضرت نے اپنے
ترکش میں سے ایک تیر نکالا اور حکم دیا کہ وہ اس تیر کو اس
گڑھے میں گاڑ دیں۔ خدا کی قسم! گڑھے میں پانی جوش مارنے
لگا اور لوگ اس پانی کو واپس تک استعمال کرتے رہے۔“

۱۔ صحیح بخاری کتاب الوضوء باب الماء الذى يغسل به شعر الانسان۔ طبقات ابن سعد ۶/۶۳۔

۲۔ صحیح بخاری۔ کتاب الشروط باب الشروط فى الجهاد والمصالحة مع اهل
الحرب و كتابة الشروط ۲/۸۱ و کتاب المغازی باب غزوة الحديبية۔ طبقات ابن سعد ۳/۲۹
و باب ذکر علامات بعد نزول الوحي اق ۱/۱۱۸۔ مغازی واقدی ص ۲۳۷۔

رسول خدا کی ہتھیلی با برکت

اصابہ اور مسند احمد میں حنظلہ کے متعلق مرقوم ہے۔ جس کا خلاصہ یہ ہے حنظلہ نے کہا کہ ایک دفعہ میرے بچپن میں میرا دادا مجھے رسول خدا کے پاس لے گیا اور ان سے کہا۔

یا رسول اللہ! خدا نے مجھے اولاد سے نوازا ہے ان میں سے کچھ جو ان ہیں اور یہ بچہ سب سے چھوٹا ہے۔ آپ اس کے لیے خدا سے دعا فرمائیں۔ رسول خدا نے اس کے سر پر اپنا ہاتھ پھیرا اور فرمایا۔ خدا تجھے برکت دے۔ راوی کا بیان ہے کہ آنحضرتؐ کے ہاتھ پھیرنے سے حنظلہ کے سر میں خدا نے اتنی برکت پیدا کر دی کہ جس انسان یا حیوان کو ورم ہوتا تو لوگ اسے حنظلہ کے پاس لے کر آتے تھے اور ہاتھ پر تیل وغیرہ لگا کر حنظلہ کے سر کو مس کرتے اور کہتے رسول خدا کی ہتھیلی کے برکت سے خدا اسے شفا عطا کرے۔

پھر وہ تیل والا ہاتھ ورم والے انسان یا جانور پر پھیرتے تو وہ تندرست ہو جاتا تھا۔^(۱)

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو برکت کا مرکز قرار دیا تھا اور جس طرح سورج سے روشنی اور گلاب سے خوشبو کو جدا نہیں کیا جاسکتا اسی طرح رسول خدا سے بھی خیر و برکت کو علیحدہ نہیں کیا جاسکتا۔ آپ کی برکات کا اظہار حلیمہ سعدیہ کے گھرانے میں ہوا۔ سفر شام میں لوگوں نے آپ کی برکات کا مشاہدہ کیا۔ ام معینہ نے سفر ہجرت کے دوران اپنے خیمہ میں آنحضرتؐ کی برکت ملاحظہ کی۔ تمام لوگوں نے بحیثیت رہبر و حاکم مدینہ میں آپ کی برکات سے استفادہ کیا حقیقت تو یہ ہے کہ آپ کی برکات کو شمار کرنا ناممکن ہے۔ ہم نے یہاں صرف چند مثالیں بیان کی ہیں جو کہ ہر صاحب عقل و فہم کے لیے کفایت کر سکتی ہیں۔

اس کے بعد ہم رسولِ خدا سے توسل کے متعلق کچھ معروضات پیش کرنا چاہتے ہیں۔ پھر ہم خصائصِ رسول کے عنوان میں اختلافات کے منابع کا تذکرہ کریں گے۔

ب۔ رسولِ خدا سے توسل

مکتبِ امامت رسولِ خدا سے توسل کا قائل ہے اور اس کے لیے وہ صرف حیاتِ پیغمبر کو ہی شرط تسلیم نہیں کرتا۔ اس مکتب کا نظریہ یہ ہے کہ آنحضرتؐ کی ولادت سے بھی قبل آپ سے توسل کیا گیا اور آپ کی زندگی میں ہی آپ سے توسل کیا گیا اور آپ کی وفات سے لے کر قیامت تک آپ سے توسل کیا جاتا رہے گا۔

۱۔ آنحضرتؐ کی ولادت سے قبل توسل

محدثین کی ایک جماعت نے اس روایت کو نقل کیا اور امامِ حاکم نے مستدرک میں حضرت عمر بن خطاب کی زبانی یہ روایت نقل کی ہے کہ جب حضرت آدم علیہ السلام سے ترکِ اولیٰ صادر ہوا تو انہوں نے قبولیتِ توبہ کے لیے بارگاہِ خداوندی میں عرض کی:

یا رب اسئلك بحق محمد لما غفرت لى .

”پروردگارا! میں تجھے محمدؐ کے حق کا واسطہ دے کر مجھ سے

درخواست کرتا ہوں کہ میری مغفرت فرما۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آدم! تو نے محمدؐ کو کیسے جان لیا جب کہ ابھی تو میں نے

اسے پیدا ہی نہیں کیا؟

حضرت آدمؑ نے کہا: پروردگارا! جب تو نے مجھے پیدا کیا اور تو نے مجھ میں

اپنی روح پھونکی تو میں نے اپنا سر بلند کیا۔ میں نے عرش کے ستونوں پر لا الہ الا اللہ

محمد رسول اللہ لکھا ہوا دیکھا۔ بس اسی سے مجھے معلوم ہو گیا کہ تو نے جس کا نام اپنے نام کے ساتھ لکھا ہے وہ تجھے تیری مخلوقات میں سے سب سے زیادہ محبوب ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا: آدم! تو نے سچ کہا۔ وہ میری تمام مخلوق میں سے مجھے زیادہ محبوب ہے تو نے مجھے اس کے حق کا واسطہ دیا ہے لہذا میں تجھے معاف کرتا ہوں۔ اور اگر محمد نہ ہوتا تو میں تجھے پیدا ہی نہ کرتا۔

طبرانی نے یہ واقعہ نقل کیا ہے اور آخر میں اس نے یہ لفظ لکھے ہیں۔

وهو اخر الانبياء من ذريتك: اور وہ تیری نسل میں سے آخری نبی ہے۔^(۱)

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِّنْ عِنْدِ اللَّهِ مُصَدِّقٌ لِّمَا مَعَهُمْ
وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا
جَاءَهُمْ مَّا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللَّهِ عَلَى الْكَافِرِينَ.

(البقرہ: ۸۹)

”اور جب ان کے پاس خدا کی طرف سے کتاب آئی ہے جو ان کی تورات وغیرہ کی تصدیق بھی کرتی ہے اور اس سے پہلے وہ دشمنوں کے مقابلہ میں اسی کے ذریعہ فتح طلب کیا کرتے تھے۔ لیکن اس کے آتے ہی منکر ہو گئے حالانکہ اسے پہچانتے بھی تھے کافروں پر خدا کی لعنت ہے۔“

اس آیت مجیدہ کی تفسیر میں محدثین و مفسرین نے لکھا کہ تورات میں رسول

۱- مستدرک حاکم، کتاب التاريخ فی آخر کتاب البعث ۲/۶۱۵۔

مجمع الزوائد ۸/۲۵۳۔ تحقیق النضرہ مراغی المتوفی ۸۱۶ھ۔

ص ۱۱۳-۱۱۴۔ مراغی نے ہی طبرانی سے یہ روایت نقل کی ہے۔

خدا کی آمد کا تذکرہ موجود تھا اور اس میں آپ کے صفات مذکور تھے۔ اسی لیے یہودی آپ کی آمد سے قبل جب بھی لوگوں سے لڑائی کرتے تو وہ اللہ تعالیٰ کو آنحضرتؐ کا واسطہ دے کر اپنے لیے فتح طلب کرتے تھے اور وہ ان الفاظ سے دعا مانگا کرتے تھے:

اللهم انا نستنصرک بحق النبی الامی الانصرتنا

علیہم' اللهم ربنا انصرنا علیہم باسم نبیک.....

”پروردگار ہم تجھ سے بنی امی کے حق کے واسطہ سے نصرت

طلب کرتے ہیں تو ہمارے دشمنوں کے خلاف ہماری مدد عطا

فرما۔ پروردگار تجھے تیرے نبیؐ کے نام کا واسطہ ہماری مدد فرما۔“

لیکن جب آنحضرتؐ دنیا میں تشریف لائے تو یہودیوں نے آپ کا یہ کہہ

کر انکار کر دیا کہ آپ کا تعلق بنی اسرائیل سے نہیں ہے۔^(۱)

۲۔ آنحضرتؐ کی زندگی میں آپ کا توسل

احمد بن حنبل اور ترمذی اور ابن ماجہ اور بیہقی نے عثمان بن حنیف سے

روایت کی کہ ایک نابینا شخص رسول خداؐ کی خدمت میں حاضر ہوا اس نے آپ سے

درخواست کی کہ آپ خدا سے دعا مانگیں وہ مجھے بینائی عطا کرے۔

آنحضرتؐ نے فرمایا:

اگر تو چاہے تو میں دعا مانگوں اور اگر تو صبر کرے تو وہ تیرے لیے بہتر ہے۔

اس نے کہا:

۱۔ دلائل النبوة بیہقی ص ۳۴۳، ۳۴۵۔ تفسیر محمد بن جریر طبری ۱/ ۳۲۳، ۳۲۸۔ تفسیر

نیشاپوری بر حاشیہ تفسیر طبری ۱/ ۳۳۳۔ حاکم فی المستدرک کتاب التفسیر ۳/ ۲۶۳ تفسیر سیوطی عن

دلائل النبوة ابو نعیم۔ تفسیر محمد بن عبد جمید۔ تفسیر ابی محمد عبدالرحمن بن ابی حاتم بن ادریس الرازی۔

تفسیر ابو بکر محمد بن ابراہیم بن منذر نیشاپوری المتوفی ۳۱۰ھ۔

آپ دعا فرمائیں۔ پھر آپ نے اسے حکم دیا کہ وہ اچھے طریقہ سے وضو کرے اور یہ دعا مانگے۔

اللهم انى اسئلك و اتوجه بنبيك محمد نبى
الرحمة. يا محمد! انى توجهت بك الى ربى فى
حاجتى لتقضى لى اللهم شفعه فى. (۱)
نبیہی اور ترمذی نے اسے صحیح کہا ہے۔

خدایا! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تیرے نبی رحمت محمدؐ کے ذریعہ سے
میں متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمدؐ! میں آپ کے وسیلہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا
ہوں تاکہ میری حاجت پوری ہو۔ خدایا! محمد مصطفیٰؐ کو میرا شفیع فرما۔

۳۔ وفات کے بعد توسل

طبرانی نے معجم کبیر میں عثمان بن حنیف سے روایت کی:
ایک شخص اپنی کسی حاجت کے سلسلہ میں عثمان بن عفان کے پاس گیا۔ مگر
وہ اس کی طرف متوجہ نہ ہوئے۔ اس شخص نے ابن حنیف سے ملاقات کی اور ان
کے طرز عمل کا شکوہ کیا۔

عثمان بن حنیف نے اس سے کہا: وضو خانہ جا کر وضو کرو پھر مسجد میں جا کر
دو رکعت نماز پڑھو پھر یہ دعا پڑھو:

اللهم انى اسئلك و اتوجه اليك نبينا محمد
(ص) نبى الرحمة. يا محمد انى توجهت بك الى

۱۔ مسند احمد ۴/ ۱۳۸۔ سنن ترمذی کتاب الدعوات ۱۳/ ۸۰۔ ۸۱۔ سنن ابن ماجہ کتاب
اقامة الصلاة والسننہ فیما باب ماجاء فى صلاة الحاجة حدیث ۱۳۸۵ ص ۴۳۱۔ ابن اثیر در
ترجمہ عثمان بن حنیف۔ تحقیق النصرة ص ۱۱۴ ابن تیمیہ اور ابن عبدالوہاب کے پیروکاروں کو امام
حنبل کی تحریر کردہ روایت پر خصوصی توجہ کرنی چاہیے کیونکہ وہ اپنے آپ کو امام احمد کا پیروکار سمجھتے
ہیں۔

ربی لتقضى حاجتى.

”خدا یا! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور اپنے نبی رحمت محمد مصطفیٰ کے وسیلہ سے تیرے حضور متوجہ ہوتا ہوں۔ اے محمد! میں آپ کے ذریعہ سے اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میری حاجت پوری ہو۔ اور اس دعا کے بعد خدا سے اپنی حاجت طلب کرو۔“

وہ شخص گیا اور اس نے اس پر عمل کیا۔ پھر وہ عثمان بن عفان کے دربار میں گیا۔ وہاں دربان نے اس کا ہاتھ پکڑا اور اسے حضرت عثمان کے پاس لے گیا۔ حضرت عثمان نے اسے اپنے ساتھ قالین پر بٹھایا اور اس سے اس کی حاجت دریافت کی۔ اس نے اپنی ضرورت بیان کیں۔ حضرت عثمان نے اس کی حاجت پوری کی۔ پھر اس سے کہا کہ جب تجھے کوئی ضرورت پیش ہو تو آ کر بیان کیا کرو۔^(۱)

عباس عم رسولؐ کا واسطہ
صحیح بخاری میں ہے:

ان عمر بن الخطاب (رض) كان اذا قحطوا استقى
بالعباس بن عبدالمطلب فقال.

اللهم انا كنا نتوسل اليك بنبينا فستقينا و انا
نتوسل اليك بعم نبينا فاستقنا قال فسيقون.^(۲)

حضرت عمر کا دستور تھا کہ جب بھی خشک سالی ہوتی اور قحط پڑتا

۱- تحقیق النصرہ ص ۱۱۳-۱۱۵۔ رواہ عن الطبرانی فی معجمہ الکبیر۔

۲- صحیح بخاری، کتاب الاستقاء، باب سوال الناس الامام الاستسقاء اذا قحطوا و کتاب فضائل اصحاب النبی عباہ مناقب العباس ۲/ ۲۰۰ و ۱/ ۱۲۳۔ سنن بیہقی، کتاب صلاۃ الاستقاء، باب الاستقاء بمنہ، صحیح برکتہ دعا، ۳/ ۳۵۲۔

تو وہ عباس بن عبدالمطلب کے وسیلہ سے بارانِ رحمت طلب کیا کرتے تھے۔ انہوں نے کہا:

خدایا! ہم تیرے نبی کے وسیلہ سے بارش طلب کرتے تھے تو ہمیں سیراب کرتا تھا۔ اور ہم اپنے نبی کے چچا کے وسیلہ سے تجھ سے بارش طلب کرتے ہیں تو ہمیں سیراب کر۔
راوی کہتا ہے کہ بارش برسنے لگ جاتی تھی۔

قابلِ غور بات یہ ہے کہ حضرت عمر نے حضرت عباس کا واسطہ دے کر دعا کیوں مانگی؟ اس کی صرف اور صرف وجہ یہی ہے کہ عباس رسولِ خدا کے چچا تھے۔ ہر لحاظ سے پھر بھی توسل کا مرکز آپ کی ہی ذات مبارک ہے۔

درج بالا احادیث کی موجودگی میں صفاتِ انبیاء بالخصوص خاتم الانبیاء کی صفات میں کوئی اختلاف سرے سے ہونا ہی نہیں چاہیے تھا مگر یہ ایک تلخ حقیقت ہے کہ اختلاف موجود ہے اور ہم اس کے اسباب و علل عنقریب بیان کریں گے۔

صفات رسول میں اختلاف کا سرچشمہ

اس مقام پر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ آخر ان متواتر روایات کے باوجود صفاتِ انبیاء میں اختلاف کیوں کر پیدا ہوا؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ مکتبِ خلافت میں ایسی روایات کی کوئی کمی نہیں ہے جن میں انبیاء کے مقام کی تنقیص کی گئی ہے اور مکتبِ خلافت میں ایسی روایات بھی موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ انبیاء کرام بالخصوص حضرت خاتم الانبیاء عام انسانوں سے بھی کمتر تھے (نعوذ باللہ)

جن لوگوں نے ان روایات کو صحیح تسلیم کیا ہے وہی صفاتِ انبیاء میں تنقیص بھی کرتے ہیں: اس مقام پر ہم انبیاء ماسلف کی تنقیص کی روایات سے صرف نظر کرتے ہوئے صرف ایسی چند روایات بطور نمونہ پیش کرنا چاہتے ہیں جن میں خاتم

الانبیاء کے مقام و منصب کی تنقیص و توہین کی گئی ہے اور ہم یہ بھی واضح کرنا چاہتے ہیں کہ ہماری پیش کردہ روایات کی حیثیت ”مشتے از خروارے“ کی سی ہے۔ ورنہ اس مفہوم کی روایات لا تعداد ہیں۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں۔

۱۔ امام بخاری اپنی صحیح میں لکھتے ہیں:

ان رسول اللہ (ص) قبل ان ينزل عليه الوحي قدم
الى زيد بن عمرو بن نفيل سفرة فيها لحم، فابى ان
ياكل منها ثم قال: انى لا اكل الامما ذكر اسم الله
عليه. (۱)

”رسول خدا نے نزول وحی سے قبل زید بن عمرو بن نفیل کے لیے دسترخوان بچھایا اور اس میں گوشت موجود تھا۔ زید نے گوشت کھانے سے یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ میں صرف وہی گوشت کھاتا ہوں جس پر ذبح کے وقت اللہ کا نام لیا گیا ہو۔“

اس روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ اعلان نبوت سے قبل زید بن نفیل رسول خدا سے زیادہ محتاط تھا کیونکہ وہ تو ایسے گوشت سے پرہیز کرتا تھا جب کہ رسول خدا اس سے پرہیز نہیں کرتے تھے۔

۲۔ بخاری اور مسلم کی روایت ہے:

ان رسول اللہ (ص) لما جاءه جبرائيل بايات ”اقرأ
باسم ربك الذى خلق الى قوله. علم بالقلم“ رجع
النبي الى بيته ترجف بوادره وقال لخديجة: انى
خشيت على نفسى. فقالت له خديجة: البشر‘

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الذبائح، باب ما ذبح علی النصب والاصنام ۳/ ۲۰۷۔ مند

احمد ۲/ ۶۹، ۸۶۔ واضح رہے کہ زید بن نفیل حضرت عمر کے چچا زاد اور ان کے سر تھے۔

كلا فوالله لا يخزيك الله ابدا' وانطلقت به الى
ورقة بن نوفل و كان امرأ تنصر فى الجاهلية فاخبره
رسول الله خبير مارأه فقال ورقة: هذا الناموس الذى
انزل على موسى. الحديث (١)

”جب جبرئیل امین غارحرا میں حضور کریمؐ پر اقرأ باسم ربك..... کی آیات لے کر نازل ہوئے تو رسول خداؐ کا نپتے ہوئے اپنے گھر آئے اور خدیجہؓ سے فرمایا: مجھے اپنی جان کا خطرہ ہے۔ خدیجہؓ نے کہا۔ آپ کو بشارت ہو۔ خدا کی قسم۔ اللہ آپ کو کبھی رسوا نہیں کرے گا۔ پھر خدیجہؓ انھیں لے کر ورقہ بن نوفل کے پاس آئیں۔ ورقہ بن نوفل نے زمانہ جاہلیت میں نصرانیت کو قبول کیا تھا رسول خداؐ نے جو کچھ دیکھا تھا انہوں نے وہ سب کچھ ورقہ کو سنایا۔ تو ورقہ نے کہا یہ وہی فرشتہ ہے جو موسیٰ پر نازل ہوا تھا۔“

اس روایت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ورقہ بن نوفل کو وحی اور جبرئیل سے آشنائی تھی مگر صاحب وحی رسول خداؐ کو اس کے متعلق کچھ بھی معلوم نہ تھا اور ورقہ کی گفتگو سن کر رسول خداؐ کو تسلی ہوئی اور اگر ورقہ تسلی نہ دیتا تو آپ کا منصوبہ پہاڑ سے چھلانگ لگا کر اپنے آپ کو ختم کرنے کا تھا جیسا کہ ابن سعد نے طبقات میں لکھا ہے۔

۳۔ بخاری و مسلم رقم طراز ہیں:

ان رسول الله (ص) كان يغضب فيعلن و يسب و
يؤذى من لا يستحقها و دعا الله ان يجعلها لمن
بدرت منه اليه زكاة و طهورا. (٢)

۱۔ صحیح بخاری باب بدء الوحي ۱/۳۔ و تفسیر سورہ اقرأ۔ صحیح مسلم کتاب الایمان باب بدء

الوحي حدیث ۲۵۲۔ مسند احمد ۶/۲۲۳، ۲۲۳۔

۲۔ صحیح بخاری کتاب الدعوات، باب قول النبی من اذیتہ۔ صحیح مسلم کتاب البر و الصلۃ

باب من لعنه النبی و لیس له اهلا۔

رسول خدا غضب ناک ہو جاتے اور گالیاں دیتے تھے اور ناجائز اذیت دیتے تھے۔ اسی لیے انہوں نے خدا سے دعا مانگی کہ وہ جس پر لعنت کریں تو وہ لعنت اس کے لیے پاکیزگی اور طہارت کا سبب قرار پائے۔

”سبحان اللہ! رسولؐ کا غضب و لعنت باعث طہارت ثابت ہو رہا ہے کہیں اس سے چند پردہ نشینوں کو رہائی دلانا تو مقصود نہیں ہے؟ جب رسولؐ کی لعنت رحمت و طہارت بنتی ہے تو پھر خدا کی لعنت اس سے بھی زیادہ رحمت و طہارت کا سبب قرار پائے گی نعوذ باللہ (من المترجم)۔“

۴۔ بخاری اور مسلم لکھتے ہیں:

ان بعض الیہو و سحر رسول اللہ (ص) حتی یخیل الیہ انه یفعل الشئ و ما فعلہ. (۱)

”ایک یہودی نے رسول خداؐ پر جادو کر دیا جس کا اثر یہ ہوا کہ رسولؐ سمجھتے تھے کہ انہوں نے کوئی کام کر لیا ہے جب کہ انہوں نے کام نہیں کیا ہوتا تھا۔“

۵۔ مسلم لکھتے ہیں: رسول خداؐ ایک گروہ کے پاس سے گزرے جو کہ مادہ کھجوروں میں زکجوروں کا زردانہ ڈال رہے تھے آپؐ نے فرمایا۔ اگر تم ان کا ملاپ نہ کراؤ تو بہتر ہوگا۔ یہ سن کر انہوں نے زردانہ نہ ڈالا اور نتیجہ یہ نکلا کہ کھجوریں خراب پیدا ہوئیں۔ رسول خداؐ نے ان سے کہا ”اتم علم بامور دینا کم“ تم اپنے دنیاوی معاملات کو

۱۔ صحیح بخاری کتاب بدء الخلق، باب صفة جنود ابلیس و کتاب الطب، هل يستخرج السحر و باب السحر کتاب الادب، باب ان اللہ یامر بالعدل و کتاب الدعوات، باب تکریر الدعاء۔ صحیح مسلم باب السحر۔

مجھ سے خود بہتر سمجھتے ہو۔^(۱)

۶۔ بخاری اور مسلم لکھتے ہیں:

ان رسول اللہ استمع الی غناء جوآر من الانصار
متھر من ابوبکر.^(۲)

رسول خدآ انصار کی لڑکیوں سے راگ سن رہے تھے کہ ابوبکر نے
ان لڑکیوں کو جھڑک دیا۔

۷۔ مسلم لکھتے ہیں:

ان رسول اللہ رفع عائشة علی منكبہ لتنظر الی
الحبشة الذین یلعبون فی المسجد فنهرهم عمر.^(۳)

”ایک مرتبہ حبشی مسجد میں اپنا کھیل و کرتب پیش کر رہے تھے
رسول خدآ نے بی بی عائشہ کو اپنے کندھے پر بٹھا کر بلند کیا
تا کہ وہ اس کھیل کو دیکھ کر لطف اندوز ہو سکیں۔ عمرؓ نے حبشیوں
کو جھڑک دیا۔“

ترمذی لکھتے ہیں: جب حضرت عمرؓ ظاہر ہوتے تو لوگوں کا مجمع دوڑنے لگتا تھا۔

رسول خدآ نے فرمایا:

انی لا نظر الی شیطین الجن والانس قد فروا من عمر^(۴)
”میں دیکھ رہا ہوں کہ جن و انس کے شیطین عمر کو دیکھ کر بھاگ
رہے ہیں۔“

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل باب وجوب اقتتال..... سنن ابن ماجہ بابا صلح النخل۔

۲۔ صحیح بخاری، کتاب فضائل اصحاب النبی، باب مقدم النبی واصحابہ المدینۃ، کتاب العیدین،

باب سید العیدین لاهل الاسلام، صحیح مسلم، کتاب صلاۃ العیدین، باب الرضصۃ فی لعب یوم العید۔

۳۔ صحیح مسلم، کتاب صلاۃ العیدین، باب الرضصۃ فی اللعب..... حدیث ۱۸، ۲۰، ۲۱، ۲۲۔

۴۔ سنن ترمذی، ابواب المناقب، باب مناقب عمر۔

ایک اور روایت ملاحظہ فرمائیں:

رسول خدا ایک جنگ سے مظفر و منصور ہو کر لوٹے ایک سیاہ رنگت کی کینز دف لے کر آئی اور اس نے آنحضرت کے سامنے دف بجائے اور گانا گایا۔ اتنے میں عمر آئے اس نے دف نیچے رکھ دیا اور خود اس پر بیٹھ گئی۔ یہ منظر دیکھ کر رسول خدا نے فرمایا:

ان الشيطان ليخاف منك يا عمر. (۱)

”اے عمر! شیطان تجھ سے ڈرتا ہے۔“

۸۔ بخاری و مسلم اپنی صحیح میں لکھتے ہیں:

حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم نے ایک شخص کو مسجد میں قرآن پڑھتے ہوئے سنا تو آپ نے فرمایا:

رحمه الله اذ كرنى كذا وكذا اية اسقطتها من سورة كذا. (۲)

”خدا اس پر رحم کرے اس نے مجھے فلاں فلاں آیت دوبارہ یاد

دلا دی جو میں فلاں سورہ سے فراموش کر چکا تھا۔“

مذکورہ روایات کا ماہصل یہ ہے:

۱۔ زید بن عمرو بن نفیل رسول خدا سے زیادہ پرہیزگار اور محتاط تھے کیونکہ وہ

۱۔ سنن ترمذی ابواب المناقب باب مناقب عمر۔ مسند احمد ۵/۳۵۳

ان جیسی احادیث کے متعلق ہم نے اپنی کتاب ”قیام الائمة باحياء السنة“ کی جلد

دوم سوم چہارم اور پنجم میں بحث کی ہے۔

۲۔ صحیح بخاری کتاب الشهادات باب شهادة الاعمي و نکاحہ.

صحیح مسلم کتاب فضائل القرآن باب الامر بتعهد القرآن حدیث ۲۲۳۔

سنن ابی داؤد کتاب الطوع باب فی رفع الصوت بالقراءة فی صلاة اللیل

حدیث ۱۳۳۱ و کتاب الحروف والقراءات الباب الاول حدیث ۳۹۷۰۔

ایسا گوشت نہیں کھاتے تھے جس پر خدا کا نام نہ لیا گیا ہو اور وہ بتوں کے چڑھاوے کا گوشت نہیں کھاتے تھے جب کہ رسول خدا کھایا کرتے تھے۔
(نعوذ باللہ)

۲۔ ورقہ بن نوفل نصرانی کو پتہ چل گیا تھا کہ محمد مصطفیٰؐ پر جبریل خدا کا پیغام لے کر آیا ہے جب کہ رسول خدا کا خیال تھا کہ ان پر جنات کا سایہ ہو گیا ہے اور سورہ اقرآ کی ابتدائی آیات کا تعلق بھی جنات کی تک بندی سے ہے۔

۳۔ ایک یہودی کے جادو نے آنحضرتؐ پر یہ اثر دکھایا کہ نعوذ باللہ آپ کی عقل تک معطل ہو گئی اور آپ نے جو کام نہیں کیا ہوتا تھا اس کے متعلق سمجھتے تھے کہ وہ کام سرانجام دے چکے ہیں۔ گویا آپ نے نماز نہیں پڑھی ہوتی تھی تو سمجھتے تھے کہ پڑھ چکے ہیں۔ تبلیغ آیات نہیں کی ہوتی تھی اور سمجھتے تھے کہ کر چکے ہیں ج۔ وغیرہ۔

۴۔ آپ کے حافظہ کی حالت یہ تھی کہ آپ آیات بھول چکے تھے اور ایک دوسرے مسلمان کی تلاوت سن کر آپ کو وہ آیات یاد آ گئیں۔

۵۔ دنیاوی امور سے اس قدر ناواقف تھے کہ لوگوں کو کھجوروں کے زردانہ کے ملاپ سے روک دیا۔ جب کھجوریں خراب ہوئیں تو فرمایا تم جانو اور تمہارے دنیاوی کام جانیں۔ یعنی عام معاملات جسے ایک اوسط درجہ کا شخص بھی جانتا تھا آپ ان معاملات سے بے خبر تھے۔

۶۔ آپ راگ رنگ کی حوصلہ افزائی کرتے تھے اور راگ سننے کو کوئی عیب نہ سمجھتے تھے مگر حضرت ابوبکر و عمر نے گانے والوں کو روک دیا اور یوں شیخین نے عالم اسلام پر احسان کیا کہ انہوں نے مسلمانوں کو طاؤس و رباب سے بچا لیا اور رسول خداؐ سے تو شیاطین نہیں ڈرتے تھے جب کہ وہ حضرت عمر کو دیکھ دوڑنے لگ جاتے تھے اور مذکورہ روایات سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے۔

- ۱۔ اعلان نبوت سے قبل آنحضرتؐ (نعوذ باللہ) زید بن نفیل سے بھی گئے گزرے تھے۔
- ب۔ نزول وحی کے بعد آپ درقہ بن نوفل جتنا علم بھی نہیں رکھتے تھے اور آپ کو وحی الہی اور جبریل کے متعلق کچھ بھی معلومات نہیں تھیں جب کہ درقہ ان تمام آسمانی حقائق سے آشنا تھا۔
- ج۔ آنحضرتؐ لبو و لعب اور موسیقی و غنا سے پرہیز نہیں کرتے تھے جب کہ شیخین انتہائی احتیاط برتتے تھے اور ہر موقع پر انہوں نے ہی موسیقی سے منع کیا۔
- د۔ آنحضرتؐ انتہائی کمزور حافظہ کے مالک تھے آپ کو قرآنی آیات بھول جاتی تھیں اور آپ کے صحابی آپ کو اس کی یاد دہانی کراتے تھے۔
- ہ۔ آنحضرتؐ بس ایک عام فرد تھے۔ اللہ تعالیٰ انہیں یہودیوں کے جادو سے محفوظ نہیں رکھتا تھا۔
- و۔ آپ مغلوب الغضب قسم کے انسان تھے اور آپ ناحق لوگوں پر غضب ناک ہو جاتے تھے اور لوگوں کو سب و شتم کرتے تھے اور لوگوں پر سوچے سمجھے بغیر لعنت کرتے تھے۔
- ز۔ بعض اوقات وحی الہی میں شیاطین بھی تصرف کر دیتے تھے اور ایک مرتبہ جب کہ آپ سورہ والنجم کی آیات ”أَفَرَأَيْتُمُ اللَّاتَ وَالْعُزَّىٰ وَالْمُنَوَّةَ الثَّالِثَةَ الْمَآخِزِي“ ”کیا تم نے لات و عزی کو دیکھا اور تیرے منات کو بھی دیکھا“ تو اس وقت شیطان نے آپ کی زبان پر یہ الفاظ جاری کر دیے ”تلك الفرائيق العلی و ان شفا علهن لترتجی“ وہ بڑی عظمت کے مالک ہیں اور ان کی شفاعت متوقع ہے۔ (نعوذ باللہ)
- مندرجہ بالا روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرتؐ قطعاً مثالی شخصیت نہیں تھے اور محض اتفاق سے ہی آپ کو نبوت مل گئی تھی دنیا میں جب تک یہ روایات

رہیں گی اس وقت تک غیر مسلم افراد رسول اعظم کی شخصیت کو مسخ کر کے پیش کرتے رہیں گے اور تمام غیر مسلم شامان رسول ایسی ہی روایات کا سہارا لیتے ہیں اور رحمۃ اللعالمین کی شخصیت کو دانداز بنانے کی کوشش کرتے ہیں ان ایسی ہی روایات کا اثر ہے کہ ایک سعودی باشندے نے ہم سے کہا تھا:

ویش محمد، محمد رجالاتی مات

”محمد کیا ہے محمد مجھ جیسا انسان تھا اور وہ مر گیا۔“ (نعوذ باللہ)

احترام مصطفیٰ اور مقام مصطفیٰ کو کم کرنے کی کوششوں آج سے نہیں بلکہ بہت پہلے سے کی جا رہی ہیں اور ایسی ہی کوشش کے تحت خلیفہ ثانی کے حکم سے بیعت رضوان کے درخت کو جڑ سے اکھاڑ دیا گیا تھا۔

(اس واقعہ کی تفصیل کے لیے شرح ابن ابی الحدید جلد اول ص ۵۹ کا

مطالعہ فرمائیں۔)

مذکورہ روایات کی تردید

توہین پیغمبر پر مبنی مذکورہ روایات کی کوئی حقیقت نہیں ہے۔ آئیے حضرت علی علیہ السلام سے پیغمبر اکرم کی قبل نبوت ان کی زندگی کی داستان خطبہ قاصد کے ضمن میں سنیں:

ولقد قرن الله به صلى الله عليه وآله وسلم من لدن
ان كان فطيما اعظم ملك من ملائكته يسلك به
طريق المكارم و محاسن اخلاق العالم ليله و نهاره
ولقد كنت اتبعه اتباع الفصيل اثمه يرفع لى كل
يوم من اخلاقه علما و يامرني بالافتدائه. ولقد كان
يجاور فى كل سنة بحراء فاراه ولا يراه غيرى ولم
يجمع يومئذ فى الاسلام غير رسول الله (ص) و

خديجة وانا ثالثهما. ارى نورالوحى والرسالة واشم
 ريح النبوة ولقد سمعت رنة الشيطان حين نزل
 الوحى عليه. صلى الله عليه وآله وسلم. فقلت يا
 رسول الله ماهذه الرنة؟ قال: هذا الشيطان اليس
 من عبادته انك تسمع ما اسمع و ترى ما ترى الا
 انك لست بنبى ولنك و زير و انك لعلى خير.

(نسخ البلاغہ خطبہ ۱۹۰)

”اللہ نے آپ کی دودھ بڑھائی کے وقت ہی سے فرشتوں میں
 سے ایک عظیم المرتبت ملک (روح القدس) کو آپ کے ساتھ لگا
 دیا تھا جو آپ کو شب و روز بزرگ خصلتوں اور پاکیزہ سیرتوں
 کی راہ پر لے چلتا تھا اور میں ان کے پیچھے پیچھے یوں لگا رہتا
 تھا جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے۔ آپ ہر روز میرے لیے
 اخلاق حسنہ کے پرچم بلند کرتے تھے اور مجھے ان کی پیروی کا
 حکم دیتے تھے اور ہر سال کوہ حرا میں کچھ عرصہ قیام فرماتے تھے
 اور وہاں میرے علاوہ کوئی آپ کو نہیں دیکھتا تھا۔ اس وقت
 رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم اور (ام المؤمنین) خدیجہ کے
 گھر کے علاوہ کسی گھر کی چار دیواری میں اسلام نہ تھا البتہ ان
 میں تیسرا میں تھا۔ میں وحی و رسالت کا نور دیکھتا تھا اور نبوت
 کی خوشبو سونگھتا تھا۔“

جب آپ پر (پہلے پہل) وحی نازل ہوئی تو میں نے شیطان کی ایک چیخ

سنی جس پر میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ یہ آواز کیسی ہے؟

آپ نے فرمایا: یہ شیطان ہے کہ جو اپنے پوجے جانے سے مایوس ہو گیا

ہے۔ اے علی! جو میں سنتا ہوں تم بھی سنتے ہو اور جو میں دیکھتا ہوں تم بھی دیکھتے ہو فرق اتنا ہے کہ تم نبی نہیں ہو بلکہ میرے وزیر اور جانشین ہو اور یقیناً بھلائی کی راہ پر ہو۔ قارئین! خدا گواہ ہے کہ ہمیں آج تک یہ بات سمجھ میں نہیں آئی کہ اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کے دوش اطہر پر مہر نبوت لگائی ہوئی تھی مگر جس کے دوش پر مہر نبوت تھی اسے تو نبوت اور وحی کا کوئی پتہ تک نہیں تھا مگر ورقہ بن نوفل نصرانی کو اس کا علم تھا؟

مہر نبوت کوئی ذہکی چھپی علامت نہیں تھی۔ اعلان نبوت سے قبل بہت سے اہل کتاب نے انہیں دیکھا تھا اور انہوں نے آپ کی نبوت کی تصدیق کی تھی۔

علاوہ ازیں اسلامی کتب میں ایسی روایات بھی موجود ہیں جن میں آپ کے دلائل نبوت کا ذکر پایا جاتا ہے۔ مثلاً کتب احادیث و سیر میں مذکور ہے کہ آنحضرتؐ اپنے چچا ابوطالب کے ساتھ سفر شام کے لیے روانہ ہوئے تو اہل کتاب کے علماء نے آپ کے چہرہ انور کو دیکھ کر کہا تھا کہ یہ وہ نبی ہے جس کا ذکر تورات و انجیل میں موجود ہے۔ آپؐ دوسری مرتبہ حضرت خدیجہؓ کا مال لے کر شام گئے تو بھی راہوں نے آپ کی نبوت کی پیش گوئی کی تھی۔ آپ کے سر پر ہمیشہ بادل کا ٹکڑا سایہ کیے رہتا تھا اور جمادات و نباتات آپ کو رسول اللہؐ کہہ کر سلام کرتے تھے۔^(۱)

حضرت عیسیٰ علیہ السلام آپ کی بشارت دے کر گئے تھے جیسا کہ قرآن مجید میں ان کے یہ الفاظ موجود ہیں:

۱۔ صحیح بخاری، کتاب المناقب والرضی والادب۔ صحیح مسلم کتاب الفضائل، باب اثبات خاتم النبوة، سنن ابی داؤد، کتاب اللباس۔ ترمذی۔ کتاب المناقب۔ مسند احمد ۲/۲۲۳ و ۳/۳۳۴ و ۳/۳۳۲ و طبقات ابن سعد طبع یورپ ۱/ق ۳/۱ و ۷ و ۶ و ۸۳ و ۹۸ و ۹۹ و ۱۰۰ و ۱۰۱ و ۱۰۹۔ جلد سوم ق ۱/۱۵۳۔

صحیح بخاری، کتاب بدء الوحی من اخبار ہرقل من ظہورہ۔ سنن ترمذی، کتاب المناقب، باب ماجاء فی بدء النبوة ۱۳/۱۰۶۔ سیرت ابن ہشام ۱/۱۹۲ و ۲۰۳۔ (بقیہ حاشیہ اگلے صفحہ پر)

وَمُبَشِّرًا بِرَسُولٍ يَأْتِي مِنْ بَعْدِي اسْمُهُ أَحْمَدُ..... (الغالب: ۶)

”میں تمہیں ایک رسول کی بشارت دیتا ہوں جس کا نام احمد ہوگا۔“

تعجب ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آپ کی بشارت دے کر گئے مگر خود آپ کو اپنی نبوت کا علم تک نہیں تھا اور اس کی تصدیق ورقہ بن نوفل سے کرانے کی ضرورت محسوس ہوئی تھی۔ اس وقت تعجب اپنی انتہا کو پہنچ جاتا ہے جب ہم قرآن مجید میں یہ دو آیات پڑھتے ہیں:

يَعْرِفُونَهُ كَمَا يَعْرِفُونَ آبْنَاءَهُمْ. (البقرہ: ۱۳۶ الانعام: ۲۰)

”وہ یعنی اہل کتاب آنحضرت کو ایسے ہی پہچانتے ہیں جیسا کہ

وہ اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں“ اور اس پہچان کی وجہ یہ تھی۔“

الرَّسُولَ النَّبِيِّ الْأَمِيِّ الَّذِي يَجِدُونَهُ مَكْتُوبًا عِنْدَهُمْ

فِي التَّوْرَةِ وَالْإِنْجِيلِ. (الاعراف: ۱۵۷)

”رسول نبی امی کا تذکرہ وہ اپنے پاس تورات اور انجیل میں لکھا

ہوا پاتے ہیں۔“

ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ اہل کتاب آنحضرت کو اچھی طرح سے

جانتے اور پہچانتے تھے۔

مگر اس کے باوجود آنحضرتؐ خود اپنی نبوت کو نہیں جانتے تھے!

مقام رسالت کو مسخ کرنے کی کوششیں وفات رسولؐ ہی سے شروع ہو گئی

تھیں اور خود ساختہ روایات کے ذریعہ سے مسلمانوں کے قلوب و اذہان سے عظمت

(گذشتہ حاشیہ) صحیح بخاری کتاب البیوع، بابا کواہیة السعب فی الاسواق ۱۰/۲

کتاب التفسیر، باب تفسیر سورة الفتح طبقات ابن سعد طبع یورپ ۱۲۳/۱۔ سنن ترمذی کتاب المناقب۔

باب اول۔ سنن داری مقدمہ الباب الاول۔ مند احمد ۱۷۴/۲۔ صحیح مسلم، کتاب الفعائل، باب نسب

النبی حدیث ۲ مند احمد ۸۹/۵، ۹۵، ۱۰۵۔ مند طیالی حدیث ۷۸۱ وغیر ذلک من الکتب۔

رسالت کو حقیر اور بے وقعت ثابت کرنے کی سعی نا تمام ہوتی رہی۔ آخر کار اس کا اثر یہ ہوا کہ لوگوں کے اذہان میں مقام نبوت کی عظمت و رفعت کم ہوتی گئی جس کا اندازہ صرف ایک مثال ہی سے لگایا جاسکتا ہے۔

حجاج بن یوسف نے کوفہ میں خطبہ دیا اور اس نے قبر رسولؐ کے زائریں کی پرزور مذمت کی اور پھر اس نے یہ جملے کہے:

تباہم! انما یطوفون باعواد ورمۃ بالیۃ! ہلا طافوا
بقصر امیر المومنین عبدالملک! الایعلمون ان
خلیفۃ المرء خیر من رسولہ.

”افسوس ہے ان لوگوں پر! یہ لوگ لکڑیوں اور بوسیدہ ہڈیوں کا طواف کر رہے ہیں۔“ لوگ اس کی بجائے امیر المومنین عبدالملک کے محل کا طواف کیوں نہیں کرتے۔ کیا انہیں یہ معلوم نہیں ہے کہ لوگوں کا خلیفہ خدا کے رسول سے افضل ہے۔“
(نعوذ باللہ من ذلک) ^(۱)

اس کی تفصیل کتاب ہذا کی جلد سوم میں بیان کی جائے گی۔ انشاء اللہ اور آج ہم اگر لوگوں میں یہ دیکھتے ہیں کہ وہ عظمت رسولؐ سے نابلد ہیں تو اس کی وجہ یہی روایات ہیں اور قرآن کریم کی بعض آیات کی خود ساختہ تفسیر ہے اور حد یہ ہے کہ بعض مسلمانوں کی نظر سے عظمت رسولؐ اتنی اٹھ گئی ہے کہ وہ آنحضرتؐ کی محفل میلاد کو حرام اور بدعت کہتے ہیں۔



۵۔ انبیاء و اولیاء کی محافل میلاد

عالم اسلام کی بد نصیبی ملاحظہ ہو کہ مسلمانوں میں ایک گروہ ایسا بھی موجود ہے جن کی نظر میں محسن انسانیت رحمۃ اللعالمین کی محفل میلاد تک منعقد کرنا بھی ناجائز ہے اور اسی مکتب فکر کے ترجمان شیخ عبدالعزیز بن عبداللہ بن باز صدر شعبۂ افتاء سعودی عرب نے یہ فتویٰ لکھا:

لا يجوز الاحتفال بمولد النبي (ص) ولا غيره لان

ذلك من البدع المحدثه في الدين.....

”رسول خدا اور ان کے علاوہ کسی کی ولادت کی محفل منانا جائز

نہیں ہے کیونکہ محفل میلاد بعد کی ایجاد کردہ بدعتوں میں سے

ایک بدعت ہے۔“

مکتب خلافت سے وابستہ افراد کا عقیدہ آپ نے ان کے مفتی اعظم کی

زبانی سنا جب کہ مکتب امامت سے وابستہ علماء اس نظریہ کو تسلیم نہیں کرتے اور وہ

انبیاء اور خدا کے نیک بندوں کی محافل میلاد کو نہ صرف جائز بلکہ مستحب سمجھتے ہیں ان

کے بہت سے دلائل میں سے ہم یہاں ان کے چند دلائل پیش کرتے ہیں۔

الف: مقامِ ابراہیم

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى..... (البقرہ: ۱۲۵)

”اور تم مقامِ ابراہیم کو مصلیٰ بناؤ۔“

صحیح بخاری کی ایک روایت کا حاصل

جب ابراہیم و اسماعیلؑ بیت اللہ کو بنا رہے تھے تو حضرت اسماعیلؑ پتھر لاتے اور حضرت ابراہیمؑ عمارت تعمیر کرتے تھے اور جب دیواریں زیادہ اٹھ گئیں تو اسماعیلؑ اپنے والد کے لیے یہ پتھر لائے اور حضرت ابراہیمؑ اس پر کھڑے ہو کر کعبہ کی عمارت تعمیر کرنے لگے۔^(۱)

اس روایت سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مقام ابراہیم وہی پتھر ہے جس پر ابراہیم علیہ السلام نے قدم رکھے تھے اور بیت اللہ کی تعمیر نو فرمائی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے امت اسلامیہ کو حکم دیا کہ وہ مقام ابراہیم پر نماز ادا کریں۔ اور اس حکم کا مقصد یہ ہے کہ لوگ ابراہیمؑ کے قدموں کے نشانوں سے برکت حاصل کریں اور یوں ابراہیمؑ کا ذکر ہمیشہ قائم و دائم رہے۔ مقام ابراہیمؑ کو مصلیٰ بنانے سے کوئی شرک لازم نہیں آتا۔ اگر ابراہیمی یا دیگر شرک کا ذریعہ ہوتی تو اللہ تعالیٰ اسے کبھی مصلیٰ بنانے کا حکم نہ دیتا۔

ب: صفا و مروہ

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

إِنَّ الصَّفَاَ وَالْمَرْوَةَ مِنْ شَعَائِرِ اللَّهِ فَمَنْ حَجَّ الْبَيْتَ
أَوْ اعْتَمَرَ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِ أَنْ يَطُوفَ بِهِمَا. (البقرہ: ۱۵۸)

”بے شک صفا اور مروہ دونوں پہاڑیاں اللہ کی نشانیوں میں سے ہیں۔ لہذا جو شخص بھی حج یا عمرہ کرے اس کے لیے کوئی حرج نہیں ہے کہ ان دونوں پہاڑیوں کا چکر لگائے۔“

صحیح بخاری کی ایک روایت کا خلاصہ یہ ہے:

جب حضرت ابراہیمؑ نے اپنی زوجہ ہاجرہ اور اپنے فرزند اسماعیلؑ کو مکہ کی

صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب یرفون النسلان فی الحشی، ۲/ ۱۵۸، ۱۵۹۔

بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑا اور حضرت ہاجرہ کے پاس پانی ختم ہوا اور وہ خود پیاسی ہوئیں اور ان کا فرزند پیاسا ہوا تو بی بی اپنے بیٹے کی پیاس برداشت نہ کر سکیں اور صفا کی پہاڑی پر چڑھیں کہ شاید انھیں کوئی انسان دکھائی دے۔ مگر انہیں وہاں کوئی شخص دکھائی نہ دیا۔ پھر وہ صفا سے اتر کر وادی میں بیٹے کے پاس آئیں اور انہوں نے پوری وادی کا چکر لگایا پھر کوہ مروہ پر چڑھیں کہ شاید انھیں کوئی آدمی دکھائی دے مگر انہیں کوئی بھی دکھائی نہ دیا اور انہوں نے سات بار ایسا کیا۔

ابن عباس کا بیان ہے کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

”اسی لیے لوگ صفا و مروہ کے درمیان دوڑتے ہیں۔“^(۱)

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ کو جناب ہاجرہ کا دوڑنا اتنا پسند آیا کہ اللہ تعالیٰ نے صفا و مروہ پر دوڑنے کو حج و عمرہ کا ایک رکن بنا دیا تاکہ جناب ہاجرہ کی سنت ہمیشہ کے لیے برقرار رہے اور ان کی کوشش کی یاد اذہان میں تازہ رہے۔

ح: رمی الجمار

احمد اور طیالسی نے اپنی اپنی مسند میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی کہ آپؐ نے فرمایا:

ان جبریل ذہب بابرہیم (ع) الی جمرة العقبة
 فعرض له الشيطان فرماه بسبع حصيات، فساخ، ثم
 اتى الجمرة الوسطى فعرض له الشيطان، فرماه
 بسبع حصيات، فساخ ثم اتى الجمرة القصوى فعرض
 له الشيطان فرماه بسبع حصيات، فساخ.....^(۲)

۱۔ صحیح بخاری کتاب الانبیاء باب یرفون النسلان فی المشی ۱۵۸/۲۔ معجم البلدان مادہ زمزم تاریخ طبری وابن اثیر ذکر تاریخ اسماعیل۔

۲۔ مسند احمد ۱/۳۰۶، ۱۲۷۔ مسند طیالسی حدیث ۲۶۹۷۔ معجم البلدان در مادہ (کعبہ) تاریخ طبری و تاریخ ابن اثیر۔

”حضرت جبریلؑ حضرت ابراہیمؑ کو جمرہ عقبہ کے پاس لے گئے تو وہاں شیطان نمودار ہوا۔ ابراہیم علیہ السلام نے اسے سات کنکر مارے۔ وہ زمین میں دھنس گیا۔ پھر آپ جمرہ وسطیٰ تشریف لائے تو شیطان وہاں بھی ان کے سامنے حاضر ہوا۔ آپ نے اسے سات کنکر مارے۔ وہ زمین میں دھنس گیا۔ پھر آپ جمرہ قصویٰ آئے وہاں بھی شیطان ان کے سامنے نمودار ہوا آپ نے اسے سات کنکر مارے وہ زمین میں دھنس گیا۔“

قارئین کرام! اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیمؑ کا یہ عمل اتنا پسند آیا کہ اسے حج کا رکن بنا دیا اور قیامت تک اس کی یادگار کو باقی رکھا۔

و: قربانی

اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیمؑ اور اسماعیلؑ کا واقعہ بیان کرتے ہوئے فرمایا:

فَبَشِّرْنَاهُ بِغُلَامٍ حَلِيمٍ فَلَمَّا بَلَغَ مَعَهُ السَّعْيَ قَالَ يَبْنِي
 إِنِّي أَرَى فِي الْمَنَامِ أَنِّي أَذْبَحُكَ فَانظُرْ مَاذَا تَرَى قَالَ
 يَا بَتِ أَفْعَلْ مَا تُؤْمَرُ سَتَجِدُنِي إِن شَاءَ اللَّهُ مِنَ
 الصَّابِرِينَ. فَلَمَّا أَسْلَمَا وَتَلَّهُ لِلْجَبِينِ. وَنَادَيْنَاهُ أَنْ يَا
 إِبْرَاهِيمَ. قَدْ صَدَّقْتَ الرُّؤْيَا إِنَّا كَذَلِكَ نَجْزِي
 الْمُحْسِنِينَ إِنَّ صَلَاةَ الْهَرَمِ الْبَلْوُ الْمَسِينِ وَقَدَيْنَاهُ بِذَبْحِ
 عَظِيمٍ. (الصافات: ۱۰۷-۱۰۸)

”پھر ہم نے ان کو صاحبِ حلمِ فرزند کی بشارت دی۔ جب وہ فرزند ان کے ساتھ دوڑ دھوپ کرنے کے قابل ہو گیا تو انہوں نے کہا کہ بیٹا میں خواب میں دیکھ رہا ہوں کہ میں تمہیں ذبح

کر رہا۔ ہوں اب تم بتاؤ کہ تمہارا کیا خیال ہے؟ فرزند نے جواب دیا کہ بابا جو آپ کو حکم دیا جا رہا ہے اس پر عمل کریں۔ انشاء اللہ آپ مجھے صبر کرنے والوں میں سے پائیں گے۔ پھر جب دونوں نے سر تسلیم خم کر دیا اور باپ نے بیٹے کو ماتھے کے بل لٹا دیا۔ تو ہم نے آواز دی کہ اے ابراہیم تم نے اپنا خواب سچ کر دکھایا ہم اسی طرح حسن عمل والوں کو جزا دیتے ہیں۔ بے شک یہ تیرا کھلا امتحان ہے اور ہم نے اس کا بدلہ ایک عظیم قربانی کو قرار دیا ہے۔“

اللہ تعالیٰ کو حضرت ابراہیمؑ کا جذبہ عشق اور حضرت اسمعیلؑ کا جذبہ اطاعت اتنا پسند آیا کہ اس نے اسمعیلؑ کو بچا لیا اور اس وقت ایک دنبہ بھیج دیا۔ پھر رسم قربانی کو رکن حج بنا دیا اور تمام حجاج کو حکم دیا کہ وہ اس واقعہ کی یادگار کے طور پر منیٰ میں قربانی کریں۔ اس حکم کا مقصد ابراہیمی واقعہ کی یادگار کو قائم رکھنا ہے۔

نتیجہ یہ ہے کہ ابراہیمؑ کے قدم اتنے متبرک تھے کہ جس پتھر پر انہوں نے قدم رکھے وہ پتھر مقام ابراہیمؑ کہلایا اور اسے مسلمانوں کے لیے مصلیٰ بنایا گیا اور حضرت اسمعیلؑ کی جان بچانے کے لیے ان کی والدہ محترمہ صفا و مروہ میں دوڑیں تو صفا و مروہ کو ”شعائر اللہ“ کا درجہ مل گیا اور بی بی کی یادگار کو زندہ رکھنے کے لیے وہاں دوڑنے کا حکم دیا گیا اور جہاں ابراہیمؑ علیہ السلام نے ابلیس کو نکر مارے تو ان مقامات پر رمی جمرات کا حکم دیا گیا اور اگر بوڑھے باپ نے جوان بیٹے کو قربان کرنے کی غرض سے منیٰ میں لٹایا تو اللہ کو باپ بیٹے کا یہ انداز اتنا پسند آیا کہ مسلمانوں کو قربانی کا حکم صادر فرمایا۔ یہ سب کچھ ابراہیمؑ اور آل ابراہیمؑ کی برکت کا مظاہرہ ہے۔

برکتِ آدمؑ اور اس کی یادگار

بعض روایات میں مذکور ہے کہ اللہ تعالیٰ نے نوزی الحج کو عصر کے وقت ابو البشر آدم علیہ السلام کی توبہ قبول فرمائی۔ پھر جبریلؑ انہیں اپنے ساتھ مشعر الحرام میں لے گئے جہاں انہوں نے دس ذی الحج کی رات خدا سے دعائیں کرتے ہوئے اور اس کا شکر بجالاتے ہوئے بسر کی۔ جیسے ہی صبح ہوئی تو آپ منی تشریف لائے اور اپنی توبہ کی قبولیت اور گناہوں سے آزادی کے نشان کے طور پر اپنا سر منڈھوایا۔ اسی لیے اللہ نے اس دن کو ان کی نسل کے لیے یوم عید قرار دیا اور آدم علیہ السلام کے مذکورہ افعال کو رکن حج کا درجہ دیا۔ چنانچہ آج تک مسلمان نوزی الحج کو عرفات میں ٹھہرتے ہیں۔ پھر شام کے وقت کوچ کر کے مشعر الحرام جاتے ہیں اور وہاں شب بسری کے بعد دس ذی الحج کی صبح کو منی میں آ جاتے ہیں۔

معلوم ہوا کہ مناسک حج حضرت آدم و ابراہیمؑ کے افعال کی یادگار ہیں اور مناسک حج میں حضرت ہاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ کے افعال کا بھی بہت بڑا حصہ شامل ہے۔ چونکہ خدا کو اپنے انبیاء سے بہت پیار ہے ان کے اعمال و افعال کو خدا زندہ رکھنا چاہتا ہے تمام حاجیوں کو ان کے اعمال کی یاد منانے کا حکم دیتا ہے۔

اب تک آپ نے برکت انبیاء کا تذکرہ پڑھا اور اب آئیے ہم یہ بتانا چاہتے ہیں کہ بعض منحوس افراد و اقوام ایسے بھی تھے کہ جن کی نحوست صرف ان تک ہی محدود نہ تھی بلکہ ان کی وجہ سے خطہ زمین بھی منحوس قرار پایا۔

منحوس افراد اپنے ساتھ مکان کو بھی نحس بنا دیتے ہیں

امام مسلم رقم طراز ہیں: کہ رسول خداؐ نے غزوہ تبوک کے موقع پر قوم شمود کے ویران گھروں کے قریب پڑاؤ ڈالا۔ آپ کے صحابی ان کنوؤں سے پانی بھر کر لائے جن سے قوم شمود پانی پیا کرتی تھی۔ صحابہ نے اس پانی سے آٹا گوندھا اور اس پانی سے سالن تیار کیا۔ رسول خداؐ نے حکم دیا کہ ہانڈیوں کو الٹ دو اور گوندھا ہوا آٹا

اپنے اونٹوں کو کھلا دو۔ صحابہ نے اس حکم پر عمل کیا۔ پھر رسول خدا صحابہ کو ساتھ لے کر اس کنویں پر تشریف لائے جہاں سے حضرت صالح علیہ السلام کی ناقہ پانی پیا کرتی تھی۔ آپ نے فرمایا کہ جن لوگوں پر خدا کا عذاب نازل ہوا ہے ان کی سرزمین پر قیام نہ کیا جائے اور آپ نے فرمایا مجھے اندیشہ ہے کہ تم پر وہی عذاب نہ آجائے جو ان پر آیا تھا۔ تم ان کی آبادی میں مت جاؤ۔^(۱)

صحیح مسلم میں یہ الفاظ وارد ہیں:

ولا تذخلوا مساکن الذین ظلموا انفسهم الا ان تکونوا باکین حذرا ان یصیبکم مثل ما اصابہم۔ ثم رجرو اسرع حتی خلفہا۔

”ان لوگوں کے گھروں میں داخل مت ہونا جنہوں نے اپنے اوپر ظلم کیا۔ مگر یہ کہ روتے ہوئے وہاں سے گزرو اور ڈرو کہ کہیں ان کی طرح سے تم پر بھی عذاب نہ آجائے۔ پھر آپ جلدی سے اس وادی سے روانہ ہو گئے۔“

صحیح بخاری میں ہے کہ آنحضرتؐ نے ردا سے اپنے سر کو ڈھانپ لیا اور تیزی سے سفر کرتے ہوئے اس وادی سے نکل گئے۔ اسی طرح مسند احمد میں ہے کہ آپ نے اپنی ردا سے سر کو ڈھانپ لیا اس وقت آپ کجاوہ پر سوار تھے۔

مکین کی نحوست و سعادت کا اثر

قارئین کرام!

آپ نے بلاد شمود اور ان کے کنوؤں کا تذکرہ پڑھا۔ کچھ دیر کے لیے یہاں ٹھہر جائیے اور سوچئے کہ اس علاقہ اور اس علاقہ کے کنوؤں کو منحوس کیوں تصور

۱۔ صحیح مسلم کتاب الزہد والرقائق باب لا تذخلوا مساکن الذین ظلموا انفسہم۔

حدیث ۴۰ مسند احمد ۲/۱۱۷ صحیح بخاری کتاب المغازی باب نزول النبی الحمر۔ طبری درحالات شمود

طبع یوہا ۲۵۰/۱

کیا گیا اور اس کے پانی سے گوندھے ہوئے آٹے کی روٹیاں پکانے سے کیوں منع کیا گیا اور اس پانی سے کپکے ہوئے سالن کو زمین پر کیوں انڈیلا گیا؟ اور ناقہ صالح کے کنوئیں کے پانی کو متبرک کیوں قرار دیا گیا؟ اس کا جواب صرف یہی ہے کہ منحوس لوگوں کی نحوست ان کی ذات سے تجاوز کر کے ان کے وطن اور ان کی سرزمین تک پہنچ جاتی ہے اور بابرکت چیز کی برکت اس کی ذات سے تجاوز کر کے اس کے کنوئیں تک سرایت کر جاتی ہے گویا ع
جمال ہم نشین درمن اثر کرد

والا معاملہ یہاں بھی کارفرما ہے۔ ناقہ صالح کی وجہ سے وہ کنواں بابرکت بنا اور اسماعیلؑ و ہاجرہ کے قدموں سے پشمہ زمزم کو برکت نصیب ہوئی۔ ابراہیمؑ کے قدموں کی برکت سے مقام ابراہیم کو شرف نصیب ہوا اور حضرت ہاجرہ کی وجہ سے صفا و مرورہ کو عزت ملی۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ خدا کے نیک بندوں کی برکت صرف ان کی ذات تک محدود نہیں رہتی بلکہ مکان بھی ان کی برکت سے متاثر ہوتے ہیں۔ متبرک اشیاء کی برکت صرف مکان تک ہی محدود نہیں رہتی بلکہ وقت اور زمانہ بھی اس سے فیض یاب ہوتا ہے۔

روزِ جمعہ کی برکت

صحیح مسلم میں مرقوم ہے:

ان الله خلق ادم يوم الجمعة وادخله الجنة يوم الجمعة. (۱)

”اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو جمعہ کے دن پیدا کیا اور جمعہ کے دن انہیں جنت میں داخل فرمایا“

”حضرت آدمؑ کی وجہ سے روز جمعہ کو عزت ملی اور یہ عزت

قیامت تک باقی رہے گی۔“
ماہ رمضان کی برکت

رمضان المبارک انتہائی متبرک مہینہ ہے۔ اس کی برکت کا سبب قرآن مجید ہے۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ هُدًى لِّلنَّاسِ
وَبَيِّنَاتٍ مِّنَ الْهُدَىٰ وَالْفُرْقَانِ. (البقرہ: ۱۸۵)

”ماہ رمضان وہ مہینہ ہے جس میں قرآن نازل کیا گیا ہے جو لوگوں کے لیے ہدایت ہے اور اس میں ہدایت اور حق و باطل کے امتیاز کی واضح نشانیاں موجود ہیں۔“

قرآن مجید کی وجہ سے ماہ رمضان کو برکت و عزت نصیب ہوئی اور نزول قرآن کی وجہ سے شب قدر ہزار مہینوں سے افضل قرار پائی۔

إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ وَمَا أَدْرَاكَ مَا لَيْلَةُ الْقَدْرِ لَيْلَةُ
الْقَدْرِ خَيْرٌ مِّنْ أَلْفِ شَهْرٍ. (القدر: ۳۱)

”بے شک ہم نے اسے شب قدر میں نازل کیا ہے اور آپ کیا جانیں یہ شب قدر کیا چیز ہے۔ شب قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔“

قرآن مجید کی برکت سے لیلۃ القدر کو برکت ملی پھر اس کی برکت صرف شب نزول تک ہی محدود نہیں رہی بلکہ پورا مہینہ با برکت بن گیا اور تمام مہینوں کا سردار قرار پایا۔

اس مقام پر ہر صاحب فکر سے ہماری یہ گزارش ہے کہ جب حضرت آدمؑ کی تخلیق کی وجہ سے جمعہ کے دن کو فضیلت ملی اور نزول قرآن کی وجہ سے شب قدر کو عزت ملی تو کیا خاتم الانبیاءؐ کی ولادت باسعادت سے اس رات اور اس مہینہ کو کوئی

عزت نہیں ملی ہوگی؟ جس رات سید الانبیاءؑ معراج پر تشریف لے گئے ہوں گے تو کیا اس رات کو کوئی عظمت نہیں ملی ہوگی؟ اور اگر مسلمان اپنے نبیؐ کی ولادت اور معراج کی خوشی کا جشن منائیں تو اس میں کون سی قباحت ہے اور اس سے اسلام کے کس رکن کی خلاف ورزی ہوتی ہے؟

بحث کے اختتام پر ہم کھلے لفظوں میں یہ کہنا چاہتے ہیں کہ جشن ولادت، جشن معراج اور جشن بعثت ہم صرف اس لیے منعقد کرتے ہیں کہ ان ایام میں آنحضرتؐ کی ولادت باسعادت اور سفر معراج اور اعلان نبوت کے ساتھ آپ کی سیرت طیبہ بیان کی جائے اور ان متبرک ایام میں ہم کھانا اس لیے پکاتے ہیں کہ غرباء و مساکین کی شکم سیری کا سامان فراہم کیا جاسکے اور اس کے ثواب کا ہدیہ رسول خدایٰ کی روح پر فتوح کی خدمت میں بھیجا جائے۔ ہم ان مواقع کو رسول خدایٰ کی سیرت طیبہ کے تذکرہ تک ہی مخصوص رکھتے ہیں اور ہم صوفیا کی اختراع کردہ بدعات کے نہ تو قائل ہیں اور نہ ہی ان کی خود ساختہ رسومات کی وکالت کرتے ہیں۔



۶۔ انبیاء و اولیاء کے مزارات اور قبہ و قبور

مکتبِ خلافت سے وابستہ افراد کی نظر میں قبور پر مزارات اور روضہ جات تعمیر کرنا حرام ہے اور وہ اس سلسلہ میں جو روایات پیش کرتے ہیں ان میں سے اہم ترین روایت یہ ہے:

۱. عن علی قال: کان رسول اللہ (ص) فی جنازة فقال: ایکم ینطلق الی المدینة فلا یدع فیها و ثنا الاکسره ولا قبرا الاسواہ ولا صورة الا لطحها؟ فقال رجل: انا یا رسول اللہ، فانطلق فہاب اهل المدینة فرجع. فقال علی انا انطلق یا رسول اللہ. قال: فانطلق، فانطلق ثم رجع فقال یا رسول اللہ لم ادع بها و ثنا الاکسرتہ ولا قبرا الاسویتہ ولا صورة الا لطحنتها. (۱)

”حضرت علیؑ بیان کرتے ہیں کہ رسول خداؐ ایک جنازہ میں شامل تھے کہ آپ نے فرمایا: تم میں سے کوئی ایسا ہے جو مدینہ جائے اور وہاں جتنے بت ہوں انہیں توڑ ڈالے اور جتنی قبریں ہوں انہیں برابر کر دے اور وہاں جتنی تصویریں ہوں انہیں خراب کر دے؟ تو ایک شخص نے کہا۔ یا رسول اللہ! میں یہ کام کروں گا۔ وہ شخص گیا مگر وہ اہل مدینہ سے ڈر گیا اور واپس لوٹ آیا۔

حضرت علیؑ نے کہا: یا رسول اللہ! میں جاؤں گا۔ آنحضرتؐ نے فرمایا: تم

چلے جاؤ۔

حضرت علیؑ گئے پھر واپس آئے اور رسول خداؐ سے عرض کی: یا رسول اللہ!

میں نے تمام بت توڑ دیے ہیں اور تمام قبریں برابر کر دی ہیں اور تمام تصویریں خراب کر دی ہیں۔“

کتب میں یہ روایت بہ تکرار بیان کی گئی ہے۔ ہم نے اس کو کامل صورت

میں یہاں نقل کیا ہے۔

تنقید و تبصرہ

۱۔ ہم آئندہ صفحات میں بیان کریں گے کہ حضرت رسول خداؐ نے اپنی والدہ

ماجده کی قبر کی زیارت کی تھی اور اس قبر پر بیٹھ کر خود بھی روئے تھے اور

حاضرین کو بھی رلا یا تھا۔ آپ کی والدہ ماجدہ کی وفات مدینہ میں ہوئی تھی

اور اس وقت آپ کی عمر صرف چھ برس کی تھی۔ اور آپ نے ترپن

(۵۳) برس کی عمر میں مکہ سے مدینہ ہجرت کی اور ہجرت کے بعد والدہ

ماجده کی قبر پر تشریف لے گئے۔

اس سے معلوم ہوا ہے کہ آپ کی والدہ ماجدہ کی قبر ستالیس برس تک صحیح

سالم حالت میں تھی اور اس کا پہچانا ممکن تھا۔ اگر قبر سطح زمین کے بالکل ہی برابر

ہوتی تو آپ یا آپ کے صحابہ ان کی قبر کو نہ پہچان پاتے۔

سوال یہ ہے کہ جب آنحضرتؐ اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر تشریف لائے تو

آپ نے اسے سطح زمین کے برابر کرنے کا حکم صادر کیوں نہ کیا؟

۲۔ اہل مدینہ کے ایمان کے واقعات انتہائی مشہور ہیں ہم اس کی تفصیلی بحث

۱۔ مسند احمد ۱/۸۷، ۸۹، ۹۶، ۱۱۰، ۱۱۱، ۱۱۲، ۱۱۳، ۱۳۸، ۱۳۹، ۱۴۵، ۱۵۰۔ مسند طحاوی حدیث ۹۹، ۱۵۵۔

میں پڑنا نہیں چاہتے لیکن اتنی بات تو ہر شخص جانتا ہے کہ انصار مدینہ میں سے چند افراد نے مکہ میں دعوت اسلام کو قبول کیا تھا۔ پھر آپ نے ان کی دعوت پر حضرت مصعب بن عمیر کو اسلام کا معلم و مبلغ بنا کر مدینہ بھیجا۔ ان کی دعوت کے نتیجہ میں اسلام نے مدینہ میں کچھ ترقی کی منازل طے کیں۔ پھر انصار مدینہ کا ایک گروہ ایام حج میں مکہ آیا اور انہوں نے بیعت عقبہ کی اور انہوں نے آپ کو مدینہ ہجرت کی دعوت دی۔ آخر کار رسول مقبول مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ تشریف لے گئے۔ چند دن آپ نے قبا کی بستی میں قیام کیا اور جب حضرت علیؑ ساتھ آئے تو آپ مدینہ شہر میں تشریف لائے اور مدینہ میں آپ کی حکومت اس وقت قائم ہوئی جب آپ نے یہودی قبائل سے معاہدہ کیا۔ یہ مختصر تاریخ ہے اب آئیے سابقہ روایت کا جائزہ لیں۔

روایت کہتی ہے کہ آنحضرتؐ ایک جنازہ کی شایعت میں شامل تھے کہ آپ نے بت توڑنے، قبریں یکساں کرنے اور تصویریں خراب کرنے کے لیے حکم صادر کیا اور ایک شخص نے یہ ذمہ داری قبول کی۔ وہ مدینہ آیا۔ لیکن اہل مدینہ سے ڈر گیا اور وہ کچھ کیے بغیر واپس آ گیا۔ پھر حضرت علیؑ آئے اور انہوں نے آپ کے فرمان کی تعمیل کی اور پھر واپس جا کر آنحضرتؐ کو اس کی اطلاع بھی دی۔

(۱) روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ جنازہ مدینہ میں نہیں تھا۔ مدینہ سے کہیں باہر تھا۔

(۲) روایت کے اسلوب سے یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ ابھی تک مدینہ پر آپ کی حکومت قائم نہیں ہوئی تھی۔

(۳) جس شخص نے قبریں یکساں کرنے اور بت توڑنے اور تصاویر خراب کرنے کا وعدہ کیا وہ مدینہ آیا لیکن وہ اپنے اقدام کے بھیانک نتائج سے گھبرا گیا

اور وہ واپس چلا گیا۔

(۴) آخر کار حضرت علیؑ اٹھے اور یہ سب کچھ کرنے کا وعدہ کیا۔ مدینہ آئے فرمان نبویؐ پر عمل کیا اور پھر واپس جنازہ کے جلوس میں آ کر شریک ہوئے اور اپنی کارروائی سے آنحضرتؐ کو آگاہ کیا۔

اگر ہم یہ فرض کر لیں کہ یہ واقعہ قیام قبا کے وقت کا ہو گا تو اس میں دشواری یہ ہے کہ قبا سے مدینہ طیبہ کا اچھا خاصا فاصلہ ہے اور ایک شخص جو کہ قبا سے مدینہ جاتا ہے۔ پھر گھبرا کر مدینہ سے واپس قبا آتا ہے۔ اس کے لیے اچھے خاصے وقت کی ضرورت ہے۔ پھر حضرت علیؑ جاتے ہیں اور آپ کے فرمان کے تحت بتوں کو توڑتے ہیں، تمام قبروں کو یکساں کرتے اور تمام تصاویر کو خراب کر کے واپس آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچ جاتے ہیں اور ابھی تک رسول خدایا مشایعت جنازہ میں مصروف ہوتے ہیں۔ دنیا کے ذہین افراد سے ہمارا سوال یہ ہے کہ اس وقت مدینہ شہر کو کفر سے لبریز تھا وہاں ایک آدھ بت تو نہیں ہو گا۔ بہت سے بت ہوں گے اور ایک آدھ قبر بھی نہیں ہو گی بہت سی قبور ہوں گی اور ایک آدھ تصویر کی بجائے بہت سی تصاویر ہوں گی۔ حضرت علیؑ اکیلے گئے اور تمام بتوں کو توڑا اور تمام قبروں کے نشانات کو مسمار کیا اور تمام تصاویر کو خراب کیا تو کیا شہر کے کافروں نے خاموشی سے یہ سب کچھ برداشت کر لیا ہو گا اور کوئی مزاحمت اور احتجاج نہیں کیا ہو گا؟ آخر بلند و بالا قبروں میں مدفون افراد کی اولاد بھی اس شہر میں موجود ہو گی تو کیا انہوں نے حضرت علیؑ کو ایسا کرنے کی کھلی اجازت دے دی ہو گی اور پھر لطف یہ ہے کہ حضرت علیؑ بس مختصر سے وقت میں یہ سب کچھ کر کے آنحضرتؐ کی خدمت میں پہنچ بھی گئے؟ کیا یہ سب کچھ ممکن بھی ہے؟ اور پھر عجیب بات یہ ہے کہ آنحضرتؐ ابھی تک تشییع جنازہ میں مصروف تھے کیا کوئی عقل مند ہمیں یہ بتا سکتا ہے کہ جنازہ کا جلوس بارہ یا چودہ گھنٹے پر محیط تھا؟

اگر بالفرض جنازہ کی مشایعت اتنے طویل وقت تک جاری رہی تھی تو لازماً مرنے والا شخص کوئی مشہور و معروف شخصیت ہوگا۔ آخر مشہور شخصیت کا نام نہ لکھنے میں کون سی حکمت ہے؟

حقائق کی کسوٹی پر یہ حدیث کسی طرح سے بھی پوری نہیں اترتی اور اگر پوری اترتی ہے تو ہمیں مطمئن کیا جائے۔

(۳) اب لگے ہاتھوں اسی روایت کا تتمہ بھی سن لیجیے۔

حضرت علی علیہ السلام نے ابو الہیاج اسدی سے فرمایا۔

ابعثک فیما بعثنی رسول اللہ (ص) امرنی ان اسوی

کل قبر واطمس کل صنم.

”میں تجھے اس مہم پر بھیج رہا ہوں جس مہم پر رسول خدا نے مجھے

بھیجا تھا۔ آپ نے مجھے حکم دیا تھا کہ میں ہر قبر کو یکساں کروں

اور ہر بت کو پاش پاش کروں۔“

روایت کا یہ تتمہ جو کہ ایک کمزور بنیاد پر قائم ہے کسی طرح سے بھی قابل

قبول نہیں ہے کیونکہ

(۱) حضرت علیؑ نے ابو الہیاج اسدی کو یا تو اپنے دور حکومت میں بھیجا ہو گا یا

خلفائے ثلاثہ کے عہد میں روانہ کیا ہوگا۔

(۲) خلفائے ثلاثہ کے عہد میں اگر کوئی مہم روانہ کرنی مقصود ہوتی تو وہ حضرت

علیؑ کے ذریعہ سے ناممکن تھی۔

(۳) اگر یہ روایت حضرت علیؑ کے اپنے دور حکومت سے تعلق رکھتی ہے تو اس

سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خداؐ اور خلفائے ثلاثہ کے عہد میں نہ تو قبریں

یکساں کی گئی تھیں اور نہ ہی بت توڑے گئے تھے۔

کیا مکتب خلافت سے وابستہ افراد ہمیں یہ بتانے کی زحمت کریں گے کہ

ایران و شام اور افریقہ تک فتوحات کا سلسلہ پھیلانے والے بزرگوں نے قبائل کے بتوں کو اتنے طویل عرصہ تک باقی کیوں رہنے دیا تھا؟

اگر دونوں روایات کو بقرض محال صحیح سمجھ بھی لیا جائے تو اس کا مقصد صرف یہی ہو سکتا تھا کہ حضرت علیؑ نے خود مشرکین کی بلند و بالا قبروں کو یکساں کیا ہوگا اور ابو الہیاج کو بھی اسی مقصد کے لیے روانہ کیا ہوگا۔

مذکورہ روایات سے تو مشرکین کی قبروں کے قبہ جات منہدم کرنے کا ثبوت ملتا ہے مگر مکتب خلافت سے وابستہ افراد مومنین اور صحابہ و اہل بیت کے مزارات گرانے پر آخر اصرار کیوں کر رہے ہیں؟؟ کیا کوئی ہمیں تسلی بخش جواب دے کر مطمئن کرے گا؟

ب۔ مکتب خلافت کی مایہ ناز روایت

مکتب خلافت سے وابستہ افراد عام طور پر اس روایت سے استدلال کرتے ہیں۔

عن النبی انه قال: اللہم لاتجعل قبری وثناً، لعن اللہ

قوما اتخذوا قبور انبیائہم مساجد.

”نبی کریمؐ نے ارشاد فرمایا: خدایا! میری قبر کو بت نہ بنانا (کہ اس کی عبادت کی جائے) اللہ اس قوم پر لعنت کرے جنہوں نے اپنے انبیاءؑ کی قبروں کو مقام سجدہ بنا لیا۔“^(۱)

اس روایت میں ملعون قوم کی نشاندہی نہیں کی گئی۔ البتہ دوسری روایت میں ملعون قوم کی نشاندہی کی گئی ہے۔

قاتل اللہ الیہود اتخذوا قبور انبیائہم مساجد. (۲)

”خدا قوم یہود کو تباہ کرے جنہوں نے اپنے انبیاءؑ کی قبور کو مقام سجدہ بنا لیا۔“

۱۔ مسند احمد۔ ۲/۲۳۶

۲۔ مسند احمد۔ ۲/۲۸۵

اہل تحقیق اس بات سے باخبر ہیں کہ جب بنی اسرائیل نے مصر کو چھوڑا تو وہ بہت سی مشکلات کے بعد فلسطین میں آ کر آباد ہوئے اور فلسطین ہی میں ان کی عبادت کا مرکز قائم کیا گیا جسے ”مقدس“ کہا جاتا تھا۔ حضرت داؤد علیہ السلام نے اس مقدس کو پر شکوہ انداز میں تعمیر کر دیا مگر وہ اپنی زندگی میں اس کی تکمیل نہ کر سکے اور اس کی تکمیل حضرت سلیمانؑ کے عہد حکومت میں ہوئی۔ اسی لیے بنی اسرائیل کی فلسطین میں ایک ہی عبادت گاہ تھی جسے ہیکل سلیمانی کہا جاتا تھا جو کہ یروشلم میں واقع تھی اور بنی اسرائیل کے مشہور انبیاءؑ تو ”حبرون“ میں مدفون تھے جس کے متعلق دنیا کی کوئی تاریخ گواہی نہیں دیتی کہ ”حبرون“ میں ان کی عبادت گاہ تھی اور اگر بالفرض اسی روایت کو تسلیم بھی کر لیا جائے اور یہ کہا جائے کہ شاز و نادر اسرائیلی اپنے انبیاءؑ کی قبروں کی عبادت کرتے تھے تو اس سے ہمارے موقف پر کوئی زد نہیں پڑتی کیونکہ ہم بھی انبیاء و اولیاء کی قبور پر سجدہ کرنے کو جائز نہیں سمجھتے اور ان کی قبور کو قبلہ بنانا بھی درست نہیں سمجھتے۔ لہذا یہ روایت کسی طرح سے احترام قبور کے منافی نہیں ہے۔

اس مقام پر ہم یہ بات واضح کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ ہمیں احادیث رسولؐ پر کوئی اعتراض نہیں بشرطیکہ وہ واقعی حدیث رسولؐ ہو مگر ہم خود ساختہ روایت کو بھی حدیث رسولؐ ماننے پر آمادہ نہیں ہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نیک بندوں کی علامات میں سے ایک علامت یہ بھی بیان کی ہے:

وَالَّذِينَ إِذَا دُكِرُوا بِآيَاتِ رَبِّهِمْ لَمْ يَحْزُوا عَلَيْهَا صُمًّا
وَّعُمِّيَانًا. (الفرقان: ۷۳)

”اور ان لوگوں کو جب آیات الہیہ کی یاد دلائی جاتی ہے تو وہ بہرے اندھے ہو کر گرنے نہیں پڑتے۔“

مکتب امامت کا نظریہ اور دلائل

ہم نے قبور انبیاء و اولیاء پر قبر حرام سمجھنے والے افراد کے دلائل پیش کیے۔ اب ہم ان افراد کے دلائل پیش کریں گے جو انبیاء و اولیاء کے مزارات بنانے کو جائز سمجھتے ہیں اور ان مزارات میں عبادت خداوندی کو حلال تصور کرتے ہیں۔

اس سلسلہ میں ان علماء کی مضبوط ترین دلیل یہ ہے کہ کعبہ کے گرد طواف کرنے والے حجر اسماعیل کے گرد طواف کرتے ہیں اور اس کی دیوار کو بطور تبرک مس کرتے ہیں۔ جب کہ حجر اسماعیل کے متعلق علمائے امت کا اجماع ہے کہ حضرت اسماعیلؑ اور ان کی والدہ حضرت ہاجرہؑ کی قبریں وہاں ہیں۔ نمونہ کے لیے حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں:

”سیرت ابن ہشام المتوفی ۲۱۸ھ۔ تاریخ طبری المتوفی ۳۱۰ھ ابن اثیر المتوفی ۶۳۰ھ۔ ابن کثیر المتوفی ۷۷۴ھ نے حجر اسماعیل کے متعلق یہی لکھا ہے۔ ابن ہشام کی عبارت یہ ہے:

و دفن اسمعیل فی الحجر مع امہ ہاجرہ .

”اسماعیلؑ اپنی والدہ ہاجرہؑ کے ساتھ حجر میں دفن ہوئے۔“

ابن اثیر کے الفاظ یہ ہیں:

و اوصنی اسماعیل ان یدفن عند قبر امہ فی الحجر .

”حضرت اسماعیلؑ نے وصیت کی تھی کہ انہیں حجر میں ان کی

والدہ کے پاس دفن کیا جائے۔“

ابن سعد طبقات میں لکھتے ہیں:

ان اسماعیل لما بلغ عشرين سنة توفيت امہ ہاجرہ و

ہی انبۃ تسعین سنة فدفنہا اسماعیل فی الحجر وان

اسماعیل توفی بعد ابیہ فدفن فی الحجر ممایلی

الکعبۃ مع امہ ہاجرہ .

”جب حضرت اسماعیلؑ کی عمر بیس برس ہوئی تو ان کی والدہ حضرت ہاجرہؑ کی وفات ہو گئی اور اس وقت بی بی کی عمر نوے برس تھی۔ حضرت اسماعیلؑ نے انہیں حجر میں دفن کیا۔ حضرت اسماعیلؑ نے اپنے والد کے بعد وفات پائی۔ انہیں بھی حجر میں ان کی والدہ کے پہلو میں دفن کیا گیا۔“

حجر کعبہ کے ساتھ متصل ہے۔ اس کے بعد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں۔
 قبر اسماعیل تحت المیزاب بین الرکن والمقام۔^(۱)
 ”اسماعیل علیہ السلام کی قبر کعبہ کے پرنا لے کے نیچے رکن و مقام کے درمیان ہے۔“

کلاعی کی کتاب الاکتفاء ان کے بیان کا ماہصل یہ ہے۔

حضرت ہاجرہؑ حضرت اسماعیلؑ اور ان کا فرزند نابت حجر میں مدفون ہیں۔^(۲)
 حضرت اسماعیلؑ اور حضرت ہاجرہؑ کی قبروں کے متعلق مشہور سیاح ابن جبیر فہری اپنے سفر نامہ میں یوں لکھتے ہیں:

”میزاب کے نیچے صحن حجر میں جو کہ بیت اللہ شریف کے قریب ہے اس میں حضرت اسماعیل علیہ السلام کی قبر ہے اور علامت کے لیے اس پر مستطیل سبز رنگ کا سنگِ رخام لگا ہوا ہے اور اس کے ساتھ گول سبز رنگ کا سنگِ رخام دکھائی دیتا ہے اور دونوں ایک عجیب منظر پیش کرتے ہیں اور اس کے ساتھ رکنِ عراقی کے ساتھ ان کی

۱۔ ہم نے طبقات ابن سعد کی تین روایات کی تلخیص کر کے درج بالا عبارت تحریر کی ہے۔ طبقات ۱/ ۲۵ طبع یورپ۔

۲۔ الاکتفاء فی مغازی المصطفیٰ والثلاثة الخلفاء ص ۱۱۹۔ تصحیح ہنری ماہ مطبعہ جول کر بول۔ الجزائر ۱۹۳۱ عیسوی۔ کلاعی کا نام ابوالریح سلیمان بن موسیٰ حمیری الکلاعی تھا۔ ۵۶۵ھ میں پیدا ہوا اور ۶۳۳ھ میں وفات پائی۔ ماخوذ از مقدمہ کتاب۔

والدہ حضرت ہاجرہؓ کی قبر ہے اور اس قبر پر بھی سبز رنگ کا رخام موجود ہے جو کہ ڈیڑھ بالشت لمبائی میں ہے۔ نماز کے بعد لوگ مقام حجر میں ان قبور سے برکت حاصل کرتے ہیں اور ایسا ہونا بھی چاہیے کیونکہ وہ بیت عتیق کا حصہ ہیں اور ان میں دو مقدس جسم مدفون ہیں۔ ان پر درود بھیجنے والا ان کی برکتوں سے بہرہ ور ہوتا ہے۔ ان دونوں قبروں کے درمیان سات بالشت کا فاصلہ ہے۔^(۱)

قارئین کرام! یہاں تک تو آپ نے مکتب خلافت سے وابستہ علماء کی کتابوں کے حوالہ جات ملاحظہ فرمائے اور اب ہم مکتب ولایت سے وابستہ علماء کی کتابوں کے چند حوالہ جات نقل کرنا چاہتے ہیں۔

اس کے لیے کافی کلینی، من لا یحضرہ الفقیہ، علل الشرائع، وافی فیض کا شانی اور بحار کی طرف رجوع کرتے ہیں۔

الکافی میں مرقوم ہے:

وفیه. اى فى الحجر. قبر هاجر و قبر اسماعیل (ع)^(۲)

۱۔ ابن جبیر کا نام محمد بن احمد بن جبیر کنانی الاندلسی ہے بلنہ میں پیدا ہوا اور غرناطہ میں رہائش پذیر ہوا۔ اس کی ولادت ۵۴۰ھ میں ہوئی اور ستائیس ماہ شعبان ۶۱۶ھ کو اسکندریہ میں وفات پائی۔ وہ اپنے دور کا ادیب، شاعر اور فقیہ تھا اس نے اپنا ایک سفر نامہ مرتب کیا تھا جس کا نام ”رحلۃ ابن جبیر“ رکھا۔ اور اس سفر نامہ میں اس نے اپنے دو سال ساڑھے تین مہینے سفر کے مشاہدات بیان کیے اور اس نے اس سفر نامہ میں مہر بلاد عرب، عراق شام اور حقیلہ کے مشاہدات بیان کیے۔

۲۔ فردع کافی کتاب الحج، باب حج ابراہیم و اسطعیل و بناھما البیت حدیث ۱۳۔ جلد چہارہ / ۲۱۰ من لایحضرہ الفقیہ، کتاب الحج، باب علل الحج حدیث ۳۔ جلد دوم / ۱۲۵۔ ۱۲۶۔

الوافی کتاب الحج، باب حج ابراہیم و اسطعیل ۸ / ۲۸۔ بحار کتاب النبوة، باب احوال

اولاد ابراہیم..... حدیث ۴۱ / ۵۳۳۔ حدیث ۵۴۔ ۵ / ۱۳۳۔

الوافی، کتاب الحج، باب حج ابراہیم..... ۸ / ۲۸

”حجر میں جناب ہاجرہ اور حضرت اسماعیلؑ کی قبریں ہیں۔“
الکافی میں مذکور ہے:

وفيه. اى فى الحجر. قبور انبياء. (۱)

”اور حجر میں انبیاء کی قبور ہیں۔“

علاوہ ازیں الکافی، الوافی اور بحار میں مرقوم ہے:

ودفن فى الحجر مما يلى الركن الثالث عذارى بنات
اسماعيل. (۲)

”رکن سوم کے قریب حجر میں حضرت اسماعیلؑ کی کنواری بیٹیاں
ذفن کی گئیں۔“

ابوبکر فقیہ نے اپنی کتاب البلدان میں رسول خداؐ کا یہ فرمان نقل کیا ہے۔
کہ آپؐ نے فرمایا:

مامن بن هرب من قومه الا هرب الى الكعبة يعبد الله
فيها حتى يموت وان قبر هود و شعيب و صالح فى
ما بين زمزم و المقام، وان فى الكعبة قبر ثلاثمائة بنى
و ما بين الركن اليمانى الى الركن الاسود قبر سبعين
نبيا. (۳)

”جو بھی نبی اپنی قوم کے ظلم و ستم سے بھاگا تو وہ بھاگ کر کعبہ
آیا جہاں وہ مرتے دم تک خدا کی عبادت کرتا رہا۔ ہودؑ، شعیبؑ
اور صالحؑ، زمزم اور مقام کے درمیان مدفون ہیں۔ اور کعبہ میں
تین سو نبی ذفن ہیں۔ رکن یمانی سے رکن اسود تک ستر انبیاء کی
قبریں ہیں۔“

قبہ و قبور کو جائز سمجھنے والے علماء ایک دلیل یہ دیتے ہیں۔

رسول خدأ اور شیخین کی قبور روز اول ہی سے ایک حجرے میں ہیں اور آج تک آنحضرتؐ کا روضہ مبارک کسی نہ کسی شکل میں محفوظ رہا ہے۔
لہذا اگر قبہ و مزار بنانا حرام ہوتا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی قبر مطہر پر قبہ اور چھت موجود نہ ہوتی۔

اس مکتب فکر کے علماء ”وَاتَّخِذُوا مِنْ مَّقَامِ إِبْرَاهِيمَ مُصَلًّى“ (البقرہ: ۱۲۵) کی آیت سے بھی اپنے موقف کی صداقت کی دلیل پیش کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں سورہ الکہف کی اس آیت کو بطور دلیل پیش کرتے ہیں۔

وَقَالَ الَّذِينَ غَلَبُوا عَلَىٰ أَمْرِهِمْ لَنَتَّخِذَنَّ عَلَيْهِمُ
مَسْجِدًا. (الکہف: ۲۱-۷)

”اور جو ان کے امر پر غالب آئے انہوں نے کہا ہم ان پر مسجد تعمیر کریں گے۔“

دور حاضر میں وہاں قبور انبیاء و اولیاء کے زائرین کو ”قبورین“ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ انہیں چاہیے کہ وہ خاتم الانبیاءؐ اور ان کے صحابہ اور انبیائے سابقین کو بھی ”قبورین“ کے نام سے پکاریں کیونکہ ان بزرگواروں نے بھی حجر اسماعیل کا طواف کیا تھا اور حجر اسماعیل میں جناب ہاجرہ اور اسماعیل کی قبریں موجود ہیں۔

اس باب کے اختتام پر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ بنائے قبور کی احادیث میں اختلاف نہیں ہے اصل اختلاف احادیث کے سمجھنے میں ہے۔

اس کے بعد ہم میت پر رونے اور اس کے متعلق اختلاف کے سرچشمہ کی بحث کرنا چاہتے ہیں۔

۱- فروغ کافی، کتاب الحج، باب حج ابراہیم..... حدیث ۱۶-۲۱۰/۳۔ الوافی، کتاب الحج، باب حج ابراہیم..... ۲۸/۸۔ بخار حدیث ۵۶/۵-۱۳۳۔

۲- مختصر کتاب البلدان تالیف ابو بکر احمد بن فقیہ ہمدانی التوتنی ۳۴۰ھ۔ طبع بریل لیدن ص ۱۷۔

۷۔ مُردہ پر گریہ کرنے کا اختلاف اور اس کا سرچشمہ

میت پر رونا اور بالخصوص شہید پر رونا رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنت ہے۔ امام بخاری اپنی صحیح میں لکھتے ہیں:

ان النبی نعٰی زیداً وجعفرًا و ابن رواحة للناس قبل
ان یاتیہم خبرہم وقال: اخذ الراية زید ناصیب ثم
اخذها جعفر فاصیب ثم اخذها ابن رواحة فاصیب
وعیناه تذرفان.....^(۱)

”جنگ موتہ کی باقاعدہ خبر آنے سے پہلے رسول خداؐ نے زید اور جعفر اور ابن رواحہ کی موت کی خبر دی اور آپ نے فرمایا۔ اب زید نے علم اٹھایا ہے۔ وہ شہید ہو گیا۔ پھر فرمایا: اب جعفر نے علم اٹھایا ہے وہ بھی شہید ہو گیا۔ پھر فرمایا: اب ابن رواحہ نے علم اٹھایا ہے وہ بھی شہید ہو گیا اور اس دوران میں آپ کی آنکھیں برستی رہیں۔“

استیعاب، اسد الغابۃ، اصابہ اور تاریخ طبری میں جعفر طیارؓ کی شہادت کا تذکرہ موجود ہے جس کا ماہِ حاصل یہ ہے۔

جس دن حضرت جعفرؓ اور ان کے ساتھی شہید ہوئے تو آنحضرتؐ جعفرؓ

۱۔ صحیح بخاری و کتاب فضائل اصحاب النبیؐ باب مناقب خالد بن ولیدؓ ۲۰۳/۲ طبع حلبی مصر۔

کے گھر گئے اور اس کی اولاد کو بلایا۔ آپ نے بچوں کو گلے لگایا اور رونے لگے۔

یہ منظر دیکھ کر جعفر کی زوجہ اسماء بنت عمیس نے کہا: ”میرے ماں باپ آپ پر قربان! آپ رو کیوں رہے ہیں؟ کیا آپ کو جعفر اور اس کے ساتھیوں کے متعلق کوئی اطلاع ملی ہے؟“

رسول خداؐ نے فرمایا: جی ہاں۔ وہ آج شہید ہو گئے۔ اسماء کہتی ہیں میں یہ خبر سن کر اٹھی اور چیخیں مارنے لگی اور میری چیخیں سن کر عورتیں جمع ہو گئیں۔ حضرت فاطمہؑ روتی ہوئی آئیں اور کہہ رہی تھیں: واعماہ! ہائے میرا چچا۔
رسول خداؐ نے فرمایا:

علی مثل جعفر فلتبک البواکی.

”رونے والی عورتوں کو جعفر جیسے انسانوں پر رونا چاہیے۔“

رسول خداؐ کا اپنے فرزند ابراہیم پر گریہ صحیح بخاری میں ہے۔

قال انس: دخلنا مع رسول الله (ص)..... و ابراهيم
يجود بنفسه فجعلت عينا رسول الله تذر فان فقال له
عبدالرحمن بن عوف وانت يا رسول الله؟ فقال:
يا بن عوف انها رحمة ثم اتبعها باخري فقال: ان
العين تدمع والقلب يحزن ولا نقول الا ما يرضى ربنا
وانا بفراقك يا ابراهيم لمحزونون. (1)

1۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی ﷺ تاکلمکم لحدوثہ، ۱/۱۵۸۔

صحیح مسلم، کتاب العقائل، باب رحمة للصبيان والعيال حدیث ۶۲۔ سنن ابن ماجہ،
کتاب الجنائز، باب ماجاء فی النظر الی المیت حدیث ۱۶۲۵/۳۷۳۔

”انس کہتے ہیں۔ ہم رسول خدا کے ساتھ داخل ہوئے..... اس وقت آپ کے فرزند ابراہیم آخری سانس لے رہے تھے۔ رسول خدا کی آنکھیں برسے لگیں۔ عبدالرحمن بن عوف نے آپ کو روتا دیکھ کر کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ بھی رو رہے ہیں؟“

رسول خدا نے فرمایا۔ ابن عوف! یہ رحمت ہے پھر آپ نے فرمایا: آنکھ آنسو بہاتی ہے اور دل غمگین ہوتا ہے اور ہم زبان سے صرف وہی بات کریں گے جو ہمارے رب کو پسند ہوگی اور ابراہیم! ہم تیری جدائی پر غمگین ہیں۔

سنن ابن ماجہ میں یہ الفاظ وارد ہیں:

فانکب علیہ وبکی. ”رسول خدا بچے پر گر پڑے اور رونے لگے۔“

ایک نواسہ پر گریہ

صحیح بخاری میں مرقوم ہے:

ان ابنة النبی (ص) ارسلت الیہ: ان انبالی قبض فأتنا. فقام و معہ سعد ابن عبادہ ورجال من اصحابہ فرفع الی رسول اللہ (ص) و نفسه تتقعقع ففاضت عیناہ فقال سعد:

یا رسول اللہ ما هذا؟ فقال:

هذه رحمة جعلها اللہ فی قلوب عبادہ وانما یرحم

اللہ من عبادہ الرحماء^(۱)

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی (ص) و یعذب المیت ببعض بکاء

اہلہ علیہ. کتاب الرضی، باب عیادۃ الصبیان ۳/۳۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب البکاء علی

المیت حدیث ۱۱ ص ۱۹۳۔ سنن نسائی، کتاب الجنائز، باب الامر بالاحتساب والصبر ۲/

۲۶۴۔ مستدرج ۲، ۳۰۶، ۳/۳، ۸۳، ۸۸، ۸۹۔

”رسول خدا کی ایک بیٹی نے آپ کو پیغام بھیجا کہ میرا بیٹا فوت ہو گیا ہے آپ ہمارے پاس تشریف لائیں۔ یہ پیغام سن کر آنحضرتؐ اٹھے اور آپ کے ساتھ سعد بن عبادہ اور دیگر اصحاب بھی تھے۔ بچہ اٹھا کر نبی پاکؐ کے ہاتھوں میں دیا گیا اس وقت بچہ پر نزع کا عالم طاری تھا۔ آنحضرتؐ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔“ سعد نے کہا: یا رسول اللہ! یہ کیا ہے؟

آپ نے فرمایا: یہ وہ رحمت ہے جو اللہ نے اپنے بندوں کے دلوں میں رکھی ہے۔ اللہ تعالیٰ اپنے بندوں میں سے صرف رحم کرنے والوں پر ہی رحمت کرتا ہے۔
حضرت حمزہؓ پر رونے کا حکم

مغازی، واقدی اور طبقات ابن سعد کی روایات کا خلاصہ یہ ہے۔

رسول خداؐ غزوہٴ اُحد سے واپس مدینہ تشریف لائے۔ آپ انصار کے گھروں سے گزرے جہاں انصاری عورتیں اپنے شہدا پر رو رہی تھیں۔ رسول خداؐ کی آنکھوں سے آنسو جاری ہوئے اور آپ بھی رونے لگے اور فرمایا: ”لیکن حمزہؓ پر رونے والا کوئی نہیں ہے۔“ سعد بن معاذ نے یہ بات سنی تو وہ بنی عبدالاشھل کی عورتوں کے پاس گئے اور انہیں پرسہ دینے کے لیے رسول خداؐ کے دروازہ پر لے آئے۔ انصار کی خواتین نے حضرت حمزہؓ پر گریہ کیا۔ رسول خداؐ نے سنا تو آپ نے انہیں دعا دی اور انہیں واپس بھیج دیا۔ اس دن کے بعد سے آج تک انصار کی کوئی بھی عورت جب کسی میت پر روتی ہے تو وہ رونے کا آغاز حمزہؓ سے کرتی ہے۔ پھر اپنے عزیز کو روتی ہے۔^(۱)

۱۔ طبقات ابن سعد طبع دار صادر بیروت ۳/ ۱۱۔ مغازی واقدی ۱/ ۳۱۵، ۳۱۷۔ امتاع الاسماع ۱/ ۱۶۳۔ مسند احمد ۲/ ۴۰۔ تاریخ طبری۔ استیعاب۔ اسد الغابہ۔

قبر والدہ پر گریہ

زار رسول اللہ (ص) قبر امہ فبکی وابکی من حولہ:
 ”رسول خدا نے اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کی اور خود روئے
 اور ارد گرد بیٹھے ہوئے لوگوں کو بھی رلایا۔“^(۱)

اہل عزاء کے لیے کھانا بھیجنا

جب آنحضرت کو حضرت جعفر کی شہادت کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا:
 اصنعوا لاهل جعفر طعاما فانہ قد جاء ہم مایشغلہم.
 ”خاندان جعفر کے لیے طعام تیار کرو کیونکہ وہ مصیبت میں مشغول ہیں۔“^(۲)

ایام سوگواری کا تعین

آنحضرتؐ سے بالتواتر ثابت ہے کہ آپ نے عورت کے لیے شوہر کی
 موت پر چار ماہ اور دس دن سوگواری کے مقرر فرمائے اور شوہر کے علاوہ تین دن
 سوگواری کے لیے مقرر فرمائے۔

بکاء میت پر اختلاف کی وجہ

سابقہ روایات میں ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ رونا انسان کا فطری عمل ہے

۱۔ سنن نسائی، کتاب الجنائز، باب زیارة قبر المشرک ۱ / ۲۶۷۔ سنن ابی داؤد، کتاب
 الجنائز، باب زیارة القبور حدیث ۳۲۳۳ / ۳ / ۲۱۸۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی
 زیارة قبور المشرکین حدیث ۱۵۷۲ / ۱ / ۵۰۱۔

۲۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الجنائز، باب ماجاء فی الطعام یبعث الی اهل البیت حدیث
 ۱۶۱۰۔ سنن ترمذی و قال هذا حدیث سنن صحیح۔ سنن ابی داؤد۔ مسند احمد۔

اور شریعت اسلام بھی دین پر قائم ہے۔ اسی لیے شریعت طاہرہ نے رونے پر کوئی قدغن نہیں لگائی اور خود حضرت رسول خداؐ کسی کی وفات سے پہلے روئے اور کسی کی وفات کے بعد روئے اور آپؐ شہید پر چھین مار مار کر روئے اور شہید پر رونے کا حکم جاری فرمایا اور رونے والی عورتوں کو دعائے خیر دے کر رخصت کیا۔ اور آپؐ اپنی والدہ ماجدہ کی قبر پر نہ صرف خود روئے بلکہ دوسروں کو بھی رلایا۔ آپؐ نے اہل میت کے لیے کھانا بھیجنے کا حکم دیا اور شوہر کے علاوہ دوسرے رشتہ داروں کے لیے تین دن کے سوگ کا تعین فرمایا:

المختصر کسی مرنے والے پر رونا اور اس کا سوگ منانا، اس کے اہل خانہ کے لیے طعام بھجوانا سنت نبویؐ ہے۔ مگر ہمیں اس سیدھے سادے مسئلہ پر بھی اختلاف دکھائی دیتا ہے۔ آئیے ذرا جائزہ لیں کہ اس اختلاف کا سرچشمہ کیا ہے؟
جب ہم صحیح بخاری اور صحیح مسلم کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں دکھائی دیتا ہے کہ حضرت عمرؓ رونے سے منع کرتے تھے اور اس ممانعت کی نسبت رسول خداؐ کی طرف کرتے تھے جب کہ دوسری طرف ام المومنین حضرت عائشہؓ ان کے قول سے اختلاف کرتی تھیں اور اسے ان کا واہمہ تصور کرتی تھیں۔ صحیح بخاری و مسلم میں ابن عباس سے روایت ہے۔

جب حضرت عمرؓ پر قاتلانہ حملہ ہوا اور وہ زخمی ہوئے تو صحیب رونے لگے اور یہ کہنے لگے: واخاہ! واصاحباہ! ہائے میرے بھائی! ہائے میرے ساتھی! صحیب کی چیخ و پکار سن کر حضرت عمرؓ نے کہا: کیا تو مجھ پر رو رہا ہے جب کہ رسول خداؐ کا فرمان ہے۔
ان المیت لیعذب بیکاء اہلہ علیہ.

”میت کے اہل خانہ کے رونے کی وجہ سے اس پر عذاب کیا جاتا ہے؟“
ابن عباس کا بیان ہے کہ حضرت عمرؓ کی وفات کے بعد میں نے اس روایت کا تذکرہ ام المومنین عائشہؓ سے کیا تو انہوں نے کہا:

اللہ عمر پر رحم کرے۔ خدا کی قسم! رسول کریم نے یہ نہیں کہا تھا کہ مومن مردے کے اہل خانہ کے رونے کی وجہ سے اللہ مرنے والے کو عذاب دیتا ہے۔ رسول خدا نے تو یہ فرمایا تھا:

ان اللہ لیزید الکافر عذابا بیکاء اہلہ علیہ.
 ”اللہ تعالیٰ کافر کے اہل خانہ کے رونے کی وجہ سے کافر کے عذاب میں اضافہ کرتا ہے۔“

پھر بی بی نے کہا تمہارے لیے قرآن کافی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا ”وَلَا تَزِرُ وَازِرَةٌ وِزْرَ أُخْرَى“ کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا۔ یہ سن کر ابن عباس نے کہا: خدا ہی ہنساتا اور رلاتا ہے۔^(۱)

صحیح مسلم میں ہے کہ بی بی عائشہ کے سامنے بیان کیا گیا کہ ابن عمر رسول خدا سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا:

ان المیت یعذب فی قبرہ بیکاء اہلہ علیہ
 ”گھر والوں کے رونے کی وجہ سے میت کو قبر میں عذاب دیا جاتا ہے۔“

بی بی عائشہ نے کہا۔ اسے غلطی ہوئی اور وہ بات کو بھول گیا۔ رسول خدا نے یہ فرمایا تھا:

انہ لیعذب بخطیئته او بذنبہ وان اہلہ لیكون علیہ.
 ”اس پر اس کی غلطی اور گناہ کی وجہ سے عذاب ہو رہا ہے جب کہ اس کے اہل خانہ اس پر رو رہے ہیں۔“

اس سے پہلی روایت میں ہے کہ بی بی عائشہ کے سامنے ابن عمر کا یہ قول

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الجنائز، باب قول النبی (ص) بعذب المیت بیکاء اہلہ علیہ ۱۵۵/۱۔ صحیح مسلم، کتاب الجنائز، باب المیت یعذب بیکاء اہلہ علیہ حدیث ۲۲ ص ۶۳۱۔

پیش کیا گیا۔

”المیت يعذب بكاء اهله عليه“

”اہل خاندان کے رونے کی وجہ سے میت کو عذاب دیا جاتا ہے۔“

بی بی عائشہ نے کہا: اللہ عبدالرحمان کے والد پر رحم کرے اس نے ایک چیز سنی لیکن اسے وہ بات یاد نہ رہی۔ اصل بات یہ ہے کہ رسول خدا کے سامنے سے ایک یہودی کا جنازہ گزرا اس کے اہل خاندان اس پر رو رہے تھے تو آپ نے فرمایا:

”انتم تبكون وانه ليعذب“

”تم رو رہے ہو جب کہ اس پر عذاب ہو رہا ہے۔“^(۱)

امام نووی صحیح مسلم کی شرح میں لکھتے ہیں۔

”خاندان کے رونے کی وجہ سے میت کو عذاب ہوتا ہے“ یہ روایت عمر اور

ابن عمر سے مروی ہے مگر بی بی عائشہ نے اس حدیث کا انکار کیا اور یہ کہا کہ باپ

بیٹے دونوں کو اشتباہ ہوا اور ان پر نسیان طاری ہو گیا۔^(۲)

حسب ذیل روایت سے ہمارے قارئین بخوبی اندازہ کر سکتے کہ رسول خدا

کی سنت کے مقابلہ میں حضرت عمر نے اپنا اجتہاد کیا تھا۔ روایت ملاحظہ فرمائیں:

مات میت من ال الرسول فاجتمع النساء يبكين

عليه فقام عمر ينهاهن و بطردهن فقال رسول الله

۱۔ صحیح مسلم کتاب الجنائز، باب المیت يعذب بكاء اهله عليه حدیث ۲۵، ۲۶

ص ۶۳۲، حدیث ۲۷ ص ۶۳۳۔ ترمذی ۳/۲۲۵۔ سنن ابی داؤد کتاب الجنائز حدیث ۳۱۲۹/۳

۱۹۴

۲۔ شرح نووی بر حاشیہ صحیح مسلم طبع المطبعہ المصریہ ۶/۲۲۸، کتاب الجنائز باب ۱

لمیت يعذب بكاء اهله عليه.

(ص) دعهن يا عمر فان العين دامعة والقلب مصاب

والعهد قريب. (۱)

رسول خدأ کے خاندان میں سے ایک فرد کا انتقال ہوا تو عورتیں جمع ہو کر رونے لگیں۔ عمر اٹھ کر انہیں روکنے اور انہیں ڈرانے دھمکانے لگے۔ یہ دیکھ کر رسول خدأ نے فرمایا:

عمر! انہیں چھوڑ دو کیونکہ آنکھ روتی ہے اور دل مصیبت زدہ ہے اور صدمہ تازہ ہے۔ حضرت عمر اپنے خود ساختہ اجتہاد میں تشدد سے بھی گریز نہیں کرتے تھے جیسا کہ صحیح بخاری میں ہے۔

كان عمر يضرب فيه بالعصا و يرمى بالحجارة
ويحشى بالتراب.

”حضرت عمر رونے والوں کو ڈنڈے سے مارا کرتے تھے اور رونے والوں پر پتھر برسایا کرتے تھے اور رونے والوں کے منہ میں خاک پھینکتے تھے۔“

درج بالا بحث سے بخوبی ثابت ہوتا ہے کہ رونے کے فطری مسئلہ کو حضرت عمر کی خود ساختہ رائے سے مربوط کیا گیا اور پھر ان کی رائے کی تائید کے لیے کئی طومار احادیث کے وضع کیے گئے۔ اس مختصر رسالہ میں اتنی گنجائش نہیں ہے کہ ہم ہر حدیث پر تبصرہ کریں اور ہر حدیث کو اسماء الرجال اور عقل و دانش کی کسوٹی پر پرکھیں۔ البتہ ہماری بحث سے یہ اندازہ ضرور لگایا جا سکتا ہے کہ یہ سب کچھ حضرت عمر کا پیدا کردہ ہے۔

۱۔ سنن نسائی، کتاب الجنائز، باب الرخصة في البكاء على الميت سنن ابن ماجہ کتاب الجنائز، باب ماجاء في البكاء على الميت حدیث ۱۵۸۷ ص ۵۵۔ مسند احمد ۱۱۰/۲ ص ۲۷۳، ۳۳۳، ۳۳۳۔

۸۔ چند آیاتِ قرآنی جن کی تادیل میں اختلاف ہے

اب تک آپ نے ایسے مسائل پڑھے جن کے اختلافات کا سرچشمہ متضاد احادیث تھیں اور اس باب میں ہم چند ایسی قرآنی آیات کی نشان دہی کریں گے جن کی تاویل میں اختلاف ہے۔ بطور نمونہ چند آیات ملاحظہ فرمائیں۔

الف: غیر اللہ کو پکارنا

دہابی مذہب کے بانی شیخ محمد بن عبدالوہاب نے اپنی کتاب ”الاصول الثلاثة وادلتها“ کے صفحہ چار پر لکھا ہے: آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ ہر مسلمان مرد اور عورت کے لیے ان تین مسائل کا جاننا اور ان پر عمل کرنا ضروری ہے۔

۱۔ خداوند عالم نے ہمیں پیدا کیا۔

۲۔ اللہ اس پر راضی نہیں ہے کہ اس کی عبادت میں کسی کو شریک کیا جائے خدا کی عبادت میں نہ کوئی ملک مقرب اور نہ ہی نبی مرسل الغرض کوئی بھی شریک نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا. (الحج: ۱۸)

”اور مساجد اللہ کے لیے ہیں لہذا اس کے علاوہ کسی کی عبادت نہ کرنا۔“

محمد بن عبدالوہاب کتاب مذکور کے صفحہ پانچ پر یوں رقم طراز ہے:

دے کر خشکی تک پہنچا دیتا ہے تو فوراً شرک اختیار کر لیتے ہیں۔“
 شیخ موصوف نے اپنے رسالہ ”الدین و شروط الصلاة“ کے صفحہ آٹھ پر لکھا
 ہے جس کا حاصل یہ ہے۔ عبادت کی کئی اقسام ہیں جن میں ایک قسم پکارنا بھی ہے
 جیسا کہ ”وَأَنَّ الْمَسَاجِدَ لِلَّهِ فَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا“ کی آیت مجیدہ اس کی
 طرف اشارہ کرتی ہے۔

رسالہ شفاء الصدور میں شیخ موصوف کا ایک پیر و لکھتا ہے۔
 شیخ محمد بن عبدالوہاب اور ان کے پیروکاروں کی محنت سے شرک کی تاریکیاں
 دور ہوئیں اور مکہ و مدینہ جیسے شہر شرک کی آلودگی سے پاک ہوئے اور یہ ان کی محنت کا
 ثمر ہے کہ آج ہمیں حرمین میں شرک کا شائبہ تک دکھائی نہیں دیتا۔
 وہابیوں کی نظر میں کسی مسلمان کا ”یا رسول اللہ“ بقرض تو سل کہنا غیر اللہ کو
 پکارنے کے مترادف ہے اور ان کے خیال کے مطابق اس کا یہ عمل ”لَا تَدْعُوا مَعَ
 اللَّهِ“ کی مخالفت ہے۔

ب: غیر اللہ کا فیصلہ

اس کتب فکر کے نزدیک غیر اللہ کا فیصلہ بھی غیر اللہ کو پکارنے کے مترادف
 ہے اور اس سلسلہ میں ان کے استدلال کی بنیاد بھی خوارج کے استدلال پر مبنی ہے۔
 کیونکہ خوارج نے جنگ صفین میں حکیم قبول کرنے والوں پر کفر کا فتویٰ صادر کیا تھا
 اور انہوں نے اپنے فتویٰ کی بنیاد ان آیات مجیدہ کو قرار دیا تھا۔

إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ عَلَيْهِ تَوَكَّلْتُ وَعَلَيْهِ فَلْيَتَوَكَّلِ
 الْمُتَوَكِّلُونَ. (یوسف: ۶۷)

”فیصلہ کرنا صرف اللہ کا حق ہے۔ میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور

بھروسہ کرنے والوں کو اسی پر بھروسہ کرنا چاہیے۔“

أَفَغَيْرَ اللَّهِ ابْتِغَىٰ حَكْمًا وَهُوَ الَّذِي أَنْزَلَ إِلَيْكُمُ

الکتاب. (الانعام: ۱۱۳)

”کیا میں غیر اللہ کو بطور حکم تلاش کروں جب کہ اسی نے تمہاری طرف کتاب نازل کی ہے۔“

خوارج کی ابتداء

جب جنگ صفین میں حضرت علیؑ کی فوج کا پلڑا بھاری ہوا اور معاویہ کو اپنی یقینی شکست دکھائی دینے لگی تو اس نے لڑائی کو ٹالنے اور جنگ کا پانسہ پلٹنے کے لیے عمرو بن العاص کے مشورہ سے قرآن مجید نیزوں پر بلند کیا اور یہ صدا دی کہ اہل عراق! جنگ بند کر دو۔ ہم قرآن کے مطابق اپنے تنازعات کا فیصلہ کریں گے۔

حضرت علیؑ علیہ السلام معاویہ کی مکاری کو جانتے تھے آپ نے اپنے لشکر کو جنگ جاری رکھنے کا حکم دیا۔ مگر آپ کے لشکر کا ایک بڑا حصہ منحرف ہو گیا اور کہا کہ اب ہم جنگ نہیں کریں گے۔

آخر کار مجبور ہو کر حضرت علیؑ کو تحکیم قبول کرنا پڑی۔ مگر جن لوگوں نے آپ کو جنگ بندی پر مجبور کیا تھا انہوں نے یہ کہہ کر مخالفت شروع کر دی کہ فیصلہ کا حق صرف خدا کو پہنچتا ہے۔ حضرت علیؑ نے تحکیم قبول کر کے نعوذ باللہ کفر کا ارتکاب کیا ہے اور ہم نے بھی تحکیم پر انہیں مجبور کر کے کفر کا ارتکاب کیا ہے۔ اب ہم اپنے کفر سے توبہ کرتے ہیں اور اگر علیؑ اپنی غلطی کا اقرار کر لیں اور ہماری طرح سے توبہ کریں تو ہم ان کا ساتھ دیں گے ورنہ ہمارے اور ان کے درمیان تلوار فیصلہ کرے گی۔

خوارج نے نبیؐ بی عانتہ عثمانؓ طلحہؓ و زبیرؓ معاویہ اور عمرو بن العاص پر بھی کفر کا فتویٰ صادر کیا اور عامتہ المسلمین بھی ان کی نظر میں کافر قرار پائے۔ پھر ان لوگوں نے تلوار اٹھائی اور مسلمانوں کے خلاف جنگ میں مصروف ہو گئے۔ حضرت رسول خداؐ اس فرقہ کی پہلے سے خبر دے چکے تھے اور آپ نے فرمایا تھا:

يقتلون اهل الاسلام و يدعون اهل الاوثان لنن

ادر کتھم لاقتلھم قتل عاد.

”وہ لوگ اہل اسلام سے جنگ کریں گے اور بت پرستوں کو

چھوڑ دیں گے اور اگر وہ فرقہ میرے دور میں نمودار ہوا تو میں

ان کو ایسے قتل کروں گا جیسا کہ اللہ نے عاد کو قتل کیا تھا۔“

بعض روایات میں ہے کہ میں انہیں ایسے قتل کروں گا جیسا کہ خدا نے ثمود

کو قتل کیا تھا۔^(۱)

۱۔ رسول خداؐ کے عہد مبارک میں حضرت علیؑ نے یمن سے سونے کی ایک مقدار آنحضرتؐ کی خدمت میں روانہ کی تھی۔ آنحضرتؐ نے وہ تمام سونا چار مؤلفۃ القلوب افراد میں تقسیم کر دیا جس کی وجہ سے قریش اور انصار ناراض ہوئے اور کہنے لگے کہ عجیب بات ہے کہ آپؐ یہ سونا اہل نجد کو دے رہے ہیں اور ہمیں فراموش کر رہے ہیں! رسول خداؐ نے فرمایا: میں نے تالیف قلب کی غرض سے ایسا کیا ہے۔

پھر ایک شخص اٹھا جس کا سر منڈھا ہوا تھا اور اس نے کہا: محمدؐ! خدا سے ڈرو!

رسول خداؐ نے فرمایا: ”اگر میں بھی خدا کی نافرمانی کرنے لگوں تو خدا کی اطاعت کون

کرے گا؟ خدا تو مجھے اہل زمین پر امین قرار دیتا ہے لیکن تم مجھے امین ماننے پر آمادہ نہیں ہو۔“

جب وہ شخص چلا گیا تو آپؐ نے فرمایا:

ان من ضنطنی هذا قوما یقرأون القرآن لا (یجاوز) حنا جرھم یمرقون من

الاسلام مروق السهم من الرمية یقتلون اهل الاسلام.

”عنقریب اس کے بھائی بندوں میں ایک قوم پیدا ہوگی جو قرآن زیادہ

پڑھیں گے۔ مگر قرآن ان کے حلق سے نیچے نہیں اترے گا اور وہ دین سے ایسے

نکل جائیں گے جیسا کہ تیر کمان سے نکل جاتا ہے۔ ان کی علامت سر منڈھانا

ہوگی۔“

صحیح بخاری، کتاب التوحید، باب قول اللہ ”تخرج الملائكة“ ۱۸۸/۳۔

صحیح مسلم، کتاب الزکوٰۃ، بابا ذکر الخوارج و صفاتھم حدیث ۱۳۳ ص ۴۲۔

مکتبِ امامت کی طرف سے جواب

نظریہ وہابیت کے مخالفین اور مکتبِ امامت سے وابستہ علمائے دین کا موقف یہ ہے کہ قرآن مجید کی آیات ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں۔ لہذا اگر قرآن مجید میں ایک مقام پر ”إِنَّ الْحُكْمَ إِلَّا لِلَّهِ“ کی آیت موجود ہے تو سورہ مائدہ میں یہ آیت بھی موجود ہے:

فَإِنْ جَاءَ وَكَ فَاحْكُم بَيْنَهُمْ أَوْ أَعْرِضْ عَنْهُمْ وَإِنْ تُعْرِضْ عَنْهُمْ فَلَنْ يَضُرُّوكَ شَيْئًا وَإِنْ حَكَمْتَ فَاحْكُم بَيْنَهُم بِالْقِسْطِ. (المائدہ: ۴۲)

”اگر وہ آپ کے پاس آئیں تو آپ ان کے درمیان فیصلہ کریں یا ان سے منہ موڑ لیں اور اگر آپ ان سے منہ موڑ لیں تو وہ آپ کو ہرگز کچھ بھی نقصان نہیں پہنچائیں گے اور اگر آپ فیصلہ کریں تو ان کے درمیان انصاف کے مطابق کریں۔“

اس آیت مجیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو اہل کتاب میں فیصلہ کرنے کا اختیار دیا ہے۔ اگر زوجین میں ناچاقی پیدا ہو جائے تو اس کے فیصلہ کے لیے خداوند عالم نے حکم مقرر کرنے کا حکم دیا ہے۔ جیسا کہ ارشادِ قدرت ہے:

وَإِنْ خِفْتُمْ شِقَاقَ بَيْنِهِمَا فَابْعَثُوا حَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا وَحَكَمًا مِّنْ أَهْلِهَا إِنْ يُرِيدَا إِصْلَاحًا يُوَفِّقِ اللَّهُ بَيْنَهُمَا..... (النساء: ۳۵)

”اور اگر تمہیں ان دونوں میں ناچاقی کا اندیشہ ہو تو تم ایک حکم مرد کے خاندان سے اور ایک حکم عورت کے خاندان سے روانہ کرو۔ اگر وہ اصلاح کے خواہش مند ہوں گے تو اللہ ان کے

درمیان توفیق عنایت کرے گا۔“

ہمارا موقف یہ ہے کہ مذکورہ دو آیات پہلی آیت مجیدہ کی متضاد نہیں ہیں اور ان آیات کو سمجھنے کے لیے درج ذیل مثال پر غور فرمائیں۔

حکومت نے کسی شخص کو قاضی مقرر کیا ہے تو اسے حکومت کی طرف سے یہ حق حاصل ہے کہ وہ مقدمات کا فیصلہ کرے۔ البتہ اسے اپنی طرف سے کسی دوسرے کو قاضی مقرر کرنے کا اختیار نہیں ہے۔ جب کہ حکومت کے سربراہ کو یہ حق حاصل ہے کہ چاہے تو وہ خود فیصلہ کرے یا فیصلہ کے لیے کسی قاضی کو مقرر کرے۔

اسی طرح سے مالک الملک اللہ ہے اور فیصلہ کرنا اسی کا حق ہے چاہے تو وہ اپنے عدل کے تحت خود فیصلہ کرے اور اگر چاہے تو کسی کو حکم مقرر کر دے اور حکم اور قاضی کا فیصلہ بھی دراصل اس کا اپنا ہی فیصلہ ہے کیونکہ انہیں بھی خدا نے اس عہدہ جلیلہ پر فائز کیا ہے۔

انبیائے کرامؑ کو اللہ تعالیٰ نے فیصلہ کرنے کا حق عنایت فرمایا ہے اور اسی طرح سے زوجین کی ناجاتی کی صورت میں حکم بننے والے افراد کو فیصلہ کرنے کا حق دیا ہے۔ بہر نوع انبیاءؑ کا فیصلہ درحقیقت خدا ہی کا فیصلہ ہے اس سے علیحدہ ہرگز نہیں ہے۔ اسی طرح سے ہم عنقریب بطور توسل رسولؐ کو پکارنے کی بحث بھی کریں گے۔ اللہ تعالیٰ کی بعض صفات ایسی بھی ہیں جو کہ اللہ تعالیٰ نے اپنی شان کریمی سے اپنے بندوں کو بھی عطا کی ہیں۔ جب کہ ان کا حقیقی مالک خدا ہے۔

خدا کی صفتِ ملک

مالک ہونا خدا کی شان ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَلِلَّهِ مُلْكُ السَّمَاوَاتِ وَالْأَرْضِ وَمَا بَيْنَهُمَا وَإِلَيْهِ
الْمَصِيرُ. (المائدہ: ۱۸)

”زمین و آسمان اور جو کچھ ان کے درمیان ہے اس کی

بادشاہت خدا کے لیے ہے اور اسی کی طرف بازگشت ہے۔
اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

لَمْ يَتَّخِذْ وَلَدًا وَ لَمْ يَكُنْ لَهُ شَرِيكٌ فِي الْمُلْكِ.....
(الاسراء- ۱۱۱- فرقان- ۲)

”خدا کے ہاں بیٹا نہیں ہے اور بادشاہت میں اس کا کوئی
شریک نہیں ہے۔“

اور اب ان دو آیات کے بعد ان دو آیات کی تلاوت فرمائیں۔
وَمَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ.

”اور جن پر تمہارا دایاں ہاتھ مالک ہوا ہے۔“

(النساء- ۳، ۲۳، ۲۵، ۳۶..... وغیرہ)

اللہ تعالیٰ نے سورہ آل عمران میں ارشاد فرمایا:

قُلِ اللَّهُمَّ مَالِكَ الْمُلْكِ تُؤْتِي الْمُلْكَ مَنْ تَشَاءُ
وَتَنْزِعُ الْمُلْكَ مِمَّنْ تَشَاءُ وَتُعْزِزُ مَنْ تَشَاءُ وَتُذِلُّ مَنْ
تَشَاءُ بِيَدِكَ الْخَيْرُ إِنَّكَ عَلَىٰ كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ.

(آل عمران: ۲۶)

”آپ کہہ دیں اے اللہ تو ہی مالک الملک ہے تو جسے چاہے
سلطنت دے اور جس سے چاہے سلطنت چھین لے اور جسے
چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے۔ تیرے ہاتھ میں
بھلائی ہے بے شک تو ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے۔“

ان آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ اصلی مالک کائنات خدا ہے اور جب وہ

چاہے تو اپنے کسی بندے کو ملکیت و حکومت عطا کر دیتا ہے۔ کسی بھی بندے سے عطا
کردہ ہے۔

خالق وحی

اللہ تعالیٰ ہر چیز کا خالق ہے اور وہی زندہ کرنے والا ہے۔ اس سلسلہ میں قرآن مجید کی تعلیمات یہ ہیں:

خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ. (الانعام: ۱۰۲)

”اللہ ہر چیز کا خالق ہے۔“

هَلْ مِنْ خَالِقٍ غَيْرُ اللَّهِ. (فاطر: ۳)

”کیا اللہ کے علاوہ کوئی خالق ہے؟“

أَلَا لَهُ الْخَلْقُ وَالْأَمْرُ. (الاعراف: ۵۳)

”آگاہ رہو خلق اور امر اسی کے لیے ہے۔“

وَهُوَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ. (المؤمنون: ۸۰)

”اور وہی تو ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے۔“

فَاللَّهُ هُوَ الْوَلِيُّ وَهُوَ يُحْيِي الْمَوْتَى. (الشوری: ۹)

”اللہ ہی کارساز ہے اور وہی مردوں کو زندہ کرتا ہے۔“

درج بالا آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ خالق صرف اللہ ہے اور مردے زندہ کرنے والا بھی اللہ ہے۔ مگر اس کے باوجود ہم یہ دیکھتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام بھی اذن خداوندی سے پرندہ پیدا کرتے تھے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ بِأَذْنِي فَتَنفُخُ فِيهَا

فَتَكُونُ طَيْرًا بِأَذْنِي وَتَبْرئُ الْأَكْمَامَ وَالْأَبْرَصَ بِأَذْنِي

وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَى بِأَذْنِي..... (المائدہ: ۱۱۰)

”اللہ تعالیٰ نے حضرت عیسیٰؑ سے کہا اور جب تو مٹی سے

پرندے کی شکل و صورت بناتا تھا میرے حکم سے اور تو اس میں

پھونک مارتا تھا تو میرے حکم سے وہ پرندہ بن جاتا تھا اور تو
پیدائشی اندھوں اور کوڑھیوں کو میرے حکم سے تندرست کرتا تھا
اور تو میرے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا تھا۔

حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے اپنی زبانی اپنے معجزات بیان کرتے ہوئے فرمایا:

أَنِّي أَخْلُقُ لَكُمْ مِنَ الطَّيْنِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ فَأَنْفُخُ فِيهِ
فَيَكُونُ طَيْرًا بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُبْرِئُ الْأَكْمَهَ وَالْأَبْرَصَ
وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ. (آل عمران: ۴۹)

”میں تمہارے سامنے مٹی سے پرندہ کی شکل و صورت بناتا ہوں
پھر اس میں پھونک مارتا ہوں تو وہ اللہ کے حکم سے سچ سچ پرندہ
بن جاتا ہے اور میں پیدائشی اندھوں اور مبروص افراد کو تندرست
کر دیتا ہوں اور اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں۔“

خدا کے پیدا کرنے اور زندہ کرنے اور حضرت عیسیٰؑ کے پیدا کرنے اور
زندہ کرنے میں کوئی تضاد نہیں ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ خالق و محی علی الاطلاق ہے اور
حضرت عیسیٰؑ اس کے حکم اور اس کی عطا کردہ قوت سے پرندہ خلق کرتے تھے اور
مردوں کو زندہ کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ خالق ہے اور اس نے اپنی شان تخلیق کے لیے زوجین کو ذریعہ
بنایا اور ان کے ملاپ سے مخلوق پیدا کی اور اگر وہ چاہے تو والدین کے بغیر آدم و حوا
کو پیدا کر دے اور اگر چاہے تو والد کے بغیر حضرت عیسیٰؑ کو پیدا کر دے یہ سب
اس کی شان خلاقی ہے۔

مردوں کو زندہ کرنا خدا کی صفت ہے مگر خدا نے حضرت عیسیٰؑ کو اپنی اس
صفت کا مظہر بنایا۔ بلکہ ایک موقع پر تو زرد رنگ کے گائے کے گوشت سے بنی
اسرائیل کا ایک مقتول زندہ ہوا اور اس نے اپنے قاتل کا نام و پتہ بتایا۔

حضرت عیسیٰؑ کے پرندہ بنانے سے خدا کی خالقیت پر کوئی حرف نہیں آتا اور مردے زندہ کرنے سے خدا کی صفت احیاء مشکوک نہیں ہوتی کیونکہ انہوں نے جو کچھ بھی کیا خدا کے فرمان اور اجازت سے سرانجام دیا۔

صفت ولی و شفیع

خدا ہی حقیقی ولی و شفیع ہے۔ جیسا کہ ان آیات میں بیان ہوا ہے۔

ا: اَمْ اتَّخَلُّوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ شُفَعَاءَ قُلْ اَوْلَوْ كَانُوْا لَا يَمْلِكُوْنَ شَيْئًا وَلَا يَعْقِلُوْنَ قُلْ لِلّٰهِ الشَّفَاعَةُ جَمِيعًا لَّهٗ مُلْكُ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ ثُمَّ اِلَيْهِ تُرْجَعُوْنَ. (الزمر: ۴۳)

”کیا ان لوگوں نے خدا کو چھوڑ کر سفارش کرنے والے اختیار کر

لیے ہیں تو آپ کہہ دیجئے کہ ایسا کیوں ہے چاہے یہ لوگ کوئی

اختیار نہ رکھتے ہوں اور کسی طرح کی بھی عقل نہ رکھتے ہوں۔

کہہ دیجئے کہ شفاعت کا تمام تر اختیار اللہ کے ہاتھوں میں ہے

اس کے پاس زمین و آسمان کا سارا اقتدار ہے اور اس کے بعد

تم بھی اسی کی بارگاہ میں پلٹائے جاؤ گے۔“

ب: مَا لَكُمْ مِنْ دُوْنِهِ مِنْ وَّلِيٍّ وَلَا شَفِيعٍ اَفَلَا

تَتَذَكَّرُوْنَ. (الجمہ: ۴)

”اس کے علاوہ کوئی تمہارا سرپرست اور سفارش کرنے والا نہیں

ہے کیا تمہاری سمجھ میں یہ بات نہیں آ رہی ہے۔“

ج: لَيْسَ لَهُمْ مِنْ دُوْنِهِ وَّلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ. (الانعام: ۵۱)

”اس کے علاوہ ان کا سرپرست اور سفارش کرنے والا کوئی نہیں۔“

د: وَذَكَرْ بِهِ اَنْ تُبْسَلَ نَفْسٌ بِمَا كَسَبَتْ لَيْسَ لَهَا مِنْ

دُوْنِ اللّٰهِ وَّلِيٌّ وَلَا شَفِيعٌ. (الانعام: ۷۰)

”ان کو یاد دہانی کراتے رہو مبادا کہ کوئی شخص اپنے کیے کی بنا پر ایسے عذاب میں مبتلا ہو جائے کہ اللہ کے علاوہ کوئی سرپرست اور سفارش کرنے والا نہ ہو۔“

قارئین کرام! آپ نے مذکورہ چار آیات میں پڑھا کہ شفاعت خدا کے ساتھ مخصوص ہے اور ان آیات میں کوئی استثناء نہیں ہے مگر قرآن مجید کی آیات ایک دوسرے کی تفسیر کرتی ہیں اور عام کو خاص اور مطلق کو مقید ثابت کرتی ہیں۔ اسی قانون قرآن کے تحت اللہ تعالیٰ نے غیر اللہ سے شفاعت کی نفی نہیں کی بلکہ شفاعت کا اثبات کیا اور اسے اپنے اذن سے مشروط کیا۔ اسی حوالہ سے مندرجہ ذیل آیات کو ملاحظہ فرمائیں:

ا: مَا مِنْ شَفِيعٍ إِلَّا مِنْ بَعْدِ اِذْنِهِ. (یونس: ۳)

”کوئی اس کی اجازت کے بغیر شفاعت کرنے والا نہیں ہے۔“

ب: مَنْ ذَا الَّذِي يَشْفَعُ عِنْدَهُ إِلَّا بِاِذْنِهِ. (البقرہ: ۲۵۵)

”کون ہے جو اس کی اجازت کے بغیر اس کے ہاں شفاعت کرے؟“

ج: يَوْمَئِذٍ لَا تَنْفَعُ لَشَفَاعَةٍ إِلَّا مَنْ اِذِنَ لَهُ الرَّحْمَنُ

وَرَضِيَ لَهُ قَوْلًا. (طہ: ۱۰۹)

”اس دن کسی کی سفارش کام نہ آئے گی سوائے اس کے جنہیں

خدا نے اجازت دے دی ہو اور وہ ان کی بات سے راضی ہو۔“

د: وَلَا تَنْفَعُ الشَّفَاعَةُ عِنْدَهُ إِلَّا لِمَنْ اِذِنَ لَهُ..... (سبا: ۲۳)

”اور اس دن اس کے ہاں بس اسی کی شفاعت فائدہ دے گی

جسے خدا نے اجازت دی ہو۔“

ه. لَا يَمْلِكُونَ الشَّفَاعَةَ إِلَّا مَنْ اتَّخَذَ عِنْدَ الرَّحْمَنِ

عَهْدًا. (مریم: ۸۷)

”اس وقت کوئی شفاعت کا صاحب اختیار نہ ہو گا مگر وہ جس

نے رحمان کی بارگاہ میں شفاعت کا عہد لے لیا ہے۔“

و: وَلَا يَشْفَعُونَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضَىٰ. (انبیاء۔ ۲۸)

”اور وہ کسی کی شفاعت نہیں کر سکتے مگر یہ کہ خدا اس کو پسند کرے۔“

پہلی اور دوسری قسم کی آیات میں دراصل کوئی تضاد نہیں ہے۔ دونوں قسم کی

آیات کو ملانے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے شفاعت کا سرچشمہ ذات خداوندی ہے اور

اللہ نے اپنے صالح بندوں کو شفاعت کا اختیار دیا ہے۔ لہذا ان کی شفاعت بھی

درحقیقت خدا کی شفاعت ہے۔

کیا خدا کے علاوہ بھی کوئی ولی ہے؟

مندرجہ ذیل آیات میں ولایت کو خدا کے ساتھ مخصوص کیا گیا ہے:

۱: إِنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ يُحْيِي

وَيُمِيتُ وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ.

(التوبہ: ۱۱۶)

”بے شک زمین و آسمانوں کی بادشاہت اللہ کے لیے ہے وہی

زندہ کرتا اور مارتا ہے اور اللہ کے علاوہ تمہارا کوئی ولی اور مددگار

نہیں ہے۔“

۲: أَلَمْ تَعْلَمْ أَنَّ اللَّهَ لَهُ مُلْكُ السَّمَوَاتِ وَالْأَرْضِ

وَمَا لَكُمْ مِنْ دُونِ اللَّهِ مِنْ وَلِيٍّ وَلَا نَصِيرٍ. (البقرہ۔ ۱۰۷)

”کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ آسمانوں اور زمین کی بادشاہت خدا

کے لیے ہے اور خدا کے علاوہ تمہارا کوئی ولی اور مددگار نہیں ہے۔“

۳: أَفَحَسِبُ الَّذِينَ كَفَرُوا أَنْ يَتَّخِذُوا عِبَادِي مِنْ دُونِي

أَوْلِيَاءَ إِنَّا أَعْتَدْنَا جَهَنَّمَ لِلْكَافِرِينَ نُزُلًا. (الکہف: ۱۰۲)

”تو کیا کافروں کا خیال یہ ہے کہ یہ ہمیں چھوڑ کر ہمارے بندوں کو اپنا سرپرست بنا لیں گے تو ہم نے جہنم کو کافرین کے لیے بطور منزل مہیا کر دیا ہے۔“

اب ان آیات کے بعد اس آیت مجیدہ کی تلاوت فرمائیں:
 إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ
 الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ. (المائدہ: ۵۵)
 ”ایمان والو! بس تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ
 صاحبان ایمان جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں
 زکوٰۃ دیتے ہیں وہ تمہارے ولی ہیں۔“

ان دونوں طرح کی آیات کو ملانے سے ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ ولایت کا سرچشمہ ذات احدیت ہے البتہ اللہ نے اپنے رسول اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دینے والے مومن کو تاج ولایت سے سرفراز کیا ہے۔ لہذا اگر ہم کہیں کہ اللہ اور رسول اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دینے والی شخصیت ہمارے ولی ہیں تو اس سے کوئی شرک لازم نہیں آئے گا۔

اللہ نے والد کو بھی اس کی اولاد پر حق ولایت دیا ہے۔ اسی طرح سے اگر اللہ اپنے رسول اور علیؑ مولا کو ولایت عطا کر دے تو اس پر اعتراض اور تعجب کیوں ہے؟
 مذکورہ صفات کے متعلق یہ کہنا بالکل صحیح ہے کہ اللہ حاکم، مالک، شفیع اور ولی ہے اور اسی طرح سے اللہ اپنے بندوں میں سے کسی کو یہ صفات عطا کر دے تو اس بندہ کو مالک، حاکم، شفیع اور ولی کہنا بھی درست ہے اور اس مفہوم کو مزید سمجھانے کے لیے درج ذیل آیات ملاحظہ فرمائیں:

۱: اَللّٰهُ يَتَوَفّٰى الْاَنْفُسَ حِيْنَ مَوْتِهَا. (الزمر-۴۲)

”اللہ ہی موت کے وقت جانداروں کو موت دیتا ہے۔“

۲: قُلْ يَتَوَفَّاكُم مَّلَكُ الْمَوْتِ الَّذِي وُكِّلَ بِكُمْ ثُمَّ
إِلَىٰ رَبِّكُمْ تُرْجَعُونَ. (السجده: ۱۱)

”آپ کہہ دیں تمہیں وہ ملک الموت وفات دے گا جو تمہارے
لیے مقرر کیا گیا ہے پھر تم اپنے رب کے پاس لوٹائے جاؤ گے۔“

۳: تَوَفَّاتُهُ رُسُلْنَا وَهُمْ لَا يُفَرِّطُونَ. (الانعام: ۶۱)

”ہمارے نمائندوں نے اسے وفات دی اور وہ کسی طرح کی کمی
نہیں کرتے۔“

ان آیات مجیدہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اللہ موت دیتا ہے۔ ملک الموت
موت دیتا ہے اور فرشتے موت دیتے ہیں۔ اس کی مزید وضاحت کے لیے اس مثال
پر توجہ فرمائیں۔

ایک بادشاہ نے ایک نیا شہر آباد کرنے کا حکم دیا۔ اس کے وزیر تعمیرات
نے اس شہر کی تعمیر میں مرکزی کردار ادا کیا اور معماروں اور مزدوروں نے شہر کے
مکانات تعمیر کیے۔ لہذا اب اگر کوئی شخص کہے کہ بادشاہ نے شہر بنایا تو اس کی بات
درست ہوگی اور اگر کوئی یہ کہے کہ وزیر تعمیرات نے خوبصورت شہر بنایا تو اس کی بات
بھی درست ہوگی اور اگر کوئی شخص یہ کہے کہ معماروں اور مزدوروں نے خوبصورت
شہر تعمیر کیا تو اس کی بات بھی درست ہوگی۔ اسی طرح سے موت دینے کی نسبت اللہ
کی طرف دی جائے تو بھی درست ہے اور خدا کے نمائندہ ہونے کی وجہ سے یہ نسبت
ملک الموت کی طرف کی جائے تو بھی درست ہے اور اگر موت پر موکل فرشتوں کی
طرف اس کی نسبت کی جائے تو بھی درست ہے۔

یہی حال باقی صفات کا ہے یعنی اگر خدا کو شفیع اور ولی کہا جائے تو بھی

درست ہے اور اگر خدا کے مقررین خاص کو شفیع اور رسول خدا اور حضرت علیؑ کو ولی کہا جائے تو بھی درست ہے اس سے کسی طرح کا شرک لازم نہیں آتا۔

رسول خدا کو پکارنا اور ان سے توسل حاصل کرنا

جیسا کہ ہم سابقہ بحث میں یہ عرض کر چکے ہیں کہ اذن الہی سے مقرر ہونے والے افراد کو حاکم، مالک، شفیع، خالق، محی، ممیت اور ولی ماننے سے کوئی شرک لازم نہیں آتا کیونکہ انہیں باذن اللہ یہ اختیار حاصل ہیں۔

اسی طرح سے رسول خدا کو خدا کی بارگاہ میں وسیلہ سمجھ کر پکارنا بھی کسی طرح سے موجب شرک نہیں ہے اور اس طرح سے آنحضرتؐ کو پکارنے سے ”وَلَا تَدْعُوا مَعَ اللَّهِ أَحَدًا“ کی خلاف ورزی نہیں ہوتی۔ اس سے قبل ہم مسند احمد، سنن ترمذی اور ابن ماجہ اور سنن بیہقی کی یہ روایت پیش کر چکے ہیں کہ رسول خدا نے اپنے ایک نابینا صحابی کو بینائی کے لیے دعا فرمائی:

اللهم انى اسئلك واتوجه بنبىك محمد نبى
الرحمة، يا محمد انى توجهت بك الى ربى فى
حاجتى لتقضى لى اللهم فشفعه فى.

”پروردگار! میں تجھ سے سوال کرتا ہوں اور تجھے تیرے نبی
رحمت محمدؐ کا واسطہ دیتا ہوں۔ اے محمد! میں آپ کے ذریعہ سے
اپنے رب کی طرف متوجہ ہوتا ہوں تاکہ میری حاجت پوری ہو۔
خدایا! محمد کو میرا شفیع بنا۔“ (۱)

نابینا صحابی نے یہ دعا مانگی اور اللہ نے اسے شفا یاب کر دیا۔

بارگاہ خداوندی میں وسیلہ طلب کرنا ممنوع نہیں ہے بلکہ اللہ نے قرآن مجید

میں وسیلہ تلاش کرنے کا حکم دیا ہے۔ چنانچہ ارشاد قدرت ہے۔

۱۔ کتاب ہذا کے باب شفاعت رسول میں اس کے حوالہ جات ملاحظہ فرمائیں۔

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اتَّقُوا اللَّهَ وَابْتَغُوا إِلَيْهِ الْوَسِيلَةَ.

(المائدہ: ۳۵)

”اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو اور اس کی طرف وسیلہ تلاش کرو۔“

اللہ تعالیٰ نے اہل ایمان کی ایک علامت یہ بھی بیان کی ہے:

يَبْتَغُونَ إِلَيَّ الْوَسِيلَةَ. (بنی اسرائیل: ۵۷)

”وہ اپنے رب کے پاس پہنچنے کا وسیلہ تلاش کرتے ہیں۔“

اختلافِ فکر کی دو حقیقی وجوہات

سابقہ صفحات میں ہم نے بعض اختلافی مسائل کا تذکرہ کیا اور اس کے ساتھ ساتھ فکری اختلافات کے سرچشموں کی بھی نشان دہی کی ہے مگر اس کے باوجود ہم یہ سمجھتے ہیں کہ اختلاف کے مذکورہ سرچشمے صرف ظاہری اور بیرونی ہیں جب کہ اختلاف کے اصل محرک دو ہیں اور وہ یہ ہیں:

(۱) مخلوقات کا تکبر۔

(۲) حکمران طبقہ کی طرف سے اپنی کمزوریوں کو چھپانے کے لیے رہبرانِ کرام کی کردار کشی۔

۱۔ تکبر۔ اختلاف کا پہلا حقیقی سرچشمہ

تکبر کی وجہ سے روزِ ازل ہی سے ہادیانِ دین کی تنقیص کی گئی اور یہ سلسلہ خلقتِ آدمؑ ہی سے جاری ہو گیا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے تخلیقِ آدم کے بعد تمام فرشتوں کو سجدہٴ آدم کا حکم دیا لیکن ابلیس لعین نے سجدہ سے انکار کیا اور اس انکار کی وجہ تکبر تھی۔

قرآن مجید نے اس واقعہ کو ان الفاظ سے بیان کیا:

قَالَ يَا ابْلِيسُ مَا مَنَعَكَ أَنْ تَسْجُدَ لِمَا خَلَقْتُ بِإِيْدِي أَسْتَكْبَرْتَ

أَمْ كُنْتَ مِنَ الْعَالِينَ. قَالَ أَنَا خَيْرٌ مِنْهُ. (ص: ۷۶۵)

”خدا نے کہا اے ابلیس! تیرے لیے کیا شے مانع ہوئی کہ تو

اسے سجدہ کرے جسے میں نے اپنے دست قدرت سے بنایا ہے
تو نے غرور اختیار کیا یا تو واقعاً بلند لوگوں میں سے ہے؟ اس
نے کہا میں اس سے بہتر ہوں۔“

قَالَ لَمْ أَكُنْ لَأَسْجُدَ لِبَشَرٍ خَلَقْتَهُ مِنْ صَلْصَالٍ مِّنْ حَمَإٍ
مَّسْنُونٍ. (الحجر: ۳۳)

”اس نے کہا میں ایسے بشر کو سجدہ نہیں کر سکتا جسے تو نے سیاہی
مائل خشک مٹی سے بنایا ہے۔“

ابلیس لعین نے ایک طویل عرصہ تک اللہ کی عبادت کی تھی لیکن اس نے صفی
اللہ کے سامنے جھکنے سے انکار کیا اور خلیفۃ اللہ کی توہین کی اور اس کا جو انجام ہوا وہ
کسی سے مخفی نہیں ہے۔ ابلیس کی طرح ہر دور میں کفار انبیائے کرامؑ کی توہین کرتے
تھے اور انہیں اپنے جیسا بشر کہہ کر ان کے مقام کی تنقیص کرتے تھے۔ ایسی مثالوں
سے قرآن مجید بھرا ہوا ہے۔ حضرت نوحؑ کی قوم نے ان سے کہا:

مَا نَرَاكَ إِلَّا بَشَرًا مِّثْلَنَا..... وَمَا نَرَىٰ لَكُمْ عَلَيْنَا مِنْ
فَضْلٍ..... (ہود: ۲۷)

”ہم تجھے اپنے جیسا ہی ایک بشر سمجھتے ہیں..... ہم اپنے اوپر
تمہاری کسی فضیلت کے قائل نہیں ہیں۔“

إِنَّكُمْ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُنَا. (ابراہیم: ۱۰)

”تم لوگ بس ہم جیسے ہی بشر ہو۔“

کفار نے اپنے نبیؑ کے متعلق یہ جملے کہے:

مَا هَذَا إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ يَأْكُلُ مِمَّا تَأْكُلُونَ مِنْهُ وَيَشْرَبُ
مِمَّا تَشْرَبُونَ. (المؤمنون: ۳۳)

”یہ تو تمہاری طرح کا ایک بشر ہے یہ بھی وہی غذا کھاتا ہے جو
تم کھاتے ہو اور یہ بھی وہی پیتا ہے جو تم پیتے ہو۔“
کفار ہمیشہ انبیائے کرام کو بشر کہہ کر ان کی تنقیص کرتے تھے۔ اس کے
جواب میں انبیائے کرام نے یہ کہا تھا۔

قَالَتْ لَهُمْ رُسُلُهُمْ إِنْ نَحْنُ إِلَّا بَشَرٌ مِّثْلُكُمْ وَلَكِنَّ اللَّهَ
يَمُنُّ عَلَىٰ مَنْ يَشَاءُ مِنْ عِبَادِهِ..... (ابراہیم: ۱۱)

”ان کے پیغمبروں نے ان سے کہا ہم بھی تمہاری طرح سے
بشر ہیں لیکن اللہ اپنے بندوں میں سے جس پر چاہتا ہے احسان
کر دیتا ہے۔“

متکبرین نے خاتم الانبیاء کے ساتھ بھی پرانی روش جاری رکھی اور اپنے
آپ کو بڑا ثابت کرنے کے لیے انہیں اپنے سے کم تر سمجھا اور اس فکر کے حامل
صرف کفار ہی نہیں تھے بلکہ کلمہ پڑھنے والوں میں بھی ایسے افراد موجود تھے جس کی
مثال ہمیں ذی الخویصرہ کے واقعہ میں ملتی ہے۔

ابن حجر نے الاصابہ میں ذی الخویصرہ سردار خوارج کے حالات میں لکھا۔
انس بیان کرتے ہیں:

كان في عهد رسول الله..... امتي رجلا.

رسول خدا کے عہد میں ایک شخص کے عبادت و زہد ہمیں بہت پسند آتے
تھے۔ ہم نے رسول خدا سے اس کا تذکرہ کیا تو آپ نے اسے پہچاننے سے انکار

کیا۔ ہم نے آنحضرتؐ کو اس کی تمام نشانیاں بتائیں مگر پھر بھی آپ نے اسے پہچاننے سے انکار کر دیا۔ ابھی ہم اس کا ذکر کر رہے تھے کہ وہ شخص آ گیا۔ ہم نے عرض کی: یا رسول اللہ! وہ شخص یہ ہے۔

آپ نے فرمایا: تم مجھے اس شخص کے متعلق بتا رہے ہو جس کے چہرے پر مجھے ابلیسی علامت دکھائی دے رہی ہے۔ انس کہتے ہیں کہ وہ شخص آیا اور اس نے سلام نہ کیا۔

رسول خداؐ نے اس سے فرمایا: تجھے خدا کا واسطہ سچ بتانا کیا جب تو اس محفل میں پہنچا تو تو نے اپنے دل میں یہ نہیں کہا: اس محفل میں مجھ سے کوئی بھی بہتر نہیں ہے؟ اس شخص نے کہا: جی ہاں! پھر اس شخص نے نماز پڑھنا شروع کی۔

رسول خداؐ نے فرمایا: کوئی ہے جو اسے قتل کرے اور حدیث کے آخر میں ہے کہ آنحضرتؐ نے فرمایا: اگر یہ شخص قتل ہو جاتا تو میری امت میں اشخاص کا کبھی اختلاف نہ ہوتا۔^(۱)

۱۔ ابن جرذی الخویصرہ کے متعلق اصابہ میں لکھتے ہیں:

ذوالخویصرہ تمیمی کا نام حرقوص بن زہیر تھا اور وہی خوارج کا سرگروہ تھا۔ ایک بار رسول خداؐ مال غنیمت تقسیم کر رہے تھے کہ اس نے کہا: یا رسول اللہ! عدل کریں۔

آپؐ نے فرمایا: تجھ پر افسوس! اگر میں ہی عدل نہ کروں تو اور کون عدل کریگا؟
آپؐ نے اسی کے متعلق فرمایا تھا:

ان له اصحابا يحقرا حدكم صلاحه مع صلاحهم و صيامه مع

صيامهم يعرقون من الدين كما يعرق السهم من الرمية.

”اس کے بہت سے ساتھی ہوں گے۔ جن کی نمازوں کے سامنے تمہیں اپنی نمازیں

سچ دکھائی دیں گی اور ان کے روزوں کے مقابلے میں تمہیں اپنے روزے کم دکھائی دیں گے اور وہ

دین سے ایسے نکل جائیں گے جیسا کہ تیر نشانہ کو چیر کر نکل جاتا ہے۔“

یہی مضمون اسد الغابۃ صحیح مسلم میں بھی مذکور ہے۔

متکبرین کا یہ تکبر آج تک ہمیں دکھائی دے رہا ہے اور ہم نے سعودی عرب کے شہر رماح میں یہ الفاظ خود اپنے کانوں سے سنے تھے۔
 ویش محمد، محمد رجلا مثلئ مات.
 ”محمد کیا ہے: محمد مجھ جیسا انسان تھا جو مر گیا۔“

خلاصہ بحث

ابلیس لعین نے ازراہ تکبر خدا کے نمائندے کی توہین کی اور بشر کہہ کر ان کے سجدے سے انکار کر دیا۔ قوم نوح اور قوم عاد و ثمود نے بھی انبیائے کرامؑ کی عظمت کو یہ کہہ کر رد کر دیا کہ یہ ہم جیسے معمولی انسان ہیں۔ ذوالنحو یصرہ سرگروہ خوارج کا سینہ بھی تکبر سے بھرا ہوا تھا اور اس نے تکبر کی وجہ سے اس محفل میں سلام تک نہ کیا جس میں رسول خداؐ موجود تھے۔ اور وہی سابقہ تاریخ آج بھی دہرائی جا رہی ہے۔ مذکورہ بالا مثالوں سے ثابت ہوا کہ انبیائے کرامؑ اور ہادیان دین کی تنقیص کا حقیقی محرک جذبہ تکبر ہے۔

۲۔ ہادیان دین کی تنقیص کا دوسرا حقیقی محرک

امت اسلامیہ کی بد نصیبی رہی ہے کہ اس پر بد کردار افراد کا تسلط قائم رہا ہے اور اگر کبھی کوئی با کردار شخص اقتدار میں آیا بھی ہے تو وہ بھی بہت تھوڑے عرصے کے لیے آیا ہے اور جلد ہی اسے اقتدار سے محروم کر دیا گیا۔

بد کردار حکمرانوں کا طبقہ ہادیان دین کی بلند و بالا شخصیت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہیں تھا کیونکہ اگر وہ رہبران دین کی عظمت کو تسلیم کر لیتے تو ان کی خواہشات نفسانی پر ضرب لگتی تھی اور اپنی خواہشات سے باز رہنا انہیں پسند نہیں تھا جب وہ خود عظمت سے محروم تھے تو انہوں نے اپنے کردار کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ہادیان دین کی توہین و تنقیص کا سلسلہ شروع کر دیا تاکہ انبیاء و اولیاء بھی ان جیسے دکھائی دیں۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے انہوں نے ایسی روایات وضع کیں۔ جن سے انبیاء کا کردار مشکوک سا دکھائی دینے لگا۔ ان لوگوں نے ”اسرائیلیات“ کو حدیث نبویؐ کا رنگ دے کر ہادیان دین کو شہوت پسند ثابت کرنے کی مذموم کوششیں کیں۔

اس مقصد کے لیے حضرت داؤد علیہ السلام کے لیے اور آپ کی بیوی کا قصہ اور اس جیسے کئی دیگر قصے تراشے گئے اور ان تمام کوششوں کا ماحصل صرف اور صرف یہی تھا کہ انبیاءؑ کو عام انسانی سطح پر لایا جائے اور عوام یہ کہیں کہ اگر ان کے حکمرانوں کے کردار میں کوئی خامی ہے تو ایسی خامیاں انبیاءؑ کے کردار میں بھی موجود تھیں۔

عیاش حکمرانوں نے اپنی روش بدلنے کی بجائے الٹا انبیائے کرامؑ کو مورد الزام ٹھہرایا اور قرآن مجید کی آیات کی خود ساختہ تاویلات کی گئیں اور انبیائے کرامؑ کے معجزات کا کھلے بندوں انکار کیا گیا اور لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی گئی کہ انبیاءؑ بس عام سے انسان ہیں اور ایک عام شخص اور نبی میں چنداں فرق نہیں ہے۔ جب کہ کتب تفسیر و حدیث، خصائص انبیاءؑ سے بھری پڑی ہیں۔

حکمران طبقہ کی اشیر باد سے صفات الہیہ اور صفات انبیاء کے متعلق جان بوجھ کر ابہام پیدا کیا گیا اور اس طرح کی روایات کو سرکاری سرپرستی میں کتب حدیث میں جگہ دلائی گئی اور ان تمام تر مذموم کوششوں کا نتیجہ یہ برآمد ہوا کہ اسلام کے ماننے والے ہمیشہ کے لیے ایک دوسرے سے علیحدہ ہو گئے اور ان میں ایک دوسرے کو کافر کہنے کا رواج پڑ گیا اور ان میں چھوٹی بڑی ہزاروں لڑائیاں لڑی گئیں جن میں لاکھوں افراد قتل ہوئے اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے اور کسی طرف سے اصلاح حال کی آواز بلند نہیں ہوتی۔

ان پر آشوب حالات میں ہم اتحاد ملت کی تجاویز پیش کرتے ہیں اور تمام درد دل رکھنے والے مسلمانوں سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ہماری ان تجاویز کا ٹھنڈے دل سے جائزہ لیں اور اگر انہیں ہماری تجاویز معقول دکھائی دیں تو ہماری تائید کریں۔

اتحاد امت کی تجاویز

اللہ تعالیٰ نے اسلام کو دین فطرت بنایا اور اس نے ہر دور میں انبیاء کے ذریعہ سے انسانوں کی رہنمائی فرمائی اور انبیائے سابقین میں سے جب کسی نبی کی تعلیمات میں تحریف ہوتی تو اللہ تعالیٰ اس کی جگہ دوسرا نبی بھیج دیتا تھا اور ہر نیا آنے والا نبی دین کو اس کی اصل اور غیر محرف شکل میں پیش کرتا تھا۔ اس سلسلہ کے آخر میں اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب حضرت محمد مصطفیٰ کو خاتم الانبیاء بنا کر دنیا میں بھیجا۔ اللہ تعالیٰ نے آپ کی ذات پر نبوت و رسالت کا سلسلہ ہمیشہ کے لیے بند کر دیا اور اب قیامت تک آپ کی شریعت قائم رہے گی۔

رسول خدا کی شریعت کو قیامت تک رہنا تھا اسی لیے اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کو ہر طرح کی تحریف سے محفوظ رکھا اور اس میں کسی طرح کی کمی بیشی نہ ہونے دی اور یہ قرآن روز قیامت تک اپنی اس حالت پر باقی رہے گا۔

رسول خدا نے اپنی سنت کے ذریعہ سے قرآن مجید کی تفسیر دنیا کے سامنے پیش کی مگر یہ ایک حقیقت ہے کہ سنت نبوی کی اللہ تعالیٰ نے قرآن کی طرح سے حفاظت نہیں کی اور اس کے لکھنے والوں کو سہو و نسیان سے محفوظ نہیں رکھا اور کتب حدیث لکھنے والوں کے قلم غلطی اور لغزش سے محفوظ نہ رہے اور یوں ذخیرہ حدیث میں ملاوٹ ہوئی اور سیرت خالص شکل میں محفوظ نہ رہ سکی۔ کتب سیرت میں ایک دوسرے سے متضاد روایات بھی موجود ہیں۔ علاوہ ازیں کتب حدیث میں مجمل، مفصل اور عام و خاص ہر طرح کی روایات موجود ہیں اور کتب حدیث میں لکھنے والوں کے ذاتی خیالات بھی موجود ہیں اور اس پر بیرونی عناصر بھی اثر انداز ہوتے ہیں۔

اختلاف حدیث کی وجہ سے مجتہدین کے اجتہاد میں اختلاف پیدا ہوا اور ہر فرقہ میں علیحدہ علیحدہ مجتہد پیدا ہوئے اور ہر فرقہ کے اہل علم نے اپنے اپنے مسلک کو درست ثابت کرنے اور اپنے علاوہ دوسروں کو نیچا دکھانے کے لیے آیات متشابہات

کی خود ساختہ تاویلات کا بازار گرم کیا اور انہیں بنیاد بنا کر آیات محکمات کو ان پر محمول کیا۔

اور یوں سیدھا سادا دین اسلام ایک پھیلی اور چستان بن گیا اور امت اسلامیہ کا شیرازہ منشر ہو گیا اور امت واحدہ کئی فرقوں اور مذاہب میں تقسیم ہو گئی اور ہر فرقے میں اندرونی طور پر کئی فرقوں نے جنم لیا اور نوبت یہاں تک آ گئی کہ مسلمانوں نے ایک دوسرے پر کفر و شرک کے فتوے صادر کیے اور اپنے مذہبی نظریات سے اختلاف کرنے والوں کو واجب القتل کہا اور ایک دوسرے سے جنگ کرنے کو اسلام و ایمان کا تقاضا کہا گیا اور اس طرح سے لاکھوں مسلمان اسلام کے نام پر تہ تیغ ہوئے اور لاکھوں بچے یتیم ہوئے عصمتیں تباہ ہوئیں اور ہنتے ہنتے شہر کھنڈرات میں تبدیل ہوئے۔

جہاں پلوں کے نیچے اتنا پانی بہہ چکا ہو تو وہاں اصلاح احوال کی امید کیسے کی جائے اور ان حالات میں اتحاد امت کے لیے کیا کیا جائے۔ کہ امت ایک نظریہ پر جمع ہو سکے اور اپنی عظمت رفتہ حاصل کر سکے؟

ہم دل کی گہرائیوں سے جہاں اتحاد امت کے شدید خواہش مند ہیں وہاں یہ کہنے میں بھی ہمیں کوئی باک نہیں ہے کہ جب تک امت اپنے آبائی نظریات کو دین سمجھ کر ان پر ڈٹی رہے گی اس وقت تک اتحاد کی کوئی بھی پر خلوص کوشش کامیابی سے ہمکنار نہ ہوگی۔

اس سلسلہ میں ہماری رائے یہ ہے کہ مذاہب اسلامیہ میں سے ہر مذہب کے اہل قلم اپنے وہ نظریات تفصیل سے لکھیں جن کی وجہ سے اختلاف پیدا ہوا ہے۔ اختلاف کا سرچشمہ اسلام کی توضیح و تشریح ہو خواہ اس کا تعلق تاویل قرآن سے ہو یا اس کا واسطہ اجتہادات سلف سے ہو ہر نوع ان تمام اختلافی محرکات کو پوری بالغ نظری اور خالص علمی انداز میں لکھا جائے اور ہر طرح کی افترا پردازی اور سب و شتم

سے پرہیز کیا جائے اور پھر وہ تمام تر علمی مقالات اسلامی علماء کی مجلس اعلیٰ میں پیش کیے جائیں۔

میں سمجھتا ہوں کہ مذکورہ علمی مقالات جامع ازہر قاہرہ، جامعہ اسلامیہ مدینہ منورہ رابطۃ العالم الاسلامی مکہ مکرمہ، حوزہ علمیہ نجف اشرف عراق، حوزہ علمیہ قم ایران اور خراسان و قزوین اور زیتونہ یونیورسٹی کے افاضل علماء کی خدمت میں پیش کیے جائیں اور ان مراکز علمیہ کے علماء پوری دقت و احتیاط سے ان کا مطالعہ فرمائیں اور آخر میں سب مل کر بہتر نظریات کا اعلان کریں اور یہ پورا کام مکمل جذبہ اسلامی سے سرشار ہو کر کیا جائے۔ اس میں اپنے ذاتی نظریات و میلانات کا ہرگز عمل دخل نہیں ہونا چاہیے۔

مذکورہ علماء جن نظریات کو حق قرار دیں، لوگوں کو ان کی پیروی کی دعوت دیں اور جو مسلمان ان کی رائے سے متفق نہ ہوں اسے معذور سمجھیں۔

اس طرح سے افراد امت ایک دوسرے کے قریب آ سکیں گے اور صدیوں کی رقابت ختم کرنے میں مدد ملے گی اور دلوں کا رنگ صاف ہو جائے گا۔ اور اس سلسلہ میں جب علمی مقالہ جات لکھے جائیں تو اس کی ابتدا میں شریعت اسلامیہ کے مصادر اور سنت نبویہ تک پہنچنے کے ذرائع کو مفصل انداز میں بیان کیا جائے۔

کتاب ہذا اسی سلسلہ کی کڑی ہے

ہم نے اب تک کے مباحث میں دو مکاتب فکر کے اختلافی نظریات کا تذکرہ کیا اور اس کے ساتھ ساتھ ہم نے اختلاف کے منابع و مصادر کا بھی اختصار سے ذکر کیا ہے۔ آئندہ صفحات میں ہم اختلاف کے بنیادی اسباب و علل بیان کریں گے اور کتاب ہذا کے حصہ اول کے ابواب میں ان پر سیر حاصل بحث کریں گے تاکہ مصلحین امت کو دونوں مکاتب فکر کی صحیح پہچان ہو سکے اور انہیں اتحاد و اتفاق کی

دعوت دینے میں آسانی ہو۔

ہمارا حاصل مطالعہ یہ ہے کہ تمام اسلامی فرقوں کو بنیادی طور پر دو مکاتب فکر میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ یا بہ الفاظ دیگر بنیادی طور پر دو ہی مکتب فکر ہیں اور باقی تمام مسالک و مذاہب انہی کی شاخیں ہیں۔ ان میں سے ایک مکتب امامت ہے اور دوسرا مکتب خلافت ہے اور کتاب ہذا میں ہم نے صحابہ اور ان کی عدالت پر بحث کی ہے کیونکہ صحابہ سنت رسولؐ تک پہنچنے کا ایک ذریعہ ہیں اور اس سلسلہ میں ہم نے دونوں مکاتب فکر کے نظریات پیش کیے ہیں۔ مکتب خلافت تمام صحابہ کو عادل مانتا ہے اور تمام صحابہ سے بلا استثناء حدیث کی روایت کو درست قرار دیتا ہے۔

مکتب امامت میں صحابیت کے ساتھ متقی اور صادق ہونا بھی ضروری ہے اور ہر صحابی سے روایت حدیث صحیح نہیں ہے۔ مکتب امامت میں تمام صحابہ کو عادل تسلیم نہیں کیا جاتا کیونکہ صحابہ میں ایسے افراد بھی شامل تھے جو اندرونی طور پر منافق تھے اور قرآن مجید میں منافقین کے لیے بیسیوں آیات موجود ہیں بعض افراد کا نفاق اتنا پوشیدہ تھا کہ عام افراد ان کے حبث باطن سے واقف نہیں تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ

مَرَدُوا عَلَى النِّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ (التوبة: ۱۰۱)

”اور تمہارے گرد دیہاتیوں میں بھی منافقین ہیں اور اہل مدینہ

میں وہ بھی ہیں جو نفاق میں ماہر اور سرکش ہیں تم ان کو نہیں

جاننے ہو لیکن ہم خوب جانتے ہیں۔“

اور یوں ہم نے مسئلہ صحابیت اور عدالت کے حوالے سے فریقین کی آراء

اور ان کے دلائل لکھے ہیں۔ پھر امامت و خلافت کے متعلق دونوں مکاتب فکر کے

نظریات کا جائزہ لیا ہے کیونکہ مذہبِ خلافت میں خلفائے اربعہ شریعتِ اسلامیہ تک پہنچنے کا راستہ ہیں اور اس سلسلہ میں ایک حدیثِ نبویؐ بھی پیش کی جاتی ہے کہ رسولِ خداؐ نے فرمایا:

”میری اور میرے بعد خلفائے راشدین کی سنت پر عمل کرو اور اسے مضبوطی سے پکڑنا۔“

مکتبِ خلافت سے وابستہ افراد کے عقیدہ کے مطابق خلفائے راشدین کے اجتہاد بھی شریعتِ اسلامی کا مصدر و منبع ہیں۔ مکتبِ امامت کے عقیدہ کے مطابق بارہ امام شریعتِ اسلامی تک پہنچنے کا راستہ ہیں اور بارہ ائمہ کی روایات بلا اشکال قابل قبول ہے۔ اسی اہمیت کی وجہ سے طرفین کے دلائل کا جائزہ لینا بڑا ضروری ہے۔

(۲) ہم نے پوری دیانت داری سے دونوں مکاتبِ فکر کے اسلامی شریعت کے مصادر پر بحث کی ہے اور مباحث کے آخر میں ہم نے ان ثقافتی سیاسی اور اجتماعی امور کا بھی ذکر کیا ہے جس پر دونوں مکاتبِ فکر متفق ہیں۔

(۳) ہم نے آخر میں ان الزامات کا ذکر بھی کیا ہے جو حاسدوں کی طرف سے مکتبِ امامت پر لگائے گئے ہیں اور ہم نے اصل حقیقت حال بھی واضح کی ہے۔ آخر میں ہم خداوند تعالیٰ سے دعا گو ہیں کہ وہ ہمیں دونوں مکاتبِ فکر کی روایات کی تحقیق کے لیے توفیق عطا فرمائے۔

آئندہ صفحات میں ہم عالمِ اسلام کے ذمہ دار علماء کے حضور اپنے مباحث پیش کرتے ہیں اور علمائے اسلام سے درخواست کرتے ہیں کہ وہ غیر جانبداری سے ہمارے مباحث کا جائزہ لیں اور اگر بحث میں ہم سے کوئی غلطی صادر ہوئی ہو تو وہ ہمیں اس سے مطلع فرمائیں اور ہم علمی تنقید کا پوری خندہ پیشانی سے استقبال کریں

گے اور ہم سمجھتے ہیں کہ اس ذریعہ سے ہم ایک دوسرے کو بہتر طور پر سمجھ سکیں گے اور اس سے مدتوں کی دوریاں سٹ کر قربتوں میں تبدیل ہو سکیں گی۔ انشاء اللہ تعالیٰ

قُلْ هَذِهِ سَبِيلِي أَدْعُو إِلَى اللَّهِ عَلَىٰ بَصِيرَةٍ أَنَا وَمَنِ اتَّبَعَنِي
وَسُبْحَانَ اللَّهِ ۖ وَمَا أَنَا مِنَ الْمُشْرِكِينَ . (یوسف: ۱۰۸)

”کہہ دیجئے میرا راستہ تو یہ ہے کہ از روئے یقین و برہان سمجھ
بوجھ کر اللہ کی طرف بلاتا ہوں۔ میں بھی لوگوں کو خدا کی طرف
بلاتا ہوں اور میرے پیرو بھی اور خدا پاک ہے میں مشرکین میں
سے نہیں ہوں۔“





حصہ اوّل

فریقین کی نظر میں

شریعت اسلامیہ

کے مصادر



تمہیدی کلمات

وفات پیغمبرؐ کے بعد امت اسلامیہ میں دو مکاتب فکر قائم ہوئے۔ ایک مکتب فکر اہل اقتدار کا ہے جو وفات رسولؐ کے بعد حضرت ابو بکر کی خلافت سے شروع ہو کر خلافت عثمانیہ کے اختتام تک تمام حکومتوں سے مربوط رہا۔ دوسرا مکتب فکر وہ ہے جو حضرت علیؑ سے لے کر بارہویں امام عصر تک متصل رہا، درج بالا دونوں مکاتب فکر میں بہت سا اختلاف پایا جاتا ہے۔

کتاب ہذا میں ہم مکتب خلافت کو مدرسہ خلفاء اور مکتب امامت کو مدرسہ اہل بیت کے عنوان سے یاد کریں گے۔ ہم دونوں مکاتب فکر کے درمیان بنیادی اختلافات سے آغاز کریں گے اور اختلاف کی چند مثالیں دیں گے۔

اختلافی امور

عالم اسلام کی خوش قسمتی ہے کہ دونوں مکاتب فکر قرآن مجید پر متفق ہیں اور اس سلسلہ میں دونوں کا متفقہ فیصلہ ہے کہ قرآن کے حلال و حرام فرض و مندوب کی پابندی ضروری ہے۔ البتہ ان مکاتب فکر کی تاویل اور بالخصوص متشابہ آیات کے متعلق اختلاف ہے۔ لہذا مکتب خلافت و مکتب امامت کا تین امور میں اختلاف

ہے۔

(۱) صحابیت اور صحابہ

(۲) امامت و خلافت۔ صحابہ اور آئمہ شریعت اسلامیہ کے مصادر تک پہنچنے کا اہم ذریعہ ہیں۔

(۳) قرآن کے بعد مصادر شریعت کیا ہیں؟

مذکورہ مباحث سے قبل ہم چند اصطلاحات پر بحث کریں گے اور آغاز ان اصطلاحات سے کریں گے جو کتاب کے ابواب میں استعمال کی گئی ہیں اس کے بعد ہم ان اصطلاحات کا ذکر کریں گے جو عربی زبان کے معاجم کی تدوین میں استعمال ہوئی ہیں۔

عربی لغت اور اسلامی اصطلاحات

اصطلاحات کی تعریف

(الف) لغت عرب

(ب) اصطلاح شرعی

(ج) اہل شرع یا مسلمانوں کی اصطلاح

(د) حقیقت و مجاز

۱۔ لغت عرب

عربی زبان کے متعلق ہمیں بحث کرنے کی ضرورت اس لیے ہے کہ قرآن مجید عربی زبان میں نازل ہوا اور اس سلسلہ میں ہم یہ کہتے ہیں۔ عربی زبان کے بہت سے الفاظ جنہیں ہم آج استعمال کر رہے ہیں۔ وہ الفاظ اسلام سے پہلے اور اسلام کے بعد بھی استعمال ہوتے تھے۔ مثلاً اَكَلٌ، کھانا۔ نَوْمٌ، سونا۔ لَيْلٌ، رات۔ نَهَارٌ، دن۔

عربی زبان میں بعض الفاظ ایسے بھی ہیں جن کے معانی میں بتدریج وسعت پیدا ہوئی۔ مثلاً غَنِمٌ، کا ابتدا میں معنی تھا بکریوں کا حاصل کرنا۔ پھر اس کا

معنی ”کسی مشقت کے بغیر کوئی چیز حاصل کرنا“ بنا۔ اسلام میں کسی قسم کے فائدہ کے حصول کو ”عَنِمَ“ سے تعبیر کیا گیا خواہ وہ مشقت سے حاصل ہو یا بغیر مشقت کے حاصل ہو۔

بعض اوقات ایک لفظ کے معنی ایک قبیلہ کی نظر میں اور ہوتے ہیں اور دوسرے قبیلہ کی نظر میں کچھ اور ہوتے ہیں مثلاً لفظ ”أَلَا ثَلَبٌ“ اہل حجاز کے نزدیک پتھر اور بنی تمیم کے ہاں مٹی کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

ہمارے زمانہ میں لفظ ”المبسوط“ اہل عراق کے نزدیک مضروب یعنی ضرب خوردہ اور اہل شام و لبنان کے نزدیک ”خوش“ کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ جب ایک ہی لفظ علاقائی طور پر دو علیحدہ معانی میں استعمال ہوتا ہو تو اس کی وضاحت ضروری ہوتی ہے مثلاً ہم کہیں گے ”الاثلب فی لغة تمیم کذا و فی لغة اهل الحجاز کذا“ یعنی بنی تمیم کے نزدیک لفظ ”اثلب“ کے یہ معانی ہیں اور اہل حجاز کے نزدیک یہ معانی ہیں۔

(ب) اصطلاح شرعی

حضرت رسول کریم نے عربی زبان کے بعض ایسے الفاظ استعمال فرمائے جو کہ صرف ایک محدود مقصد کے لیے استعمال ہوتے تھے لیکن آپ نے ان الفاظ کو ان کے لغوی معانی سے ہٹا کر انہیں مخصوص اصطلاحی شکل عطا کی۔ مثلاً عربی زبان میں ”الصَّلَاةُ“ کا لفظ مستعمل تھا جس کے معنی دعا کے ہیں۔ لیکن رسول کریم نے اس لفظ کو نماز کے مفہوم میں بدل دیا اور یہ مفہوم اہل عرب کے نزدیک اس وقت رائج نہیں تھا۔ کوئی لفظ اس وقت تک اصطلاح شرعی قرار نہیں دیا جاسکتا جب تک وہ لفظ قرآن و حدیث میں استعمال نہ ہوا ہو۔ اصطلاح شرعی کی تعریف یہ ہے کہ ہر وہ لفظ اصطلاح شرعی ہے جسے رسول خدا نے کسی مخصوص مفہوم و معنی کے لیے استعمال کیا

(ج) اہل شرع کی اصطلاح

عربی لغت میں کچھ ایسے الفاظ بھی مروج ہیں جنہیں اہل شرع کی اصطلاح کہا جا سکتا ہے۔ مثلاً ”مجتہد“ فقیہ کو کہا جاتا ہے۔ جب کہ اصل لغت میں لفظ ”اجتہاد“ کوشش اور لفظ ”مجتہد“ کوشش کرنے والے کے لیے استعمال ہوتا ہے اور حدیث نبویؐ میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ آنحضرتؐ نے اپنی ایک حدیث میں یہ الفاظ ارشاد فرمائے۔

”فضل العالم علی المجتہد مائة درجة“ مادہ جہد از نہایة اللغۃ.

”ابن اثیر“ ”عالم کو عبادت میں کوشش کرنے والے پر سو گنا فضیلت حاصل ہے۔“

اور رسول خداؐ کی سیرت میں ہمیں یہ الفاظ دکھائی دیتے ہیں:

کان رسول اللہ یجتہد فی العشر الاواخر ما لا یجتہد

فی غیرہ. ^(۱)

”رسول خداؐ ماہ رمضان کے آخری عشرہ میں عبادت کے لیے خصوصی

جدوجہد کرتے تھے جو کہ دوسرے ایام میں نہیں کرتے تھے۔“

قرآن مجید اور حدیث نبویؐ میں لفظ مجتہد فقیہ کے معنی میں استعمال نہیں

ہوا۔ یہ جدید اصطلاح ہے جسے ہم اہل شرع کی اصطلاح کہہ سکتے ہیں۔ اہل شرع کی

اصطلاحات میں سے کچھ اصطلاحات ایسی بھی ہوتی ہیں جو کہ صرف ایک طبقہ کے

ہاں مروج ہوتی ہیں اور دوسرے طبقہ کے نزدیک بالکل نامانوس ہوتی ہیں۔ مثلاً

”صوم زکریا“ کی اصطلاح ایک خاص حلقہ تک محدود ہے۔ اور ان کے نزدیک ایسا

روزہ جس میں کھانے پینے سے پرہیز کے علاوہ انسان گفتگو سے بھی پرہیز کرے

صوم زکریا کہلاتا ہے۔

اس طرح کی اصطلاح کے لیے ضروری ہے کہ انسان اس شہر یا گروہ کا بھی

۱۔ صحیح مسلم کتاب الاعتکاف باب الاجتہاد فی العشر الاواخر من شہر رمضان حدیث ۱۱۷۵

حوالہ دے جن کے ہاں یہ اصطلاح مروج ہے۔ مثلاً ہم اسے اہل بنگلہ یا اہل قاہرہ کی اصطلاح کے نام سے تو یاد کر سکتے ہیں لیکن اسے اصطلاح مسلمین کے نام سے یاد نہیں کر سکتے۔

اسی طرح سے بعض اسلامی فرقوں میں مخصوص اصطلاحات رائج ہیں جو کہ صرف انہی میں ایک مخصوص مفہوم میں استعمال ہوتی ہیں اور دوسروں کے نزدیک ان کا وہ مخصوص مفہوم مراد نہیں لیا جاتا۔ مثلاً خوارج کی اصطلاح میں ”شادی“ اس خارجی کو کہا جاتا ہے جو تمام مسلمانوں سے جنگ کرنے کو جائز سمجھتا ہو۔ اسی طرح سے خوارج کے نزدیک لفظ ”مشرک“ سے مراد ان کے علاوہ تمام مسلمان ہیں۔

مکتب خلافت سے وابستہ بعض تنگ نظر افراد اپنے ہاں لفظ ”رافضی“ کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں جس سے وہ شیعہ افراد مراد لیتے ہیں۔ اسی طرح سے مکتب امامت سے وابستہ حضرات لفظ ”ناصبی“ کی اصطلاح استعمال کرتے ہیں جس سے وہ اہل بیت سے بغض رکھنے والے افراد مراد لیتے ہیں۔

اسی لیے جب مخصوص مذہبی فرقوں کی اصطلاحات کا تذکرہ ہوگا تو اسے ان کے نام ہی سے منسوب کیا جائے گا مثلاً یوں کہا جائے گا۔ ”اصطلاح خوارج“ یا ”اصطلاح مکتب خلافت“ یا ”اصطلاح مکتب امامت“ وغیرہ واضح رہے کہ مذکورہ مذہبی اصطلاحات اپنے معانی میں اس وقت ہی صحیح متصور ہوں گی جب وہ اپنے اختراع کرنے والوں کی جانب سے ہوں گی اگر اس کے علاوہ کسی اور فرقہ کی طرف سے وہ لفظ استعمال ہو تو اس سے اصطلاحی مفہوم مراد نہیں ہوگا۔ مثلاً مکتب خلافت کی طرف سے اگر لفظ ”ناصبی“ استعمال ہو تو اس سے دشمن آل محمد مراد نہ ہوگا اور کوئی غیر خارجی لفظ ”شادی“ استعمال کرے تو اس سے خوارج کا اصطلاحی مفہوم مراد نہیں لیا جائے گا۔

(د) حقیقت و مجاز

جب کسی لفظ کا استعمال اس کے وضعی معنی میں ہو اور سننے والے کے ذہن

میں اس کے علاوہ کوئی دوسرا معنی نہ آئے تو اسے حقیقی معنی کہا جائے گا۔ مثلاً لفظ ”اسد“ سے شیر مراد لیا جائے اور لفظ ”صَلَاة“ سے نماز مراد لی جائے تو یہ اس کا حقیقی معنی متصور ہو گا اور پہلی مثال کو ”حقیقت لغویہ“ اور دوسری مثال کو ”حقیقت شرعیہ“ کہا جاتا ہے۔

اور اگر لفظ ”اسد“ یعنی شیر بول کر اس سے بہادر شخص مراد لیا جائے تو اسے ”مجاز“ کہیں گے۔ مثلاً ہم کہتے ہیں ”رأیت اسدایتکم فی المسجد“ میں نے شیر کو مسجد میں گفتگو کرتے ہوئے دیکھا۔ تو اس کلام میں لفظ شیر سے اس کا حقیقی معنی مراد نہیں لیا جائے گا بلکہ اس سے کوئی بہادر انسان مراد لیا جائے گا۔ مجاز کے لیے کلام یا مقام کا قرینہ ضروری ہے جیسا کہ اس مثال میں قرینہ ”ایتکم فی المسجد“ ہے کیونکہ حقیقی شیر باتیں نہیں کرتا اسی لیے اس کلام کو سن کر ہم اس نتیجہ پر پہنچیں گے کہ یہاں شیر اپنے حقیقی معنوں کی بجائے مجازی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

۲۔ کتب لغت کی تالیف و تدوین

دوسری اور تیسری صدی ہجری میں علمائے لغت نے لغات مرتب کیں اور دور جاہلیت سے لے کر اپنے دور تک کے تمام الفاظ کے معانی تحریر کیے اور انہوں نے معانی بیان کرتے وقت یہ وضاحت بھی کی کہ یہ معنی حقیقی ہے یا یہ اصطلاح شرعی ہے یا اس معنی کا تعلق اصطلاح اہل شرع سے ہے۔ مگر اسلامی اور فقہی اصطلاحات کی وضاحت اہل لغت کی بہ نسبت فقہائے کرام نے زیادہ فرمائی جب کہ بعض غیر فقہی اصطلاحات کی وضاحت کم کی گئی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بعض اصطلاحات غیر معروف بن کر رہ گئیں اور ان کے متعلق لوگ یہ فیصلہ نہ کر سکے کہ ان الفاظ کا تعلق اصطلاح شرع سے ہے یا اصطلاح اہل شرع سے ہے جس کی وجہ سے اسلامی مفہیم اور بعض احکام شرعیہ کے سمجھنے میں دقت پیدا ہوئی اور یہی دقت لفظ صحابی اور صحابہ میں بھی پائی جاتی ہے۔



بحث اوّل

صحبت اور صحابہ کے متعلق،
دونوں مکاتبِ فکر کی رائے



- دونوں مکاتبِ فکر میں صحابی کی تعریف
- دونوں مکاتبِ فکر میں عدالتِ صحابہ
- دونوں مکاتبِ فکر کے نظریات کا خلاصہ



فصل اوّل

دونوں مکاتیبِ فکر کے نزدیک

صحابی کی تعریف



مکتب خلافت میں صحابی کی تعریف

ابن حجر الاصابہ کے مقدمہ کی فصل اول۔ صحابی کی تعریف میں لکھتے ہیں:

الصحابی من لقی النبی (ص) مؤمنا به ومات علی
الاسلام. فیدخل فی ذلک من لقیه من طالت
مجالسته له او قصرت، ومن روى عنه ومن لم یرو
ومن غرامعه اولم یغزو من راه رؤیة ولو لم یجالسه و
من لم یره لعارض کالاعمی. (الاصابہ/۱۰-)

”صحابی وہ ہے جس نے حالت ایمان میں نبی کریمؐ سے

ملاقات کی ہو اور اس کی موت اسلام پر واقع ہوئی ہو۔“

اس تعریف کے تحت وہ افراد بھی صحابیت میں شامل ہیں جنہوں نے آپ کے ساتھ زیادہ وقت صرف کیا اور وہ بھی شامل ہیں جنہوں نے آپ کے ساتھ نہایت قلیل وقت بسر کیا اور اس تعریف کے تحت آنحضرتؐ سے روایت کرنے والا بھی صحابی ہے اور جس نے روایت نہیں کی وہ بھی صحابی ہے اور جس نے آنحضرتؐ کے ساتھ مل کر جنگ میں شرکت کی وہ بھی صحابی ہے اور جس نے جنگ نہ کی وہ بھی صحابی ہے اور جس نے ایک بار حضورؐ کو دیکھا لیکن آپ کے پاس نہ بیٹھا وہ بھی صحابی ہے اور جس نے کسی مجبوری کی وجہ سے آپ کو نہ دیکھا مثلاً اگر کسی نابینا نے آپ کو نہیں دیکھا تو وہ بھی صحابی ہے۔

ابن حجر کے کلام کا سادہ سا مفہوم یہ ہے کہ صحابیت کے لیے دو چیزوں کی ضرورت ہے۔ (۱) حالت ایمان میں آنحضرتؐ سے ملاقات۔ (۲) اس کا خاتمہ اسلام پر ہو۔

علاوہ ازیں صحابیت کے لیے آنحضرتؐ کے پاس زیادہ عرصہ رہنا اور آپ سے حدیث کی روایت کرنا اور آپ کے ہم رکاب ہو کر جنگ میں شریک ہونا ضروری نہیں ہے۔ آنحضرتؐ کو صرف ایک بار دیکھنے سے صحابیت کا شرف حاصل ہو جاتا ہے چاہے آنحضرتؐ کے ساتھ نشست و برخاست بھی نہ ہوئی ہو۔

ابن حجر کی اس تعریف پر یہ اعتراض ہوتا ہے کہ دور خلفاء کے متعلق یہ الفاظ بالتواتر منقول ہیں:

”انہم كانوا في الفتوح لا يؤمرون الا الصحابة“
 ”خلفائے ثلاثہ فتوحات کے لیے لشکر کی سالاری صحابہ کے حوالے کیا کرتے تھے۔“

جب کہ اس دور کے متعلق ہم سب اس حقیقت سے باخبر ہیں کہ ۱۰ ہجری تک مکہ اور طائف کے تمام لوگ مسلمان ہو چکے تھے اور انہوں نے آنحضرتؐ کے ساتھ حجۃ الوداع میں بھی شرکت کی تھی اور مدینہ اور اس کے گرد و نواح کے تمام قبائل بلکہ پورا جزیرۃ العرب مسلمان ہو چکا تھا اور جزیرۃ العرب کے اکثر افراد نے آنحضرتؐ کی زیارت کا شرف بھی حاصل کیا تھا۔ اس لحاظ سے تو اس وقت کا پورا جزیرۃ العرب صحابیت کے دائرہ میں آتا تھا مگر اس کے باوجود ان الفاظ کا معنی و مفہوم کیا رہ جائے گا کہ خلفائے ثلاثہ لشکر کی سالاری کے لیے صحابہ کا ہی انتخاب کرتے تھے۔

صحابیت کی تعریف کو اس قدر عام کرنے سے بہت سی خرابیاں پیدا ہوئیں

اور علم حدیث پر اس سے مضر اثرات مرتب ہوئے اور اگر آپ نے اثرات کا اندازہ کرنا ہو تو اس کے پہلے ہماری کتاب ”حمسون و مائة صحابی مختلق“ ایک سو پچاس خود ساختہ صحابی کا مطالعہ کریں۔

مکتب امامت کے نزدیک صحابی کی تعریف

مکتب امامت سے وابستہ علماء بیان کرتے ہیں کہ لغت میں لفظ صاحب کی جمع صحب، اصحاب، صحاب اور صحابہ ہے۔ اور ”صاحب“ کے معانی ”معاشر“ اور ”ملازم“ کے ہیں۔ یعنی صاحب اس کو کہا جاتا ہے جس کا کسی کے ساتھ رہن سہن ہو اور جو کسی سے وابستہ ہو (لسان العرب مادہ صحب)

امام راعب اصفہانی ”المفردات“ میں لکھتے ہیں۔

”ولا يقال الا لمن كثرت ملازمته وان المصاحبة تقتضى طول لبثه“

”صاحب اسی کو ہی کہا جاتا ہے جو کسی سے زیادہ وابستہ ہو اور ”مصاحبت“ طویل رفاقت کی مقتضی ہے۔“

جب دو اشخاص ایک دوسرے کے ساتھی ہوں تو اس کے لیے اضافت ضروری ہو جاتی ہے۔ مثلاً ”یا صاحبی السجن“ اے میرے قید خانے کے دو ساتھیو! اور اسی طرح سے ”اصحاب موسیٰ“ کہا جاتا ہے۔

زمانہ پیغمبرؐ میں کسی بھی شخص کو مطلق صحابی کہنے کا رواج نہ تھا بلکہ اس کے ساتھ اضافت کو ضروری سمجھا جاتا تھا اور ”صاحب رسول اللہ“ اور جمع کی صورت میں ”اصحاب رسول اللہ“ کہا جاتا تھا۔ اسی طرح سے ”اصحاب بیعة الشجرہ“ اور ”اصحاب الصفہ“ کے الفاظ مروج تھے۔

لیکن بعد میں مکتبِ خلافت سے وابستہ افراد نے اضافت کو ختم کر دیا اور صرف لفظ صحابی یا اصحاب کو رواج دیا گیا تو اس لحاظ سے لفظ صحابی یا اصحاب ایک مخصوص اصطلاح ہے جسے اصطلاحِ اہل شرع کہا جا سکتا ہے۔

صحابی کی پہچان کا ضابطہ کار

ابن حجر کا قول ہم پہلے پیش کر چکے ہیں اور اس پر وارد ہونے والے اعتراض کو بھی نقل کر چکے ہیں اور اس سلسلہ میں طبری اور ابن عساکر کی یہ روایت پڑھیں:

ہم سے سیف نے بیان کیا اس نے ابو عثمان سے اور اس نے خالد اور عبادہ سے روایت کی:

وكانت الرؤساء تكون من الصحابة حتى لا يجدو

من يحتمل ذلك. (طبری طبع یورپ ۱/۲۱۵۱۔)

”صحابہ کو ہی اقتدار دیا جاتا تھا یہاں تک کہ انہیں اس کے اٹھانے والے ہی نہیں ملتے تھے۔“

طبری سیف سے روایت کرتے ہیں:

ان الخليفة عمر كان لا يعدل ان يؤمر الصحابة اذا

وجد من يجزى عنه في حربته فان لم يجد ففى

التابعين باحسان ولا يطمع من انبعث فى الردة فى

الرئاسة. (طبری طبع یورپ ۱/۲۳۵۷-۲۳۵۸)

”جنگ کی سالاری کے لیے حضرت عمر غیر صحابی پر ہمیشہ صحابی کو ترجیح دیتے تھے اور اگر انہیں صحابی میسر نہ آتا تو وہ تابعین میں سے کسی کو سالار مقرر کرتے تھے اور سالاری اور گورنری کے لیے مرتد ہونے والا شخص تو طمع تک نہیں کر سکتا تھا۔“

تنقید و تبصرہ

درج بالا دونوں روایات سیف کی زبانی مروی ہیں اور سیف وضع حدیث اور زندگی میں کافی بدنام تھا۔ (اس کے لیے ہماری کتاب ”عبداللہ بن سبا“ کا مطالعہ فرمائیں۔) ان دونوں روایات کا راوی ہی متہم ہے اور تاریخی حقائق بھی اس کے برعکس ہیں۔ ابو الفرج اصفہانی اپنی کتاب الاغانی میں لکھتے ہیں:

اسلم امرؤ القیس علی ید عمرو و لاه قبل ان یصلی
اللہ رکعة واحدة. (الآغانی طبع ساسی ۱۳/۱۵۸)

”امرؤ القیس حضرت عمر کے ہاتھ پر اسلام لایا اور اس نے
ایک رکعت نماز بھی نہیں پڑھی تھی کہ حضرت عمر نے اسے ایک
علاقہ کا والی مقرر کر دیا۔“

اس روایت کی مزید وضاحت دوسری روایت میں یوں بیان کی گئی۔ عوف بن خارجہ مری کا بیان ہے: حضرت عمر کے عہد حکومت میں ایک دن میں ان کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ اتنے میں موٹے قدموں اور گنچے سرو والا ایک شخص لوگوں کو پھلاکتے ہوئے ان کے سامنے آ کر کھڑا ہو گیا اور انہیں خلیفہ المسلمین کہہ کر سلام کیا۔ حضرت عمر نے اس سے پوچھا کہ تو کون ہے؟

اس نے کہا: میں عیسائی ہوں اور میرا نام امرؤ القیس بن عدی الکلسی ہے۔

حضرت عمر نے کہا: کیا چاہتے ہو؟

اس نے کہا: میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں۔

حضرت عمر نے اس کے سامنے ارکان اسلام رکھے اس نے قبول کیے اور

کلمہ پڑھ کر مسلمان ہو گیا۔ اس کے بعد حضرت عمر نے ایک نیزہ طلب کیا اور نیزہ پر پرچم باندھ کر اس سے کہا کہ میں نے تجھے نو مسلم قبیلہ قضاہ کا والی مقرر کیا ہے۔ وہ پرچم لہراتا ہوا اسی وقت روانہ ہو گیا۔^(۱)

اس واقعہ کے بعد طبری کی روایت کی کیا حیثیت باقی رہ جاتی ہے کہ حضرت عمر صحابہ کے علاوہ کسی کو بھی والی مقرر نہیں کرتے تھے جب کہ نو مسلم عیسائی صحابی نہیں تھا اور نہ ہی اسے اسلام قبول کیے ہوئے کوئی معقول عرصہ گزرا تھا مگر اس کے باوجود حضرت عمر نے اسے علاقہ شام میں رہنے والے قبیلہ قضاہ پر حاکم مقرر کر دیا۔ اب ذرا دوسرا واقعہ بھی سماعت فرمائیں:

علقمہ بن علاشہ کلبی نے عہد پیغمبر میں اسلام قبول کیا اور کچھ دن آنحضرتؐ کی صحبت میں رہا۔ پھر حضرت ابوبکر کے عہد حکومت میں وہ مرتد ہو گیا۔ حضرت ابوبکر نے خالد بن ولید کو اس سے جنگ کے لیے روانہ کیا لیکن وہ بھاگ کھڑا ہوا۔ راوی کہتے ہیں کہ وہ پھر واپس آیا اور اس نے اسلام قبول کیا۔

ابن حجر اصابہ میں لکھتے ہیں:

علقمہ نے حضرت عمر کے عہد میں شراب نوشی کی تو حضرت عمر نے اس پر حد شرعی جاری کی۔ اسے اس کا صدمہ ہوا اور وہ مرتد ہو گیا اور ملک روم میں چلا گیا۔ رومی بادشاہ نے اس کی عزت و تکریم کی اور اس سے کہا تو عامر بن طفیل کا ابن عم ہے اسی لیے ہم تیرا احترام کرتے ہیں۔

رومی بادشاہ کے یہ الفاظ سن کر اسے غصہ آیا اور کہنے لگا کہ کیا میں اتنا غیر معروف ہوں کہ میرا تعارف عامر بن طفیل کے ذریعہ سے کرایا جائے؟

۱۔ الاغانی طبع ساسی ۱۳ / ۱۵۷۔ اسی واقعہ کو اختصار سے ابن حزم نے مجمرۃ انساب العرب میں ۲۸۳ پر بھی نقل کیا ہے۔

پھر وہ روم سے واپس آیا اور اس نے اسلام قبول کیا۔ ابو الفرج الاغانی اور ابن حجر الاصابہ میں لکھتے ہیں:

علقمہ ارتداد کے بعد مسلمان ہوا اور مدینہ آیا۔ خالد بن ولید سے اس کی دوستی تھی وہ رات کے وقت مسجد میں آیا۔ اس کی ملاقات حضرت عمر سے ہوئی اور رات کی تاریکی کی وجہ سے وہ انہیں نہ پہچان سکا اور حضرت عمر اور خالد بن ولید دونوں ایک دوسرے کے ہم شکل تھے۔ علقمہ نے انہیں خالد سمجھ کر سلام کیا اور پھر کہا:

علقمہ: کیا اس نے تجھے معزول کر دیا ہے؟

حضرت عمر: کچھ ایسی ہی بات ہے۔

علقمہ: اس نے تجھے از روئے حسد معزول کیا ہے؟

حضرت عمر: آخراہ اس کا کیا علاج کیا جائے؟

علقمہ: معاذ اللہ! ہم عمر کے خلاف کیا کر سکتے ہیں ہم پر اس کی

اطاعت واجب ہے اور اس کی مخالفت ناجائز ہے۔

یوں رات کی ملاقات ختم ہوئی اور صبح ہوئی حضرت عمر مسجد میں آئے اور خالد بھی مسجد میں آیا۔ کچھ دیر بعد علقمہ بھی مسجد میں داخل ہوا اور خالد کے پہلو میں آ کر بیٹھ گیا۔ جیسے ہی علقمہ آ کر بیٹھا تو حضرت عمر نے اس سے کہا:

حضرت عمر: علقمہ! تو نے خالد سے جو کہا تھا کہہ دیا؟

یہ الفاظ سن کر علقمہ کا ماتھا ٹھنکا اور اس نے خالد سے کہا معلوم ہوتا ہے کہ رات میں نے تمہارے مغالطہ میں انہی سے باتیں کی تھیں پھر اس نے حضرت عمر سے کہا:

علقمہ: مگر آپ نے اچھائی کے علاوہ اور تو کچھ نہیں سنا تھا۔

حضرت عمر: جی ہاں! اگر میں تجھے ”حوران“^(۱) کا حاکم مقرر کروں تو کیا تو قبول

کرے گا؟

علقمہ۔ کیوں نہیں۔

پھر حضرت عمر نے اسے ”حوران“ کی حکومت کا پروانہ لکھ دیا اور وہ حوران کا حاکم بن گیا اور اس کی موت بھی وہاں ہی واقع ہوئی۔ حطیہ نے اس کا مرثیہ کہا تھا۔

مذکورہ واقعات سے سیف کی کذب بیانی پوری طرح سے عیاں ہوتی ہے کیونکہ پہلی روایت سے ثابت ہوتا ہے کہ حکومت و ولایت کے لیے صحابی ہونا ضروری نہیں تھا بلکہ نو مسلم افراد کو بھی حکومت میں شریک کیا جاتا تھا اور اسی طرح سے سیف کا یہ قول بھی جھوٹا ثابت ہوتا ہے کہ کوئی مرتد حکومت و اقتدار کے متعلق سوچ تک نہ سکتا تھا۔ جب کہ ہم نے ثابت کیا ہے کہ علقمہ بن علاشہ شرابی تھا اور اس نے ارتداد کا ارتکاب بھی کیا تھا مگر وہ حضرت عمر کی حکومت کا خیر خواہ تھا اسی لیے اسے حکومت میں شامل کیا گیا اور ”حوران“ کی حکومت اس کے سپرد کی گئی۔

حقیقت یہ ہے کہ مکتب خلافت سے وابستہ افراد نے سیف جیسے زندیقوں کی روایات کو اہمیت دی ہے جس کی وجہ سے روایت حدیث میں مشکلات پیدا ہوئیں۔





فصل دوم

عدالتِ صحابہ کا نظریہ



- مکتبِ خلافت کا نظریہ
- مکتبِ امامت کا نظریہ
- مومن اور منافق کی پہچان

عدالت صحابہ کے متعلق مکتبِ خلافت کا نظریہ

مکتبِ خلافت کے نزدیک تمام صحابی عادل ہیں اور تمام صحابہ سے دینی تعلیمات حاصل کی جا سکتی ہیں۔ جرح و تعدیل کے امام حافظ ابو حاتم رازی اپنی کتاب ”تقدمة المعرفة لكتاب الجرح والتعديل“ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

اصحاب رسول وحی اور تنزیل کے گواہ ہیں اور تفسیر و تاویل سے واقف ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنے نبی کی صحبت و نصرت اور دین کے قیام کے لیے منتخب کیا۔ اللہ ان کی صحابیت پر راضی ہوا اور اللہ نے انہیں امت کا رہبر و پیشوا بنایا۔

صحابہ نے رسول خدا کی وساطت سے خدا کے کلام کو یاد کیا اور انہوں نے تمام اوامر و نواہی، محرمات و مستحبات کی تعلیم حاصل کی اور انہوں نے دین میں سمجھ بوجھ پیدا کی۔ انہوں نے رسول خدا سے براہ راست قرآن مجید کی تفسیر و تاویل کا علم حاصل کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کے اخلاص کو مد نظر رکھ کر انہیں عالم اسلام کا رہبر و رہنما مقرر کیا۔ اللہ تعالیٰ نے ان سے شک و کذب، غلط بیانی اور دیگر برائیوں کو دور کیا اور اللہ تعالیٰ نے انہیں خطاب کرتے ہوئے قرآن مجید میں ارشاد فرمایا:

وَكَذَلِكَ جَعَلْنَاكُمْ أُمَّةً وَسَطًا لِتَكُونُوا شُهَدَاءَ عَلَى

النَّاسِ. (البقرہ: ۱۴۳)

”اور اس طرح سے ہم نے تمہیں درمیانی امت بنایا تاکہ تم لوگوں پر گواہ بنو۔“

حضرت رسول خداؐ نے لفظ ”وَسَطًا“ کی تفسیر لفظ عادل سے فرمائی۔ لہذا آیت مجیدہ کے تحت صحابہ امت کے عادل افراد اور امام ہدایت اور دین میں حجت اور کتاب و سنت کے بیان کرنے والے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے دوسرے مسلمانوں کو ان کی پیروی کی ترغیب دی ہے اور ان کے راستہ سے انحراف کرنے والوں کو عذاب جہنم سے خبردار کیا ہے۔ جیسا کہ فرمانِ قدرت ہے:

وَمَنْ يُشَاقِقِ الرَّسُولَ مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُ الْهُدَىٰ وَيَتَّبِعْ
غَيْرَ سَبِيلِ الْمُؤْمِنِينَ نُوَلِّهِ مَا تَوَلَّىٰ وَنُصَلِّهِ جَهَنَّمَ
وَسَاءَتْ مَصِيرًا. (النساء: ۱۱۵)

”جو شخص بھی ہدایت کے واضح ہو جانے کے بعد رسولؐ سے اختلاف کرے گا اور مؤمنین کے راستہ کے علاوہ کوئی دوسرا راستہ اختیار کرے گا اسے ہم ادھر ہی پھیر دیں گے جدھر وہ پھر گیا ہے اور ہم اسے جہنم میں جھونک دیں گے جو بدترین ٹھکانا ہے۔“

اور اس کے ساتھ ہمیں یہ بھی دکھائی دیتا ہے کہ رسول خداؐ نے انہیں اپنی تعلیمات پہنچانے کی ترغیب دی اور آپ نے اپنے اصحاب کو وعادیتے ہوئے فرمایا:

نُصِرَ اللَّهُ أَمْرًا سَمِعَ مَقَالَتِي فَحَفِظَهَا وَوَعَاَهَا حَتَّى
يَبْلُغَهَا غَيْرَهُ.

”اللہ اس شخص کو شاداب رکھے جو میری گفتگو کو سن کر یاد رکھے

اور اسے دوسروں تک پہنچائے۔“
 آنحضرتؐ نے اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا:
 فليبلغ الشاهد منكم الغائب.

”جو یہاں پر موجود ہے وہ غائب تک یہ پیغام پہنچا دے۔“
 اور آپ نے تبلیغ آیات کا حکم دیتے ہوئے فرمایا:
 بلغوا عني ولو آية.

”میری طرف سے پہنچاؤ اگرچہ ایک آیت ہی کیوں نہ ہو۔“
 آنحضرتؐ کے ان فرامین پر صحابہ نے پورا پورا عمل کیا اور اسلام کی تعلیم کے لیے اطراف و اکناف میں پھیل گئے اور انہوں نے بہت سے ممالک فتح کیے اور مفتوحہ ممالک میں احکام اسلام نافذ کیے اور ہر جگہ انہوں نے آنحضرتؐ کی تعلیمات کی نشر و اشاعت کی اور اسلام کے فرائض و احکام اور حلال و حرام کو بیان کیا اور مرتے دم تک اپنے فرائض منصبی کی ادائیگی میں ذرہ برابر کوتاہی نہیں کی اللہ تعالیٰ ان سب سے راضی ہو اور ان کی مغفرت فرمائے۔ اس مکتب فکر کے ایک اور پیرو ابن عبدالبر اپنی کتاب ”الاستيعاب“ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:
 ”تمام صحابہ کی عدالت ثابت ہے۔“

پھر اس نے صحابہ کی عدالت کے لیے ایسی بہت سی آیات لکھیں جن میں صحابہ کی مدح کی گئی ہے۔ ابن اثیر اپنی کتاب اسد الغابہ کے مقدمہ میں تحریر کرتے ہیں:

”علم اسماء الرجال کی ضرورت اس لیے ہے کہ اسلامی احکام کی تفصیل اور حلال و حرام کی وضاحت روایات میں موجود ہے اور روایت اسناد کی صحت کے بعد ثابت ہوتی ہے اور اگر ہمیں روایان حدیث کے متعلق علم ہی نہ ہو تو ہم شدید نقصان میں پڑ

جائیں گے۔ اسی لیے ضروری ہے کہ تمام روایات کے راویوں کے صحیح و ضعیف اور صادق و کاذب کا علم ہونا چاہیے۔ لیکن واضح رہے کہ ہم رواۃ پر جرح و تعدیل کے قائل ہیں لیکن جب روایت کا آخری سلسلہ کسی صحابی سے مربوط ہو جائے تو ہم صحابی کی جرح و تعدیل کی بحث نہیں کریں گے۔ ہماری نظر میں تمام صحابی عادل ہیں ان پر جرح کرنی صحیح نہیں ہے۔“

حافظ ابن حجر الاصابہ کی فصل سوم میں لکھتے ہیں:

اتفق اهل السنة على ان الجميع عدول ولم يخالف في ذلك الاشدوذ من المبتدعة.

”اہل سنت کا اتفاق ہے کہ تمام صحابی عادل ہیں اور چند اہل بدعت کے علاوہ اس کی کسی نے مخالفت نہیں کی۔“

ابوزرعہ سے یہ قول مروی ہے:

جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ اصحاب پیغمبر میں سے کسی صحابی کی تنقیص کر رہا ہے تو سمجھ لو کہ وہ شخص زندیق ہے۔ کیونکہ رسول حق ہے قرآن حق ہے اور رسول جو کچھ پروردگار کی طرف سے لائے ہیں وہ حق ہے۔ اور یہ سارے کا سارا حق ہم تک صحابہ نے پہنچایا ہے۔ اور صحابہ کتاب و سنت کے گواہ ہیں اور جو شخص ان کی تنقیص کرتا ہے تو وہ درحقیقت کتاب و سنت کے گواہوں کو کمزور کرتا ہے۔ اسی لیے کتاب و سنت کے گواہوں کی جرح سے بہتر ہے کہ ہم ایسے شخص پر جرح کریں اور اس پر زندیق ہونے کا فتویٰ صادر کریں۔^(۱)

۱۔ کاش ابوزرعہ بتاتے کہ اصحاب رسول میں سے منافقین کے متعلق ان کا کیا نظریہ تھا؟

کتبِ امامت اور عدالت صحابہ

کتبِ امامت اور عدالت صحابہ کے متعلق وہی عقیدہ رکھتا ہے جو قرآن مجید نے بیان کیا ہے۔ صحابہ کی جماعت میں کامل الایمان افراد بھی موجود تھے جن کی اللہ تعالیٰ نے تعریف و توصیف کی ہے۔ جیسا کہ بیعت رضوان کرنے والے مومنین کے متعلق اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

لَقَدْ رَضِيَ اللَّهُ عَنِ الْمُؤْمِنِينَ إِذْ يُبَايِعُونَكَ تَحْتَ الشَّجَرَةِ فَعَلِمَ مَا فِي قُلُوبِهِمْ فَأَنْزَلَ السَّكِينَةَ عَلَيْهِمْ وَأَثَابَهُمْ فَتْحًا قَرِيبًا. (الفتح- ۱۸)

”یقیناً خدا صاحبانِ ایمان سے اسی وقت راضی ہو گیا جب وہ درخت کے نیچے آپ کی بیعت کر رہے تھے پھر اس نے وہ سب کچھ دیکھ لیا جو ان کے دلوں میں تھا تو ان پر سکون نازل کر دیا اور انہیں اس کے عوض قریبی فتح عنایت کر دی۔“

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے مومنین پر اپنی رضامندی کا ذکر کیا اور اس بیعت میں شامل منافقین پر اپنی رضامندی کا اظہار نہیں کیا کیونکہ اس بیعت میں رئیس المنافقین عبداللہ بن ابی اور اوس بن قیظی جیسے منافق بھی شامل تھے۔^(۱) صحابہ میں جہاں کامل الایمان افراد موجود تھے وہاں پر منافقین بھی موجود تھے جن کی مذمت میں قرآن مجید کی بیسوں آیات نازل ہوئیں۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمِمَّنْ حَوْلَكُم مِّنَ الْأَعْرَابِ مُنَافِقُونَ وَمِنْ أَهْلِ الْمَدِينَةِ مَرَدُّوا عَلَى النَّفَاقِ لَا تَعْلَمُهُمْ نَحْنُ نَعْلَمُهُمْ سَنَعَذِّبُهُمْ مَّرَّتَيْنِ ثُمَّ يُرَدُّونَ إِلَىٰ عَذَابٍ عَظِيمٍ. (التوبة: ۱۰۱)

”تمہارے گرد دیہاتیوں میں بھی منافقین ہیں اور اہل مدینہ میں تو وہ بھی ہیں جو نفاق میں ماہر اور سرکش ہیں تم ان کو نہیں جانتے ہو لیکن ہم خوب جانتے ہیں۔ ہم ان پر دوہرا عذاب کریں گے اس کے بعد یہ عذاب عظیم کی طرف پلانا دیے جائیں گے۔“

گروہ صحابہ میں ایسے افراد بھی موجود تھے جنہوں نے رسول خدا کی ایک زوجہ پر بھی تہمت تراشی کی تھی۔ (نعوذ باللہ)۔ اور ایسے افراد بھی موجود تھے جو حضور کو حالت خطبہ میں چھوڑ کر تجارت اور لہو و لعب کی طرف چلے گئے تھے جیسا کہ سورہ جمعہ میں ارشاد خداوندی ہے:

وَإِذَا رَأَوْا تِجَارَةً أَوْ لَهْوًا انفَضُوا إِلَيْهَا وَتَرَكُوكَ قَائِمًا: (الجمعة: ۱۱)

”اور یہ لوگ جب تجارت یا لہو و لعب کو دیکھتے ہیں تو اس کی طرف دوڑ پڑتے ہیں اور آپ کو تنہا کھڑا چھوڑ دیتے ہیں۔“

بزم صحابہ میں ایسے افراد بھی چھپے ہوئے تھے جنہوں نے غزوہ تبوک سے واپسی پر ایک گھاٹی کے قریب آنحضرت کو شہید کرنے کا پروگرام تشکیل دیا تھا جس پر ”وَهُمُّوْا بِمَا يَنْتَلُوْا“ کی آیت نازل ہوئی۔^(۱)

۱۔ مسند احمد ۳۹۰/۵، ۴۵۳۔ صحیح مسلم ۱۲۲/۸-۱۲۳، باب صفات المنافقین۔ مجمع الزوائد ۱۱۰/۶، ۱۹۵/۶۔ مغازی واقفی ۱۰۳۲/۳، امتاع الاسماع مقریزی ص ۴۷۷۔ تفسیر درمنثور سیوطی ۲۵۸/۳-۲۵۹ شیعہ روایات میں ہے کہ یہ واقعہ جیزۃ الوداع کی واپسی پر پیش آیا کیونکہ رسول خدا نے عذیرخم میں حضرت علیؑ کی امامت و خلافت کا اعلان کیا تھا۔ اس سے منافقین کو شدید غصہ آیا اور انہوں نے آپ کو دھوکے سے شہید کرنے کا منصوبہ بنایا۔ جسے خدا نے ناکام کیا۔

کتب اہل بیت سے وابستہ افراد کہتے ہیں کہ شرف صحابیت خواہ کتنا ہی بلند کیوں نہ ہو پھر بھی شرف زوجیت سے کم ہے۔ جب اللہ تعالیٰ نے آنحضرتؐ کی ازواج کو کھلے الفاظ سے متنبہ کرتے ہوئے فرمایا ہے:

يَا نِسَاءَ النَّبِيِّ مَنْ يَأْتِ مِنْكُنَّ بِفَاحِشَةٍ مُّبِينَةٍ يُضَاعَفْ لَهَا
الْعَذَابُ ضِعْفَيْنِ وَكَانَ ذَلِكَ عَلَى اللَّهِ يَسِيرًا. وَمَنْ
يَقْنُتْ مِنْكُنَّ لِلَّهِ وَرَسُولِهِ وَتَعْمَلْ صَالِحًا نُؤْتِهَا أَجْرَهَا
مَرْتَيْنِ وَأَعْتَدْنَا لَهَا رِزْقًا كَرِيمًا. (الاحزاب-۳۰-۳۱)

”اے ازواج پیغمبر! جو بھی تم میں سے کھلی ہوئی برائی کا ارتکاب کرے گی اس کے عذاب کو دہرا کر دیا جائے گا اور یہ بات خدا کے لیے بہت آسان ہے اور جو بھی تم میں سے خدا اور رسولؐ کی اطاعت کرے اور نیک اعمال کرے اسے ہم دہرا اجر عطا کریں گے اور ہم نے اس کے لیے بہترین رزق فراہم کیا ہے۔“

جب ازواج پیغمبر سے غلطیاں ہوئیں اور ان میں سے دو بیویوں کو قرآ

مجید نے خصوصی طور پر مخاطب کر کے ان کی غلطیوں کی طرف متوجہ کیا ہے:

إِنْ تَتُوبَا إِلَى اللَّهِ فَقَدْ صَغَتْ قُلُوبُكُمَا وَإِنْ تَظَاهَرَا
عَلَيْهِ فَإِنَّ اللَّهَ هُوَ رَئِيٌّ وَجِبْرِيلُ وَصَالِحُ الْمُؤْمِنِينَ
وَالْمَلَائِكَةُ بَعْدَ ذَلِكَ ظَهِيرٌ. (سورہ تحریم: ۴)

”اب تم دونوں توبہ کرو کہ تمہارے دلوں میں کجی پیدا ہو چکی ہے ورنہ اگر اس کے خلاف اتفاق کرو گی تو یاد رکھو اللہ اس کا سرپرست ہے اور جبریل اور نیک مومن اور ملائکہ سب اس کے مددگار ہیں۔“

قرآن مجید ہمیں بتاتا ہے کہ انبیائے کرامؑ کے صحابی تو رہے اپنی جگہ پر بعض انبیاءؑ کی بیویاں بھی نافرمانی کی وجہ سے دوزخ میں چلی گئی ہیں۔ جیسا کہ فرمان خداوندی ہے:

صَرَبَ اللَّهُ مَثَلًا لِّلَّذِينَ كَفَرُوا امْرَأَتَ نُوحٍ وَ امْرَأَتَ لُوطٍ كَانَتَا تَحْتَ عَبْدَيْنِ مِنْ عِبَادِنَا صَالِحَيْنِ فَخَانَتَا هُمَا يُعْنِيَا عَنْهُمَا مِنَ اللَّهِ شَيْئًا وَقِيلَ ادْخُلَا النَّارَ مَعَ الدَّٰخِلِينَ. (تحریم: ۱۰)

”خدا نے کفر اختیار کرنے والوں کے لیے زوجہ نوحؑ اور زوجہ لوطؑ کی مثال بیان کی ہے کہ یہ دونوں ہمارے نیک بندوں کی زوجیت میں تھیں۔ لیکن ان سے خیانت کی تو اس زوجیت نے خدا کی بارگاہ میں کوئی فائدہ نہیں پہنچایا اور ان سے کہہ دیا گیا کہ تم بھی تمام جہنم میں داخل ہونے والوں کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔“

نافرمانی کی وجہ سے جب انبیاءؑ کی ازواج دوزخ سے محفوظ نہ رہ سکیں تو اصحاب کی ضمانت کیسے دی جاسکتی ہے؟

کچھ صحابی حوض سے ہٹائے جائیں گے

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بعض صحابہ کے متعلق ارشاد فرمایا:

وانه يجاء برجال من امتي فيؤخذ بهم ذات الشمال
 فاقول: يارب اصحابي فيقال: انك لا تدري
 ماحدثوا بعدك. فاقول كما قال العبد الصالح
 ”وَكُنْتُ عَلَيْهِمْ شَهِيدًا مَا دُمْتُ فِيهِمْ فَلَمَّا تَوَفَّيْتَنِي

كُنْتَ أَنْتَ الرَّقِيبَ عَلَيْهِمْ“ (المائدہ: ۱۱۷)

فیقال: ان هؤلاء لم یزالوا مرتدین علی اعقابہم
مندفارقتہم۔^(۱)

”میری امت کے کچھ لوگ لائے جائیں گے۔ انہیں پکڑ کر
بائیں طرف کر دیا جائے گا۔ میں کہوں گا پروردگار! میرے
اصحاب ہیں۔ کہا جائے گا تو نہیں جانتا جو انہوں نے تیرے
بعد تبدیلیاں کیں۔ تو اس وقت میں عبد صالح حضرت عیسیٰ کی
طرح سے کہوں گا۔ میں جب تک ان میں رہا تو ان کا گواہ تھا
اور جب تو نے مجھے اٹھا لیا تو تو ہی ان کا نگہبان تھا۔“

اس وقت کہا جائے گا آپ کے رخصت ہونے کے بعد یہ پچھلے پاؤں پھر
گئے تھے۔ دوسری روایت ملاحظہ فرمائیں:

لیردن علی ناس من اصحابی الحوض حتی عرفتہم
اختلفوا دونی، فاقول: اصحابی. فیقول: لاتدری
ما احدثو بعدک.^(۲)

”میرے کچھ صحابی میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں گے یہاں

۱۔ صحیح بخاری، کتاب التفسیر، تفسیر سورۃ المائدۃ، باب و کنت علیہم شہیدا و کتاب
الانبیاء، باب واتخذ اللہ ابراہیم خلیلا۔ ترمذی، ابواب صفة القيامة، باب ماجاء فی شان
الحشر و تفسیر سورۃ ط۔

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الرقاق، باب فی الحوض ۹۵/۳، کتاب القنن، باب ماجاء فی قول
اللہ ”واتقوا فتنة.....“۔ ابن ماجہ، کتاب الناسک، باب الخطبة یوم النحر حدیث ۵۸۳۰
مسند احمد ۱/۳۵۳، ۳/۲۸، ۵/۳۸۔

تک کہ میں انہیں پہچان لوں گا۔ انہیں مجھ سے دور کر دیا جائے گا۔ میں کہوں گا۔ یہ میرے اصحاب ہیں۔ اللہ تعالیٰ کہے گا۔ تو نہیں جانتا جو انہوں نے تیرے بعد تبدیلیاں پیدا کی تھیں۔“
صحیح مسلم میں مرقوم ہے:

ليرون على الحوض رجال ممن صاحبي حتى اذا رأيتهم
ورفضوا الي اختلجوا دوني. فلا قولن: اي رب اصحابي
فليقال لي: انك لا تدري ما حدثوا بعدك. (۱)

”مجھ سے صحبت رکھنے والے کچھ لوگ میرے پاس حوض کوثر پر وارد ہوں گے اور جب میں انہیں دیکھوں گا اور وہ میری طرف بڑھیں گے تو انہیں مجھ سے دور کر دیا جائے گا۔ اس وقت میں کہوں گا۔ خدایا یہ تو میرے اصحاب ہیں؟ اس کے جواب میں مجھ سے کہا جائے گا تجھے معلوم نہیں ہے کہ انہوں نے تیرے بعد کیا تبدیلیاں کی تھیں۔“

مومن اور منافق کی کسوٹی

گروہ صحابہ میں منافقین موجود تھے جنہیں خدا کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ اللہ تعالیٰ نے مومن اور منافق کی پہچان کے لیے ایک کسوٹی مقرر کی اور اللہ نے اپنے نبی کو اطلاع دی کہ وہ کسوٹی علیؑ کی ذات ہے اس سے محبت رکھنے والا مومن اور اس سے بغض رکھنے والا منافق ہوگا۔ جیسا کہ حضرت علیؑ اور ام المومنین ام سلمہؓ اور عبد اللہ بن عباسؓ اور ابو ذر غفاریؓ اور انس بن مالکؓ اور عمران بن حصین سے منقول ہے۔ عہد بیغبر میں منافقین کو اسی کسوٹی سے ہی پرکھا جاتا تھا حضرت ابو ذرؓ کا فرمان ہے:

۱۔ صحیح مسلم، کتاب الفضائل، باب اثبات حوض نبینا، ۳/۱۸۰۰ حدیث ۴۰۔

ما كنا نعرف المنافقين الا بتكذيبهم الله ورسوله
 والتخلف عن الصلوات والبغض لعلي بن ابي طالب.
 ”ہم تین علامات سے منافقین کو پہچانتے تھے۔ (۱) خدا اور
 رسول خدا کی تکذیب۔ (۲) نماز سے پیچھے رہنا۔ (۳) علی بن
 ابی طالب سے بغض رکھنا۔“

(مستدرک علی الصالحین ۱۲۹/۳، کنز العمال ۹۱/۱۵۔)

ابوسعید خدری نے کہا:

انا كنا لنعرف المنافقين. نحن معاشر الانصار.
 ببغضهم علي بن ابي طالب.

(صحیح ترمذی ۱۳/۱۶۷۔ حلیۃ الاولیاء ابو نعیم ۶/۳۸۳۔)

”ہم گروہ انصار منافقین کو علی بن ابی طالب کے بغض سے
 پہچان لیتے تھے۔“ عبداللہ بن عباس نے کہا:

انا كنا نعرف المنافقين على عهد رسول الله (ص)
 ببغضهم علي بن ابي طالب. (تاریخ بغداد ۳/۱۵۳)

”رسول خدا کے عہد میں ہم منافقین کو علی بن ابی طالب کے
 بغض سے پہچان لیا کرتے تھے۔“

جابر بن عبداللہ انصاری نے کہا:

ما كنا نعرف المنافقين الا ببغض علي ابن ابي طالب

(الاستیعاب ۲/۳۶۳، ریاض النضرہ ۲/۲۸۴، تاریخ ذہبی ۲/۱۹۸، مجمع الزوائد ۹/۱۳۳)

”ہم علی ابن ابی طالبؑ کے بغض سے منافقین کو پہچان لیا کرتے تھے۔“

حضرت رسول خدائے حضرت علیؑ کے لیے دعا مانگی اور کہا:
 اللهم وال من والاه و عاد من عاداه. (مجمع الزوائد ۹/۱۳۳۔)
 ”پروردگار! جو علیؑ سے دوستی رکھے تو بھی اس سے دوستی رکھ اور
 جو علیؑ سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔“

ان حقائق کی وجہ سے مکتب امامت سے وابستہ افراد کسی بھی دشمن علیؑ صحابی کی روایت قبول نہیں کرتے کیونکہ انہیں اس امر کا اندیشہ ہوتا ہے کہ کہیں وہ صحابی منافقین کی جماعت کا فرد نہ ہو۔ اس تمام تر بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مکتب خلافت میں تمام صحابی عادل ہیں اور وہ سب ستاروں کی مانند ہیں۔ سب سے احکام دین حاصل کیے جاسکتے ہیں اور ان کی عدالت پر جرح کرنے والا زندیقیتی ہے۔ اس کے برعکس مکتب امامت میں صحابہ کو بھی دوسرے انسانوں کی طرح سے سمجھا جاتا ہے۔

صحابہ میں کچھ کامل الایمان صحابی بھی تھے اور کچھ خطا کار بھی تھے۔ ان میں رسول خدائے جانثار بھی تھے اور حضور اکرمؐ کے قتل کی سازش کرنے والے منافق بھی صحابیت کے بھیس میں موجود تھے۔ رسول اکرمؐ کی ایک زوجہ پر تہمت تراشنے والے بھی اول و آخر صحابی ہی تھے اور ایسے ہی صحابہ کے متعلق رسول خدائے خود فرما کر گئے کہ قیامت کے دن یہ حوض پر میرے پاس وارد ہوں گے، پھر اچانک فرشتے انہیں مجھ سے ہٹا دیں گے میں کہوں گا کہ یہ میرے اصحاب ہیں۔ اس وقت ندائے قدرت آئے گی ان لوگوں نے آپ کے بعد دین میں تبدیلیاں کیں۔ تو اس وقت میں کہوں

گا دوری ہے اس کے لیے جس نے میری سنت کو تبدیل کیا۔

رسول خدا نے ایمان و نفاق کی کسوٹی حضرت علی علیہ السلام کو قرار دیا اور

فرمایا جو اس سے محبت کرے وہ مومن اور جو اس سے بغض رکھے وہ منافق ہے۔

صحابہ اسی کسوٹی سے مومن اور منافق کی پہچان کیا کرتے تھے۔

مکتب اہل بیت کسی بھی دشمن علی صحابی سے روایت لینے کو درست نہیں جانتا

کیونکہ اس کے متعلق قوی ترین شبہ ہے کہ کہیں وہ منافق ہی نہ ہو۔

اس بحث کے بعد ہم مسئلہ امامت پر دونوں مکاتب فکر کی آراء پیش کریں گے۔





بحث دوم

امامت
فریقین کی نظر میں



- خلافت کیسے قائم ہوئی؟
- مکتبِ خلافت کا امام کے متعلق نظریہ
- مکتبِ اہل بیتؑ کا امامت کے متعلق نظریہ
- خلاصہ بحث



فصل اوّل



- خلافت کیسے قائم ہوئی؟
- وصیت رسولؐ لکھنے کا حکم
- وفات رسولؐ کے متعلق حضرت عمر کا موقف
- سقیفہ اور حضرت ابو بکر
- رسول خداؐ کی تدفین اور تدفین میں شریک افراد
- حضرت فاطمہ زہراؑ کے گھر میں پناہ لینے والے
- حضرت ابو بکر کی بیعت سے تحلف کرنے والے
- حضرت عمر کی نامزدگی اور ان کی بیعت
- شوریٰ اور حضرت عثمان کی بیعت
- حضرت علیؑ کو معلوم تھا کہ مجلس شوریٰ انہیں خلافت سے محروم رکھے گی
- خلافت علیؑ علیہ السلام

واقعاتِ خلافتِ تاریخ کی رو سے

امامت و خلافت کے متعلق دونوں مکاتبِ فکر کی آراء کا جائزہ لینے سے قبل ہم ان تاریخی واقعات کو بیان کرنا چاہتے ہیں جن کا تعلق واقعاتِ خلافت سے ہے۔ تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ رسولِ خداؐ نے اپنی وفات سے قبل اہلِ روم سے جنگ کرنے کے لیے ایک لشکر تشکیل دیا جس کا سالار اسامہ بن زیدؓ کو مقرر کیا اور مہاجرین و انصار کی تمام سرکردہ شخصیات کو اس کی زیرِ قیادت جانے کا حکم دیا۔

ان میں ابو بکرؓ، عمرؓ، ابو عبیدہؓ، سعد بن ابی وقاص اور سعید بن زیدؓ جیسی شخصیات شامل تھیں۔ اس لشکر نے مدینہ کے باہر تین میل کے فاصلہ پر ”جرف“ کے مقام پر پڑاؤ ڈالا۔ لوگوں نے اسامہ بن زیدؓ کی سالاری پر اعتراض کیا اور کہا کہ اس نوخیز لڑکے کو بزرگ مہاجرین و انصار پر حاکم بنا دیا گیا ہے۔ آنحضرتؐ نے جب یہ اعتراض سنا تو آپؐ کو سخت صدمہ ہوا اور آپؐ بخار کی حالت میں گھر سے باہر تشریف لائے اور منبر پر خطبہ دیتے ہوئے فرمایا:

مجھے معلوم ہوا ہے کہ تمہیں اسامہ کی سالاری پر اعتراض ہے۔ تم نے اس سے قبل اس کے والد کی سالاری پر بھی اعتراض کیا تھا جب کہ خدا گواہ ہے کہ وہ سالاری کے لائق تھا اور اس کے بعد اس کا بیٹا بھی سالاری کے لائق ہے۔ یہ کہہ کر

آپ منبر سے نیچے تشریف لائے اور جن لوگوں نے اسامہ کے ساتھ جانا تھا وہ آپ سے الوداع کر کے شہر سے باہر جانے لگے۔ ابھی لشکر نے کوچ نہیں کیا تھا کہ آنحضرتؐ کی طبیعت مزید ناساز ہو گئی اور اس بیماری کی حالت میں آپ بار بار کہہ رہے تھے:

”لشکر اسامہ کو روانہ کرو۔“

اتوار کے دن آپ کی طبیعت زیادہ خراب ہو گئی اور منگل کے دن اسامہ نے لشکر کو روانگی کا حکم دیا۔ ابھی لشکر روانہ نہیں ہوا تھا کہ اطلاع ملی کہ حضورؐ کا جانبر ہونا مشکل ہے اور آپ چند دنوں کے مہمان ہیں۔ یہ خبر سن کر اسامہ اور ابو عبیدہ واپس مدینہ آئے۔^(۱)

وصیت لکھنے کا حکم

ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں:

نبی کریمؐ کی طبیعت ناساز ہوئی۔ اس وقت گھر میں کافی لوگ موجود تھے

جن میں حضرت عمر بن خطاب بھی شامل تھے۔ آپ نے فرمایا:

”کاغذ اور قلم دو ات لے آؤ میں تمہیں ایک تحریر لکھ دوں۔ اس

کے بعد تم ہرگز گمراہ نہ ہو سکو گے۔“

حضرت عمر نے کہا: نبی پر درد کا غلبہ ہے جب کہ تمہارے پاس قرآن

موجود ہے ہمیں اللہ کی کتاب کافی ہے۔

اس پر گھر میں موجود افراد کا اختلاف ہو گیا۔ ان میں سے کچھ وہی کہہ

۱۔ خلاصہ از طبقات ابن سعد طبع بیروت۔ ۱۹۰/۲۔ ۱۹۲۔ اس واقعہ کے باقی حوالہ جات کی

تفصیل کے لیے ہماری کتاب عبد اللہ بن سبا کا مطالعہ فرمائیں۔

رہے تھے جو عمر نے کہا تھا۔ جب اختلاف اور شور و غوغا بڑھ گیا تو نبی کریمؐ نے فرمایا:

قوموا عنی لاینبغی عندی التنازع.

”میرے پاس سے اٹھ کر چلے جاؤ۔ میرے پاس جھگڑا کرنا مناسب نہیں ہے۔“ (صحیح بخاری، کتاب العلم، باب کتابہ العلم۔)

روایت بتاتی ہے: اس واقعہ کو یاد کر کے ابن عباسؓ اتنا رویا کرتے تھے کہ ان کے آنسوؤں کی وجہ سے سنگریزے تر ہو جاتے تھے اور کہا کرتے تھے کہ رسول خداؐ کے درد میں شدت پیدا ہوئی۔ تو آپ نے فرمایا:

”میرے پاس کاغذ لے آؤ میں تمہیں ایسی تحریر لکھ دوں جس کے بعد تم کبھی گمراہ نہ ہو گے۔“

مگر لوگوں نے جھگڑا کیا جب کہ نبی اکرمؐ کے پاس جھگڑا مناسب نہیں تھا اور لوگوں نے کہا ہجو رسول اللہؐ: رسول خدا ہدیٰ بک رہے ہیں۔^(۱) ایک اور روایت میں ہے: کہ ابن عباسؓ کہا کرتے تھے۔

”سب سے بڑا المیہ یہ ہوا کہ لوگوں کے اختلاف اور شور و غوغا کی وجہ سے رسول خداؐ کو دستاویز لکھنے سے روک دیا گیا۔“^(۲)

۱۔ صحیح بخاری، باب جوائز الوفاء من کتاب الجہاد، ۱۲۰/۲ کتاب الجزیۃ، باب اخراج الیہود من جزیرۃ العرب۔ صحیح مسلم، کتاب الوصیۃ، باب ترک الوصیۃ۔ وغیر ذلک من کتب الحدیث۔

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الاعتصام بالکتاب والسنة، باب کراهیۃ الخلاف، و باب قول المریض قوموا عنی من کتاب المرضی۔ کتاب المغازی، باب مرض النبی، کتاب الوصیۃ، باب ترک الوصیۃ من صحیح مسلم۔

وفات پیغمبرؐ کے متعلق حضرت عمر کا نظریہ

ماہ ربیع الاول میں پیر کی دوپہر کے وقت آنحضرتؐ نے وفات پائی۔ اس وقت حضرت ابوبکر مدینہ سے باہر اپنے خخ والے مکان میں تھے اور حضرت عمر مدینہ میں موجود تھے۔ حضرت عمر جنازہ رسولؐ پر آئے اور کچھ دیر بعد مغیرہ بن شعبہ بھی وہاں آیا:

حضرت عمر نے رسول خداؐ کے چہرہ سے کپڑا ہٹایا اور کہا:

”رسول خداؐ طویل غشی میں چلے گئے ہیں۔“

مغیرہ نے کہا: نہیں! رسول خداؐ کی وفات ہو چکی ہے۔

حضرت عمر نے کہا: رسول خداؐ کی وفات نہیں ہوئی اور تو یہ بات اس لیے

کہہ رہا ہے کہ تو فتنہ پیدا کرنا چاہتا ہے۔ جب تک رسول خداؐ تمام منافقین کو ہلاک نہ کر دیں اس وقت تک وہ ہرگز نہیں مریں گے۔

پھر حضرت عمر نے کہا: منافقین کہہ رہے ہیں کہ رسول خداؐ کی وفات ہو گئی

ہے جب کہ رسول خداؐ کی وفات نہیں ہوئی وہ حضرت موسیٰؑ کی طرح اپنے رب کے

پاس گئے ہیں اور وہ چالیس راتوں کے بعد واپس آئیں گے اور جو لوگ ان کی

وفات کا گمان کر رہے ہیں آپ واپس آ کر ان لوگوں کے ہاتھ اور پاؤں کاٹ دیں

گے۔ اور سن لو جس نے بھی کہا کہ محمدؐ کی وفات ہو گئی ہے میں اپنی تلوار سے اس کا سر

اتار دوں گا۔ آپ مرے نہیں بلکہ آسمان کی طرف چلے گئے ہیں۔

کسی نے اس وقت یہ آیت پڑھ کر انہیں سنائی:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنْ

مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ.

”محمدؐ بس اللہ کے رسول ہیں ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں تو کیا اگر محمدؐ مر جائیں یا قتل کر دیے جائیں تو تم پچھلے قدموں پر لوٹ جاؤ گے؟ (اطبقات ابن سعد ۲/۲ ق ۲/۲۵۷ کنز العمال۔)
عباس بن عبدالمطلبؑ نے کہا:

رسولِ خداؐ کی وفات ہو چکی ہے اور موت کے وقت میں نے آنحضرتؐ کے چہرے پر وہ نشانی دیکھی ہے جو عبدالمطلب کی اولاد کے چہرے پر موت کے وقت ظاہر ہوتی ہے۔ پھر عباسؑ نے کہا: کیا تم میں سے کسی کو رسولِ خداؐ نے بتایا تھا کہ ان کی وفات نہ ہوگی؟ تمام حاضرین نے اس کا نفی میں جواب دیا۔

مگر اس کے باوجود حضرت عمرؓ اپنی بات پر ڈٹے رہے اور ان کے منہ سے جھاگ نکل رہی تھی۔ پھر حضرت ابوبکرؓ آئے اور انہوں نے یہ آیت پڑھی:

وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ.
(الآیة)

”محمدؐ بس اللہ کے رسول ہیں ان سے پہلے بھی رسول گزر چکے ہیں۔“
حضرت عمرؓ نے کہا: کیا یہ کتاب اللہ کی آیت ہے؟
حضرت ابوبکرؓ نے کہا: ہاں۔ پھر حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔

سقیفہ اور بیعت ابوبکر

انصار نے سقیفہ بنی ساعدہ میں اجتماع کیا اور مہاجرین بھی سقیفہ کی طرف چلے گئے اور آنحضرتؐ کے جنازہ کے پاس آپ کے قریبی رشتہ داروں کے علاوہ اور کوئی باقی نہ رہا۔ آپ کے اقرباء نے ہی آپ کو غسل و کفن دیا۔
آنحضرتؐ کے غسل و کفن میں شریک ہونے والے افراد کے نام یہ ہیں:

- ۱- حضرت علی علیہ السلام۔
 ۲- حضرت عباسؓ۔
 ۳- فضل بن عباس۔
 ۴- قثم بن عباس۔
 ۵- اسامہ بن زید۔
 ۶- آنحضرتؐ کا آڑا کردہ غلام صالح۔
 ۷- اوس بن خولی انصاری۔

حضرت عمر کی زبانی سقیفہ کی کارروائی

صحیح بخاری، کتاب الحدود باب رجم الجملی ۳/۱۲۰ پر مرقوم ہے۔

حضرت عمر نے کہا:

انه كان من خبرنا حين توفى الله نبيه ان الانصار
اجتمعوا في سقيفة بني ساعدة وخالف عنا علي
والزبير ومن معهما..... تغرة ان يقتلا.

”ہمارے واقعات یہ ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو
وفات دی تو انصار نے ہماری مخالفت کی اور وہ سقیفہ بنی ساعدہ
میں جمع ہو گئے اور علیؓ اور زبیر اور ان دونوں کے ساتھیوں نے
بھی ہماری مخالفت کی۔ میں نے ابو بکر سے کہا۔ آپ ہمیں
ساتھ لے کر انصار بھائیوں کے پاس چلیں۔“

ہم چل پڑے یہاں تک کہ ان کے پاس جا پہنچے۔ وہاں ایک شخص کسبل
اوڑھے بیٹھا تھا۔ جس کے متعلق بتایا گیا کہ یہ سعد بن عبادہ ہے اور اسے بخار چڑھا ہوا
ہے۔ وہاں ہم تھوڑی دیر بیٹھے تو انصار کے ایک خطیب نے تقریر کی اور اس نے اللہ
تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد کہا:

”ہم خدا کے مددگار اور اسلام کا لشکر ہیں اور مہاجرین تم بھی.....“

۱- غالباً اسی وجہ سے مولانا روم نے فرمایا تھا۔

چون صحابہ حب دنیا داشتند۔ مصطفیٰ را بے کفن بگذاشتند۔ (از مترجم)

میں نے اس کی تقریر کا جواب دینا چاہا مگر ابو بکر نے کہا کہ تم خاموش رہو۔ پھر ابو بکر نے تقریر کی اس نے میرے تمام تر خیالات کی مجھ سے بھی بہتر انداز میں ترجمانی کی اور کہا۔ تم نے اپنی جس فضیلت کا ذکر کیا ہے تم واقعی اس کے اہل ہو مگر قریش کے علاوہ امر خلافت کسی اور قبیلہ کو زیب نہیں دیتا۔ قریش اپنے نسب اور اپنے گھر کی بدولت عرب کے منتخب افراد ہیں۔ میں تمہارے لیے دو افراد کا انتخاب کرتا ہوں ان میں سے تم جس کی چاہو بیعت کر لو۔ پھر انہوں نے میرا اور ابو عبیدہ کا ہاتھ پکڑا۔ یعنی تم ان میں سے کسی ایک کی بیعت کر لو۔ پھر انصار میں سے ایک شخص اٹھا اور اس نے کہا: میں باخبر اور تجربہ کار شخص ہوں تم لوگ میری مانو تو ایک امیر تم میں سے ہو اور ایک امیر ہم میں سے ہو۔

اس تجویز پر کافی شور و غوغا اٹھا۔ میں نے تفرقہ سے بچنے کے لیے ابو بکر سے کہا کہ آپ اپنا ہاتھ دراز کریں۔ انہوں نے اپنا ہاتھ دراز کیا تو میں نے ان کی بیعت کی اور دوسرے مہاجرین نے بیعت کی پھر انصار نے ان کی بیعت کی اور ہم نے سعد بن عبادہ کو روند ڈالا..... آئندہ اگر کوئی شخص مشورہ کے بغیر کسی کی بیعت کرے تو بیعت کرنے والے اور بیعت لینے والے دونوں کو قتل کر دینا چاہیے۔

تاریخ طبری سے واقعات سقیفہ کی تلخیص

انصار نے جنازہ رسولؐ چھوڑ کر سقیفہ بنی ساعدہ میں اجتماع کیا اور انہوں نے سعد بن عبادہ کو خلیفۃ الرسول مقرر کرنے کا ارادہ کیا اور اسی مقصد کے لیے بیمار سعد کو گھر سے نکال کر سقیفہ میں لے آئے۔

سعد نے خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد اس نے انصار کی دینی قربانی اور ان کی فضیلت کا ذکر کیا اور دوران خطبہ اس نے کہا کہ آنحضرتؐ انصار کی

عزت کرتے تھے اور انصار نے بھی دل کھول کر اسلام کی مدد کی اور دشمنان اسلام سے جہاد کیا۔ انصار کی تلوار ہی سے سارا عرب حلقہ بگوش اسلام ہوا۔ جب رسول خداؐ کی وفات ہوئی تو آپؐ انصار سے راضی تھے۔ لہذا اب انصار کو چاہیے کہ دوسروں سے مشورہ کیے بغیر اقتدار و حکومت پر قابض ہو جائیں۔

جواب میں انصار نے اس کی بھرپور تائید کی اور ان کی رائے کی تعریف کی اور اپنی حمایت کا یقین دلایا اور کہا ہم آپؐ کو ہی خلیفہ رسول منتخب کرتے ہیں۔

پھر انہوں نے کہا کہ اگر مہاجرین نے ہماری اس حکومت کو تسلیم نہ کیا اور اگر انہوں نے کہا کہ ہم رسول خداؐ کے قدیمی اصحاب ہیں اور ہم نے راہ خدا میں اپنے وطن کو چھوڑا اور ہم رسول خداؐ کا خاندان ہیں تو ہم انہیں کیا جواب دیں گے؟ اس وقت ایک انصاری نے کہا کہ اگر انہوں نے ہم سے جھگڑا کیا تو ہم ان سے کہیں گے کہ ایک امیر ہم میں سے ہونا چاہیے اور ایک امیر تم میں سے ہونا چاہیے۔ یہ گفتگو سن کر سعد بن عبادہ نے کہا یہ تمہاری پہلی کمزوری ہے۔

حضرت ابو بکر و عمر کو انصار کے اس اجتماع کی اطلاع ملی تو وہ ابو عبیدہ بن جراح کو ساتھ لے کر سقیفہ کی طرف روانہ ہوئے اور ان کے ساتھ اسید بن حضیر عومیم بن ساعدہ اور بنی عجلان سے تعلق رکھنے والا عاصم بن عدی بھی سقیفہ کی طرف چل پڑے۔

وہاں حضرت عمر نے تقریر کرنے کا ارادہ کیا مگر حضرت ابو بکر نے انہیں تقریر سے روک دیا اور خود تقریر کی جس میں حمد و ثنا کے بعد انہوں نے مہاجرین کے فضائل بیان کیے اور کہا کہ مہاجرین نے رسول خداؐ کی تصدیق میں تم سے سبقت کی ہے اور مہاجرین ہی نے خدا کی سر زمین پر سب سے پہلے خدا کی عبادت کی ہے اور مہاجرین کا تعلق رسول خداؐ کے خاندان اور قبیلہ سے ہے اور آنحضرتؐ کی نیابت و خلافت کے بھی تمام لوگوں سے وہی زیادہ حقدار ہیں۔

اس کے بعد انہوں نے انصار کی فضیلت بیان کی اور کہا مہاجرین اولین کے بعد تمہارا ہی مقام ہے۔ ہم حکمران ہوں گے اور تم ہمارے وزیر ہو گے۔

حباب بن منذر نے اٹھ کر انصار سے کہا:

اے گروہ انصار! اپنے معاملات کو اپنے ہاتھ سے مت نکلنے دو یہ لوگ تمہارے زیر سایہ زندگی بسر کرنے والے ہیں اور کسی شخص کو بھی تم سے اختلاف کا یارا نہیں ہے۔ ان کی چکنی چڑی باتوں میں مت آؤ ورنہ تمہاری آراء میں فرق آ جائے گا اور تمہارا معاملہ کمزور پڑ جائے گا۔ اگر ان لوگوں کو ہماری امارت منظور نہیں ہے تو ہم انہیں اپنی امارت تسلیم کرنے پر مجبور نہیں کرتے اور اس صورت میں ایک امیر ہم میں سے اور ایک امیر ان میں سے ہونا چاہیے۔

حضرت عمر نے کہا: یہ ناممکن ہے ایک نیام میں دو تلواریں اکٹھی نہیں رہ سکتیں۔ عرب اس بات کو کبھی بھی قبول نہیں کریں گے کہ نبی ایک خاندان کا ہو اور جانشین دوسرے خاندان کا ہو اور اس کے برعکس عرب ایک ہی خاندان کی نبوت و خلافت کو برداشت کر لیں گے۔ خلافت ہر لحاظ سے ہمارا حق ہے اور ہم سے محمد مصطفیٰ کی حکومت و امارت کو کوئی چھین نہیں سکتا ہم رسول خدا کے رشتہ دار اور ان کے خاندان کے افراد ہیں۔

حباب بن منذر نے کہا: اے گروہ انصار! اس شخص اور اس کے ساتھیوں کی باتوں میں مت آؤ اور اگر تم ان کی باتوں میں آ گئے تو یہ تمہارے حق پر قابض ہو جائیں گے اور اگر یہ لوگ تمہاری حکومت کو تسلیم کرنے پر آمادہ نہ ہوں تو انہیں اپنے شہر اور اپنے علاقہ سے نکال باہر کرو۔ ان لوگوں کو اپنا زیر نگیں بناؤ۔ خدا کی قسم! اس امر کے تم ہی سب سے زیادہ حقدار ہو۔ تمہاری ہی تلواروں سے دین نے ترقی حاصل کی اور بے دین افراد تمہاری تلواروں کی وجہ سے دین میں داخل ہوئے۔ میں

ایک تجربہ کار اور جہاندیدہ شخص ہوں تم میری باتوں پر عمل کرو۔
حضرت عمر نے کہا: اگر تو نے ایسا کیا تو خدا تجھے قتل کر دے گا۔
حالات میں تلخی پیدا ہوتے دیکھ کر ابو عبیدہ نے کہا۔

اے گروہ انصار! تم اسلام کے پہلے مددگار اور ناصر ہو اور اب سب سے
پہلے تبدیلی کرنے والے مت بنو۔ نعمان انصاری کے والد بشیر بن سعد خزرجی نے
اٹھ کر کہا:

اے گروہ انصار! اگرچہ مشرکین کے ساتھ جہاد میں ہمارا بہت بڑا حصہ ہے
اور ہمیں دین میں سبقت حاصل ہے مگر ہم نے یہ سب کچھ حصول اقتدار کے لالچ
میں نہیں کیا تھا۔ ہم نے یہ تمام ایثار خدا کی رضا اور اس کے رسول کی اطاعت کے
جذبہ سے سرشار ہو کر کیا تھا۔ اس کے لیے ہمیں لوگوں پر احسان جتانے کی کوئی
ضرورت نہیں ہے اور ہمیں اپنی قربانیوں کا دنیا میں صلہ نہیں چاہیے۔ اللہ تعالیٰ ہی
ہمارا کارساز ہے۔ محمد مصطفیٰ کا تعلق قریش سے تھا اور ان کی قوم ان کی خلافت کی تم
سے زیادہ مستحق ہے۔ خدا کی قسم! تم مجھے اس معاملہ میں ان سے کبھی جھگڑتے ہوئے
نہیں پاؤ گے۔ خدا سے ڈرو اور ان کی مخالفت نہ کرو۔

حضرت ابو بکر نے کہا: اس وقت تمہارے پاس عمر اور ابو عبیدہ موجود ہیں
ان میں سے تم جس کی بیعت کرنا چاہو کر لو۔

حضرت عمر اور ابو عبیدہ نے کہا: آپ کے ہوتے ہوئے ہم کبھی حاکم نہیں
بنیں گے..... الی آخر^(۱)

۱۔ طبری در حالات اللہ ۲/۲۵۶۔ ابن اثیر ۲/۱۲۵۔ تاریخ الخلفاء ابن قتیبہ ۵/۱ کتاب

السقیفہ از جوہری تفسیر شرح نوح البلاء ابن ابی الحدید فی خطبہ (ومن کلام لدنی معنی الانصار)

پھر عبدالرحمن بن عوف نے کھڑے ہو کر کہا:

اے گروہ انصار! واقعی تم صاحبانِ فضیلت ہو لیکن تم میں ابو بکر، عمر اور علی جیسی کوئی شخصیت نہیں ہے۔ یہ سن کر منذر بن ارقم نے کہا: جن کا تم نام لے رہے ہو ہم ان کی فضیلت کے منکر نہیں ہیں۔ البتہ ان میں سے ایک شخص ایسا ہے اگر وہ خلافت کا مطالبہ کرے تو اس سے کوئی بھی جھگڑا نہیں کرے گا اور وہ علی بن ابی طالب ہیں۔ (تاریخ یعقوبی ۲/۱۰۳۔ الموفقیات الزبیر بن بکار ص ۵۷۹۔)

اس وقت انصار میں سے بعض نے یہ نعرہ بلند کیا کہ ہم علیؑ کے علاوہ کسی کی بیعت نہیں کریں گے۔ (تاریخ طبری ۳/۲۰۸۔ طبع یورپ ۱۸۱۸۔ تاریخ ابن اثیر ۲/۱۲۳۔)

حضرت عمر کہتے ہیں کہ چاروں طرف سے مختلف آوازیں بلند ہونے لگیں اور مجھے اختلاف کا اندیشہ ہوا۔ میں نے ابو بکر سے کہا کہ آپ ہاتھ دراز کریں میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ انہوں نے ہاتھ بڑھایا تو حضرت عمر اور ابو عبیدہ ان کی بیعت کے لیے آگے بڑھے مگر ان دونوں سے پہلے بشیر بن سعد نے آگے بڑھ کر حضرت ابو بکر کی بیعت کی۔ حباب بن منذر نے اسے پکار کر کہا:

تو اپنی قوم کی مخالفت کر رہا ہے اور تو اپنے ابن عم سے حسد کر رہا ہے۔ جب قبیلہ اوس کے فرد نے بیعت کی تو اس کے بعد اس کے قبیلہ نے بھی بیعت کی اور انہیں دیکھ کر خزرج قبیلہ کے افراد بھی بیعت میں شامل ہو گئے۔

اس وقت اسید بن حنیر نے اپنے قبیلہ سے کہا کہ تم ابو بکر کی بیعت کرو کیونکہ اگر قبیلہ خزرج اقتدار میں آ گیا تو وہ تم پر فخر کرتا رہے گا۔ تم انہیں اقتدار میں آنے کا موقع ہی نہ دو۔ (تاریخ یعقوبی ۲/۱۰۳۔ الموفقیات الزبیر بن بکار ص ۵۷۹)

پھر لوگ ہر طرف سے بڑھ کر ابو بکر کی بیعت کرنے لگے اور اثدہام کی وجہ

سے قریب تھا کہ سعد بن عبادہ کچلے جاتے۔

سعد کے ساتھیوں میں سے کسی نے کہا: سعد کا خیال رکھو! اسے مت کچلو۔

حضرت عمر نے کہا: اسے مار ڈالو۔ خدا اسے مارے۔

پھر حضرت عمر نے اس کے سر کے قریب کھڑے ہو کر کہا:

میں چاہتا تھا کہ تجھے کچل ڈالوں اور تیرے اعضاء کو جدا جدا کر دوں۔

یہ سن کر سعد کا بیٹا قیس بن سعد اٹھا اور اس نے حضرت عمر کی داڑھی کو مٹھی

میں لے کر کہا: اگر سعد کا بال برابر بھی نقصان ہوا تو میں تیرے منہ میں ایک دانت

بھی نہ رہنے دوں گا۔

حضرت ابوبکر نے کہا: عمر صبر کرو۔ یہاں نرمی ہی فائدہ مند ہے۔

حضرت عمر خاموش ہو گئے۔

سعد نے کہا: کاش! میں تندرست ہوتا اور میرے پاس قوت ہوتی تو میں

آج شیر کی طرح گرج کر تجھے اور تیرے ساتھیوں کو حیران کر دیتا اور تجھے واپس

تیرے اس شہر میں بھیج دیتا جہاں تو رعیت تھا سردار نہ تھا۔

پھر سعد نے اپنے ساتھیوں سے کہا: مجھے یہاں سے اٹھا کر لے چلو۔ ان

کے ساتھی آئے اور انہیں اٹھا کر ان کے گھر لے گئے۔

(طبری ۳/۲۵۵-۳۵۹۔ طبری طبع یورپ ۱/۱۸۳۳۔)

جوہری لکھتے ہیں کہ سقیفہ میں جیسے ہی حضرت ابوبکر کی بیعت ہوئی تو

حضرت عمر دوڑ دوڑ کر لوگوں سے کہتے تھے کہ لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کر لی ہے اب

تم بھی ان کی بیعت کرو۔ (کتاب السقیفہ جوہری نقل عن شرح ابن ابی الحدید ۱/۱۳۳۔)

القرض لوگوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت کی اور انہیں مسجد میں لے آئے

اور جب وہ مسجد میں پہنچے تو ان کے حامیوں نے زور سے نعرہ بکبیر بلند کیا۔ اس وقت

حضرت علیؓ غسل پیغمبر میں مصروف تھے حضرت علیؓ نے یہ آوازیں سن کر کہا:

یہ کیسی آوازیں ہیں؟

عباس نے کہا: آج جیسا مصیبت بھرا دن پہلے کبھی طلوع نہیں ہوا کیا میں نے آپ کو پہلے نہ کہا تھا۔ (۲)

ایک ہمدرد کی خبر رسائی

سقیفہ کی کارروائی دیکھ کر براء بن عازب، بنی ہاشم کے دروازہ پر آیا اور کہا۔ اے گروہ بنی ہاشم! لوگوں نے ابوبکر کی بیعت کر لی ہے۔ یہ سن کر بنی ہاشم ایک دوسرے سے کہنے لگے:

یہ بات تو بڑی تعجب خیز ہے کیونکہ مسلمان ہماری عدم موجودگی میں کوئی بڑا فیصلہ نہیں کرتے تھے۔ جب کہ ہم محمد مصطفیٰ کے صحیح وارث ہیں۔

عباس نے کہا: رب کعبہ کی قسم! اب تو انہوں نے وہ سب کچھ کر لیا ہے۔ اس سے قبل عام مہاجرین اور بزرگ انصار کو یقین تھا کہ آنحضرتؐ کی نیابت حضرت علیؑ ہی کر لیں گے۔ الغرض مہاجرین و انصار کو حضرت علیؑ کی خلافت میں کسی طرح کا شک نہیں تھا۔ (الموفقیات الزبیر بن بکار ص ۵۸۰۔)

مورخ طبری لکھتے ہیں:

سقیفہ کی کارروائی کے بعد قبیلہ اسلم کے لوگ مدینہ میں آئے اور ان کی وجہ سے مدینہ کی گلیاں اور بازار بھر گئے۔ انہوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت کی اور حضرت عمران ایام کو یاد کر کے کہا کرتے تھے۔ جب میں نے قبیلہ اسلم کو دیکھا تو مجھے اپنی کامیابی کا یقین ہو گیا اور میں نے اسے خدائی مدد تصور کی۔

(طبری ۲/۳۵۸۔ ابن اثیر ۲/۲۲۲۔)

۲۔ ابن عبد ربہ فی العقد الفرید ۶/۲۵۸۔ ابوبکر جوہری فی کتاب السقیفۃ نقلًا عن شرح ابن ابی الحدید ۱/۱۳۲۔ زبیر بن بکار فی الموفقیات ص ۵۷۷۔ ۵۸۰۔ ۵۸۳۔ ۵۹۲۔

بیعت کے خواہش مند افراد حضرت ابوبکر کو لے کر مسجد میں آئے اور حضرت ابوبکر منبر نبوی پر بیٹھ گئے اور لوگ ان کی بیعت کرتے رہے یہاں تک کہ بدھ کی رات آگئی اور لوگ اس مصروفیت کی وجہ سے ذن رسولؐ میں شریک نہ ہوئے۔
(الموفقیات ص ۵۷۸۔ الریاض النضرۃ ۱۶۳/۱۔ تاریخ نمیس ۱/۱۸۸)

عمومی بیعت

سقیفہ میں حضرت ابوبکر کی بیعت ہوئی اور دوسرے دن وہ مسجد میں آئے اور منبر پر بیٹھے اور ان کے خطاب سے پہلے حضرت عمر نے اٹھ کر تقریر کی اور انہوں نے حمد و ثنا کے بعد کہا کہ میں نے وفات پیغمبرؐ کا انکار کتاب اللہ اور حدیث پیغمبر کے تحت نہیں کیا تھا لیکن میں سمجھتا تھا کہ رسول خداؐ تمام معاملات کی تدبیر خود کریں گے اس دوران ان کی وفات ہوگی۔ پھر انہوں نے کہا:

لوگو! اللہ نے تمہارے درمیان اپنی کتاب کو باقی رکھا ہے۔ اسی کتاب کے ذریعہ سے اللہ نے اپنے رسول کو ہدایت کی تھی اگر تم نے اس کتاب کو مضبوطی سے تھاما تو اللہ تمہیں بھی اپنے راستے کی ہدایت دے گا۔ اللہ تعالیٰ نے تمہارا حاکم اس شخص کو مقرر کیا ہے جو رسول خداؐ کے بعد باقی لوگوں سے بہتر ہے اور وہ حضورؐ کے ساتھ غار کا ساتھی ہے۔ اب تم اٹھو اور بیعت کرو۔ بیعت سقیفہ کے بعد لوگوں نے حضرت ابوبکر کی عمومی بیعت کی۔

بخاری میں ہے: ان میں سے کچھ لوگ اس سے قبل سقیفہ بن ساعدہ میں بیعت کر چکے تھے۔ مگر انہوں نے بھی عمومی بیعت کے وقت دوبارہ بیعت کی۔
انس بن مالک کا بیان ہے:

میں نے حضرت عمر کو حضرت ابوبکر سے یہ کہتے ہوئے سنا:
”آپ منبر پر بیٹھیں۔ آخر کار ابوبکر منبر پر بیٹھے لوگوں نے ان کی عمومی

بیعت کی۔ جب بیعت عمومی اپنی تکمیل کو پہنچی تو حضرت ابو بکر نے خطبہ دیا جس میں حمد و ثنا کے بعد انہوں نے کہا:

امابعد! ایہا الناس فانی قدولیت علیکم ولست

بخیرکم..... الی آخرہ

”لوگو! مجھے تمہارا والی بنایا گیا ہے جب کہ میں تم سے بہتر نہیں

ہوں، اگر میں اچھا کام کروں تو میری مدد کرنا اور اگر میں غلط

کام کروں تو تم مجھے سیدھا کر دینا.....“

تم اس وقت تک میری اطاعت کرتے رہنا جب تک میں خدا و رسول کی

اطاعت کرتا رہوں اور اگر میں خدا و رسول کی نافرمانی کروں تو تم پر میری اطاعت

لازمی نہیں ہے۔ اٹھو نماز پڑھو خدا تم پر رحم کرے۔^(۱)

بیعت عمومی کے بعد

رسول خدا کی وفات سوموار کو زوال آفتاب کے وقت ہوئی۔ اس دن لوگ

آپ کو دفن نہ کر سکے۔ دوسرے دن یعنی منگل کے روز لوگ خلافت سازی میں

مصروف رہے۔ یہاں تک کہ یہ مصروفیت بدھ کے روز عصر تک قائم رہی۔

راویوں کا بیان ہے:

جب حضرت ابو بکر کی بیعت ہر لحاظ سے مکمل ہو گئی تو بدھ کے روز لوگ

رسول خدا کے جنازے کی طرف متوجہ ہوئے۔^(۲) پھر لوگ آنحضرت کے گھر میں

داخل ہوئے اور آپ کا جنازہ پڑھنے لگے۔ (ابن ہشام ۴/۳۳۳)

۱۔ ابن ہشام ۴/۳۳۰۔ طبری ۳/۲۰۳۔ عیون الاخبار ابن قتیبہ ۲/۲۳۳۔ الریاض النضرۃ

۱/۱۶۷۔ ابن کثیر ۵/۲۳۸۔ تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۴۸..... وغیرہ۔

۲۔ سیرت ابن ہشام ۴/۳۳۳۔ طبری ۲/۴۵۰۔ ابن اثیر ۲/۱۲۶۔ ابن کثیر ۵/۲۳۸۔

سیرت جلیہ ۳/۳۹۲۔ ۳۹۴۔ سیرت حلبیہ میں جنازہ رسول کے دن کی تعیین موجود نہیں ہے۔

آپ کا جنازہ امام کے بغیر پڑھا گیا۔ لوگ گروہ کی شکل میں آتے اور آپ کا جنازہ پڑھتے تھے۔ (طبقات ابن سعد ۲/۲ ق ۷۰/۷۰۔ کامل ابن اثیر جلد ۲ ذکرواقتات ۱۱ھ)

تدفین رسول کے شرکاء

جن افراد نے آنحضرتؐ کو غسل دیا تھا انہوں نے ہی آپ کو دفن کیا۔ اصحاب رسولؐ نے آنحضرتؐ کی تدفین میں کوئی شرکت نہ کی۔ مذکورہ افراد نے آپ کی تدفین کی۔ (ابن سعد طبقات ۶/۶ ق ۷۰/۷۰۔ کنز العمال ۳/۵۴۔۶۰)

کنز العمال کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

آنحضرتؐ کی تدفین چار افراد کے ہاتھوں عمل میں لائی گئی: آنحضرتؐ کی تدفین میں ابو بکر و عمر شامل نہیں تھے۔ (کنز العمال ۳/۱۳۰۔)

آنحضرتؐ کی قبر مطہر میں علیؑ فضل و قثم فرزندان عباس اور آنحضرتؐ کے آزاد کردہ غلام شقران داخل ہوئے۔ بعض روایات میں اسامہ بن زید کا نام بھی ملتا ہے اور انہی افراد نے آنحضرتؐ کو غسل دیا تھا اور آپ کو کفن پہنایا تھا اور آپ کو دفن بھی انہوں نے کیا تھا۔ (العقد الفرید ۳/۶۱۔ اسی مفہوم کو ذہبی نے اپنی تاریخ میں رقم کیا ہے ۳۳۱/۳۳۲۔۳۳۶)

بی بی عائشہ کا بیان ہے: ہمیں بدھ کی رات تک رسول خداؐ کی تدفین کے متعلق کچھ معلوم نہیں تھا یہاں تک کہ اس رات ہم نے بیلچوں کی آوازیں سنیں^(۱) (تب پتہ چلا کہ رسول خداؐ کی تدفین ہو رہی ہے) آنحضرتؐ کو آپ کے اہل خاندان نے دفن کیا۔ بنی غنم نے رات کے وقت اپنے گھروں میں بیلچے چلنے کی آوازیں سنی تھیں۔

۱۔ ابن ہشام ۳/۳۳۲۔ طبری ۲/۳۵۲۔ ۳۵۵۔ ابن کثیر ۵/۲۷۰۔ ابن اثیر فی اسد الغابہ ۱/۳۳۱ در حالات رسول۔ بعض روایات میں بیلچوں کے آوازوں کے سننے کی رات منگل کی شب کو قرار دیا گیا جیسا کہ ابن سعد نے طبقات ۲/۲ ق ۷۸/۷۸ پر لکھا اور صحیح روایت کے مطابق آنحضرتؐ کی تدفین بدھ کی شب ہوئی مسند احمد ۶/۶۲ پر مرقوم ہے کہ بدھ کی شب کے آخری حصہ میں آپ کو دفن کیا گیا۔

بنی غنم کے بزرگوں نے بیان کیا: ہم نے رات کے آخری حصہ میں بیچنے
 چلنے کی آوازیں سنی تھیں۔
 (طبقات ابن سعد ۲/۲ ق ۸/۷)

دُفن پیغمبر کے بعد کی روئیداد

سقیفہ میں سعد اور اس کے ساتھی شکست سے دوچار ہوئے اور علیؑ اور ان
 کے ساتھی ایک سیاسی اقلیت بن کر رہ گئے اور ابوبکر اور ان کا گروہ سقیفہ سے کامیاب
 و کامران ہو کر ابھرا۔

اس کے بعد میدان عمل میں دو افراد ابھر کر آئے۔ ایک رسول خداؐ کے سر
 حضرت ابوبکر تھے اور دوسرے رسول خداؐ کے داماد اور ان کے ابن عم علی بن ابی طالبؑ تھے۔
 اور ان میں سے ہر ایک کی کوشش تھی کہ اپنے اردگرد زیادہ سے زیادہ مددگار جمع کرے۔

زبیر بن بکار اپنی کتاب ”الموفقیات“ میں لکھتے ہیں:

جب حضرت ابوبکر کی بیعت ہو گئی اور ان کی حکومت قائم ہو گئی تو بہت
 سے انصار کو اپنی بیعت پر ندامت محسوس ہوئی اور انہوں نے ایک دوسرے کو طامت
 کی اور علیؑ کو یاد کر کے ان کے نام کے نعرے بلند کرنے لگے۔ (الموفقیات ص ۵۸۳۔)
 یعقوبی لکھتے ہیں:

حضرت ابوبکر کی بیعت سے بہت سے مہاجرین و انصار نے تحلف کیا اور
 وہ علی بن ابی طالبؑ کی طرف مائل ہوئے۔ ان لوگوں میں عباس بن عبدالمطلبؑ
 فضل بن عباسؑ، زبیر بن عوامؑ، خالد بن سعیدؑ، مقداد بن عمروؑ، سلمان فارسیؑ، ابوذر غفاریؑ
 عمار بن یاسرؑ، براء بن عازبؑ، ابی بن کعب شامل تھے۔

یہ حالات دیکھ کر حضرت ابوبکر نے عمر اور ابو عبیدہ بن جراح کی طرف

پیغام بھیجا کہ اب ان حالات میں ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

۲۔ جوہری کا بیان ہے کہ یہ مشورہ مغیرہ بن شعبہ نے دیا تھا۔ ہمارے خیال میں یہ نسبت

صحیح ہے کیونکہ مغیرہ بن شعبہ جوڑ توڑ کی سیاست کا ماہر تھا۔

انہوں نے کہا:

اس کا حل یہ ہے کہ آپ عباس بن عبدالمطلب سے ملاقات کریں اور انہیں اس اقتدار میں حصہ دار بنائیں اور اس سے وعدہ کریں کہ اقتدار میں ان کا اور ان کی اولاد کا حصہ رہے گا۔ اس طرح سے علیؑ کی حمایت ختم ہو جائے گی اور تمہاری پوزیشن مضبوط ہو جائے گی۔ پھر رات کے وقت ابو بکرؓ، عمرؓ، ابو عبیدہ اور مغیرہ بن شعبہؓ عباس بن عبدالمطلب کے پاس گئے۔ حضرت ابو بکر نے حمد پروردگار کے بعد کہا۔

اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰؐ کو نبی اور مومنین کا سرپرست بنا کر مبعوث فرمایا اور آنحضرتؐ کو بھیج کر اللہ نے مومنین پر احسان کیا۔ پھر اللہ نے انہیں اپنے پاس بلا لیا۔ آپ نے کسی کو جانشین مقرر نہیں کیا تھا تا کہ لوگ اپنی مصلحت کو مد نظر رکھ کر کسی کو بھی چننے میں آزاد ہوں۔ پھر لوگوں نے بحیثیت حکمران میرا انتخاب کیا ہے اور میں حکمران بن گیا۔ اللہ تعالیٰ کی مدد میرے شامل حال ہے اس لیے میں کسی شک، حیرت اور بزدلی کا شکار نہیں ہوں۔ اور میں نہیں چاہتا کہ مخالفت کرنے والے افراد آپ کو اپنی پناہ گاہ بنائیں اور آپ ان کے لیے مضبوط قلعہ ثابت ہوں اسی لیے آپ کے پاس دو ہی راستے ہیں:

(۱) دوسرے مسلمانوں کی طرح سے آپ بھی ہماری حمایت کریں۔

(۲) یا دوسرے مسلمانوں کو ان کی رائے سے منحرف کریں۔

اس وقت ہم آپ کے پاس یہ پیش کش لے کر آئے ہیں کہ ہم امر خلافت میں آپ کا حصہ مقرر کرنا چاہتے ہیں اور یہ حصہ صرف آپ کی زندگی تک ہی محدود نہیں ہوگا بلکہ آپ کے بعد آپ کی اولاد بھی اس میں شریک ہوگی۔ آپ رسول خداؐ کے چچا ہیں اسی لیے ہم آپ کا احترام کرتے ہیں۔ مگر یہ بات بھی آپ کو معلوم ہونی چاہیے کہ لوگوں نے آپ کی قرابت کا علم ہونے کے باوجود آپ کو امر خلافت کے

لیے منتخب نہیں کیا اور دوسری بات یہ ہے کہ رسول خدأ جس طرح سے تمہارے خاندان سے تعلق رکھتے تھے اسی طرح سے ہمارے خاندان سے بھی تعلق رکھتے تھے۔

پھر حضرت عمر بن خطاب نے کہا:

آپ کو یہ بات معلوم ہونی چاہیے کہ ہم کسی دباؤ کی وجہ سے آپ کے پاس نہیں آئے بلکہ ہم آپ کو اس الزام سے بچانے کے لیے آئے ہیں کہ کل کلاں لوگ آپ پر تفرقہ اندازی کا الزام عائد نہ کریں۔ اب تمہیں اپنے متعلق خود ہی سوچنا چاہیے۔

حضرت عباس نے خدا کی حمد و ثنا کے بعد کہا:

بے شک اللہ نے محمد مصطفیٰؐ کو نبی اور مومنین کا سرپرست بنا کر مبعوث کیا اور آنحضرتؐ کو بھیج کر مومنین پر احسان کیا۔ پھر اللہ نے آنحضرتؐ کو اپنے پاس بلا لیا تاکہ انہیں اپنی نعمات سے مالا مال کرے۔ آنحضرتؐ نے جانشینی کا اعلان نہیں کیا اور اس امر کو امت کی صوابدید پر چھوڑ کر چلے گئے لیکن حضرتؐ اپنی امت سے یہ بھی توقع کرتے تھے کہ وہ حق کا ساتھ دیں گے اور کسی طرح کی کجی میں مبتلا نہ ہوں گے۔

اگر آپ نے رسول خدأ کے ذریعہ سے اقتدار حاصل کیا ہے تو آپ نے ہمارے حق پر قبضہ کیا ہے اور اگر آپ نے مومنین کے ذریعہ سے اقتدار حاصل کیا ہے تو ہم بھی مومنین میں سے ہیں مگر ہم نے آپ کو ہرگز منتخب نہیں کیا اور آپ نے ہم سے پوچھنے کی زحمت بھی نہیں کی۔ جب ہم مومن ہو کر آپ پر راضی نہیں ہیں تو آپ کی حکومت کا جواز کیا رہ جاتا ہے؟

آپ کی بھلائی اور امت کی بہتری اسی میں ہے کہ آپ اس منصب سے دستبردار ہو جائیں تاکہ لوگ آزادی سے جس کو چاہیں منتخب کریں۔ علاوہ ازیں آپ نے مجھے اقتدار میں شرکت کے لیے پیش کش کی ہے تو اس سلسلہ میں میرا موقف یہ ہے کہ اگر یہ اقتدار مومنین کا حق ہے تو آپ کو ان کے حق میں مداخلت کا استحقاق

نہیں ہے اور اگر خلافت و حکومت ہمارا حق ہے تو ہم اس کا کچھ حصہ کیوں لیں؟ ہم شجرہ نبوت کی شاخیں ہیں اور تم شجرہ نبوت کے ہمسائے ہو۔ عباس کا یہ نکا سا جواب سن کر اہل اقتدار واپس چلے گئے۔^(۱)

فاطمہؑ کے گھر پناہ لینے والے

حضرت عمر بن خطاب کا بیان ہے:

وانه من خبرنا حين توفي الله نبيه ان عليا والزيير

ومن معهما تحلفوا عنا في بيت فاطمة. (۲)

”ہمارے واقعات کی خبر یہ ہے کہ جب اللہ نے اپنے نبی کو

وفات دی تو علیؑ و زبیر اور ان کے ساتھیوں نے ہماری مخالفت

کی اور وہ فاطمہؑ کے گھر جمع ہوئے۔“

مورخین نے حضرت علیؑ و زبیر کے حامیوں کا تذکرہ کیا ہے جنہوں نے

حضرت ابوبکر کی بیعت سے انکار کیا اور حضرت فاطمہؑ زہراؑ کے گھر میں پناہ لی۔ ان

میں سے مشہور شخصیات کے نام حسب ذیل ہیں:

(۱) عباس بن عبدالمطلب (۲) عقبہ بن ابی لہب

(۳) سلمان فارسی (۴) ابوذر غفاری

(۵) عمار بن یاسر (۶) مقداد بن اسود

(۷) براء بن عازب (۸) ابی بن کعب

(۹) سعد بن ابی وقاص (۱۰) طلحہ بن عبید اللہ

۱- کتاب السقیفہ جوہری۔ الامامة والسیاسة۔

۲- مسند احمد ۱/۵۵۔ طبری ۲/۴۶۶۔ ابن اثیر ۲/۱۲۳۔ ابن کثیر ۵/۲۳۶۔ صفوة الصفوة

۱/۹۷۔ شرح ابن ابی الحدید ۱/۱۲۳۔ تاریخ سیوطی در کیفیت بیعت ابوبکر ص ۴۵۔ ابن ہشام

۳/۳۳۸۔ تیسیر الوصول ۲/۴۱۔

ان کے علاوہ بنی ہاشم اور مہاجرین و انصار کی ایک جماعت بھی اسی گروہ میں شامل تھی۔^(۱)

کتب حدیث و سیرت اور تواریخ و صحاح و مسانید اور ادب و کلام و تراجم کی کتابوں میں بالتواتر منقول ہے کہ حضرت علیؑ اور ان کی جماعت نے حضرت ابوبکرؓ کی بیعت سے انکار کیا اور وہ حضرت فاطمہؑ کے گھر میں جمع ہو کر صلاح مشورے کرتے تھے۔ مگر مورخین نے حزب اقتدار کے رویہ کو چھپانے کی بھرپور کوشش کی اور اگر انہیں حقیقت لکھنی بھی پڑی تو بھی اسے سات پردوں میں چھپا کر نرم سے نرم الفاظ تلاش کر کے لکھا۔ اس سلسلہ میں بلاذری کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو علیؑ کے پاس بھیجا جب کہ علیؑ ان کی بیعت سے علیحدہ رہ کر گھر میں بیٹھے ہوئے تھے اور حضرت ابوبکر نے حضرت عمر سے کہا:

”پوری سختی کر کے علیؑ کو میرے پاس لے آؤ۔“

حضرت عمر گئے اور وہاں ان دونوں کے درمیان گفتگو ہوئی۔ حضرت علیؑ نے کہا: اس ناقہ خلافت سے دودھ دوہ لے کیونکہ اس میں تمہارا حصہ ہے۔ خدا کی قسم تم اس لیے اس کی حکومت مضبوط کر رہے ہو تاکہ وہ کل یہ حکومت تمہارے سپرد کر دیں۔^(۲)

ہائے اس زود پشیمان کا پشیمان ہونا

حضرت ابوبکر نے حضرت فاطمہؑ کے گھر کی جو بے حرمتی کی تھی اس کا احساس انہیں موت کے وقت ہوا اور انہوں نے مرض موت کے وقت میں کہا تھا:

۱- الریاض النضرہ ۱/۱۶۷- تاریخ جمیس ۱/۱۸۸- العقد الفرید ۳/۶۳-

تاریخ ابوالفداء ۱/۱۵۶- ابن سعد در حاشیہ کامل ۱۱۲- جوہری بحوالہ ابن ابی الحدید ۱۳۰/۱-۱۳۳ سیرت حلبیہ ۳۹۳-۳۹۷-

۲- انساب الاشراف ۱/۵۸۷-

مجھے اس وقت اپنے تین کاموں پر افسوس ہو رہا ہے۔ کاش میں نے وہ کام نہ کیے ہوتے..... کاش میں نے فاطمہؑ کے گھر کی بے حرمتی نہ کی ہوتی اگرچہ اس میں میرے خلاف جنگ کی منصوبہ بندی بھی کیوں نہ ہوتی۔^(۱)

تاریخ یعقوبی میں یہ الفاظ مرقوم ہیں:

کاش میں نے رسول خداؐ کی دختر فاطمہؑ کے گھر کو نہ کھولا ہوتا اور اس میں لوگوں کو داخل نہ کیا ہوتا اگرچہ وہ گھر جنگ کے لیے بھی بند کیوں نہ ہوتا۔ (تاریخ یعقوبی ۱۱۵/۲)

تاریخ نے ان افراد کی بھی نشان دہی کی ہے جو حضرت فاطمہؑ کے گھر میں داخل ہوئے تھے اور مورخین کے مطابق وہ حسب ذیل افراد تھے:

- | | | | |
|-----|------------------|------|-----------------------------|
| (۱) | عمر بن الخطاب | (۲) | خالد بن ولید |
| (۳) | عبدالرحمن بن عوف | (۴) | ثابت بن قیس بن شماس |
| (۵) | زیاد بن بسید | (۶) | محمد بن مسلمہ |
| (۷) | زید بن حارث | (۸) | سلمہ بن سلامہ بن وقش |
| (۹) | سلمہ بن اسلم | (۱۰) | اسید بن حضیر ^(۳) |

تاریخ نے ہمیں یہ بھی بتایا کہ مذکورہ افراد حضرت زہراؑ کے گھر میں کیوں

داخل ہوئے تھے۔ مورخین لکھتے ہیں:

-
- ۱۔ طبری ۶۱۹/۲ باب وفات ابی بکر۔ مروج الذهب مسعودی ۴۱۴/۱۔ العقد القریدی ۶۹/۳۔ کنز العمال ۱۳۵/۳۔ منتخب کنز ۱۷۱/۲۔ الامامة والسياسة ۱۸۔ کامل مجرد نقلاً عن ابی الحديد ۱۳۰/۱۔ ۱۳۱۔ اموال ابو عبید ۱۳۱۔ لسان المیزان ۱۸۹/۳۔ ابن عساکر و مرآة الزمان سبط بن جوزی تاریخ ذہبی ۳۸۸/۱۔
- ۲۔ تاریخ طبری ۴۲۳/۲۔ ۴۲۴۔ ابوبکر جوہری فی کتاب السقیفة قلنا عن شرح ابن ابی الحدید ۱۳۰/۱۔ ۱۳۳۔ ۸۱۹/۲۔

مہاجرین میں سے کچھ افراد حضرت ابوبکر کی خلافت پر ناراض ہوئے۔ ان میں حضرت علیؓ و زبیر پیش پیش تھے۔ وہ مسلح ہو کر حضرت فاطمہؓ کے گھر میں داخل ہوئے۔^(۱)

حضرت ابوبکر نے ان افراد کو نکالنے کے لیے عمر بن خطاب کو بھیجا اور ان سے کہا: اگر وہ باہر نہ آئیں تو ان سے جنگ کرنا۔

حکم ملتے ہی وہ چل پڑے اور اپنے ساتھ آگ کے انگارے لے کر روانہ ہوئے۔ حضرت فاطمہؓ نے ان سے کہا:

فرزند خطاب! کیا تو ہمارے گھر کو جلانے کے لیے آیا ہے؟
اس نے کہا:

جی ہاں! پھر آپ بھی اس حکومت کو تسلیم کریں جسے باقی لوگ تسلیم کر چکے ہیں۔^(۲)

انساب الاشراف میں یہ الفاظ وارد ہیں:

حضرت فاطمہؓ دروازے پر آئیں اور کہا:

”فرزند خطاب! میں سمجھتی ہوں کہ تو میرا دروازہ جلانا چاہتا ہے!“

اس نے کہا: جی ہاں.....^(۳)

تاریخ میں عبداللہ بن زبیر کے متعلق منقول ہے کہ اس نے اپنے دور

حکومت میں بنی ہاشم کے بزرگ افراد کو شعب ابی طالب میں قید کیا اور جس مکان

۱۔ الریاض الغضریۃ ۱/۲۱۸ طبع مصر سن طباعت ۱۳۷۲ھ تاریخ خمیس ۲/۱۶۹ مؤسسہ شعبان بیروت۔

۲۔ ابن ابی الحدید ۱۲۳/۱۔ ابن شحنہ بر حاشیہ کامل ۱۳/۱۱۔ لفظ یہ ہیں ”وما لوامع علی بن ابی طالب“۔

۳۔ العقد الفرید ابن عبد ربہ ۶۳/۳۔ ابوالقداء ۱۵۶/۱۔

۴۔ انساب الاشراف ۱/۵۸۶۔ کنز العمال ۳/۱۴۰۔ الریاض الغضریۃ ۱/۱۶۷۔ تاریخ خمیس ۱/۱۷۸۔

ابوبکر جوہری بروایت ابن ابی الحدید ۱/۱۳۲۔ ۱۳۳۔ تاریخ ابن سعد بر حاشیہ کامل ص ۱۱۳/۱۱۔

میں وہ قید تھے اس مکان کے اردگرد اس نے لکڑیاں جمع کرا دی تھیں اور قیدیوں سے کہا تھا کہ اگر تم نے میری بیعت نہ کی تو میں تمہیں اس مکان میں زندہ جلا دوں گا۔ جب اس کے بھائی عروہ بن زبیر کو کسی نے ملامت کرتے ہوئے کہا تھا کہ تمہیں یہ دسکی دیتے ہوئے شرم نہ آئی؟

اس نے جواب میں کہا: ہم دراصل انہیں جلانا نہیں چاہتے تھے ہم تو حضرت عمر کی طرح آگ کے ذریعہ سے انہیں ڈرانا چاہتے تھے۔^(۱)

اسی واقعہ کو شاعر نبیل حافظ ابراہیم نے اپنے دیوان میں یوں قلمبند کیا۔

وقولة لعلی قالها عمر اكرم بسمعها اعظم بملقيها
حرقت دارك لا ابقى عليك بها ان لم تباع وبنت المصطفى فيها
ماكان غير ابى حفص يفوه بها امام فارس عدنان وحميها
”اس گفتگو کو یاد کرو جو حضرت عمر نے حضرت علیؑ سے کی تھی۔
جس کے سننے والا بڑا مکرم اور کہنے والا بڑا محترم تھا۔ اگر تو نے
بیعت نہ کی تو میں تیرے گھر کو بنت مصطفیٰ سمیت جلا دوں گا
اور اس میں کسی کو زندہ نہیں چھوڑوں گا۔ یہ ابو حفص کا جگر تھا
جس نے اتنی بڑی بات علیؑ جیسے دلیر اور بہادر سے کی تھی۔“
یعقوبی لکھتے ہیں:

حکومت کی طرف سے ایک جماعت آئی اور انہوں نے گھر پر حملہ کر دیا.....
اسی اثنا میں علیؑ کی تلوار ٹوٹ گئی اور وہ لوگ گھر میں داخل ہو گئے۔ (تاریخ یعقوبی ۲/۱۳۶)
طبری لکھتے ہیں:

حضرت عمر حضرت علیؑ کے گھر پہنچے اس وقت گھر میں طلحہ و زبیر اور کچھ دیگر

۱۔ مروج الذهب ۱/۱۰۰۔ ابن ابی الحدید ۲۰/۳۸۱ طبع ایران ضمن قول علیؑ ”الزبیر مناجتی نشا ابنہ“

مہاجرین موجود تھے۔ زیر تلوار سونت کر مقابلہ کے لیے نکلے ان کا پاؤں پھسلا اور ان کے ہاتھ سے تلوار گر گئی۔ لوگوں نے اس پر حملہ کر کے اسے پکڑ لیا۔^(۱)
ابوبکر جو ہری لکھتے ہیں:

حضرت علیؑ کو پکڑ کر مسجد میں لے گئے اور حضرت علیؑ نے کہا۔

انا عبد اللہ و اخو رسول اللہ.

”میں اللہ کا بندہ اور رسول خدا کا بھائی ہوں۔“

ان سے کہا گیا کہ تم بیعت کرو۔ انہوں نے کہا کہ امر خلافت کا میں تم سے زیادہ حقدار ہوں۔ میں تمہاری بیعت نہیں کروں گا۔ تمہیں میری بیعت کرنی چاہیے۔ تم نے انصار کے مقابلہ میں قرابت کو پیش کر کے انصار سے خلافت حاصل کی اور میں تمہارے سامنے وہی دلیل پیش کرتا ہوں جو تم نے انصار کے سامنے پیش کی تھی۔ اگر تم میں خوف خدا باقی ہے تو ہمارے ساتھ انصاف کرو۔ اور جس طرح انصار خلافت سے دستبردار ہو گئے تم بھی اسی طرح سے دستبردار ہو جاؤ۔ ورنہ جو ظلم کر سکتے ہو کرو اور تمہیں ظلم کے انجام کا بھی علم ہے۔

حضرت عمر نے کہا: ہم تجھے اس وقت تک نہیں چھوڑیں گے جب تک تو بیعت نہیں کرے گا۔

حضرت علیؑ نے کہا: ناقہ خلافت کا دودھ اچھی طرح سے دودھ لے کیونکہ اس میں تیرا بھی حصہ ہے۔ آج تو اس کی حکومت کو مضبوط کرتا کہ وہ کل یہ حکومت تیرے سپرد کرے۔ خدا کی قسم! میں تیری بات تسلیم نہیں کرتا اور نہ ہی اس کی بیعت کرتا ہوں۔
حضرت ابوبکر نے کہا:

۲۔ تاریخ طبری ۲/۲۳۳۔۲۳۴۔۲۳۶۔ اس واقعہ کو عقاد نے عبقریہ عمر ص ۱۷۳ پر لکھا
زہر کی تلوار ٹوٹنے کا ذکر محبت طبری نے الریاض النضرہ ۱/۱۶۷ پر کیا۔ یہ واقعہ تاریخ خمیس
۱۸۸/۱۔ شرح ابن ابی الحدید ۱/۱۲۲۔۱۳۲۔۱۳۳۔ ۵۸ اور کنز العمال ۳/۱۲۸ میں بھی موجود ہے۔

اگر تو میری بیعت نہیں کرتا تو میں بھی تجھے اس پر مجبور نہیں کرتا۔

ابوعبیدہ بن جراح نے کہا:

آپ اس وقت نوجوان ہیں اور یہ آپ کی قوم کے بزرگ ہیں۔ آپ کو ان جیسا تجربہ نہیں ہے اور آپ معاملات سے ان جتنی واقفیت نہیں رکھتے۔ ابو بکر معاملات چلانے میں آپ سے زیادہ طاقت ور ہے اور اس میں آپ کی بہ نسبت برداشت کرنے کا زیادہ حوصلہ ہے۔ آپ امر خلافت اس کے سپرد کر دیں اور اگر آپ زندہ رہے اور زندگی نے آپ سے وفا کی تو اس امر کو آپ ہی سنبھالیں گے کیونکہ خدا نے آپ کو فضیلت دی ہے اور آپ نبی اکرمؐ سے زیادہ قرابت رکھتے ہیں اور آپ سابق الاسلام ہیں اور آپ نے جہاد میں بہت سی خدمات سرانجام دی ہیں۔

حضرت علیؑ نے کہا:

اے گروہ مہاجرین! تمہیں خدا کا واسطہ محمدؐ کی بادشاہت اس کے گھر سے نکال کر اپنے گھروں میں نہ لے جاؤ اور حقداروں کو ان کے حق سے محروم نہ کرو اور انہیں ان کے مقام سے مت ہٹاؤ۔ خدا کی قسم! اس امر کے لیے ہم اہل بیتؑ تمہاری بہ نسبت زیادہ حقدار ہیں۔ کیا ہم میں قرآن کے قاری نہیں اور کیا ہم میں دین کو سمجھنے والے سنت کے جاننے والے اور امور رعیت کو سمجھنے والے موجود نہیں ہیں؟ ہاں ہاں خدا کی قسم یہ سب کچھ ہم میں موجود ہے۔ تم خواہشات کی پیروی نہ کرو ورنہ حق سے زیادہ دور ہو جاؤ گے۔

بشیر بن سعد نے کہا:

علیؑ! اگر انصار آپ کی یہ گفتگو پہلے سن لیتے تو ان میں سے کوئی سے دو فرد بھی آپ پر اختلاف نہ کرتے لیکن اب کیا ہو سکتا ہے اب تو وہ بیعت کر چکے ہیں۔ اس کے بعد حضرت علیؑ اپنے گھر واپس آئے اور انہوں نے بیعت نہ کی۔

جوہری لکھتے ہیں:

جب حضرت فاطمہؑ نے علیؑ وزیر سے لوگوں کی بدسلوکی ملاحظہ کی تو آپ اپنے حجرہ کے دروازے پر آئیں اور فرمایا:

ابوبکر! تم نے بڑی جلدی رسول خداؐ کے اہل بیتؑ پر غارت گری کی ہے اور میں مرتے دم تک عمر سے گفتگو نہیں کروں گی۔^(۱)

ایک اور روایت میں مروی ہے:

”حضرت فاطمہؑ روتی اور چیختی ہوئی باہر نکلیں۔“

یعقوبی لکھتے ہیں:

حضرت فاطمہؑ باہر نکلیں اور کہا کہ خدا کی قسم! تم میرے گھر سے باہر نکلو ورنہ میں سر کے بال کھول کر خدا سے درخواست کروں گی۔ یہ سن کر حملہ آور گھر سے باہر نکلے۔^(۲)

مسعودی رقم طراز ہیں:

سقیفہ میں حضرت ابوبکر کی بیعت ہوئی اور منگل کے دن ان کی از سر نو بیعت کی گئی۔ اس وقت حضرت علیؑ آئے اور ان سے کہا:

تو نے ہمارے امور خراب کر دیے اور تو نے کوئی مشورہ تک نہ کیا اور تو نے ہمارے حقوق کا کوئی خیال نہیں رکھا۔

حضرت ابوبکر نے کہا:

جی ہاں۔ اصل بات یہ ہے کہ مجھے فتنہ و انتشار کا خوف تھا۔ اسی لیے میں

۱۔ کتاب السقیفہ جوہری بحوالہ شرح نوح البلاغہ ابن ابی الحدید ۱/۱۳۳، ۲/۵۔

۲۔ کتاب السقیفہ ابوبکر جوہری بروایت ابن ابی الحدید ۱/۱۳۳۔

۳۔ تاریخ یعقوبی ۲/۱۲۶۔

نے یہ سب کچھ جلدی میں کیا۔ (مروج الذهب ۴۱۳/۱۔ الامتہ ولسیاستہ ۱۲/۱-۱۳) یعقوبی لکھتے ہیں: ایک جماعت حضرت علیؑ کے پاس آئی اور انہوں نے آپ سے بیعت کی درخواست کی۔ آپ نے فرمایا: تم کل سرمنڈھوا کر میرے پاس آنا۔ دوسرے دن صرف تین افراد سرمنڈھوا کر آئے۔ (تاریخ یعقوبی ۲/۱۲۶-۱۲۷۔ شرح نہج البلاغہ ۲/۴) اس کے بعد حضرت علیؑ نے اپنی زوجہ کو گدھے پر سوار کیا اور رات کے وقت انصار کے پاس تشریف لے گئے اور ان سے مدد طلب کی۔ انصار نے جواب میں کہا: اے بنت رسول! اب تو ہم اس شخص کی بیعت کر چکے ہیں اگر آپ کے ابن عم ابوبکر سے پہلے ہمارے پاس آتے تو ہم کسی کو بھی ان کے برابر قرار نہ دیتے۔ حضرت علیؑ نے کہا: کیا میں رسول خداؐ کی میت کو تجہیز و تکفین کے بغیر چھوڑ کر لوگوں کے پاس جاتا اور ان سے اپنی حکومت کے لیے سوال کرتا؟ حضرت فاطمہؑ نے کہا: اے ابوالحسنؑ نے جو کچھ کیا وہ بہتر ہی کیا اور جو کچھ لوگوں نے کیا وہ اس کے لیے خدا کے ہاں جوابدہ ہوں گے۔^(۱) معاویہ بن ابی سفیان نے حضرت علیؑ کو اسی بات کا طعنہ دیا تھا اور اس نے اپنے ایک خط میں لکھا تھا:

مجھے تمہارا کل کا ماضی یاد ہے جب تو رات کے وقت اپنی بیوی کو گدھے پر سوار کر کے اپنے بیٹوں کو ساتھ لے کر اہل بدر اور سابقین اولین کے پاس گیا تھا اور تو نے ان کو اپنی طرف دعوت دی تھی اور تو اپنی بیوی کو ان کے پاس لے کر گیا تھا۔ اور تو نے اپنی بیوی اور بیٹوں کے ذریعہ سے صحابی پیغمبر کے خلاف مدد طلب کی تھی اور چار پانچ افراد کے علاوہ کسی نے تیری آواز پر لبیک نہیں کہا تھا۔ مجھے اپنی زندگی کی قسم! اگر تو حق پر ہوتا تو لوگ تیری پیروی کرتے۔ تو نے غلط دعویٰ کیا تھا۔ اگر میں یہ سب کچھ بھول بھی جاؤں تو مجھے تیری وہ بات نہیں بھولے گی جب ابوسفیان نے تجھے حکومت کی ترنوب دی تھی تو تو نے اس سے کہا تھا۔

۳۔ ابوبکر جوہری کتاب المستفیہ بحوالہ شرح ابن ابی الحدید ۶/۵۔ مطبع مصر۔ ابن قتیبہ ۱۲/۱۔

”اگر مجھے چالیس افراد بھی مل جاتے تو میں ان لوگوں سے جنگ کرتا۔“

(ابن ابی الحدید ۲/۶۷۔ کتاب صفین نصر بن مزاحم ص ۱۸۲)

معمر نے زہری سے روایت کی ہے اس نے ام المومنین عائشہ سے روایت کی جس میں انہوں نے بی بی فاطمہ زہرا کے مطالبہ نمس و فدک کا تذکرہ کیا اور حضرت ابوبکر نے انہیں کچھ بھی دینے سے انکار کیا تو بی بی ان پر غضبناک ہوئیں۔ اس کے بعد بی بی نے انہیں ترک کر دیا اور ان سے کلام کرنا چھوڑ دی یہاں تک کہ ان کی وفات ہو گئی اور جب بی بی کی وفات ہوئی تو ان کے شوہر نے انہیں رات کے وقت دفن کیا اور حضرت ابوبکر کو جنازہ کی اطلاع تک نہ دی اور خود ہی ان کی نماز جنازہ پڑھی۔

بی بی فاطمہ کی زندگی میں لوگ حضرت علیؑ کا احترام کرتے تھے۔ جب ان کی وفات ہوئی تو لوگوں کے چہرے حضرت علیؑ سے پھر گئے۔ رسول خدا کے بعد بی بی چھ ماہ تک زندہ رہیں معمر کا بیان ہے کہ ایک شخص نے زہری سے کہا:

کیا علیؑ نے چھ ماہ تک بیعت نہیں کی تھی؟

زہری نے کہا: نہیں اور اس تمام عرصہ میں کسی ہاشمی نے بھی بیعت نہیں کی تھی۔

جب حضرت علیؑ نے دیکھا کہ لوگوں نے ان سے منہ پھیر لیا ہے تو وہ حضرت ابوبکر

سے مصالحت پر مجبور ہو گئے۔^(۱)

۱۔ اس روایت کو میں نے مندرجہ ذیل کتابوں سے بطور اختصار و خلاصہ نقل کیا ہے۔ تاریخ طبری ۲/۳۳۸۔ صحیح بخاری کتاب المغازی باب غزوة خیبر ۳/۳۸۔ صحیح مسلم ۱/۲۲۱/۵۱۵۳ باب قول رسول اللہ لانورث ماتو کسہ صدقہ۔ ابن کثیر ۵/۲۸۵۔ ۲۸۶۔ ابن عبد ربہ ۳/۶۳۔ ابن اثیر ۲/۱۲۶۔ کنجی فی کنایہ۔ الطالب ص ۲۲۵۔ ۲۲۶۔ ابن ابی الحدید ۲/۱۲۲۔ مسعودی فی مروج الذهب ۲/۳۱۳۔ انساب والاشراف ص ۲۵۰۔ صواعق محرقة ۱/۱۲۔ تاریخ خمیس ۱/۱۹۳۔ الامامة والسیاسة ۱/۱۳۱۔ الاستیعاب بر حاشیہ اصابہ ۲/۲۳۳۔ ابو الفداء ۱/۱۵۶۔ البدء والتاریخ ۵/۶۶۔ انساب الاشراف ۱/۵۸۶۔ اسد الغابہ در حالات ابوبکر طبع قاہرہ ۳/۳۳۳۔ یعقوبی ۲/۱۲۶۔ الفدییر ۳/۱۰۲۔ بحوالہ الفصل لابن حزم ۹۶۔ ۹۷۔

بلا ذری لکھتے ہیں۔ جب عرب مرتد ہوئے تو حضرت عثمان حضرت علیؑ کے پاس گئے۔ اور ان سے کہا:

ابن عم! جب تک آپ بیعت نہ کریں گے اس وقت تک ان دشمنوں سے جنگ کے لیے کوئی بھی نہیں جائے گا۔

حضرت عثمان نے مسلسل اصرار کیا پھر انہیں لے کر حضرت ابوبکر کے پاس آئے اور انہوں نے بیعت کی جس سے مسلمانوں کو بڑی خوشی ہوئی۔ اس کے بعد لوگ جہاد پر آمادہ ہوئے اور لشکر روانہ کیے گئے۔ (انسب الاشراف ۱/۵۸۷۔)

حضرت فاطمہؑ کی وفات کے بعد حضرت علیؑ کو مجبور ہو کر حضرت ابوبکر سے مصالحت کرنا پڑی لیکن آپ اپنی پوری زندگی اور بالخصوص اپنے ایام خلافت میں ان تلمیذوں کو یاد کرتے رہتے تھے۔ اور حضرتؑ کا شکوہ خطبہ شقشقیہ میں عیاں ہے۔ خدا نے چاہا ہم کتاب ہذا کے آخر میں اسے نقل کرنے کی سعادت حاصل کریں گے۔

حضرت ابوبکر کی بیعت سے اختلاف کرنے والے افراد

۱۔ فروہ بن عمرو

زیر بن بکار نے الموفقیات میں لکھا ہے:

فروہ بن عمرو کا تعلق اس گروہ سے تھا جنہوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت سے تخلف کیا تھا۔ انہوں نے رسول خداؐ کی معیت میں جہاد کیا اور خدا کی راہ میں دو گھوڑے لے کر آئے تھے۔ اور وہ ہر سال اپنے بھجوروں کے باغ سے ایک ہزار وسق صدقہ دیا کرتے تھے۔ وہ اپنی قوم کے سردار تھے اور ان کا تعلق اصحاب علیؑ سے تھا اور وہ حضرت علیؑ کے ساتھ جنگ جمل میں شریک ہوئے تھے۔^(۱)

۱۔ فروہ بن عمرو انصاری البیاضی عقبہ میں موجود تھے اور جنگ بدر اور باقی غزوات میں

بھی آنحضرتؐ کے ساتھ تھے۔ (اسد الغابہ ۳/۱۷۸۔)

زیر بن بکار کا بیان ہے کہ فروہ بن عمروؓ حضرت ابوبکر کے مددگار افراد کی ملامت کیا کرتے تھے۔ (الموفقیات ۵۹۰)

ب۔ خالد بن سعید اموی

رسول خداؐ نے انہیں صفاء یمن کا والی مقرر کیا تھا۔ رسول خداؐ کی وفات کے بعد وہ اپنے دونوں بھائیوں ابان اور عمر کے ساتھ واپس چلے آئے۔

حضرت ابوبکر نے ان سے کہا: تم نے وہاں کی گورنری کیوں چھوڑ دی جب کہ رسول خداؐ کے مقرر کردہ عمال سے کوئی حکومت کا زیادہ حقدار نہیں ہے۔ تم لوگ واپس وہاں چلے جاؤ اور وہاں حکومت کا نظام چلاؤ۔

انہوں نے کہا:

ہم بنی اصبیح ہیں رسول خداؐ کے بعد ہم کسی کے عامل نہیں بنیں گے۔^(۱)

خالد اور اس کے بھائی ابان نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی اور خالد

نے بنی ہاشم سے کہا تھا: تم پاک و پاکیزہ اور بلند درخت ہو، ہم تمہارے پیرو ہیں۔^(۲)

خالد نے دو ماہ تک حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی اور وہ کہتے تھے کہ رسول

خداؐ نے مجھے حاکم مقرر کیا تھا اور پھر مجھے معزول نہیں کیا تھا۔ انہوں نے حضرت علی

۱۔ خالد بن سعید بن عاص بن امیہ بن عبد شمس سابقین اولین میں سے تھے۔ اور وہ

اسلام قبول کرنے والے تیسرے چوتھے یا پانچویں فرد تھے۔ ابن قتیبہ نے المعارف ص ۱۲۸ پر لکھا

کہ وہ حضرت ابوبکر سے پہلے اسلام لائے تھے انہوں نے حبشہ ہجرت کی اور حبشہ سے واپسی پر

رسول خداؐ نے انہیں بنی مدجج سے زکوٰۃ وصول کرنے پر مامور کیا اور انہیں صفاء یمن کا والی مقرر

کیا۔ وفات پیغمبر کے بعد وہ اپنے بھائیوں سمیت مدینہ واپس آ گئے۔ پھر جہاد کی غرض سے شام

چلے گئے۔ خالد نے اٹھائیس جمادی الثانی ۱۳ھ کو ہفتہ کے دن اجنادین میں شہادت پائی

الاستیعاب ۱/۳۹۸-۴۰۰۔ الاصابہ ۱/۴۰۶۔ اسد الغابہ ۲/۸۲۔ شرح ابن ابی الحدید ۶/۱۳-۱۶۔

۱۔ اسد الغابہ ۲/۸۲ ابن ابی الحدید ۲/۱۳۵۔ طبع مصر چاپ قدیم۔

اور حضرت عثمان سے ملاقات کی اور انہوں نے حضرت علیؑ سے کہا:

آپ نے دوسروں کی حکومت کیسے برداشت کر لی؟

حضرت ابو بکرؓ نے انہیں کچھ نہ کہا لیکن حضرت عمرؓ نے ان پر سختی کی تھی۔^(۱)

خالد حضرت علیؑ کے پاس آئے اور عرض کیا:

آپ اپنا ہاتھ دراز کریں میں آپ کی بیعت کرتا ہوں کوئی آپ سے بڑھ

کر محمد مصطفیٰؐ کی جانشینی کے لائق نہیں ہے۔^(۲)

جب بنی ہاشم نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت کی تو خالد بن سعید نے بھی

بیعت کی۔ حضرت ابو بکرؓ نے شام فتح کرنے کے لیے ایک لشکر تشکیل دیا جس کا

سالار خالد بن سعید کو بنایا۔ حضرت عمرؓ نے ان سے کہا۔ آپ خالد کو سالار بنا

رہے ہیں جب کہ اس نے جو کیا وہ بھی آپ کو معلوم ہے اور جو کچھ اس نے کہ

وہ بھی آپ بخوبی جانتے ہیں۔ آخر کار حضرت عمرؓ کے اصرار کی وجہ سے ان کو

سالاری سے معزول کر دیا گیا اور ان کی بجائے یزید بن ابی سفیان کو سالار لشکر

مقرر کیا گیا۔^(۳)

ج۔ سعد بن عبادہ

سعد بن عبادہ انصاری مشہور صحابی تھے۔ بیعت عقبہ اور رسول خداؐ کی تہا

غزوات میں شریک تھے۔ البتہ جنگ بدر کے متعلق ان کی شرکت میں اختلاف ہے۔

آپ سخاوت میں مشہور تھے۔ وفات پیغمبرؐ کے بعد ان کے قبیلہ نے انہیں

خلیفہ بنانا چاہا لیکن سقیفہ کے اجلاس میں حضرت ابو بکرؓ کے آنے سے وہ خلیفہ نہ بن

۱۔ طبری ۲/۵۸۶۔ تہذیب ابن عساکر ۵/۱۵۔ انساب الاشراف ۱/۵۸۸۔

۲۔ یعقوبی ۲/۱۲۶۔

۳۔ اسد الغابہ ۲/۸۲۔

سکے۔ انہوں نے بھی بیعت نہیں کی تھی۔ اہل حکومت کچھ دن تک خاموش رہے پھر ان کی طرف بیعت کا پیغام روانہ کیا گیا تو انہوں نے کہا: جب تک میرے ترکش میں ایک بھی تیر ہوگا میں تم پر تیر اندازی کروں گا اور اپنے نیزے کی انی کو تمہارے خون سے خضاب کروں گا اور جب تک میرے ہاتھ میں تلوار ہوگی میں تم پر حملے کرتا رہوں گا اور میں اپنے خاندان اور پیروکاروں سمیت تم سے جنگ کروں گا۔ اگر تمہارے ساتھ تمام انسانوں کے علاوہ جنات بھی جمع ہو جائیں تب بھی میں تمہاری بیعت نہیں کروں گا یہاں تک کہ اپنے خدا سے جا ملوں اور وہاں اپنا حساب معلوم کروں۔^(۱)

جب حضرت ابوبکر کو ان کا یہ جواب سنایا گیا تو حضرت عمر نے کہا: اسے بیعت کے بغیر مت چھوڑیں اور ہر قیمت پر اس سے بیعت لیں۔

بشیر بن سعد نے کہا: سعد انکار کر چکا ہے اور میں جانتا ہوں کہ وہ اپنے قول کا پکا ہے وہ قتل ہو جائے گا لیکن تمہاری بیعت نہیں کرے گا اور اگر ایسے حالات پیدا ہوئے تو وہ اکیلا ہی قتل نہ ہوگا بلکہ اس کے ساتھ اس کی اولاد اور اس کا خاندان بھی قتل ہوگا۔ تم لوگ اسے اس کے حال پر چھوڑ دو۔ اسے چھوڑنا تمہارے لیے نقصان دہ نہیں ہے۔ وہ فرد واحد ہے۔

بشیر بن سعد کے مشورہ پر سعد کو چھوڑ دیا گیا۔ سعد ان کے ساتھ نماز باجماعت میں شریک نہیں ہوتے تھے اور نہ ہی ان کے کسی اجلاس میں آتے تھے حضرت ابوبکر کی زندگی میں ان کا یہی طرز عمل رہا۔ جب ان کی وفات ہوئی اور حضرت عمر خلیفہ بنے تو ایک دن مدینہ کی ایک گلی میں سعد اور حضرت عمر کی

۱۔ طبری ۲/۵۸۶۔ تہذیب ۳/رخ ابن عساکر ۵/۵۱۔ انساب الاشراف ۱/۵۸۸۔

۲۔ طبری ۳/۴۵۹۔ ابن اثیر ۲/۱۲۶۔ کنز العمال ۳/۱۳۳ حدیث ۲۲۹۶ الامامة والسياسة

۱۰/۱ سیرت حلبیہ ۲/۳۹۷۔

ملاقات ہوگئی۔ تو ان کے درمیان حسب ذیل گفتگو ہوئی:

حضرت عمر: اے سعد!

حضرت سعد: اے عمر!

حضرت عمر: وہ گفتگو تم نے کی تھی؟

حضرت سعد: جی ہاں وہ گفتگو میں نے ہی کی تھی اب اتفاق سے تم حاکم بن گئے ہو جب کہ تیرا ساتھی تیری بہ نسبت مجھے پیارا لگتا تھا اور اب میں تیرے قریب رہنے کو بھی پسند نہیں کرتا۔

حضرت عمر: اگر کسی کو ہمسایہ اچھا نہ لگے تو کیا وہ جگہ چھوڑ دے؟

حضرت سعد: پھر میں بھی تیری ہمسائیگی میں نہیں رہنا چاہتا تجھ سے اچھے ہمسائے کا جا کر پڑوسی بنوں گا۔ پھر انہوں نے مدینہ کو چھوڑ دیا۔ بلا ذری لکھتے ہیں:

حضرت سعد نے حضرت ابو بکر کی بیعت نہیں کی تھی اور وہ شام چلے گئے تھے۔ حضرت عمر نے ایک شخص کو بھیجا کہ اس کو بیعت کی دعوت دے اور اگر وہ انکار کرے تو خدا سے مدد مانگ کر اس کا کام تمام کر دے۔

وہ شخص شام آیا۔ ”حوارین“ میں سعد مقیم تھے اور وہاں ایک باغ میں ٹھہرے ہوئے تھے جس کی چاروں طرف سے چار دیواری تھی۔ حضرت عمر کے بیٹے ہوئے شخص نے ان سے ملاقات کی اور انہیں بیعت کی دعوت دی۔ حضرت سعد نے کہا۔ میں قریش کی کبھی بھی بیعت نہیں کروں گا۔ اس شخص نے کہا: اگر آپ نے بیعت نہ کی تو میں آپ سے جنگ کروں گا۔

حضرت سعد نے کہا: میں پھر بھی بیعت نہیں کروں گا۔ اس شخص نے کہا۔ کیا تو اس امر سے باہر ہے جس میں پوری امت داخل ہو چکی ہے؟ حضرت سعد نے کہا۔ میں بیعت سے خارج ہوں۔

اس شخص نے انہیں ایک تیر مار کر شہید کر دیا۔ (مروج الذهب ۲/۳۰۱-۳۰۲)

کتاب تبصرة العوام میں مذکور ہے:

حکومت کی طرف سے محمد بن مسلمہ انصاری کو اس کام کے لیے بھیجا گیا تھا اور اس نے انہیں تیر مارا تھا۔ اور یہ بھی کہا جاتا ہے کہ اس وقت خالد بھی شام میں موجود تھے انہوں نے محمد بن مسلمہ کی مدد کی تھی۔

مسعودی لکھتے ہیں۔ حضرت سعد نے بیعت نہیں کی تھی اور وہ مدینہ چھوڑ کر شام چلے گئے جہاں ۱۵ھ میں قتل کر دیے گئے۔^(۱)
عذر گناہ بدتر از گناہ

حضرت سعد کی شہادت کے بعد اہل حکومت نے مشہور کر دیا کہ انہیں جنات نے تیر مار کر قتل کر دیا تھا اور پھر ایک شعر بنا کر جنات کی طرف منسوب کر دیا گیا کہ انہوں نے سعد کے قتل کے بعد یہ شعر پڑھا تھا۔

وقتلنا سيد الخزرج سعد بن عبادہ

ورميناہ بسہمین فلم نخطی فوادہ

”ہم نے قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو قتل کیا۔ ہم نے اس پر دو تیر پھینکے ہم نے ٹھیک ٹھیک اس کے دل کا نشانہ لیا۔“

ابن سعد لکھتے ہیں:

سعد پیشاب کر رہے تھے کہ انہیں تیر لگے اور تیر لگتے ہی وہ مر گئے اور مرنے کے بعد ان کی جلد سبز ہو گئی تھی۔

(طبقات ابن سعد ۳/ق ۲/۱۳۵۔ المعارف ابو حنیفہ دنیوری۔ ۱۱۳)

اسد الغابہ میں مرقوم ہے:

سعد نے ابو بکر و عمر کی بیعت نہیں کی تھی اور وہ شام چلے گئے جہاں وہ

۱۔ انسب الاشراف/۱/۵۸۹۔ العقد الفرید ۳/۲۳۔ ۶۵ الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ۔

”حوران“ میں رہائش پذیر ہوئے اور ۱۵ھ کو ان کی وفات ہوئی۔

ان کی موت کے متعلق مورخین کا اتفاق ہے کہ وہ غسل خانے میں مردہ پائے گئے تھے اور ان کا جسم سبز ہو گیا تھا۔ ان کی موت کا پتہ اس وقت چلا جب کنوئیں سے آوازیں بلند ہوئیں جب کہ کہنے والا کسی کو دکھائی نہ دیا اور کنوئیں سے یہ شعر پڑھا گیا:

ہم نے خزر ج کے سردار سعد بن عبادہ کو قتل کیا اور ہم نے اس کے
دل کا صحیح نشانہ لیا۔ (اسد الغابہ در حالات سعد۔ الاستیعاب ۲/۳۷۷۔)

اس طرح بڑی بے رحمی سے پیغمبر اسلام کے جانثار صحابی کو موت کے گھاٹ اتار دیا حضرت سعد کا قتل حکومت کی بدنامی کا باعث بنا تھا اسی لیے حکومت کے ہی خواہ مورخین میں سے کچھ افراد نے اس کا ذکر تک کرنا پسند نہیں کیا جیسا کہ ابن جریر طبری، ابن کثیر اور ابن اثیر نے اپنی کتابوں میں اس واقعہ کا تذکرہ تک نہیں کیا۔ جب کہ محبت الدین طبری اور ابن عبد البر نے ان کی موت کا تذکرہ تو کیا لیکن اسے جنات کی کاروائی قرار دیا۔ مگر مورخین اس بات کا تسلی بخش جواب دینے سے ناکام رہے کہ آخر جنات کو پیغمبر اکرم کے جانثار صحابی سے عداوت کیوں تھی؟

البتہ اگر مورخین اس داستان کو یوں بیان کرتے تو شاید ان کی داستان میں وزن پیدا ہوتا کہ حضرت ابوبکر کی بیعت نہ کرنے پر صالح جنات کو سعد پر شدید غصہ آیا اور انہوں نے ان کے دل کا نشانہ لے کر دو تیر برسائے جو کہ ٹھیک ٹھیک اپنے نشانے پر جا لگے اور ان کی وفات ہو گئی۔ ہم سمجھتے ہیں کہ اگر مورخین اپنی داستان میں یہ جملے لکھ دیتے تو ان کی داستان کی تکمیل ہو جاتی۔

وہ مورخین جنہوں نے سعد کے بیعت نہ کرنے کا ذکر کیا

- ۱۔ ابن سعد نے طبقات میں۔ ۲۔ ابن جریر نے اپنی تاریخ میں۔ ۳۔
- بلاذری نے اپنی کتاب انساب کی جلد اول میں۔ ۴۔ ابن عبدالبر نے الاستیعاب
- میں۔ ۵۔ ابن عبدبرہ نے العقد الفرید میں۔ ۶۔ ابن قتیبہ نے الامتہ والسیاسة میں۔
- ۷۔ مسعودی نے مروج الذهب میں۔ ۸۔ ابن حجر عسقلانی نے اصابہ کی جلد دوم ص
- ۲۸ میں۔ ۹۔ محب الدین طبری نے الریاض النضرہ میں۔ ۱۰۔ ابن اثیر نے اسد
- الغابہ کی جلد سوم میں۔ ۱۱۔ علی بن برہان الدین نے سیرت حلبیہ کی جلد سوم میں۔
- ۱۲۔ ابوبکر جوہری نے کتاب السقیفہ میں بحوالہ ابن ابی الحدید لکھا ہے کہ حضرت سعد
- بن عبادہ نے حضرت ابوبکر کی بیعت نہیں کی تھی۔

حضرت عمر کی نامزدگی اور ان کی بیعت

حضرت ابوبکر نے زندگی کے آخری لمحات میں حضرت عثمان کو بلایا اور خلوت میں بیٹھا کر کہا کہ لکھو۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ وہ عہد ہے جو ابوبکر بن ابی قحافہ نے مسلمانوں کی طرف لکھا ہے:

اما بعد۔ یہ لفظ لکھ کہ حضرت ابوبکر بے ہوش ہو گئے۔ حضرت عثمان نے اپنی طرف سے یہ ہمد تحریر کیا: میں تم پر نمر بن خطاب کو خلیفہ مقرر کرتا ہوں اور میں انہیں نامزد کر کے تمہاری خیر خواہی کر رہا ہوں۔ پھر حضرت ابوبکر کو غش سے افاقہ ہوا۔ انہوں نے کہا کہ مجھے پڑھ کر سناؤ حضرت عثمان نے انہیں تمام عبارت پڑھ کر سنائی۔ عبارت سن کر حضرت ابوبکر نے تکبیر کہی۔ اور کہا معلوم ہوتا ہے کہ تجھے خوف لاحق ہو گیا تھا کہ اگر میں اس غشی میں دنیا سے چلا گیا تو لوگوں میں خلافت کے متعلق انتشار پیدا ہو جائے گا۔ اسی لیے تو نے میرے دل کی ترجمانی کرتے ہوئے یہ الفاظ لکھ

دیے۔ حضرت عثمان نے کہا: جی ہاں۔ خدا آپ کو اسلام اور اہل اسلام کی طرف سے
جزائے خیر عطا فرمائے۔ حضرت ابوبکر نے اس تحریر پر اپنی رضامندی کا اظہار کیا۔
لوگ باہر بیٹھے ہوئے تھے حضرت عمر بھی لوگوں کے پاس کھڑے تھے کہ
اتنے میں حضرت ابوبکر کا غلام ان کا وصیت نامہ لے کر باہر آیا۔

حضرت عمر نے لوگوں سے کہا: لوگو! خلیفہ رسول کے فرمان کو دل کی
گہرائیوں سے سنو اور ان کے فرمان کی اطاعت کرو اور وہ یہ کہہ رہے ہیں کہ انہوں
نے تمہاری خیر خواہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

قارئین کرام! کچھ دیر کے لیے اس مقام پر ٹھہر جائیے اور سوچیے کہ یہی
حضرت عمر بیماری کی حالت میں رسول خدا کو دستاویز لکھنے نہیں دیتے تھے اور صرف
سوا دو برس کے بعد حضرت ابوبکر کی وصیت کو مسلمانوں کی خیر خواہی کی ضمانت قرار
دینے لگے۔ آخر اتنا بڑا فرق کیوں ہے؟ کیا ایسا تو نہیں کہ انہیں یقین تھا کہ اگر
رسول خدا نے دستاویز لکھ دی تو اس دستاویز سے انہیں نقصان ہوگا اور ادھر انہیں یہ
یقین تھا کہ اس دستاویز میں انہیں نامزد کیا گیا ہے!

اگر رسول خدا کو بیماری کی حالت میں دستاویز اس لیے نہیں لکھنے دی گئی کہ
اس سے آپ کو زحمت ہوگی تو یہ زحمت حضرت ابوبکر کے لیے کیوں برداشت کی گئی؟
اور اگر رسول خدا کی دستاویز نعوذ باللہ ہذیان کے زمرے میں آتی تھی تو
حضرت ابوبکر کی عالم بیماری میں تحریر کرائی ہوئی دستاویز کس زمرے میں آئے گی؟

شورمی اور حضرت عثمان کی بیعت

ابن عبد ربہ "العقد الفرید" میں رقم طراز ہیں: جب حضرت عمر پر قاتلانہ
حملہ ہوا تو ان سے کہا گیا کہ آپ کسی کو اپنا جانشین مقرر کریں۔

انہوں نے کہا: کاش اگر آج ابو عبیدہ بن جراح زندہ ہوتا تو میں اسے خلیفہ مقرر کرتا اور اگر میرا خدا مجھ سے اس کی خلافت کے متعلق پوچھتا تو میں کہتا: پروردگار! تیرے نبی نے اس کے متعلق کہا تھا کہ وہ اس امت کا امین ہے۔

اور اگر آج ابو حذیفہ کا آزاد کردہ غلام سالم زندہ ہوتا تو میں اسے خلیفہ بناتا اور اگر خدا مجھ سے اس کے متعلق پوچھتا تو میں کہتا پروردگار! تیرے نبی نے اس کے متعلق کہا تھا کہ سالم خدا سے محبت کرتا ہے۔ (العقد الفرید ۴/۲۷ اور دنہہ ملخصاً)

لوگوں نے ان سے خلیفہ بنانے کا اصرار کیا تو انہوں نے کہا کہ میں چاہتا تھا کہ ایک شخص کو تمہارا حاکم بنا کر جاؤں اور مجھے اس کے متعلق امید تھی کہ وہ تمہیں حق کی راہ پر چلائے گا یہ کہہ کر انہوں نے حضرت علیؑ کی طرف اشارہ کیا لیکن اب میں زندگی اور موت میں تمہارا بوجھ نہیں اٹھا سکتا۔

بلاذری "انساب الاشراف" میں تحریر کرتے ہیں:

حضرت عمر نے کہا کہ علیؑ، عثمانؓ، طلحہؓ، زبیرؓ، عبدالرحمنؓ بن عوف اور سعد بن ابی وقاص کو بلاؤ۔ جب یہ تمام افراد آگئے تو حضرت عمر نے حضرت علیؑ و عثمان سے گفتگو کی اور کہا علیؑ ممکن ہے کہ یہ لوگ آپ کی قرابت نبوی اور آپ کے علم و فقہ کی وجہ سے آپ کو منتخب کریں۔ اگر تم خلیفہ بن جاؤ تو خوف خدا کو ہمیشہ مد نظر رکھنا۔ پھر انہوں نے حضرت عثمان سے کہا: ممکن ہے کہ یہ لوگ آپ کی دامادی اور آپ کے سن و سال کو دیکھ کر تمہیں خلیفہ منتخب کریں اور اگر تم خلیفہ بن جاؤ تو خوف خدا کو مد نظر رکھنا اور ابی معیط کے خاندان کو لوگوں کی گردنوں پر سوار نہ کرنا۔ پھر انہوں نے کہا کہ صہیب کو بلاؤ۔ انہیں بلایا گیا تو آپ نے ان سے کہا:

آپ تین دن تک لوگوں کو نماز پڑھانا اور ان لوگوں کو ایک گھر میں بٹھانا۔ جب ان کا ایک شخص پر اجماع ہو جائے تو جو بھی ان کی مخالفت کرے اس کی گردن مار دینا۔

جب افراد شوریٰ حضرت عمر کے پاس سے اٹھ کر گئے تو انہوں نے کہا: اگر یہ لوگ کم بالوں والے (علی) کو منتخب کر لیں تو وہ انہیں راہ ہدایت پر چلائیں گے۔^(۱)
 محبت الدین طبری ”الریاض النضرہ“ جلد دوم ص ۹۵ پر لکھتے ہیں:

خدا ان کا بھلا کرے اگر وہ کم بالوں والے (علی) کو منتخب کر لیں تو ان کا بھلا ہوگا۔ اگر چہ وہ اپنی تلوار بھی حائل کیے ہوئے ہو۔ محمد بن کعب نے کہا: جب آپ کو ان کی اہلیت کا پتہ ہے تو آپ براہ راست اسے منتخب کیوں نہیں کر لیتے؟ حضرت عمر نے کہا: کوئی بات نہیں مجھ سے بہتر شخصیت نے بھی تو انہیں منتخب نہیں کیا تھا۔

بلاذری نے ”انساب الاشراف“ ۵/۱۷۱ پر اقدی کے حوالہ سے لکھا:

حضرت عمر سے کہا گیا کہ آپ عثمان کو منتخب کیوں نہیں کر لیتے؟ انہوں نے کہا: اگر میں نے انہیں منتخب کر لیا تو وہ ابی معیط کی اولاد کو لوگوں کی گردنوں پر سوار کر دے گا۔ آپ سے کہا گیا: آپ زیر کا انتخاب کیوں نہیں کرتے؟ کہا: وہ خوشی میں مومن اور ناراضگی میں کافر ہے۔

آپ سے کہا گیا: آپ طلحہ کا انتخاب کیوں نہیں کر لیتے؟

آپ نے کہا: اسے کیسے خلیفہ منتخب کروں جب کہ اونچی ناک رکھتا ہے جب کہ حقیقت میں کچھ نہیں ہے۔

آپ سے کہا گیا: آپ سعد کا انتخاب کیوں نہیں کر لیتے؟ آپ نے کہا: وہ لڑائی بھرائی کرنے والا شخص ہے (امور خلافت سے نابلد ہے)

آپ سے کہا گیا: آپ عبدالرحمن بن عوف کا انتخاب کیوں نہیں کر لیتے؟

آپ نے کہا: اگر وہ اپنے خاندان پر بھی اپنا حکم جاری کر لے تو اس کے لیے

یہی کافی ہے۔

بلاذری اپنی کتاب انساب الاشراف جلد پنجم ص ۱۸ پر لکھتے ہیں:

جب حضرت عمر پر قاتلانہ حملہ ہوا تو انہوں نے عبداللہ بن جدعان کے آزاد کردہ غلام صہیب کو حکم دیا کہ وہ سر کردہ مہاجرین و انصار کو ان کے پاس لائیں۔

جب سر کردہ افراد ان کے پاس آئے تو حضرت عمر نے ان سے کہا:

میں امر خلافت کو تمہارے ان چھ مہاجرین اولین کے حوالے کر کے جا رہا ہوں جن سے رسول خداؐ اپنی رحلت کے وقت راضی تھے اور چھ افراد اپنے میں سے ایک شخص کا انتخاب کریں گے۔ پھر انہوں نے چھ افراد کے نام لیے اور ابو طلحہ زید بن سہل خزرجی کو حکم دیا کہ تم اپنے ساتھ انصار کے پچاس شمشیر بکف ساتھیوں کو ساتھ لینا اور ان چھ افراد کو ایک مکان میں بٹھا دینا اور ان سے کہنا کہ تین دن کے اندر اندر ایک شخص کا انتخاب کر لیں۔ پھر آپ نے صہیب کو حکم دیا کہ خلیفہ منتخب ہونے تک لوگوں کو نماز پڑھائیں۔

ان دنوں طلحہ مدینہ میں موجود نہیں تھے وہ اپنی ”سراة“^(۱) کی جاگیر میں گئے ہوئے تھے حضرت عمر نے کہا اگر طلحہ ان تین دنوں میں آجائے تو بہتر ورنہ وہ شوریٰ میں شامل نہیں ہوگا اور جس کی اکثریت ہو اس کی بیعت کرنا اور جو اختلاف کرے اسے قتل کر دینا۔ طلحہ کو اطاعت دی گئی اور جلد آنے کا کہا گیا مگر وہ مدینہ میں اس وقت آئے جب حضرت عمر کی وفات ہو چکی تھی اور حضرت عثمان خلیفہ منتخب ہو چکے تھے۔ اور وہ مدینہ آ کر اپنے گھر میں بیٹھ گئے اور کہا کیا میرے بغیر بھی کوئی فیصلہ کیا جا سکتا ہے؟ حضرت عثمان ان کے پاس آئے تو طلحہ نے کہا:

اگر میں تمہیں مسترد کر دوں تو کیا تم خلافت چھوڑ دو گے؟

حضرت عثمان نے کہا: جی ہاں۔

۱۔ طائف کے قریب پہاڑی علاقہ کو اور چند دیگر مقامات کو سراة کہا جاتا ہے۔

طلحہ نے کہا: میں آپ کو اس منصب پر بحال رکھتا ہوں۔ پھر انہوں نے حضرت عثمان کی بیعت کر لی۔ اور یہی مضمون ”العقد الفرید“ جلد سوم ص ۷۳ پر بھی مرقوم ہے۔ ”العقد الفرید“ کے ص ۲۰ پر مرقوم ہے۔

عبداللہ بن سعد بن ابی سرح نے کہا:

طلحہ کی تائید تک میں حضرت عثمان کی خلافت کے متعلق پریشان رہا اور طلحہ نے صلہ رحمی کرتے ہوئے حضرت عثمان کی تائید کر دی تو میں مطمئن ہو گیا اور عثمان بھی طلحہ کا بے حد احترام کرتے تھے لیکن جب ان کا محاصرہ ہوا تو طلحہ نے ان کی شدید مخالفت کی۔

بلاذری ”انساب الاشراف“ ۱۸/۵ پر ابن سعد کی سند سے لکھتے ہیں: اقلیت کو اکثریت کی پیروی کرنی چاہیے اور جو بھی مخالفت کرے تو اس کی گردن مار دو۔ بلاذری کتاب الانساب کے ص ۱۹ پر ابن محنف کے حوالہ سے لکھتے ہیں: حضرت عمر نے شورئ کی ممبران کو حکم دیا کہ وہ تین دن تک صلاح مشورہ کریں۔ اگر دو آدمی ایک شخص پر اور دو آدمی دوسرے شخص کا انتخاب کریں تو وہ مزید مشورہ کریں اور اگر چار افراد ایک کا انتخاب کریں اور ایک شخص کسی دوسرے کا انتخاب کرے تو خلیفہ وہ ہوگا جسے چار کی حمایت حاصل ہوگی اور اگر دونوں طرف تین تین افراد ہوں تو خلیفہ وہ ہوگا جس کی حمایت عبدالرحمن بن عوف کرے گا کیونکہ عبدالرحمن دین اور رائے میں ثقہ ہے۔ قریباً یہی مضمون العقد الفرید ۴/۳ پر بھی مرقوم ہے۔

ابن سعد طبقات ۳ ق ۱/۴۳ پر لکھتے ہیں: حضرت عمر نے کہا اگر دونوں طرف سے تین تین افراد ہوں تو تم اس گروہ کی پیروی کرو جس میں عبدالرحمن بن عوف موجود ہو۔

تاریخ یعقوبی ۲/۱۶۰ اور انساب الاشراف بلاذری ۱۵/۵ پر مرقوم ہے کہ

حضرت عمر نے کہا: لوگ کہتے ہیں کہ ابوبکر کی بیعت اچانک ہوئی اور اللہ نے اس کے شر سے بچا لیا اور عمر کی بیعت مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر عمل میں لائی گئی۔ اور میرے بعد شور مچا۔ اگر چار افراد کی رائے ایک طرف ہو تو باقی دو افراد کو چار کی رائے کو تسلیم کرنا چاہیے اور اگر دونوں طرف سے تین تین افراد ہوں تو تم عبدالرحمن بن عوف کی رائے کی پیروی کرو اور عبدالرحمن جس کے ہاتھ پر بیعت کرے تم اس کا فرمان سنو اور اس کی پیروی کرو۔

متقی کنز العمال ۳/۱۶۰ پر لکھتے ہیں کہ حضرت عمر نے کہا: ”عبدالرحمن جس کی بیعت کرے تم اس کی بیعت کرو۔“

اسلم راوی ہیں کہ حضرت عمر نے کہا: ”عبدالرحمن جس کی بیعت کرے تم اس کی بیعت کرو اور اگر کوئی انکار کرے تو اس کی گردن کاٹ دو۔“

مذکورہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے عبدالرحمن بن عوف کو خلیفہ گردا کر دیا اور عبدالرحمن کو انہوں نے یہ نکتہ ذہن نشین کرایا تھا کہ بیعت کے لیے سیرت شیخین کی شرط رکھنا۔

حضرت عمر جیسے ذہین آدمی کو یقین تھا کہ حضرت علیؑ سیرت شیخین کی شرط قبول نہیں کریں گے جب کہ حضرت عثمانؓ کسی طرح کے تردد کے بغیر قبول کر لیں گے اور نتیجہ کے طور پر حضرت علیؑ خلافت سے محروم ہو جائیں گے اور خلافت کسی کے ہونے پھل کی طرح حضرت عثمانؓ کی گود میں آگرے گی۔ یہ صرف ہمارا ذاتی خیال نہیں ہے بلکہ تاریخی حقائق اس بات کی تائید کرتے ہیں اور اس نظریہ کے اثبات کے لیے ایک روایت ہی کافی ہے۔

ابن سعد طبقات میں سعید بن عاص کے متعلق لکھتے ہیں جس کا خلاصہ یہ

ہے: سعید بن عاص حضرت عمر کے پاس گیا اور ان سے درخواست کی کہ وہ اپنے گھر کی توسیع کرنا چاہتا ہے لہذا اسے گھر کے ساتھ والی زمین عنایت کی جائے۔ حضرت عمر نے اس سے نماز فجر کے بعد کا وعدہ کیا۔ دوسرے دن سعید ان کے پاس گیا اور انہیں یاد دہانی کرائی۔

حضرت عمر اسے ساتھ لے کر اس کے گھر کے پاس آئے اور اسے کچھ زمین عنایت کی۔ سعید نے زیادہ زمین کا مطالبہ کیا تو حضرت عمر نے کہا: اس وقت میری طرف سے اتنی ہی زمین کافی سمجھ اور میرے بعد وہ شخص برسر اقتدار آئے گا جو تیری رشتہ داری کے حقوق کی نگہبانی کرے گا اور تیری حاجت پوری کرے گا۔

سعید کہتا تھا: میں نے حضرت عمر کے عہد خلافت میں ان کی عطا کردہ زمین پر ہی قناعت کی اور ان کی وفات کے بعد جب حضرت عثمان خلیفہ بنے تو انہوں نے مجھ سے صلہ رحمی کی اور میری حاجت پوری کی اور اپنی امانت میں مجھے شریک کیا۔

(طبقات طبع یورپ ۲۰/۵-۲۱)

اس روایت سے صاف پتہ چلتا ہے کہ حضرت عمر، سعید بن عاص کو پہلے ہی بتا چکے تھے کہ اندرون خانہ کیا کچھڑی پک رہی ہے اور انہوں نے واضح الفاظ میں سعید کو یہ پیغام دیا تھا کہ عنقریب تیرا ہی قریبی رشتہ دار مسند خلافت پر متمکن ہوگا۔ اور بنی امیہ کے پاس حضرت عثمان کے علاوہ کوئی دوسرا موزوں امیدوار خلافت نہیں تھا۔ حضرت عثمان کی خلافت کا فیصلہ پہلے ہی سے طے کر دیا گیا تھا اور لوگوں کو دکھانے کے لیے ایک نام نہاد مجلس شوریٰ تشکیل دی گئی تھی۔ اس روایت سے استفادہ کرتے ہوئے ہم دوسری روایت بھی یہاں نقل کرنا چاہتے ہیں۔ اس روایت کو ابن سعد نے طبقات میں سعید بن عاص کے حالات زندگی میں نقل کیا۔ ایک دن حضرت عمر نے سعید بن عاص سے کہا: کیا بات ہے تو منہ موڑ کر میرے پاس سے گزر رہا

ہے کیا میں نے تیرے باپ کو قتل کیا تھا؟ میں نے تیرے باپ کو قتل نہیں کیا تھا اسے
 علی بن ابی طالبؑ نے قتل کیا تھا۔ واضح رہے کہ سعید کا باپ جنگ بدر میں قتل ہوا
 تھا۔ حضرت عمر کے اس قول سے یہ پتہ چلتا کہ وہ مقتول کی اولاد کے جذبات بھڑکا
 کر حضرت علیؑ کو قتل کرانا چاہتے تھے؟

علیؑ جانتے تھے کہ انہیں خلافت نہیں ملے گی

مجلس شوریٰ کی ہیئت ترکیبی ہی کچھ ایسی تھی کہ اسے دیکھ کر عام سوجھ بوجھ
 رکھنے والا شخص بھی سمجھ سکتا تھا کہ یہ مجلس حضرت علیؑ کو ہرگز منتخب نہیں کرے گی اور
 حضرت علیؑ علیہ السلام بھی اس حقیقت سے پوری طرح آگاہ تھے اور انہوں نے مجلس
 شوریٰ میں صرف اس لیے شرکت کی تھی کہ کل کلاں لوگ یہ نہ کہیں کہ علیؑ خلافت کو
 پسند ہی نہیں کرتے۔ بلاذری اپنی کتاب انساب الاشراف ۱۹/۵ پر لکھتے ہیں:

حضرت علیؑ نے مجلس شوریٰ کے ارکان کو دیکھ کر اپنے چچا عباس سے شکایت
 کرتے ہوئے کہا: ہم سے خلافت کو ہٹا دیا گیا ہے۔ حضرت عباس نے کہا۔ بھلا وہ کیسے؟
 حضرت علیؑ نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ عمر یہ کہہ چکے ہیں کہ ان لوگوں کا
 ساتھ دینا جن میں عبدالرحمن شامل ہو اور اب صورت حال یہ ہے کہ سعد عبدالرحمن کا
 چچا زاد ہے اور عبدالرحمن عثمان کا بہنوئی ہے۔ اور ان حالات میں اگر طلحہ و زبیر میرا
 ساتھ بھی دیں تو بھی مجھے اس سے کوئی فائدہ نہیں پہنچے گا کیونکہ خلیفہ وہی ہوگا جسے
 عبدالرحمن کی حمایت حاصل ہوگی۔

ابن کلبی نے کہا: عبدالرحمن کی بیوی کا نام ام کلثوم بنت عقبہ بن ابی معیط
 تھا اور اس کی ماں اروئی بنت کریز تھی اور حضرت عثمان کی والدہ بھی اروئی بنت کریز
 تھی۔ اسی لیے حضرت علیؑ نے کہا تھا کہ عبدالرحمن عثمان کا بہنوئی ہے۔ ابن عبدبرہ
 نے بھی العقد الفرید ۳/۷۲ پر یہی مضمون لکھا ہے۔

شورئی کی کارروائی

حضرت عمر کی وفات کے بعد دارالمال میں شورئی کا اجتماع ہوا اور دروازہ پر ابو طلحہ انصاری پچاس خونخوار تلواروں کے ساتھ دروازہ پر آکھڑا ہوا۔ طلحہ نے کارروائی کی ابتدا کی اور سب کو گواہ بنا کر کہا میں اپنا حق رائے دہی حضرت عثمان کو دیتا ہوں۔ زبیر نے کہا کہ میں اپنا حق رائے دہندگی علی بن ابی طالب کو سونپتا ہوں۔ پھر سعد نے اپنا حق رائے دہی عبدالرحمن کے حوالے کیا۔ اور یوں مجلس شورئی کے ارکان صرف تین رہ گئے جن میں سے عبدالرحمن نے کہا کہ میں اس شرط پر اپنے حق سے دست بردار ہونے پر تیار ہوں کہ آپ دونوں علی بن ابی طالب اور عثمان بن عفان اپنے میں سے ایک کو منتخب کر لینے کا حق مجھے دیں یا آپ میں سے کوئی دست بردار ہو کر یہ حق لے لے۔ یہ ایک ایسا جال تھا جس میں امیر المؤمنین کو ہر طرف سے جکڑ لیا گیا کہ یا تو اپنے حق سے دستبردار ہو جائیں یا عبدالرحمن کو اپنی من مانی کارروائی کرنے دیں۔ چنانچہ پہلی صورت آپ کے لیے ناممکن تھی کہ حق سے دستبردار ہو کر عثمان یا عبدالرحمن کو منتخب کریں۔ اس لیے آپ اپنے حق پر جمے رہے اور عبدالرحمن نے اپنے آپ کو اس سے الگ کر کے یہ اختیار سنبھال لیا اور امیر المؤمنین سے مخاطب ہو کر کہا:

ابایعک علی کتاب اللہ وسنة رسول اللہ وسیرة
الشیخین ابی بکر و عمر.

”میں اس شرط پر آپ کی بیعت کرتا ہوں کہ آپ کتاب خدا
سنت رسول اور ابو بکر و عمر کی سیرت پر چلیں گے۔“
آپ نے کہا:

بل علی کتاب اللہ وسنة رسول اللہ واجتهاد رأیی.

”نہیں بلکہ میں اللہ کی کتاب، رسول کی سنت اور اپنے اجتہاد پر عمل کروں گا۔“

تین مرتبہ دریافت کرنے کے بعد جب حضرت علیؓ کی طرف سے مسلسل ایک ہی جواب ملا تو عبدالرحمن نے حضرت عثمان سے مخاطب ہو کر کہا:

کیا آپ کو یہ تینوں شرائط منظور ہیں؟

انہوں نے بلا تامل ان شرائط کو مان لیا اور عبدالرحمن نے ان کے ہاتھ پر بیعت کی اور انہیں امیر المؤمنین کہہ کر سلام کیا۔ اور اس کے بعد باقی ارکان شوریٰ نے ان کی بیعت کی۔ اس وقت حضرت علیؓ کھڑے تھے آپ بیٹھ گئے۔ عبدالرحمن نے آپ سے کہا: آپ بیعت کریں ورنہ میں آپ کو قتل کر دوں گا؟ حضرت علیؓ ناراض ہو کر دارالمال سے باہر آئے اور فرمایا:

یہ پہلا دن نہیں ہے کہ تم نے ہم پر زیادتی کی ہو۔ اب صبر جمیل کے علاوہ کیا چارہ ہے اور جو باتیں تم کرتے ہو اس پر اللہ ہی مددگار ہے۔ خدا کی قسم! تم نے عثمان کو اس امید پر خلافت دی ہے کہ وہ اسے کل تمہارے حوالہ کر جائے۔

(طبری ۳/۲۹۷۔ تاریخ یعقوبی ۱/۶۲۔ ابن اثیر ۳/۷۳۔ العقد الفرید ۳/۷۶)

ان واقعات کو دیکھنے کے بعد یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا شوریٰ اسی گورکھ دھندہ کا نام ہے جو چھ آدمیوں میں منحصر ہو اور پھر تین میں اور آخر میں صرف ایک ہی فرد میں منحصر ہو کر رہ جائے اور کیا انتخاب خلافت کے لیے سیرت شیخین پر عمل کرانا ضروری ہے؟ اور آخر عبدالرحمن کو اس اصطلاح کی ضرورت کیوں محسوس ہوئی؟ جب کہ خلیفہ اول نے خلیفہ ثانی کو نامزد کرتے وقت یہ شرطیہ نہیں لگائی تھی کہ تمہیں میری سیرت پر چلنا ہوگا۔ تو پھر یہاں اس شرط کی کیا ضرورت تھی؟

اگر سیرت شیخین قرآن و سنت کے مطابق تھی تو عبدالرحمن نے اسے علیحدہ

شق بنا کر کیوں پیش کیا اور اگر قرآن و سنت کے علاوہ کوئی اور چیز تھی تو اسلامی حکمران سے اس کی توقع ہی کیوں کی گئی؟

بہر نوع شورئی کی کارروائی سے ہمارے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے کہ امیر المؤمنین نے فتنہ و فساد کو روکنے اور اتمامِ حجت کے لیے اس میں شرکت گوارا کی تھی تاکہ لوگوں کی زبانوں پر تالے پڑ جائیں اور یہ نہ کہتے پھریں کہ ہم تو انہی کے حق میں رائے دینے پر آمادہ تھے مگر انہوں نے شورئی سے کنارہ کشی کر لی اور ہمیں سرے سے اپنے انتخاب کا موقع ہی نہ دیا۔

حضرت علی علیہ السلام کی بیعت

حضرت عثمان کے بعد جب مسلمانوں کی گردن میں کسی کی اطاعت کا قلابہ باقی نہ رہا تو انہوں نے علی بن ابی طالبؓ کے نام کے نعرے بلند کیے اور ان کی بیعت کا ارادہ کیا مورخ طبری لکھتے ہیں:

اصحاب پیغمبرؐ حضرت علیؓ کے پاس آئے اور آپ سے کہا: یہ شخص قتل ہو چکا ہے اور لوگوں کے لیے امام کا ہونا ضروری ہے اور آج ہمیں آپ سے بڑھ کر کوئی مستحق خلافت دکھائی نہیں دیتا۔ آپ کو اسلام میں شرفِ سبقت حاصل ہے اور آپ کو پیغمبر خدا کی قرابت بھی حاصل ہے۔

حضرت علیؓ نے فرمایا:

”تم مجھے امیر مت بناؤ۔ میرا امیر ہونے سے وزیر رہنا بہتر ہے۔“

صحابہ نے کہا:

”خدا کی قسم! اب ایسا نہ ہوگا ہم آپ کو خلیفہ بنا کر چھوڑیں گے۔“

آپ نے فرمایا:

اگر تم نے ایسا ہی کرنا ہے تو میری بیعت مسجد میں ہوگی۔ میری بیعت مخفی نہ ہوگی اور تمام مسلمانوں کی رضامندی سے ہوگی۔

ایک اور سند کے تحت مروی ہے: کہ مہاجرین و انصار کا اجتماع ہوا اس میں طلحہ و زبیر بھی شامل تھے۔ انہوں نے کہا۔ اے ابو الحسن! آپ ہاتھ دراز کریں ہم آپ کی بیعت کرتے ہیں۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: مجھے تمہاری حکومت کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ تم جس کا بھی انتخاب کرو گے میں اس پر راضی رہوں گا، تم کسی دوسرے کا انتخاب کرو۔

صحابہ نے کہا: ہم آپ کے علاوہ کسی کا بھی انتخاب نہیں کرتے۔ الغرض صحابہ کئی بار آپ کے پاس یہ پیش کش لے کر آئے۔ مگر آپ نے ہر بار اسے مسترد کیا اور بعد میں پھر صحابہ بڑی تعداد میں جمع ہو کر آئے اور آپ سے کہا اب کافی وقت گزر چکا ہے اگر حکومت قائم نہ ہوئی تو حالات دگرگوں ہو جائیں گے اسی لیے آپ منصب خلافت کو قبول کریں۔

آپ نے فرمایا: تم کئی بار میرے پاس آئے ہو اور میں نے ہر بار تمہیں واپس کیا ہے اس کے باوجود بھی اگر تمہارا اصرار جاری ہے تو میں تم سے ایک بات کہتا ہوں اگر تمہیں وہ بات قبول ہوئی تو میں منصب خلافت قبول کر لوں گا ورنہ مجھے کوئی ضرورت نہیں۔

صحابہ نے کہا: ہمیں آپ کی ہر بات قبول ہوگی۔ چنانچہ آپ مسجد میں تشریف لائے اور منبر پر بیٹھے اور لوگوں کے اجتماع سے اس طرح گفتگو کی۔

میں تمہاری حکومت قبول کرنے پر آمادہ نہیں تھا مگر تم نے بار بار اصرار کیا کہ میں حکومت قبول کروں اور میں تم سب کی مرضی کے بغیر کوئی قدم نہیں اٹھانا چاہتا

اور ہر امر میں تمہیں ساتھ لے کر چلنا چاہتا ہوں۔ اس وقت تمہارے زمانے کی چابیاں میرے پاس ہیں۔ میں تمہارے بغیر اس میں سے ایک درہم تک نہیں سوں گا۔ کیا تم لوگ میرا ساتھ دو گے اور میری حکومت کو قبول کرو گے؟

سب نے کہا: جی ہاں! آپ نے فرمایا: خدایا گواہ رہنا۔ پھر لوگوں نے آپ کی بیعت کی۔ بلاذری کتاب الانساب ۵/۷۰ اور حاکم مستدرک ۳/۱۱۴ پر لکھتے ہیں:

حضرت علیؑ باہر نکلے اور اپنے گھر آئے لوگ دوڑ کر علیؑ کے پاس آئے اور ان میں اصحاب اور غیر اصحاب دونوں طرح کے افراد شامل تھے اور سب انہیں امیر المؤمنین کہہ رہے تھے۔ لوگ آپ کے گھر میں داخل ہوئے اور آپ سے کہا کہ ہم آپ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں آپ ہاتھ دراز کریں۔

آپ نے فرمایا: خلیفہ منتخب کرنے کا تمہیں کوئی حق نہیں ہے۔ یہ حق اہل بدر کو حاصل ہے وہ جسے چاہیں اپنا امیر منتخب کریں۔ اس وقت جتنے بھی بدری صحابی موجود تھے وہ سب اکٹھے ہو کر حضرت کے پاس آئے اور سب نے بیک زبان ہو کر کہا۔ آپ سے بڑھ کر ہمیں کوئی دوسرا منصب خلافت کے لائق دکھائی نہیں دیتا..... جب اہل بدر کا اصرار بڑھا تو آپ منبر پر تشریف لے گئے۔ سب سے پہلے طلحہ نے آپ کی بیعت کی۔ طلحہ کی ایک انگلی مثل تھی۔ حضرت علیؑ نے اس سے بدشگونئی لی اور کہا یہ کہیں بیعت توڑ نہ ڈالے۔

طبری لکھتے ہیں: جب سب سے پہلے طلحہ نے بیعت کی تو حبیب بن ذؤیب نے کہا بیعت کی ابتدا مشلول ہاتھ سے ہوئی مجھے تو یہ معاملہ یوں ہوتا دکھائی نہیں دیتا..... اس کے بعد ہم مسئلہ خلافت و امامت کے متعلق دونوں مکاتب فکر کی آراء لکھیں گے اور اس کا آغاز کتب خلافت کی آراء سے کریں گے۔





فصل دوم

امامت مکتبِ خلافت کی
نظر میں





- مکتبِ خلافت کا نظریہ اور استدلال
- مکتبِ خلافت کے پیروکاروں کی آراء
- اطاعتِ امام واجب ہے اگرچہ وہ رسولؐ کی مخالفت بھی کرتا ہو
- متاخرین پیروانِ خلافت کا استدلال
- امامت و خلافت کی اصطلاحات
- امرِ خلافت کے متعلق مدرسہٴ خلافت کی آراء کا جائزہ
- شورئ کی استدلال کی تردید
- کتاب اللہ اور سنتِ رسولؐ میں شورئ کی حیثیت کا تعین
- استدلالِ بیعت کی تردید
- عمل صحابہ سے استدلال کی تردید
- شورئ، بیعت اور عملِ اصحاب کے استدلال کی تردید
- جبر و غلبہ سے خلافت کا انعقاد درست ہے کے نظریہ کی تردید
- ظالم اور سنتِ رسولؐ کے مخالف امام کی اطاعت
- خلاصہ بحث



مکتبِ خلافت کا نظریہ اور استدلال

۱۔ حضرت ابو بکر نے فرمایا:

لن يعرف هذا الأمر الا لهذا الحي من قريش هم
اوسط العرب نسبا و دارا و قد رضيت لكم احد
هذين الرجلين (عمر و ابى عبیده) فبايعوا ايهما
شتم. (۱)

”یہ امر خلافت قریش کے علاوہ کسی دوسرے خاندان کو زیب
نہیں دیتا۔ کیونکہ نسب اور گھرانے کے لحاظ سے وہ عرب کا
ممتاز گھرانہ ہے۔ میں تمہارے لیے دو افراد (عمر اور ابو عبیدہ)
کا انتخاب کرتا ہوں ان میں سے تم جس کی چاہو بیعت کر لو۔“

۲۔ حضرت عمر نے فرمایا:

فلا يفترون امرئو ان يقول انما كانت بيعة ابى بكر
فلتة و تمت، الا وانها قد كانت كذلك. ولكن الله
و فى شرها وليس منكم من تقطع الاعناق اليه مثل
ابى بكر، من بايع رجلا غير مشورة من المسلمين
فلا يبايع هو ولا الذى بايعه تغرة ان يقتلا. (۲)

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب رجم الجہلی ۱۲۰/۳

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الحدود، باب رجم الجہلی ۱۲۰/۳

”کوئی شخص اس دھوکے میں نہ رہے اور یہ نہ کہے کہ ابوبکر کی بیعت اچانک ہوئی اور مکمل ہو گئی۔ جی ہاں! ایسا ہی تھا لیکن اللہ نے اس کے شر سے محفوظ رکھا اور تم میں ابوبکر کی طرح سے کوئی بھی شخص ایسا نہیں ہے جس کی طرف لوگوں کی گردنیں اٹھتی ہوں۔ جو شخص مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی کی بیعت کرے تو نہ تو اس بیعت کرنے والی کی بیعت کی جائے اور نہ ہی اس کی بیعت کی جائے جس نے اس کی بیعت کی ہے۔ ان دونوں کو مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ دہی کے جرم میں قتل کر دیا جائے۔“

۳۔ مکتب خلافت کے پیروکاروں کی آراء

قاضی القضاة ماوردی^(۱) المتوفی ۴۵۰ھ اپنی کتاب ”الاحکام السلطانیة“ اور امام علامۃ الزمان قاضی ابو یعلیٰ^(۲) المتوفی ۴۵۸ھ اپنی کتاب ”الاحکام السلطانیة“ میں لکھتے ہیں:

امامت دو طریقوں سے منعقد ہوتی ہے۔ (۱) اہل حل و عقد کسی کو منتخب کریں۔ ۲۔ یا امام سابق کسی کو اپنا جانشین نامزد کرے۔
اہل حل و عقد کے لیے کتنے افراد کی ضرورت ہے اس کے متعلق علماء میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ علماء کے ایک گروہ کا موقف یہ ہے:

- ۱۔ ماوردی کا نام ابو الحسن علی بن محمد بصری البغدادی ہے اور وہ مذہب شافعی کے جلیل القدر قاضی تھے۔ انھوں نے حکومت و اقتدار کے متعلق کتاب لکھی جس کا نام ”الاحکام السلطانیة“ ہے۔
- ۲۔ الاحکام السلطانیة کے مؤلف کا پورا نام شیخ ابو یعلیٰ محمد بن حسن الفراء الحسینی ہے۔ ہم نے احکام سلطنت کے لیے مذکورہ دو کتابوں پر باقی کتابوں کی بہ نسبت زیادہ انحصار کیا ہے کیونکہ یہ دونوں کتابیں آئین مملکت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ امام ابو یوسف کی کتاب الخراج کے بعد اپنی کتابوں میں آئین کی دفعات کی بہتر نشاندہی کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں ان کتابوں میں خواہ مخواہ کی مناظرہ بازی نہیں ہے جیسا کہ اس موضوع کی دوسری کتابوں میں پائی جاتی ہے۔

ملک کے تمام شہروں میں موجود اہل حل و عقد کی رضامندی کے بغیر امامت منعقد نہیں ہوتی اور جب تک کسی بھی ملک کے تمام اہل حل و عقد جمع ہو کر کسی کا انتخاب نہ کریں اس وقت تک امامت منعقد نہیں ہوتی۔

مگر ہماری نظر میں یہ موقف صحیح نہیں ہے کیونکہ حضرت ابو بکر کو حاضرین نے منتخب کیا تھا اور مدینہ سے باہر رہنے والوں سے کوئی رائے طلب نہیں کی گئی تھی۔ ایک اور گروہ کا موقف یہ ہے:

انقلابِ امامت کے لیے کم از کم پانچ اہل حل و عقد کی ضرورت ہے۔ یا ایک ایسے شخص کی تائید کی ضرورت ہے جو چار افراد کی رضامندی کی نمائندگی کر رہا ہو۔ یہ گروہ اپنے موقف کے اثبات کے لیے دو دلیلیں پیش کرتا ہے۔

(۱) حضرت ابو بکر کی بیعت پانچ افراد کے ذریعہ سے منعقد ہوئی۔ بعد میں لوگوں نے ان پانچ افراد کے انتخاب کی تائید کی تھی۔ حضرت ابو بکر کو خلیفہ بنانے والے افراد حسب ذیل تھے۔

(۱) عمر بن الخطاب۔ (۲) ابو عبیدہ بن جراح۔ (۳) اسید بن حضیر۔

(۴) بشیر بن سعد۔ (۵) سالم مولیٰ ابو حذیفہ۔

اس قول کو بصرہ کے اکثر فقہاء و متکلمین کی حمایت حاصل ہے۔

علمائے کوفہ کا نظریہ یہ ہے: خلافت تین افراد کے ذریعہ سے بھی منعقد ہو

سکتی ہے اس میں ایک امید دار خلافت اور دو اس کے گواہ ہوں گے۔ جس طرح سے نکاح دو افراد کی گواہی سے قائم ہوتا ہے اسی طرح سے امامت و خلافت بھی دو گواہوں سے منعقد ہو سکتی ہے۔

ایک اور گروہ کا موقف یہ ہے: اہل حل و عقد میں سے ایک فرد کے ذریعہ سے بھی امامت کا انعقاد جائز ہے اور اس کی دلیل یہ ہے کہ وفات رسول کے بعد حضرت عباس نے حضرت علی سے کہا تھا:

آپ ہاتھ دراز کریں میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ میری بیعت کے بعد لوگ کہیں گے کہ رسول خدا کے چچا نے رسول خدا کے ابن عم کی بیعت کر لی ہے اور پوری امت میں سے دو افراد بھی آپ کے متعلق اختلاف نہیں کریں گے۔^(۱)

حضرت عباس کی اس پیش کش سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل حل و عقد میں سے ایک شخص کے انتخاب سے بھی خلیفہ منتخب ہو سکتا ہے۔

خلافت کے انعقاد کا دوسرا طریقہ یہ ہے کہ امام سابق کسی کو اپنا جانشین نامزد کرے تو اس کی امامت بھی منعقد ہو جائے گی اور اسی پر اجماع ہے اور اس ثبوت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر نے حضرت عمر کو نامزد کیا۔ اس نامزدگی سے ان امامت و خلافت ثابت ہوتی ہے۔

حضرت عمر نے اپنی جانشینی کے لیے چھ افراد پر مشتمل شورئ تشکیل دی تھی۔ لہذا اگر نامزدگی کو ناجائز قرار دیا جائے تو حضرت عمر کی خلافت ثابت نہ ہو سکتی اور ان کی تشکیل کردہ چھ افراد کی مجلس شورئ کا جواز بھی ختم ہو جائے گا۔^(۲)

معرفت امام

مذکورہ بحث کے بعد قاضی ماوردی نے معرفت امام کے متعلق علماء اختلافات کا ذکر کیا اور آخر میں نتیجہ یہ بیان کیا کہ بعض علماء نے کہا۔

واجب علی الناس کلہم معرفة الامام بعینہ واسمہ
کما علیہم معرفة اللہ و معرفة رسوله.

”جس طرح سے خدا اور اس کے رسول کی معرفت ضروری ہے اسی طرح سے تمام انسانوں کے لیے معرفت امام بھی ضروری

۱۔ الاحکام السلطانیہ ماوردی ص ۶۔۷

۲۔ الاحکام السلطانیہ ماوردی ۱۰

ہے۔ لوگوں کے لیے امام کی شخصیت اور ان کے نام کا جاننا ضروری ہے۔

قاضی موصوف بعد میں لکھتے ہیں:

والذی علیہ جمہور الناس ان معرفة الامام تلزم
الكافة بالجملة دون التفصیل. (۱)

اکثریت کا نظریہ یہ ہے کہ معرفت امام اجمالی طور سے سب پر
واجب ہے۔ تفصیلی معرفت ضروری نہیں ہے۔

جبر و غلبہ سے امامت کا انعقاد

قاضی القضاة ابو يعلى الفراء الحنبلى نے مذکورہ دو طریقے لکھنے کے
بعد اپنی کتاب الاحکام السلطانیہ میں لکھتے ہیں کہ بعض علماء کہتے ہیں:

انها تشبت بالقهر والغلبة ولا تفتقر الى العقد.

”امامت قہر و غلبہ سے ثابت ہوتی ہے اور اس کے لیے کسی اہل
حل و عقد کے انتخاب کی ضرورت نہیں ہے۔“

پھر قاضی القضاة مزید لکھتے ہیں:

ومن غلب عليهم بالسيف حتى صار خليفة وسمى امير
المؤمنين فلا يحل لاحد يؤمن بالله واليوم الآخر ان
يبست ولا يراه اما ما برا كان او فاجرا“ فهو امير المؤمنين.

”جو شخص تلوار کے ذریعہ سے غلبہ حاصل کر کے خلیفہ بن جائے
اور اپنے آپ کو امیر المؤمنین کہلانا شروع کر دے تو خدا اور روز
قیامت پر ایمان رکھنے والے شخص کے لیے جائز نہیں ہے کہ وہ
ایک رات اس شکل میں بسر کرے کہ اسے امام نہ مانتا ہو۔ امام

خواہ نیک ہو یا بد ہو۔ وہ امیر المؤمنین ہے اور اگر کوئی طالع
 آزما امام کے خلاف خروج کرے اور اس کے ساتھ بھی لوگ
 ہوں اور امام کے ساتھ بھی لوگ ہوں تو نماز جمعہ غلبہ حاصل
 کرنے والے گروہ کے ساتھ پڑھنی چاہیے اور اس کی دلیل یہ
 ہے کہ واقعہ حرہ میں ابن عمر یزیدی لشکر کی اقتداء میں نماز
 پڑھتے تھے اور کہتے تھے ”نحن من غلب“ ہم اسی کے ساتھ
 ہیں جو غالب ہو۔“^(۱)

امام الحرمین جوینی المتوفی ۴۷۸ھ کتاب الارشاد کے باب ”الاختیار و
 وصفة و ذکر من ینعقد به الامامة“ میں لکھتے ہیں:

اعلموا انه لا یشرط فی عقد الامامة الاجماع بل
 تنعقد الامامة وان لم تجمع الامة علی عقدها
 والدلیل علیہ ان الامامة لما عقدت لابی بکر ابتدر
 لامضاء احکام المسلمین. ولم یتأن لانتشار الاخبار
 الی من نای من للصحابة فی الاقطار..... الی آخر.
 ”تمہیں معلوم ہونا چاہیے کہ امامت کے انعقاد کے لیے اجماع
 شرط نہیں ہے۔ اجماع کے بغیر بھی امامت منعقد ہو سکتی ہے اور
 اس کی دلیل یہ ہے کہ جیسے ہی حضرت ابوبکر کی امامت قائم
 ہوئی تو انہوں نے مسلمانوں کے امور انجام دینے شروع کر
 دیئے اور انہوں نے دور دراز مقامات پر رہنے والے صحابہ کی
 رائے کا انتظار نہیں کیا تھا مگر آج تک ان کے اس عمل پر کسی
 نے تنقید نہیں کی۔ امامت کے لیے اجماع کی شرط غیر ضروری

ہے اور اس کے لیے افراد کا تعین کرنا بھی بلا جواز ہے اور اجماع کی حدود مقرر کرنا بھی بے سود ہے۔ امامت کا انعقاد اہل حل و عقد میں سے ایک فرد کی بیعت سے ثابت ہے۔“^(۱)

امام ابن عربی التوفی ۵۴۳ھ لکھتے ہیں:

لا يلزم فی عقد البيعة للامام ان تكون من جميع الانام بل يكفي لعقد ذلك اثنان او واحد.^(۲)

”امام کی بیعت کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ تمام لوگ اس میں شامل ہوں اس کے لیے دو افراد یا ایک فرد بھی کافی ہے۔“

شیخ فقیہ امام علامہ محدث قرطبی التوفی ۶۷۱ھ ”انی جاعل فی الارض خلیفہ“ کی تفسیر میں اٹھارویں مسئلہ کے عنوان کے تحت لکھتے ہیں:

فان عقدها واحد من اهل الحل والعقد فذلك ثابت ويلزم الغير فعله خلافا لبعض الناس حيث قال لا تنعقد الابجماعة من اهل الحل والعقد ودليلنا ان عمر عقد البيعة لابي بكر ولم ينكر احد من الصحابة ذلك. فوجب ان لا يفتقر الى عدد يعقدونه كسائر العقود.^(۳)

”اگر اہل حل و عقد میں سے ایک شخص بھی کسی کو امام مقرر کر دے تو اس کی امامت جائز ہوگی اور اس کا فعل باقی لوگوں کے لیے حجت ہوگا اور اس سلسلہ میں ہم بعض افراد کے اس نظریہ کے

۱۔ الارشاد فی الکلام طبع قاہرہ ص ۲۲۲۔

۲۔ امام ابو بکر محمد بن عبداللہ اشجلی المعروف بابن العربی فی شرح سنن ترمذی ۳/۲۲۹۔

۳۔ کتاب جامع احکام القرآن طبع مصر ۱/۲۶۹-۲۷۲۔

مخالف ہیں جو کہتے ہیں کہ امامت کے لیے اہل حل و عقد کی ایک جماعت کا ہونا ضروری ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کو امام مقرر کیا تھا اور کسی بھی صحابی نے ان پر اعتراض نہیں کیا تھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ باقی عقود کی طرح امامت کے لیے کسی تعداد کی ضرورت نہیں ہے۔“
امام ابوالمعالی کا قول ہے:

من انعقدت له لامامة بعقد واحد فقد لزمت ولا يجوز خلعها من غير حدث و تغير امر قال وهذا مجمع عليه.

”جس شخص کی امامت ایک فرد کے ذریعہ سے منعقد ہوئی ہو تو اس کی امامت کا تسلیم کرنا ضروری ہے اور کسی تبدیلی اور حالت کے تفسیر کے بغیر اسے معزول کرنا جائز نہیں ہے۔“
امام ابوالمعالی نے کہا: اس پر اجماع ہے۔

آیت خلافت کی تفسیر میں پندرہویں مسئلہ کے عنوان سے مرقوم ہے۔
اذا انعقدت الامامة باتفاق اهل الحل والعقد او بو احد
على ماتقدم و جب على الناس كافة مبايعته. (1)

”جب کسی کی امامت اہل حل و عقد کے اتفاق سے منعقد ہو یا ایک بھی اہل حل و عقد کے ذریعہ سے قائم ہو (جیسا کہ پہلے بیان کیا گیا ہے) تو تمام لوگوں پر اس کی بیعت واجب ہوگی۔“

مکتب خلافت کے سب سے بڑے قاضی عضد الدین ابی التوفی ۷۵۶ھ

موافق میں لکھتے ہیں:

المقصد الثالث فيما ثبت به الامامة ماملخصه انها
 تثبت بالنص من الرسول ومن الامام السابق
 بالاجماع و تثبت ببيعة اهل الحل والعقد خلافا
 للشيعة. دليلنا ثبوت امامة ابي بكر بالبيعة.

وقال: اذا ثبت حصول الامامة بالاختيار والبيعة اعلم
 ان ذلك لا يفتقر الى الاجماع اذ لم يقيم عليه دليل
 من العقل او السمع بل الواحد والاثنان من اهل الحل
 والعقد كاف، لعلمنا ان الصحابة مع صلاحيتهم في
 الدين اكتفوا بذلك كعقد عمر لابي بكر و عقد
 عبدالرحمن بن عوف لعثمان ولم (يشترطوا) اجتماع
 من في المدينة فضلا عن اجماع الامة. هذا ولم ينكر
 عليهم احد و عليه انطوت الاعصار الى وقتنا هذا. (1)
 تیسرا مقصد اثبات امامت کے ذکر میں۔

اس کا خلاصہ یہ ہے کہ امامت رسول کی نص اور امام سابق کی وصیت سے
 بالاجماع ثابت ہو جاتی ہے اور اہل حل و عقد کی بیعت سے بھی ثابت ہوتی ہے۔
 ہماری دلیل حضرت ابو بکر کی بیعت ہے۔

اس کے بعد مؤلف کہتے ہیں:

جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ امامت انتخاب اور بیعت سے منعقد ہوتی ہے

تو تمہیں یہ بھی جان لینا چاہیے کہ امامت کے لیے اجماع ضروری نہیں ہے کیونکہ اس کے لیے کوئی عقلی اور سمعی دلیل موجود نہیں ہے۔ اجماع کی بجائے اہل حل و عقد میں سے ایک یا دو شخص بھی کسی کو امام بنانے کا حق رکھتے ہیں کیونکہ ہمیں یہ بات اچھی طرح سے معلوم ہے کہ صحابہ دین میں بہت پختہ تھے اس کے باوجود انہوں نے ایک شخص کے انتخاب کو ہی کافی سمجھا کیونکہ حضرت ابو بکر کا انتخاب صرف فرد واحد یعنی حضرت عمر نے کیا تھا اور اسی طرح اکیلے عبدالرحمن نے حضرت عثمان کا چناؤ کیا تھا اور انہوں نے تمام امت تو بجائے خود بلکہ اہل مدینہ کے اجتماع کی بھی شرط عائد نہیں کی تھی اور ان کے اس عمل کو کسی نے ناپسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھا اور اس وقت سے لے کر ہمارے دور تک یہی طریق کار رائج ہے۔ (اتہی کلامہ)

سید شریف جرجانی نے شرح مواقف میں اس کی تائید کی ہے۔



اطاعتِ امام واجب ہے اگرچہ وہ رسولؐ کی مخالفت بھی کرتا ہو

امام مسلم نیشاپوری نے اپنی صحیح میں حدیث کی روایت نقل کی ہے کہ رسول
خداؐ نے فرمایا:

ویكون بعدی ائمة لا یهتدون بهدای ولا یستنون
بسنتی و سيقوم فیهم رجال قلوبهم قلوب الشیاطین
فی جثمان انس. قال قلت: کیف اصنع یا رسول
اللہ ان ادركت ذلک؟ قال تسمع و تطیع للامیر
وان ضرب ظهرك و اخذ مالک فاسمع و اطع.
”میرے بعد ایسے امام ہوں گے جو میری ہدایت پر عمل نہ کریں
گے اور میری سنت کو نہیں اپنائیں گے اور عنقریب ان میں ایسے
افراد بھی ہوں گے جو شکل و صورت میں انسان دکھائی دیں گے
لیکن ان کے دل شیاطین کے ہوں گے۔“

حدیث کہتے ہیں میں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! اگر میں وہ زمانہ پاؤں تو
کیا کروں؟ آپؐ نے فرمایا: امیر کا فرمان سنو اور اطاعت کرو۔ اگرچہ وہ تمہاری پشت پر
تازیانے مارے اور تم سے تمہارا مال چھین لے پھر بھی اس کا فرمان سنو اور اطاعت کرو۔

ابن عباس کا بیان ہے کہ رسول خدا نے فرمایا:

من رأى من امامه شيئاً يكرهه فليصبر فإنه من فارق الجماعة شراً ضماً مات ميتة جاهلية.

”جو اپنے امام سے ایسا فعل دیکھے جو اسے ناپسند ہو تو اسے صبر کرنا چاہیے کیونکہ جو شخص بالشت برابر بھی جماعت سے جدا ہو کر مرا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔“

ایک اور حدیث میں یوں مرقوم ہے:

ليس احد خرج من السلطان شبرا ضماً عليه مات ميتة جاهلية.

”جو شخص بھی حکمران سے ایک بالشت جدا ہوا اور اس حالت میں مر گیا تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔“

واقعہ حرہ کے وقت عبداللہ بن عمر نے اپنے بہی خواہوں اور اہل خاندان کو

جمع کر کے کہا تھا:

من خلع يدا من طاعة لقي الله يوم القيامة لاجحة له

ومن مات و ليس في عنقه بيعة مات ميتة جاهلية. (۱)

”جس نے حاکم کی اطاعت سے ہاتھ کھینچا تو وہ قیامت کے دن

خدا کے حضور اس طرح سے پیش ہوگا کہ اس کے پاس اپنے لیے

کوئی دلیل و حجت نہیں ہوگی اور جو شخص اس حالت میں مرا کہ

اس کی گردن میں کسی کی بیعت نہ ہو تو وہ جاہلیت کی موت مرا۔“

امام نووی شرح صحیح مسلم میں لکھتے ہیں۔“

آئمہ یعنی صاحبان اقتدار پر خروج کرنا اور ان سے جنگ کرنا اجماع مسلمین

کے مطابق حرام ہے۔ اگرچہ وہ ظالم اور فاسق کیوں نہ ہو اسی مفہوم کو بہت سی احادیث میں بیان کیا گیا ہے اور اہل سنت کا اجماع ہے کہ فسق و فجور کی وجہ سے حاکم کو معزول نہیں کیا جاسکتا۔

اہل سنت کے جمہور فقہاء و محدثین اور معتکفین کا قول ہے کہ حاکم فسق و ظلم اور حقوق کے معطل کرنے کی وجہ سے معزول نہیں ہوگا اور اسے اقتدار سے جدا نہیں کیا جائے گا اور اس کے خلاف خروج جائز نہیں ہے۔ احادیث میں ہے کہ ایسے حاکم کو وعظ و نصیحت کی جائے۔ (شرح صحیح مسلم و سنن بیہقی ۸-۱۵۸-۱۵۹ طبع قاہرہ)

قاضی ابوبکر محمد بن طیب باقلانی المتوفی ۴۰۳ھ کتاب التنبیہ میں امام کی معزولی کے باب میں لکھتے ہیں:

جمہور اہل اثبات اور اصحاب حدیث نے کہا: امام کو اس کے فسق و ظلم اور غصب اموال اور ناحق قتل اور حقوق کے ضیاع اور حدود کو معطل کرنے کی وجہ سے منصبِ امامت سے ہٹانا جائز نہیں ہے۔ اور اس کے خلاف خروج حرام ہے۔ البتہ اسے وعظ و نصیحت کرنی چاہیے۔ اس سلسلہ کی بہت سی حدیثیں رسول خدا سے مروی ہیں۔ رسول خدا کا فرمان ہے تم حاکم کا فرمان سنو اور اطاعت کرو اگرچہ تمہارا حاکم کان کٹا حبشی ہی کیوں نہ ہو اور تم ہر نیک اور بد کے پیچھے نماز پڑھو۔ ایک روایت میں مذکور ہے کہ آنحضرت نے فرمایا:

”اپنے آئمہ کی اطاعت کر گرچہ وہ تیرا مال کھائیں اور تیری پشت پر تازیانے ماریں۔“



متاخرین پیروانِ خلافت کا استدلال

بعد میں آنے والے مکتب خلافت سے وابستہ افراد اپنی خلافت و امامت کے متعلق دعویٰ کرتے ہیں کہ وہ شوریٰ کی بنیادوں پر قائم تھی اور اس مکتب کے مفکرین کی آج بھی یہ رائے ہے کہ اسلامی حکومت بیعت کی بنیاد پر قائم کی جاسکتی ہے جس کی دو چار مسلمان بیعت کر لیں وہ اسلامی حاکم بن جاتا ہے اور تمام مسلمانوں پر اس کی اطاعت واجب ہو جاتی ہے۔

یہاں تک آپ نے مکتب خلافت کے نظریات اور ان کے دلائل کا مطالعہ کیا۔ ان دلائل پر تنقید و تبصرہ سے پہلے ہم مسئلہ امامت و خلافت میں استعمال ہونے والی اصطلاحات کی تشریح کرنا چاہتے ہیں۔



امامت و خلافت کی اصطلاحات

امامت و خلافت کی بحث کو سمجھنے کے لیے مندرجہ ذیل سات اصطلاحات کا

سمجھنا ضروری ہے۔

- (۱) شورئ
- (۲) بیعت
- (۳) خلیفہ اور خلیفۃ اللہ فی الارض
- (۴) امیر المؤمنین
- (۵) امام
- (۶) امر اور اولی الامر
- (۷) وصی اور وصیت

درج بالا اصطلاحات کی تعریف حسب ذیل ہے:

۱۔ شورئ

تساویر مشاورت اور مشورہ کے معنی ہیں کسی دوسرے سے رابطہ کر کے اس

کی رائے کو معلوم کرنا۔

”شَاوَرَهُ“ کا معنی ہے کہ اس نے دوسرے سے اس کی رائے طلب کی۔

”أَشَارَ عَلَيْهِ بِالرَّأْيِ“ کا معنی ہے کہ اس نے اپنی رائے پیش کی۔

قرآن مجید کی آیت ہے (وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ) الشوریٰ / ۳۸۔ یعنی وہ

اپنے باہمی معاملات کو شورئ سے طے کرتے ہیں۔

(مفردات راغب مادة ”شور“ لسان العرب: ۳۳۱، نفاذ القرآن الکریم)

قرآن مجید حدیث نبوی اور اصطلاح مسلمین میں اس کے لغوی معانی میں کوئی تبدیلی واقع نہیں ہوئی۔ البتہ شوریٰ اور مشاورت کے موارد عنقریب بیان کیے جائیں گے۔

۲۔ بیعت اور اس کا لغوی مفہوم

لغت عرب میں بیعت کا معنی ہے بیع قبول کرنے کے لیے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا۔ ”صفق یدہ بالبیعة والبیع و علی یدہ صفقا“ کا معنی ہے بیع کرنے کے لیے ہاتھ پر ہاتھ رکھنا۔

عہد و حلف

عرب مختلف طور طریقوں سے ایک دوسرے سے عہد و پیمانہ کرتے تھے۔ تاریخ میں اس کی ایک مثال اس عہد و پیمانہ کی ملتی ہے جو بنی عبدمناف نے بنی عبدالدار کے خلاف کیا تھا۔

ابن اسحاق روایت کرتے ہیں: عبدمناف کی اولاد نے ایک برتن میں خوشبو رکھ دی اور اس برتن کو کعبہ کے نزدیک مسجد میں رکھا۔ پھر انہوں نے اس برتن میں اپنے ہاتھ ڈبوئے اور وعدہ کیا کہ وہ حجاب اور سقایت کا عہدہ بنی عبدالدار کے پاس نہیں رہنے دیں گے۔

پھر انہوں نے اپنے خوشبو والے ہاتھ کعبہ سے مس کیے۔ اس عہد و پیمانہ کی وجہ سے انھیں ”مطمینین“ کہا گیا۔ (سیرت ابن ہشام ۱/۱۴۱-۱۴۳)

اسی طرح کا ایک اور عہد و پیمانہ اس وقت ہوا جب کعبہ کی تعمیر نو ہو رہی تھی اور بنیادیں مقام رکن تک پہنچ گئیں تو ہر قبیلہ نے اس خواہش کا اظہار کیا کہ وہ تن تنہا دیوار کعبہ اٹھائے اور اس عمل میں کوئی دوسرا قبیلہ اس کے ساتھ شریک نہ ہو اختلاف نے اتنا طول کھینچا کہ نوبت جنگ تک آ پہنچی۔ کشیدہ حالات دیکھ کر بنی

عبدالدارخون سے بھرا ہوا ایک برتن لائے اور انہوں نے اور بنی عدی نے باہمی عہد و پیمان کیا اور خون میں ہاتھ ڈبوئے۔ اس واقعہ کے بعد انھیں ”لعة الدم“ کے نام سے یاد کیا جانے لگا۔ (سیرت ابن ہشام ۱/۲۳۱۔)

بیعت وِراسلام

بیعت قبول کرنے کے لیے ہاتھ پر ہاتھ رکھنے کو عربی زبان میں بیعت سے تعبیر کیا جاتا ہے اور اسلام میں بیعت کا مفہوم یہ ہے کہ بیعت کرنے والا بیعت لینے والے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر یہ عہد کرتا ہے کہ وہ اس کی اطاعت کرے گا اور ”بَايَعَهُ عَلَيْهِ مُبَايَعَةً“ کا معنی ہے کہ اس نے اس سے معاہدہ کیا۔

قرآن مجید میں ہے:

إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ
أَيْدِيهِمْ فَمَنْ نَكَثَ فَإِنَّمَا يَنْكُثُ عَلَىٰ نَفْسِهِ وَمَنْ أَوْفَىٰ
بِمَا عٰهَدَ عَلَيْهِ اللَّهُ فَسَيُؤْتِيهِ أَجْرًا عَظِيمًا. (الفتح: ۱۰)

”بے شک جو لوگ آپ کی بیعت کرتے ہیں وہ خدا کی بیعت کرتے ہیں ان کے ہاتھوں کے اوپر خدا کا ہاتھ ہے جس نے بیعت توڑی تو وہ اپنا نقصان کرے گا اور جو خدا سے کیا ہوا معاہدہ پورا کرے گا تو عنقریب خدا اسے اجرِ عظیم عطا کرے گا۔“

رسول خدا کی زندگی میں ہمیں بیعت کے تین مواقع دکھائی دیتے ہیں۔

الف: بیعت عقبہ اولیٰ

اسلام میں پہلی بیعت کو بیعت عقبہ اولیٰ کہا جاتا ہے۔ اس بیعت کی تفصیل بیان کرتے ہوئے عبادہ بن صامت نے کہا: ہم نے رسول خدا کی بیعت

کی اور اس بیعت کے لیے رسول خداؐ نے ہم سے وہی شرائط بیان کیں جو عورتوں کی بیعت کے وقت بیان کی جاتی تھیں۔ یہ بیعت جنگ کے وجوب سے پہلے ہوئی اور اس بیعت کی شرائط یہ تھیں:

- (۱) ہم خدا کے ساتھ شرک نہیں کریں گے۔
- (۲) ہم چوری نہیں کریں گے۔
- (۳) ہم زنا نہیں کریں گے۔
- (۴) ہم اپنی اولاد کو اپنے ہاتھوں سے قتل نہیں کریں گے۔
- (۵) ہم کسی پر بہتان تراشی نہیں کریں گے۔
- (۶) کسی نیک کام میں آنحضرتؐ کی نافرمانی نہیں کریں گے۔

پھر آپ نے فرمایا:

اگر تم نے ان شرائط پر پورا پورا عمل کیا تو تمہیں جنت ملے گی اور اگر تم نے ان میں سے بعض شرائط کی خلاف ورزی کی تو تم پر حد شرعی جاری کی جائے گی اور یہ حد شرعی گناہ کا کفارہ ہوگی۔ اگر تم نے اپنے گناہ کو پوشیدہ رکھا تو حد شرعی سے بچ جاؤ گے اور تمہارا حساب خدا کے ذمہ ہوگا۔ وہ چاہے تو عذاب دے اور اگر چاہے تو معاف کر دے۔ تاریخ میں اس بیعت کو بیعت عقبہ اولیٰ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

ب: بیعتِ عقبہ ثانیہ

اس بیعت کی تفصیل بتاتے ہوئے کعب بن مالک نے کہا: ہم مدینہ سے حج کے لیے نکلے اور ہم نے رسول خداؐ سے عقبہ میں ملاقات کرنے کا وعدہ کیا تھا اور لئے ہم تہائی رات گزرنے کے بعد چھپتے چھپاتے عقبہ کے قریب گھاٹی میں پہنچے۔

ہماری تعداد تہتر مردوں اور دو عورتوں پر مشتمل تھی۔ رسول خدا ہمارے پاس تشریف لائے اور آپ کے چچا عباس بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ رسول خدا نے گفتگو کی اور قرآن مجید کی تلاوت کی اور ہمیں توحید اور اسلام کی دعوت دی۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا: میں تم سے اس شرط پر بیعت لیتا ہوں کہ تم میری ہر اس چیز سے حفاظت کرو گے جس سے اپنی عورتوں اور بچوں کی حفاظت کرتے ہو۔

براء بن معرور نے آپ کا ہاتھ پکڑ کر کہا: جی ہاں! ہمیں آپ کی یہ شرط منظور ہے۔ ہم آپ کو ہر اس چیز سے محفوظ رکھیں گے جس سے ہم اپنی عورتوں کو محفوظ رکھتے ہیں۔ آپ ہم سے بیعت لیں۔ خدا کی قسم! ہم جنگجو لوگ ہیں..... ابو الہیثم بن تیہان نے کہا: یا رسول اللہ! کہیں ایسا نہ ہو کہ آپ کی آمد کی وجہ سے یہودیوں سے ہمارے تعلقات منقطع ہو جائیں اور اللہ آپ کو فتح و کامرانی عطا کر دے تو آپ ہمیں چھوڑ کر واپس مکہ چلے جائیں۔ رسول خدا نے فرمایا: نہیں ایسا نہ ہو گا تمہارا خون میرا خون اور تمہاری حرمت میری حرمت ہوگی۔

رسول خدا نے فرمایا: تم بارہ افراد کا انتخاب کرو تا کہ وہ اپنی قوم پر نقیب ہوں۔ پھر اہل یثرب نے بارہ افراد کا انتخاب کیا جن میں سے نو کا تعلق خزرج سے تھا اور تین کا تعلق اوس سے تھا۔

رسول خدا نے ان بارہ افراد سے فرمایا:

تم اپنی قوم کے کفیل ہو جیسا کہ حضرت عیسیٰؑ کے خواری ان کی امت کے کفیل تھے اور میں تمام مسلمانوں کا کفیل ہوں۔

انہوں نے کہا جی ہاں یا رسول اللہ! ایسا ہی ہوگا۔

مورخین کا اس بارے میں اختلاف ہے کہ آنحضرت کے ہاتھ پر پہلے کسی نے بیعت کی تھی بعض مورخین کے نزدیک سعد بن زرارہ نے بیعت کی تھی اور بعض مورخین کے مطابق سب سے پہلے ابوالہیثم بن تیہان نے بیعت کی تھی۔

(سیرت ابن ہشام ۲/۲۷۷-۵۶۔)

ج: بیعتِ رضوان

ہجرت کے ساتویں سال رسول خداؐ اپنے صحابہ سمیت عمرہ کے لیے روانہ ہوئے۔ آپ کے ساتھ تیرہ سویا سولہ صحابی تھے اور آپ کے پاس ستر قربانی کے جانور تھے۔ اس سفر میں آپ زیادہ ہتھیار لے کر نہیں گئے تھے اور آپ نے فرمایا کہ میں ہتھیار لے کر نہیں جانا چاہتا کیونکہ میں عمرہ کی غرض سے جا رہا ہوں۔ آپ نے ذی الحلیفہ کے مقام سے احرام باندھا اور مکہ کی طرف چل پڑے ابھی آپ مکہ سے نو میل دور حدیبیہ کے مقام پر پہنچے تھے تو آپ کو معلوم ہوا کہ کفار مکہ جنگ پر آمادہ ہیں اور وہ کسی بھی قیمت پر آپ کو مکہ میں داخل نہیں ہونے دیں گے۔

آپ نے صحابہ سے فرمایا کہ تم میری بیعت کرو۔ چنانچہ ایک درخت کے نیچے آپ نے صحابہ سے بیعت لی اور صحابہ نے اس بات پر بیعت کی کہ جنگ کی صورت میں فرار نہیں کریں گے۔ ایک اور روایت کے مطابق آپ نے موت پر بیعت لی تھی۔

بعد ازاں قریش نے مذاکرات کے لیے اپنا وفد روانہ کیا اور کافی بحث و تجویس کے بعد فریقین میں مصالحت ہو گئی اور اس صلح کو صلح حدیبیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ (امتاع الاسماع مقررہ ص ۲۷۴-۲۹۱۔)

اس بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ رسول خداؐ نے تین بار بیعت لی تھی۔

- (۱) آپ نے اسلام قبول کرنے کے لیے پہلی بیعت لی تھی۔
 (۲) آپ نے دوسری بیعت اسلامی حکومت کے قیام کے لیے لی تھی۔
 (۳) آپ نے تیسری بیعت جہاد میں ثابت قدم رہنے کے لیے لی تھی۔
 یہ تیسری بیعت دراصل دوسری بیعت کی تجدید تھی کیونکہ رسول خدا اپنے اصحاب کو عمرہ کرنے کے لیے لے گئے تھے اور عمرہ کی بجائے جنگ کا خطرہ پیدا ہو گیا تو جس مقصد کے لیے آپ انہیں ساتھ لے کر آئے تھے وہ مقصد بدل گیا تھا۔ اسی لیے آپ نے ان سے نئے کام کے لیے بیعت کی ضرورت محسوس کی۔ اس بیعت کی وجہ سے اہل مکہ خوف زدہ ہو گئے اور انہیں چار و ناچار صلح کرنا پڑی۔
 اس بحث کا اختتام ہم ایسی چھ احادیث سے کرنا چاہتے ہیں جن کا تعلق بیعت اور اطاعت امام سے ہے۔

۱۔ ابن عمر نے روایت کی:

كنا نبايع رسول الله (ص) على السمع والطاعة ثم
 يقول لنا "فيما استطعت".

"ہم رسول خدا کی بیعت سمع و طاعت پر کیا کرتے تھے۔ پھر
 آپ ہمیں کہتے تھے کہ جتنی تمہیں استطاعت ہو۔" (۱)
 "یعنی بیعت اس شرط پر ہوتی ہے کہ بیعت کرنے والا معاہدہ کرتا تھا
 کہ میں مقدور بھر آپ کا فرمان سنوں گا اور اس پر عمل کروں گا۔"

۲۔ ایک روایت جو کہ حضرت علیؑ سے مروی ہے اس میں "ما استطعتم" کے
 الفاظ وارد ہیں یعنی تم مقدور بھر سمع و طاعت کرو گے۔ (۲)

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب البيعة، حدیث ۵۔ صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب البيعة
 علی السمع والطاعة فيما استطاع، حدیث ۹۰۔ سنن نسائی، کتاب البيعة، باب البيعة فيما
 يستطيع الانسان۔

۲۔ سنن الترمذی، کتاب البيعة، باب البيعة في ما يستطيع الانسان۔

۳۔ جریر کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آنحضرت نے کہا ”قل فیما استطعت“

کہہ کہ میں اپنی استطاعت کے مطابق سمع و طاعت کروں گا۔^(۱)

۴۔ ہر ماس بن زیاد کا بیان ہے کہ میں نے اپنے بچپن میں بیعت کے لیے

ہاتھ بڑھایا تو رسول خدا نے مجھ سے بیعت نہ لی۔^(۲)

ابن عمر راوی ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا:

على المرء المسلم السمع والطاعة فيما احب

وكره الا ان يومر بمعصية فاذا بمعصية فلا سمع ولا

طاعة. ^(۳)

”پسند اور ناپسند دونوں حالتوں میں مرد مسلم پر سمع و اطاعت

واجب ہے سوائے اس کے کہ اسے معصیت خداوندی کا حکم دیا

جائے اور جب امیر معصیت کا حکم دے تو اس وقت سمع و

اطاعت واجب نہیں ہے۔“

۵۔ ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا:

سيلي امور کم بعدی رجال يطفنون السنة و يعملون

بالبدعة و يؤخرون الصلاة عن مواقيتها فقلت يا

رسول الله ان ادرکتهم كيف افعل؟ قال تسأ لني يا

۱۔ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب البيعة، حدیث ۵۔

۲۔ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب بيعة الصغير. سنن نسائی، کتاب البيعة، باب بيعة الغلام۔

۳۔ صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب السمع والطاعة للامام مالم تكن معصية حدیث ۳۔

صحیح مسلم، کتاب الامارة، باب وجوب طاعة الاما ”فی غیر معصية حدیث ۱۸۳۹۔

سنن ابن ماجہ، کتاب الجهاد، باب الطاعة فی معصية الله حدیث ۲۸۶۳۔ سنن

التسائی، کتاب البيعة، باب جزاء من امر بمعصية. مسند احمد ۲/۱۴۲/۱۴۲۔

بن ام عبد کیف تفعل؟ لا طاعة لمن عصی اللہ. (۱)
 ”میرے بعد تمہارے امور کے مالک وہ لوگ نہیں گے جو سنت
 کو بھائیں گے اور بدعت پر عمل کریں گے اور نماز کو اوقات پر
 ادا نہیں کریں گے۔“

میں نے کہا: یا رسول اللہ! اگر مجھے ان کا زمانہ دیکھنا پڑ جائے تو مجھے کیا کرنا چاہیے؟
 آپ نے فرمایا: ام عبد کے فرزند! یہ بات مجھ سے پوچھ رہا ہے کہ تجھے کیا
 کرنا چاہیے؟ جو خدا کی نافرمانی کرے اس کی کوئی اطاعت نہیں ہے۔

۶۔ عبادہ بن صامت سے ایک طویل حدیث مروی ہے جس کے آخر میں یہ
 الفاظ ہیں:

فلا طاعة لمن عصی اللہ تبارک و تعالیٰ (۲)

”جو اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کرے اس کی اطاعت ضروری نہیں ہے۔“

مسئلہ بیعت کی بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیعت کے تین ارکان ہیں۔

۱۔ بیعت کرنے والا۔ ۲۔ بیعت لینے والا۔ ۳۔ وہ امر جس کے لیے بیعت
 کی جا رہی ہے۔ ان تین ارکان بیعت کے بعد بیعت کرنے والا بیعت لینے والے
 کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہے اس کا طریقہ سنت پیغمبر میں موجود ہے۔

لفظ بیعت کا تعلق اصطلاحات شرعیہ سے ہے۔ ہمارے دور کے اکثر افراد
 کو بیعت کے متعلق کچھ زیادہ معلومات حاصل نہیں ہیں اسی لیے ہم کہتے ہیں کہ
 اسلام میں بیعت منعقد ہونے کی تین شرائط ہیں:

(۱) بیعت کرنے والا بیعت کے قابل ہو اور وہ اپنی رضا و رغبت سے بیعت کرے۔

۱۔ سنن ابن ماجہ ۲/۹۵۶ حدیث ۲۸۶۵۔ مسند احمد ۱/۲۰۰۔ لیس طاعة لمن عصی اللہ

۲۔ مسند احمد ۵/۳۲۵۔

(۲) جس کی بیعت کی جارہی ہو اس کی بیعت صحیح ہو۔

(۳) بیعت کسی جائز کام کے لیے لی جائے۔

اس بحث سے معلوم ہوتا ہے کہ نابالغ اور پاگل کی بیعت درست نہیں ہے کیونکہ وہ غیر مکلف ہیں۔ جبر سے بیعت لینا بھی ناجائز ہے کیونکہ بیعت بیعت کی مانند ہے جس طرح سے اجباری بیعت حرام ہے اسی طرح سے جبری بیعت اور تلوار کے سائے میں لی جانے والی بیعت بھی ناجائز ہے۔

جو شخص علانیہ فسق و فجور کرتا ہو اس کی بیعت بھی صحیح نہیں ہے اور خلاف شریعت کام کے لیے بھی بیعت لینا اور بیعت کرنا ناجائز ہے۔

بہر نوع بیعت ایک مخصوص اسلامی اصطلاح ہے اور شریعت اسلام میں اس کے احکام مذکور ہیں۔

۳۔ خلیفہ اور خلیفۃ اللہ فی الارض

الف: خلیفہ اور خلافت

لغت عرب میں خلافت دوسرے کی نیابت کو کہا جاتا ہے۔^(۱)

اور خلیفہ کسی کے جانشین اور قائم مقام کو کہا جاتا ہے۔^(۲)

اور قرآن مجید کی ان آیات میں لفظ خلیفہ اسی مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔

۱۔ سورہ اعراف میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

(۱) **وَ اذْکُرُوْا اِذْ جَعَلْنٰکُمْ خُلَفَآءَ مِنْۢ بَعْدِ قَوْمِ نُوْحٍ**. (۶۹)

”اور یاد کرو اس نے تمہیں قوم نوح کے بعد زمین میں جانشین

بنایا ہے۔“

۱۔ مفردات راغب مادہ (خلف)

۲۔ نہایۃ اللغۃ ابن اثیر۔ لسان العرب مادہ (خلف)

۲. وَأَذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ عَادٍ. (۷۴)
 ”اور اس وقت کو یاد کرو جب اس نے تم کو قوم عاد کے بعد
 جانشین بنایا۔“

۳. فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ وَرِثُوا الْكِتَابَ. (۱۶۹)
 ”اس کے بعد ان میں ایک نسل پیدا ہوئی جو کتاب کی وارث بنی۔“
 ب۔ سورہ مریم میں ارشاد و قدرت ہے:

فَخَلَفَ مِنْ بَعْدِهِمْ خَلْفٌ أَضَاعُوا الصَّلَاةَ..... (۵۹)
 ”پھر اس کے بعد ان کی جگہ پر وہ لوگ آئے جنہوں نے نماز کو
 ضائع کر دیا۔“

ج۔ سورہ انعام میں ارشاد فرمایا:

إِنْ يَشَأْ يُذْهِبْكُمْ وَيَسْتَخْلِفْ مِنْ بَعْدِكُمْ مَا يَشَاءُ. (۱۳۲)
 ”اگر وہ چاہے تو تم سب کو دنیا سے اٹھالے اور تمہاری جگہ پر
 جس قوم کو چاہے لے آئے۔“

قرآن مجید میں اس مفہوم کی اور بھی بہت سی آیات موجود ہیں۔ حدیث
 نبوی میں بھی لفظ خلیفہ اور خلفاء جانشین کے معانی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ پیغمبر
 خدا نے فرمایا:

اللهم ارحم خلفائي، اللهم ارحم خلفائي، اللهم
 ارحم خلفائي.

خدایا میرے خلفاء پر رحم فرما، خدایا میرے خلفاء پر رحم فرما، خدایا
 میرے خلفاء پر رحم فرما۔

آپ سے پوچھا گیا: آپ کے خلفاء کون ہیں؟

آپ نے فرمایا:

الذین یأتون من بعدی یروون حدیثی و سنتی. (۱)

”میرے خلفاء وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور میری

حدیث اور میری سنت کی روایت کریں گے۔“

دور صحابہ میں بھی لفظ خلیفہ اپنے لغوی اور لفظی معنی ہی میں استعمال ہوتا رہا

جیسا کہ:-

(۱) خلیفہ اول کے عہد کے متعلق ابن اثیر نہایت اللغۃ میں لکھتے ہیں:

ایک اعرابی حضرت ابوبکر کے پاس آیا اور ان سے کہا کیا آپ رسول خدا

کے خلیفہ ہیں؟

حضرت ابوبکر نے کہا: نہیں۔

اعرابی نے کہا: پھر آپ کیا ہیں؟

انہوں نے کہا: انا الخالفة من بعده.

نہیں میں خلیفہ نہیں بلکہ ان کے بعد ”خالفة“ ہوں۔

ابن اثیر لکھتے ہیں: ”خالفة“ اس چیز کو کہا جاتا ہے جس میں کوئی فائدہ اور

بھلائی نہ ہو۔ حضرت ابوبکر نے ازراہ توضیح اپنے آپ کو ”خالفة“ کہا تھا۔

(لسان العرب بحوالہ ابن اثیر)

۲۔ خلیفہ ثانی کے عہد کے متعلق سیوطی تاریخ الخلفاء میں لکھتے ہیں:

”ان کے حالات اور فیصلوں کی فصل“

عسکری نے الاوائل، طبرانی نے الکبیر اور حاکم نے مستدرک میں لکھا۔

یک مرتبہ عمر بن عبدالعزیز نے ابوبکر بن سلیمان بن ابی حمہ سے پوچھا کہ

یہ بتاؤ حضرت ابوبکر جب کوئی تحریری فرمان جاری کرتے تو وہ (من خلیفة رسول

۱۔ اس حدیث کے مصادر پر جلد دوم میں تفصیلی گفتگو کی جائے گی۔

اللہ) یعنی خلیفہ رسول کی طرف سے لکھا کرتے تھے اور جب حضرت عمر کوئی تحریری فرمان جاری کرتے تو وہ ”من خلیفۃ ابی بکر“ یعنی ابو بکر کے جانشین کی طرف سے لکھا کرتے تھے۔ سب سے پہلے ”من امیر المومنین“ امیر المومنین کی طرف سے ایسے کے الفاظ کس نے استعمال کیے؟ ابو بکر بن سلیمان نے کہا: مجھ سے ”شفاء“ نے بیان کیا اور وہ مہاجر خاتون تھیں، جب حضرت ابو بکر کوئی تحریری فرمان جاری کرتے تو سرنامہ پر لکھتے ”من خلیفۃ رسول اللہ“ اور جب عمر خلیفہ بنے تو وہ یہ عبارت لکھا کرتے تھے ”من خلیفۃ خلیفۃ رسول اللہ“ یعنی جانشین رسول کے جانشین کی طرف سے، لیکن وہ اس تحریر پر خود بھی مطمئن نہیں تھے۔ انہوں نے اپنے عامل عراق کی طرف خط لکھا کہ وہ دو عقل مند اشخاص کو ان کے پاس بھیجے جن سے عراق کے حالات معلوم ہو سکیں۔ عامل عراق نے لبید بن ربیعہ اور عدی بن حاتم کو بھیجا۔ جب وہ مدینہ آئے اور مسجد نبوی میں پہنچے تو ان کی ملاقات عمرو بن العاص سے ہوئی اور انہوں نے اس سے کہا: ”امیر المومنین سے ہمارے لیے اجازت حاصل کرو“ امیر المومنین کا لفظ سن کر عمرو بن العاص بہت خوش ہوا اور کہا تم نے ان کے لیے بہترین لفظ کا انتخاب کیا ہے۔

عمرو حضرت عمر کے پاس گیا اور کہا ”السلام علیک یا امیر المومنین“ حضرت عمر نے کہا: تو نے یہ نام کہاں سے تلاش کر لیا ہے؟

عمرو نے انہیں واقعہ کی اطلاع دی اور کہا ہم مومن ہیں اور آپ ہمارے امیر ہیں۔ اس دن کے بعد حکمرانوں کے لیے لفظ امیر المومنین رائج ہوا۔^(۱)
نودی اپنی کتاب تہذیب میں لکھتے ہیں:

حضرت عمر نے لوگوں سے کہا: تم مومن ہو اور میں تمہارا امیر ہوں۔ اسی لیے ان کا نام امیر المومنین رکھا گیا۔ ورنہ اس لفظ سے پہلے انہیں ”خلیفۃ خلیفۃ رسول اللہ“ کہا جاتا تھا۔

لفظ امیر المومنین رائج ہوتے ہی لوگوں نے سابقہ الفاظ چھوڑ دیے کیونکہ وہ کافی طویل تھے۔

ب۔ خلیفۃ اللہ فی الارض

۱۔ اسلامی اصطلاح میں

اسلامی اصطلاح میں ”خلیفۃ اللہ فی الارض“ کا لفظ اس کے لیے بولا جاتا ہے جسے خدا نے لوگوں میں سے چن لیا ہو اور اسے لوگوں کا امام اور حاکم بنایا ہو۔

سورۃ البقرہ میں یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے:

وَإِذْ قَالَ رَبُّكَ لِلْمَلَائِكَةِ إِنِّي جَاعِلٌ فِي الْأَرْضِ
خَلِيفَةً..... (۳۰)

”اور اس وقت کو یاد کرو جب تیرے رب نے ملائکہ سے کہا کہ
میں زمین میں خلیفہ بنا رہا ہوں۔“

اس آیت کی تفسیر میں دو قول ہیں:

(۱) اللہ تعالیٰ نے حضرت آدمؑ کو زمین پر خلیفہ بنایا۔

(۲) اللہ تعالیٰ نے نوع انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ بنایا۔

ہم سمجھتے ہیں کہ یہ دوسری تاویل صحیح نہیں ہے کیونکہ یہ آیت کے ظاہر
الفاظ کے مطابق نہیں ہے اور اگر یہی مفہوم مراد لیا جائے تو پھر قرآن مجید کی
آیت کے متعلق کیا کہا جائے گا۔

يَا دَاوُدُ إِنَّا جَعَلْنَاكَ خَلِيفَةً فِي الْأَرْضِ: (ص: ۲۶)

”اے داؤد! بے شک ہم نے تجھے زمین میں خلیفہ بنایا۔“

اگر پہلی آیت کا مفہوم یہ لیا جائے کہ اللہ نے نوع انسان کو خلیفہ بنایا ہے تو داؤد کی خلافت کا مقصد کیا رہ جائے گا کیونکہ نوع انسان کی خلافت داؤد سے پہلے بھی تھی۔

داؤد کے زمانہ میں بھی تھی اور داؤد کے بعد بھی قائم رہے گی اور اس صورت میں خلافت داؤد کا اعلان لغو قرار پائے گا۔ اسی لیے ہمیں یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام نوع انسان کو زمین پر اپنا خلیفہ نہیں بنایا صرف آدم علیہ السلام کو ہی اللہ نے یہ شرف عطا کیا تھا۔

جس طرح سے خلافت داؤد کے اعلان سے اولاد داؤد کی خلافت ثابت نہیں ہوتی اسی طرح سے خلافت آدم کے اعلان سے بھی تمام اولاد آدم کی خلافت ثابت نہیں ہوتی۔ آئمہ اہل بیت کی روایات میں بھی یہ لفظ انہی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔

اللہ کے مقرر کردہ خلفاء لوگوں کے امام ہوتے ہیں اللہ تعالیٰ نے اپنے خلفاء فی الارض کو لوگوں کا رہنما مقرر کیا اور انہیں کتاب و نبوت عطا فرمائی۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ لوطؑ اسحاقؑ اور یعقوبؑ کے متعلق خبر دیتے ہوئے سورہ الانبیاء میں ارشاد فرمایا:

وَنَجَّيْنَاهُ وَلُوطًا إِلَى الْأَرْضِ الَّتِي بَرَكْنَا فِيهَا لِلْعَالَمِينَ.
 وَوَهَبْنَا لَهُ إِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ نَافِلَةً وَكُلًّا جَعَلْنَا صَالِحِينَ وَجَعَلْنَاهُمْ أُمَّةً يَهْتَدُونَ بِأَمْرِنَا وَأَوْحَيْنَا إِلَيْهِمْ
 فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَإِقَامَ الصَّلَاةِ وَإِيتَاءَ الزَّكَاةِ وَكَانُوا لَنَا
 عِبْدِينَ. (۷۳.۷۲.۷۱)

”ہم نے ابراہیمؑ اور لوطؑ کو نجات دے کر اس سرزمین کی طرف لے آئے جس میں عالمین کے لیے برکت کا سامان

موجود تھا۔ اور پھر ابراہیم کو اسحاق اور ان کے بعد یعقوب عطا کیے اور سب کو صالح اور نیک کردار قرار دیا اور ہم نے ان کو پیشوا قرار دیا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے اور ان کی طرف کارخیر کرنے، نماز قائم کرنے اور زکوٰۃ ادا کرنے کی وحی کی۔ یہ سب کے سب ہمارے عبادت گزار بندے تھے۔“

اللہ تعالیٰ نے سورہ الانعام میں ارشاد فرمایا:

وَتِلْكَ حُجَّتُنَا آتَيْنَاهَا هَا اِبْرَاهِيْمَ عَلٰى قَوْمِهٖ نَرْفَعُ
 دَرَجٰتٍ مِّنْ نَّشَآءٍ اِنَّ رَبَّكَ حَكِيْمٌ عَلِيْمٌ وَوَهَبْنٰلَهٗ
 اِسْحٰقَ وَ يٰعَقُوْبَ كُلًّا هَدَيْنَا وَنُوْحًا هَدَيْنَا مِنْ قَبْلُ
 وَمِنْ ذُرِّيَّتِهٖ دَاوُدَ وَ سُلَيْمٰنَ وَ اَيُّوْبَ وَ يُوْسُفَ وَ مُوسٰى
 وَ هٰارُوْنَ وَ كَذٰلِكَ نَجْزِي الْمُحْسِنِيْنَ وَ زَكَرِيَّا وَ يَحْيٰى
 وَ عِيسٰى وَ اِلْيَاسَ كُلٌّ مِّنَ الصّٰلِحِيْنَ وَ اِسْمَاعِيْلَ
 وَ اِلْيَسَ وَ يُوْنُسَ وَ لُوْطًا وَ كُلًّا فَضَلْنَا عَلٰى الْعٰلَمِيْنَ
 وَمِنْ اٰبَائِهِمْ وَ ذُرِّيَّاتِهِمْ وَ اٰخْوَانِهِمْ وَ اجْتَبَيْنَاهُمْ
 وَ هَدَيْنَاهُمْ اِلٰى صِرَاطٍ مُّسْتَقِيْمٍ. ذٰلِكَ هُدٰى اللّٰهُ يَهْدِيْ
 بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَبِغَطَ عَنْهُمْ
 مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ. اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ آتَيْنَاهُمُ الْكِتٰبَ
 وَ الْحِكْمَ وَ النُّبُوَّةَ فَاِنْ يَّكْفُرْ بِهَا هُوْلَآءِ فَقَدْ وَّكَلْنَا بِهَا
 قَوْمًا لِّيُسُوْا بِهَا بِكٰفِرِيْنَ. (الانعام: ٨٩٤-٨٩٣)

”یہ ہماری دلیل ہے جسے ہم نے ابراہیم کو ان کی قوم کے مقابلہ میں عطا کی اور ہم جس کو چاہتے ہیں اس کے درجات بلند کرتے ہیں۔ بے شک تمہارا پروردگار صاحب حکمت بھی ہے

اور صاحبِ علم بھی ہے۔ ہم نے ابراہیمؑ کو اسحاقؑ و یعقوبؑ دیئے اور سب کو ہدایت بھی دی اور اس سے پہلے نوحؑ کو ہدایت دی پھر ابراہیمؑ کی اولاد میں داؤدؑ، سلیمانؑ، ایوبؑ، یوسفؑ، موسیٰؑ اور ہارونؑ قرار دیئے۔ ہم اسی طرح نیک عمل کرنے والوں کو جزا دیتے ہیں اور زکریاؑ، یحییٰؑ، عیسیٰؑ اور الیاسؑ کو بھی رکھا جو سب کے سب نیک کرداروں میں سے تھے۔ اور اسماعیلؑ، الیسعؑ، یونسؑ اور لوطؑ بھی بنائے اور سب کو عالمین سے افضل و بہتر بنایا اور پھر ان کے باپ دادا اولاد اور برادری میں سے اور خود انہیں بھی منتخب کیا اور سب کو سیدھے راستہ کی ہدایت کر دی۔ یہی خدا کی ہدایت ہے وہ جس بندے کو چاہتا ہے عطا کر دیتا ہے اور اگر یہ لوگ شرک اختیار کر لیتے تو ان کے بھی سارے اعمال برباد ہو جاتے، یہی وہ لوگ ہیں جنہیں ہم نے کتاب، حکومت اور نبوت عطا کی ہے۔ اب اگر یہ لوگ ان باتوں کا بھی انکار کرتے ہیں تو ہم نے ان باتوں کا ذمہ دار ایک ایسی قوم کو بنایا ہے جو انکار کرنے والی نہیں ہے۔“

خدا کا اصول ہے وہ جسے زمین میں خلیفہ مقرر کرتا ہے وہ لوگوں میں فیصلے کرتا ہے اور وہ لوگوں کا رہنما اور امام ہوتا ہے۔ کتابِ خدا کے ذریعہ سے لوگوں کو ہدایت کرتا ہے اور خدا کی شریعت کی تبلیغ کرتا ہے۔ خلفاء اللہ کا سب سے اہم ترین فریضہ تبلیغ ہے جیسا کہ سورہ نحل میں ارشادِ قدرت ہے:

فَهَلْ عَلَى الرُّسُلِ إِلَّا الْبَلْغُ الْمُبِينُ. (۳۵)

”تو کیا رسولوں کی ذمہ داری واضح اعلان کے علاوہ کچھ اور بھی ہے“

سورہ نور (۲-۵) اور سورہ عنکبوت (۱۸) میں ارشاد ہے:

وَمَا عَلَى الرَّسُولِ إِلَّا الْبَلْغُ الْمُبِينُ.

”رسول کی ذمہ داری واضح اعلان کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔“

اسی طرح سے سورہ آل عمران المائدۃ الرعد ابراہیم النحل الشوری الاحقاف اور التغابن میں بھی رسول کی ذمہ داری واضح اعلان تک ہی محدود رکھی گئی ہے۔ خدائی آیات کی تبلیغ یا تو رسول خود کرتا ہے یا تبلیغ کے لیے کسی کو اپنا وصی مقرر کر کے اس سے آیات کی تبلیغ کراتا ہے۔
سورہ برأت کی تبلیغ

اس کی مثال ہمیں سورہ برأت کی ابتدائی دس آیات کی تبلیغ کے سلسلہ میں ملتی ہے اور اس کی تفصیل کچھ یوں ہے۔ مسند احمد میں یہ الفاظ ہیں:

عن علی قال: لما نزلت عشر آیات من براءة علی

النبی (ص) دعا النبی (ص) ابابکر فبعثه بها ليقراها

علی اهل مكة ثم دعانی النبی (ص) فقال لی:

ادرك ابابکر فحيثما لحقته فخذ الكتاب منه

فاذهب به الی اهل مكة فاقرأه عليهم فلحقته

بالجحفة فاخذت الكتاب منه ورجع ابوبکر الی

النبی (ص) فقال یا رسول الله نزل فی شیء؟ قال:

لاولکن جبرئیل جاء نی فقال: لن یؤدی عنک الا

انت اور جل منک. (۱)

(مسند احمد ۱/۱۵۱- تحقیق احمد محمد شاکر ۲/۳۲۲ حدیث ۱۲۹۶)

حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ آپ نے فرمایا:

جب سورہ برأت کی ابتدائی دس آیات نبی کریمؐ پر نازل ہوئیں تو آپ نے

وہ آیات ابوبکر کے حوالے کیں اور فرمایا ان آیات کو اہل مکہ کے سامنے پڑھ کر سناؤ۔

پھر آپ نے مجھے بلا کر فرمایا: ابوبکر سے ملو اور آیات اس سے لے لو اور تم خود مکہ جا کر مکہ والوں کے سامنے وہ آیات پڑھ کر سناؤ: یہ حکم سن کر میں روانہ ہوا اور جحفہ میں اس سے جا ملا اور میں نے وہ آیات اس سے لے لیں۔ ابوبکر نبی کریم کے پاس واپس آئے اور کہا۔ یا رسول اللہ! کیا میرے متعلق کوئی چیز نازل ہوئی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں! بات یہ ہے کہ جبریل میرے پاس آئے اور کہا۔ آپ کی طرف سے آیات کی تبلیغ آپ خود کر سکتے ہیں یا وہ کر سکتا ہے جو آپ میں سے ہو۔

ب۔ درمنثور سیوطی میں ابورافع سے روایت ہے:

رسول خدا نے سورہ برأت کی آیات ابوبکر کو دے کر بھیجا اور فرمایا کہ یہ آیات حج کے موقع پر لوگوں کو پڑھ کر سناؤ۔ جبریل علیہ السلام نازل ہوئے اور کہا۔ ان آیات کی تبلیغ آپ خود کریں یا وہ شخص کرے جو آپ میں سے ہو۔ رسول خدا نے حضرت علیؓ کو ان کے پیچھے روانہ کیا یہاں تک کہ مکہ و مدینہ کے درمیان حضرت علیؓ ان سے جا ملے اور اس سے وہ آیات لے لیں۔ گویا ابوبکر اپنے دل میں ناراض ہوئے رسول خدا نے فرمایا:

ابوبکر! ان آیات کی تبلیغ میں خود کر سکتا ہوں یا وہ کر سکتا ہے جو مجھ سے

ہو۔ (تفسیر درمنثور سیوطی ۳/۲۱۰)

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر اکرم نے اپنے صحابی ابوبکر کو سورہ برأت کی ابتدائی دس آیات دے کر ۹ ہجری میں بھیجا اور فرمایا کہ وہ ان آیات کی تلاوت کریں اور مشرکین تک خدا کا پیغام پہنچائیں۔ ابھی حضرت ابوبکر راستہ ہی میں تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جبریل امین کو نازل فرمایا اور انہوں نے آنحضرتؐ کو خدا کا یہ پیغام پہنچایا کہ ان آیات کی تبلیغ آپ خود کریں یا اسے روانہ کریں جو آپ میں سے ہو۔

مقصد یہ ہے کہ آیات کی تبلیغ براہ راست رسول کی ذمہ داری ہے۔ لہذا تبلیغ آیات یا تو خود کریں یا اس کو تبلیغ کا حکم دیں جو ان میں سے ہو اور ان کا حصہ ہو اور وہ شخصیت علی بن ابی طالب کی تھی۔

آنحضرتؐ نے علیؑ کو اپنا وصی بنا کر روانہ کیا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ تبلیغ رسالت میں آنحضرتؐ کے وصی تھے اور اگر خدا نے چاہا تو ہم بحث وصیت میں اس پر سیر حاصل گفتگو کریں گے۔

معجزاتِ خلفاء

اللہ تعالیٰ اپنے خلفاء کو ایسے خارق عادات اور افعال سے نوازتا ہے جس سے عام انسان عاجز ہوتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ جسے خلیفہ اور امام اور اپنی کتاب و شریعت کا مبلغ بنا کر بھیجتا ہے تو اسے کچھ نشانیاں عطا کرتا ہے اور وہ نشانیاں اس کی صداقت کا مظہر ثابت ہوتی ہیں۔ ایسی نشانیاں کو اسلامی اصطلاح میں معجزہ کہا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے انبیاء و رسل کو مختلف معجزات عطا فرمائے جیسا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورہ الاعراف میں فرمایا:

۱. **فَأَلْقَى عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ. (الاعراف: ۱۰۷)**

”موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا تو وہ اژدہا بن گیا۔“

وَنَزَعَ يَدَهُ فَإِذَا هِيَ بَيْضَاءُ لِلنَّظِيرِينَ. (الاعراف: ۱۰۸)

”اور موسیٰ نے آستین سے ہاتھ نکالا تو وہ دیکھنے والوں کے لیے

چمکتا ہوا ہاتھ بن گیا۔“

وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ إِذِ اسْتَسْقَاهُ قَوْمُهُ، أَنْ اضْرِبْ

بِعَصَاكَ الْحَجَرَ فَانبَجَسَتْ مِنْهُ اثْنَا عَشْرَةَ عَيْنًا قَدْ

عَلِمَ كُلُّ أَنَابٍ مُّشْرِبَهُمْ. (الاعراف: ۱۶۰)

”جب قوم موسیٰ نے ان سے پانی طلب کیا تو ہم نے موسیٰ کو وحی کی کہ تو اپنا عصا پتھر پر مار۔ چنانچہ اس سے بارہ چشمے پھوٹ پڑے اور ہر قبیلہ نے اپنا اپنا گھاٹ جان لیا۔“
ب۔ سورہ شعراء میں فرمایا:

فَالْقَىٰ عَصَاهُ فَإِذَا هِيَ ثُعْبَانٌ مُّبِينٌ. (۳۲)

”موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا تو وہ اژدہا بن گیا۔“
فَالْقَىٰ مُوسَىٰ عَصَاهُ، فَإِذَا هِيَ تَلْقَفُ مَا يَأْفِكُونَ. (۳۵)
”موسیٰ نے اپنا عصا پھینکا تو وہ ان کے جھوٹ موٹ کے سانپوں کو نکلنے لگا۔“

فَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ مُوسَىٰ أَنْ اضْرِبْ بِعَصَاكَ الْبَحْرَ فَانفَلَقَ
فَكَانَ كُلُّ فِرْقٍ كَالطَّوْدِ الْعَظِيمِ. (۶۳)
”پھر ہم نے موسیٰ کی طرف وحی کی کہ اپنا عصا دریا میں مار دیں۔ چنانچہ دریا شگافتہ ہو گیا اور ہر حصہ ایک پہاڑ جیسا نظر آنے لگا۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے رسول حضرت عیسیٰؑ بن مریم کو بھی معجزات سے نوازا۔
جیسا کہ سورہ المائدہ میں ارشاد قدرت ہے۔

..... إِذْ أَيْدَتُكَ بِرُوحِ الْقُدُسِ الْكِتَابَ تُكَلِّمُ النَّاسَ فِي
الْمَهْدِ وَكَهْلًا وَإِذْ عَلَّمْتُكَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ
وَالنُّورَ وَالْإِنْجِيلَ وَإِذْ تَخْلُقُ مِنَ الطِّينِ كَهَيْئَةِ الطَّيْرِ
بِأَيْدِي فَتَنْفُخُ فِيهَا فَتَكُونُ طَيْرًا بِأَيْدِي وَتَبْرِئُ الْأَكْمَةَ
وَالْأَبْرَصَ بِأَيْدِي وَإِذْ تُخْرِجُ الْمَوْتَىٰ بِأَيْدِي..... (۱۱۰)
”جب میں نے روح القدس سے تمہاری تائید کی کہ تم لوگوں

سے گہوارہ میں اور ادھیڑ عمر میں ایک انداز سے باتیں کرتے تھے اور ہم نے تم کو کتابِ حکمت اور تورات و انجیل کی تعلیم دی ہے اور جب تم ہماری اجازت سے مٹی سے پرندہ کی شکل بناتے تھے اور اس میں روح پھونک دیتے تھے تو وہ ہماری اجازت سے پرندہ بن جاتا تھا اور تم ہماری اجازت سے پیدائشی اندھوں اور کوڑھیوں کو تندرست کر دیتے تھے اور ہماری اجازت سے مردوں کو زندہ کرتے تھے۔“

سورہ آل عمران میں حضرت عیسیٰ کا یہ فرمان موجود ہے:

..... وَأُحْيِي الْمَوْتَىٰ بِإِذْنِ اللَّهِ وَأُنَبِّئُكُم بِمَا تَكْفُلُونَ وَمَا تَدْخِرُونَ فِي بُيُوتِكُمْ..... (۴۹)

”اور میں اللہ کے حکم سے مردوں کو زندہ کرتا ہوں اور جو کچھ تم کھاتے ہو اور جو کچھ اپنے گھروں میں ذخیرہ کرتے ہو تمہیں اس کی خبر دیتا ہوں۔“

اللہ تعالیٰ نے سورہ الانبیاء میں داؤد و سلیمان علیہما السلام کے متعلق فرمایا:

وَسَخَّرْنَا مَعَ دَاوُدَ الْجِبَالَ يُسَبِّحْنَ وَالطَّيْرَ..... (۷۹)

”اور ہم نے داؤد کے ساتھ پہاڑوں کو مسخر کر دیا تھا کہ وہ تسبیح

کریں اور پرندوں کو بھی مسخر کر دیا تھا۔“

وَلِسُلَيْمَانَ الرِّيحَ عَاصِفَةً تَجْرِي بِأَمْرِهِ..... وَمِنَ

الشَّيَاطِينِ مَنْ يُغْوِصُونَ لَهُ؛ وَ يَعْمَلُونَ عَمَلًا ذُوْنَ

ذَلِكْ..... (۸۱، ۸۲)

”اور سلیمان کے لیے تیز و تند ہواؤں کو مسخر کیا جو اس کے حکم

سے چلتی تھیں..... اور ہم نے بعض جنات کو بھی مسخر کر دیا جو

سمندر میں غوطے لگایا کرتے تھے۔“

اللہ تعالیٰ نے تمام ہادیان دین کو معجزات عطا نہیں کیے تھے جیسا کہ ہود، لوط اور شعیب علیہم السلام کے متعلق قرآن مجید میں کسی معجزہ کا تذکرہ نہیں ملتا۔ بعض انبیائے کرام معاشرہ میں اس قدر کمزور تھے کہ وہ لوگوں میں فیصلہ کرنے کے قابل نہیں تھے بلکہ حق تو یہ ہے کہ حضرت موسیٰ اور حضرت خاتم الانبیاء اعلان نبوت کے آغاز میں لوگوں کے فیصلے کرنے سے قاصر رہے تھے۔ انبیاء و مرسلین خواہ صاحب معجزہ ہوں یا نہ ہوں، خواہ لوگوں میں فیصلے کریں یا نہ کریں اس کے باوجود فریضہ تبلیغ میں سب یکساں تھے اسی لیے یہ کہنا درست ہے کہ خلیفۃ اللہ خدا کی طرف سے مبلغ ہوتا ہے۔

کتاب خدا میں خلیفۃ اللہ کا یہی مفہوم ہے کہ وہ خدائی احکام کا مبلغ ہوتا ہے اور آنحضرتؐ نے بھی حدیث و سنت بیان کرنے والوں کو اپنا خلیفہ قرار دیا ہے۔ جیسا کہ آپ کی مشہور حدیث ہے۔

اللهم ارحم خلفائی، اللهم ارحم خلفائی، اللهم ارحم خلفائی،
 ارحم خلفائی. قيل له يا رسول الله من خلفاؤك؟
 قال: الذين يأتون بعدي يروون حديثي و سنتي.
 خدایا! میرے خلفاء پر رحم فرما، خدایا میرے خلفاء پر رحم فرما،
 خدایا میرے خلفاء پر رحم فرما۔

آپ سے پوچھا گیا: آپ کے خلفاء کون ہیں؟
 آپ نے فرمایا: میرے خلفاء وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور میری حدیث و سنت کو بیان کریں گے لہذا خلیفۃ اللہ وہ ہے جسے خدا تبلیغ دین کے لیے متعین فرمائے اور خلیفۃ الرسول وہ ہے جو آنحضرتؐ کی حدیث اور سنت کی تبلیغ کرے۔

لہذا قرآن و سنت میں خلیفۃ اللہ اور خلیفۃ الرسول کی اصطلاح انہی معنوں میں استعمال ہوئی ہے۔

۲۔ اصطلاحِ مسلمین میں خلیفہ اور خلیفۃ اللہ کا مفہوم اس مقام سے قبل ہم واشگاف کر چکے ہیں کہ حضرت ابوبکر اپنے آپ کو خلیفہ رسولؐ کہلاتے تھے اور ان کے بعد حضرت عمر اپنے آپ کو خلیفۃ الرسول کہلاتے تھے۔ بعد میں انہوں نے اپنے لیے امیر المؤمنین کا لقب اختیار کر لیا اور لمبے چوڑے نام سے دستبردار ہو گئے۔ پھر ہر حکمران اپنے آپ کو امیر المؤمنین کہلانے لگا اور یہ سلسلہ آخری عثمانی خلیفہ تک جاری رہا۔

ذیل میں ہم اموی اور عباسی دور کے حکمرانوں کے القاب کا جائزہ لیتے ہیں اموی اور عباسی دور میں حاکم اعلیٰ کو ”خلیفۃ اللہ“ کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ حجاج بن یوسف نے نماز جمعہ کے خطبہ میں کہا:

فاسمعوا واطيعوا الخليفة الله و صفيه عبدالمملك

بن مروان۔ (سنن ابی داؤد ۲۱۰/۲ حدیث ۳۶۳۵ باب فی الخلفاء۔)

”لوگو! تم خلیفۃ اللہ اور خدا کے منتخب بندے عبدالمملک بن

مروان کے فرمان کو سنو اور اس کی اطاعت کرو۔“

ایک مرتبہ مہدی عباسی کے دربار میں ذکر کیا گیا کہ اموی خلیفہ ولید زندق

تھا۔ یہ الفاظ سن کر مہدی نے کہا:

خلافة الله عنده اجل من ان يجعلها في زندق:

(تاریخ ابن اثیر ۱۰/۷۷-۸)

”اللہ کی خلافت اس سے کہیں بلند و برتر ہے کہ وہ زندق کو مل

جائے۔“

مقصود یہ ہے کہ ولید خلیفۃ اللہ تھا اور خلیفۃ اللہ کبھی زندق نہیں ہو

سکتا۔ اموی اور عباسی عہد میں حکمرانوں کو خلیفۃ اللہ کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا اور شعراء اپنی نظموں میں انہیں خلیفۃ اللہ کہا کرتے تھے۔

جریر نے عمر بن عبدالعزیز کی شان میں ایک قصیدہ کہا تھا جس میں اس نے خلیفۃ اللہ کا لفظ استعمال کرتے ہوئے کہا:

خليفة الله ماذا تامرون بنا لسنا اليكم ولا في دار منتظر

(شرح شواہد المغنی سیوطی طبع منشورات دار مکتبۃ الحیاة بیرون / ۱۹۷۱)

”اے خلیفۃ اللہ! آپ ہمارے متعلق کیا فرماتے ہیں۔ ہم آپ

کی طرف نہیں ہیں اور ”منتظر“ کے گھر میں بھی نہیں ہیں۔“

اگرچہ عمر بن عبدالعزیز ایک دیندار حکمران تھا مگر اس نے بھی جریر کی حوصلہ شکنی نہیں کی تھی۔ اسی طرح سے مروان بن ابی حفصہ نے ابو جعفر منصور عباسی کی مدح کرتے ہوئے کہا تھا:

مازلت يوم الهاشمية معلنا بالسيف دون خليفة الرحمن

فمنعت حوزته و كنت و قاءه من وقع كل مهند و سنان (۲)

”میں جنگ ہاشمیہ میں میں تلوار لے کر خلیفۃ الرحمن کی حفاظت

کرتا رہا۔ میں نے اس کے مرکز کی حفاظت کی اور ہر تیز تلوار

اور نیزے سے اسے محفوظ رکھا۔“ (الکئی والالاقاب قی ۲۵۲/۱)

اس نظم میں بھی شاعر نے منصور و انقی کو خلیفۃ الرحمن کے الفاظ سے یاد

کیا ہے۔

عہد عثمانی میں مسلمانوں کے حاکم اعلیٰ کو صرف خلیفہ کے نام سے یاد کیا

جاتا تھا اور لفظ خلیفہ میں اللہ یا رسول کی اضافت شامل نہیں کی جاتی تھی۔

ہمارے زمانہ میں نوع انسان کو ”خلیفۃ اللہ فی الارض“ کہا جاتا ہے

اور اسی طرح سے ”استخلف“ یا ”یستخلف“ جیسے الفاظ سے بھی بنی نوع انسان کی

خلافت ارضی مراد لی جاتی ہے۔ عثمانی دور میں حکمران کو لفظ خلیفہ سے تعبیر کیا جاتا تھا اس سے خلافت رسول مراد لی جاتی تھی۔

امت اسلامیہ میں جہاں سینکڑوں خلفاء گزرے ہیں وہاں پہلے چار خلفاء کو خلفائے راشدین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور ان کے دور حکومت کو خلافت راشدہ کہا جاتا ہے۔

مکتب خلافت میں لفظ ”خلیفہ“ اور ”خليفة الله في الارض“ کے معنی میں کئی تبدیلیاں آئیں جب کہ مکتب امامت میں ”خليفة الله في الارض“ سے اصطلاح اسلام کا مفہوم مراد لیا جاتا ہے۔ یعنی مکتب امامت میں ”خليفة الله في الارض“ اس شخصیت کو کہا جاتا ہے جسے خدا نے اپنی طرف سے دین کی تبلیغ کے لیے رہنما مقرر کیا ہو۔

مکتب خلافت کا نظریہ یہ ہے کہ رسول خدا نے کسی کو اپنا جانشین نامزد نہیں کیا تھا اور اپنے جانشین کا انتخاب امت کی صوابدید پر چھوڑ دیا تھا۔

اور اس کے برعکس مکتب امامت کے پیروکاروں کا موقف یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے اپنی امت کو حیرانی و سرگردانی میں نہیں چھوڑا تھا اور آپؐ نے گذشتہ انبیاء کی طرح اپنا جانشین مقرر کیا تھا اور ہم امامت علی کے دلائل اپنے مقام پر دیں گے۔ اس مقام پر ہم صرف یہ کہنا چاہتے ہیں کہ مکتب خلافت میں لفظ خلیفہ کے جو معنی متعین کیے گئے ہیں وہ معانی حدیث نبوی میں کہیں دکھائی نہیں دیتے۔

۴۔ امیر المومنین

ہم سابقہ صفحات میں عرض کر چکے ہیں کہ یہ لقب سب سے پہلے حضرت عمر کے لیے استعمال ہوا۔ بعد ازاں ہر مسلمان بادشاہ اپنے آپ کو امیر المومنین کہلانے لگا اور یہ لفظ عثمانیوں کے دور خلافت کے آخر تک رائج رہا۔

۵۔ امام

امام رہنما اور پیشوا کو کہا جاتا ہے خواہ رہنما اچھا ہو یا برا ہو حق پر ہو یا باطل پر ہو کہلاتا امام ہی ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد قدرت ہے:

يَوْمَ نَدْعُوا كُلَّ أُنَاسٍ بِإِمَامِهِمْ فَمَنْ أُوْتِيَ كِتَابَهُ بِيَمِينِهِ فَأُولَئِكَ يَقْرَءُ وَنَ كِتَابَهُمْ وَلَا يُظْلَمُونَ فَتِيلًا وَمَنْ كَانَ فِي هَذِهِ أَعْمَىٰ فَهُوَ فِي الْآخِرَةِ أَعْمَىٰ وَأَضَلُّ سَبِيلًا.

(بنی اسرائیل۔ ۷۱-۷۲)

”قیامت کا دن وہ ہوگا جب ہم ہر انسانی گروہ کو اس کے پیشوا کے ساتھ بلائیں گے اور اس کے بعد جن کا نامہ اعمال ان کے داہنے ہاتھ میں دیا جائے گا وہ اپنے صحیفہ کو پڑھیں گے اور ان پر ریشہ برابر ظلم نہیں ہوگا اور جو اس دنیا میں اندھا ہے وہ قیامت میں بھی اندھا اور بھٹکا ہوا رہے گا۔“

باطل کے رہنما کو بھی امام کہا جاتا ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

فَقَاتِلُوا أَيْمَةَ الْكُفْرِ إِنَّهُمْ لَا أَيْمَانَ لَهُمْ لَعَلَّهُمْ يَنْتَهُونَ.
 ”کفر کے سربراہوں سے جہاد کرو کہ ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔“ (التوبہ: ۱۴)

اسلام کی اصطلاح میں امام خدا کے مقرر کردہ رہنما کو کہا جاتا ہے اور وہ رہنما انسان بھی ہو سکتا ہے اور کتاب بھی ہو سکتی ہے۔ انسان کے امام ہونے پر یہ آیات دلالت کرتی ہیں:

وَإِذَا بُتِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ

عَهْدِي الظَّالِمِينَ. (البقرہ: ۱۲۳)

”اور اس وقت کو یاد کرو جب خدا نے چند کلمات کے ذریعہ ابراہیم کا امتحان لیا اور انہوں نے پورا کر دیا تو اس نے کہا ہم تم کو لوگوں کا امام بنا رہے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ میری ذریت؟ ارشاد ہوا کہ یہ عہدہ امامت ظالمین تک نہیں جائے گا۔“

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَجَعَلْنَاهُمْ أُمَّةً يَهْتَدُونَ بِأَمْرِنَا..... (الانبیاء: ۷۳)

”اور ہم نے ان سب کو پیشوا قرار دیا جو ہمارے حکم سے ہدایت کرتے تھے۔“

قرآن مجید میں آسانی کتاب کو بھی امام کہا گیا ہے۔ جیسا کہ ارشاد قدرت ہے۔

وَمِنْ قَبْلِهِ كَتَبْتُ مُوسَى إِمَامًا وَرَحْمَةً..... (ہود: ۱۷)

”اور اس کے پہلے موسیٰ کی کتاب گواہی دے رہی ہے جو پیشوا اور رحمت تھی۔“

مذکورہ تین آیات کا حاصل یہ ہے کہ امام وہ ہے جو انسانوں کو خدا کی راہ دکھائے۔ اور اگر ہدایت کرنے والی کتاب امام ہو تو اس کے لیے شرط یہ ہے کہ وہ اللہ کی نازل کردہ ہو جیسا کہ قرآن مجید اور تورات اور انبیائے کرام کی دوسری کتابیں ہیں۔ یقیناً یہ آسانی کتابیں سیدھا راستہ دکھاتی ہیں اور انسان کی رہنمائی کرتی ہیں لہذا یہ امام ہیں۔ اور جب انسان امام ہو تو اس کے لیے پہلی شرط یہ ہے کہ وہ خدا کا مقرر کردہ ہو جیسا کہ ابراہیم علیہ السلام کو خدا نے امام بنایا اور امامت کی دوسری شرط یہ ہے کہ وہ خدا کا نافرمان نہ ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے امامت کے لیے یہ اصول بیان کیا ہے۔

لَا يَنْتَظِرُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ.

”میرا عہدہ امامت ظالموں تک نہیں جائے گا۔“

اس آیت سے معلوم ہوتا ہے کہ امامت خدا کا عہد ہے اور ظالم کبھی امام نہیں بن سکتا اور ہر غیر معصوم کسی نہ کسی شکل میں ظالم ہوتا ہے۔ لہذا عہدہ امامت کے لیے غیر معصوم کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔ امام کے لیے معصوم ہونا ضروری ہے۔

۶۔ امر اور اولی الامر

لفظ امر اور اولی الامر کے سمجھنے کے لیے ہم اس کے لغوی معانی کے عمق میں جا کر بحث کریں گے کہ آیا یہ دونوں لفظ شرعی اصطلاح ہیں یا نہیں؟ اس سلسلہ میں ہم کتاب و سنت اور عرف مسلمین سے استشہاد کریں گے۔

الف: لغوی معانی

لفظ امر کے لغوی معانی سمجھنے کے لیے ابن ہشام اور طبری کی اس روایت پر توجہ فرمائیں۔

رسول خدا کا دستور تھا کہ آپ ایام حج میں جب کہ تمام قبائل عرب مکہ میں جمع ہوتے تھے تو آپ قبائل کے پاس جا کر انہیں اسلام کی دعوت دیتے تھے اور انہیں اپنے متعلق بتاتے تھے کہ آپ نبی مرسل ہیں اور مختلف قبائل کو اپنی تصدیق کی دعوت دیتے تھے اور ان سے اپنی مدد اور حفاظت کی درخواست کرتے تھے۔

راوی کا بیان ہے کہ ایک مرتبہ آپ بنی عامر بن صعصعہ کے پاس گئے اور انہیں دعوت اسلام دی اور اپنے آپ کو ان کے سامنے پیش کیا یعنی اپنی مدد اور حفاظت کے لیے انہیں کہا۔ اس قبیلہ کے ایک شخص بحیرہ بن فراس نے کہا۔

خدا کی قسم! اگر اس جوان کو میں قریش سے لے جاؤں تو میں اس کے ذریعہ سے تمام عرب کو چبانے کے قابل ہو جاؤں گا۔

پھر اس نے کہا: آپ یہ بتائیں اگر ہم آپ کی پیروی کریں اور اللہ آپ

کو آپ کے مخالفین پر غالب بھی کر دے تو کیا آپ ہم سے یہ وعدہ کرتے ہیں کہ آپ کے بعد ”امر“ ہمارے پاس ہوگا۔

آنحضرتؐ نے فرمایا: ”امر“ خدا کے پاس ہے وہ جہاں چاہے گا رکھ دے گا۔ اس شخص نے کہا:

(یہ کہاں کا انصاف ہے کہ) آپ کی حفاظت کے لیے عربوں کے سامنے سینے ہم پیش کریں اور جب آپ غالب ہو جائیں تو ”امر“ ہمارے غیروں میں چلا جائے؟ ہمیں آپ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔

اس روایت میں لفظ امر استعمال ہوا ہے اور لفظ امر کو استعمال کرنے والا عربی تھا اور وہ جانتا تھا کہ ”امر“ سے مراد سیادت اور عرب پر حکومت ہے۔ اس نے آنحضرتؐ کو اپنے قبیلہ کی طرف سے مشروط پیش کش کی تھی کہ اگر آپ اپنے بعد حکومت و سیادت ہمارے قبیلہ کے حوالے کرنے پر آمادہ ہوں تو ہم آپ کی مدد کرنے پر تیار ہیں۔

اس کے جواب میں رسول خداؐ نے فرمایا کہ ”امر“ یعنی سیادت و حکومت میرے اپنے ہاتھ میں نہیں ہے بلکہ خدا کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے ”صاحب امر“ بنائے۔ اسی طرح کا ایک اور واقعہ ملاحظہ فرمائیں۔ اس واقعہ کو ابن سعد نے طبقات میں نقل کیا ہے اور ہم یہاں اس کا خلاصہ تحریر کر رہے ہیں:

رسول خداؐ نے ہوذہ بن علی حنفی کو خط تحریر فرمایا جس میں اسے اسلام کی دعوت دی۔ اس نے آپ کے خط کے جواب میں لکھا۔

آپ جس چیز کی دعوت دے رہے ہیں وہ انتہائی حسین و جمیل ہے۔ میں اپنی قوم کا شاعر اور خطیب ہوں اور عرب مجھ سے ڈرتے ہیں۔ آپ ”امر“ میں مجھے کچھ حصہ دار بنائیں تو میں آپ کی پیروی کروں گا۔

رسول اکرمؐ نے فرمایا:

لوسألنی سیابة من الارض ما فعلت .

(طبقات ابن سعد ۱/۲/۱۱ طبع یورپ)

”اگر یہ مجھ سے ویران زمین کا معمولی سا ٹکڑا بھی طلب کرے
تو میں نہیں دوں گا۔“

”ہوذہ“ نے ”امر“ میں کچھ حصہ داری طلب کی تھی جسے رسول خدا نے
مسترد کر دیا تھا۔ صاحبان فہم سمجھ سکتے ہیں کہ ہوذہ نے رسول خدا سے اقتدار و سیادت
میں سا جھے داری کا تقاضا کیا تھا جسے آپ نے ٹھکرا دیا تھا۔
ان دونوں روایات کو مد نظر رکھنے سے یہ نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ لغت عرب
میں لفظ ”امر“ سیادت و حکومت کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔

ب: لفظ امر در عرف مسلمین

مسلمانوں کی تاریخ بتاتی ہے کہ سقیفہ میں لفظ ”امر“ کا بہت زیادہ اطلاق
ہوا تھا۔ چنانچہ سعد بن عبادہ نے انصار سے کہا تھا۔

استبدوا بھذا الامر دون الناس.....

”اس امر پر لوگوں کو شریک کیے بغیر قبضہ کر لو۔“

اس کے جواب میں انصار نے یہ لفظ کہے تھے:

نولیک هذا الامر .

”ہم یہ ”امر“ تیرے حوالے کرتے ہیں۔“

پھر انصار میں مزید مباحثہ ہوا اور یہ سوال اٹھایا گیا کہ اگر مہاجر ان کے
اس اقتدار کو تسلیم نہ کریں اور وہ یہ کہیں۔

نحن عشیرتہ و اولیاءہ فعلام تنازعونا هذا الامر من

بعده؟

ہم آنحضرت کا خاندان ہیں۔ تم ان کے بعد ہم سے یہ ”امر“ کیوں چھین

رہے ہو۔ حضرت ابوبکر نے بھی سقیفہ میں لفظ ”امر“ کو دو مرتبہ استعمال کیا۔ انہوں نے کہا:

ولن يعرف هذا الامر الا لهذا الحي من قريش
 ”قریش کے اس قبیلہ کے علاوہ یہ ”امر“ اور کسی کو زیب نہیں
 دیتا۔“

قریش کے متعلق حضرت ابوبکر نے فرمایا:

هم احق الناس بهذا الامر من بعده ولا ينازعهم
 ذلك الا ظالم.

”قریش اس ”امر“ کے تمام لوگوں سے زیادہ حقدار ہیں اور اس
 کے لیے کوئی ظالم ہی ان سے جھگڑا کرے گا۔“

سقیفہ میں حضرت عمر نے لفظ ”امر“ کی بجائے لفظ ”امارت“ استعمال
 کرتے ہوئے کہا تھا:

من ذا نيازعنا سلطان محمد و امارته ونحن اهله
 وعشيرته.

”محمد کی سلطنت اور اقتدار کے لیے ہم سے کون جھگڑ سکتا ہے
 جب کہ ہم ان کے اہل اور ان کا خاندان ہیں۔“

حباب بن منذر نے حضرت عمر کے جواب میں کہا تھا:

لا تسمعوا مقالة هذا و اصحابه فيذهبوا بنصبيكم
 من هذا الامر..... فانتم واللّه احق بهذا الامر.

”اس شخص اور اس کے ساتھیوں کی باتیں مت سنو ورنہ وہ اس
 ”امر“ میں سے تمہارا حصہ لے جائیں گے..... خدا کی قسم اس
 ”امر“ کے تم ہی زیادہ حقدار ہو۔“

بشیر بن سعد نے مہاجرین کے موقف کی تائید کرتے ہوئے کہا تھا:
 لا یرانى اللہ انا زعہم هذا الامر ابدا.
 ”اس ”امر“ میں قریش سے جھگڑتے ہوئے خدا مجھے نہیں دیکھے
 گا۔“

ج: لفظ امر در نصوص اسلامیہ

پیغمبر اکرم کی احادیث میں لفظ ”امر“ بہت سے مقامات پر استعمال ہوا
 ہے۔ خدا نے چاہا تو ہم آئندہ مباحث میں اس پر تفصیلی گفتگو کریں گے۔ سردست
 ہم آپؐ کا وہ جواب نقل کرنا کافی سمجھتے ہیں جو آپؐ نے عامری کے سوال کے سلسلہ
 میں دیا تھا۔

ان الامر لله يصعه حيث يشاء.

”امر“ خدا کی ملکیت ہے وہ جہاں چاہے اسے رکھے۔“

قرآن مجید میں ارشاد خداوندی ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي

الْأَمْرِ مِنْكُمْ. (النساء: ۵۹: ۸)

”ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور اولی الامر کی

اطاعت کرو۔“

لغت عرب، عرف مسلمین اور نصوص اسلامیہ میں لفظ ”امر“ امر امامت اور
 مسلمانوں کی حکومت کے معانی میں استعمال ہوا ہے اسی لیے ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ
 شرع اسلامی میں لفظ ”امر“ اس معنی و مفہوم میں استعمال ہوا ہے جس معنی و مفہوم میں
 لغت عرب اور عرف مسلمین میں استعمال ہوا ہے۔ اسی لیے ہم لفظ ”ولی الامر“ کو
 اصطلاح شرعی کہہ سکتے ہیں اور ”اولی الامر“ سے امام مراد ہے جو نبی اکرم کے
 جانشین کے فرائض سرانجام دے۔

لفظ ”اولی الامر“ کے معانی پر فریقین کا اتفاق ہے البتہ اختلاف اس بات میں ہے کہ ”اولی الامر“ کون ہیں۔ ”کتب اہل بیت“ کا نظریہ یہ ہے کہ ”اولی الامر“ سے مراد وہ ائمہ ہیں جو خدا کی طرف سے منصوبہ ہیں اور جو ہر طرح کی لغزش اور گناہ سے پاک ہیں۔ خدا نے انہیں مقام عصمت پر فائز کیا ہے۔ وہ ”اولی الامر“ ہیں۔

اس کی تفصیل باب اولی الامر میں بیان کی جائے گی۔ ان شاء اللہ مکتب خلافت کا نظریہ یہ ہے کہ ”اولی الامر“ سے مراد وہ حاکم ہے جس کی مسلمانوں نے بیعت کی ہو اور اس کی اطاعت واجب ہے۔

اسی نظریہ کی اساس پر لوگوں نے یزید بن معاویہ کی اطاعت کی اور نواسہ رسولؐ کو ذبح کیا۔ خاندان پیغمبرؐ کے خیام لوٹے اور آلِ محمدؐ کو قید کر کے شہر بہ شہر پھرایا گیا۔ اسی نظریہ کے ماننے والوں نے ”اولی الامر“ کی اطاعت سے سرشار ہو کر تین دن تک مدینہ منورہ کو تاراج کیا اور ہزاروں عصمتیں پامال کیں اور تین دن تک اطاعت ”اولی الامر“ میں مسجد نبویؐ میں گھوڑے باندھے گئے اور اسی نظریہ کا ثمر یہ برآمد ہوا کہ ”اولی الامر“ کی امامت و قیادت کو مستحکم کرنے کے لیے منجیق سے کعبہ شریف پر سنگ باری کی گئی۔

۷۔ وصیت اور وصی

ایک شخص اپنی زندگی یا مرض الموت میں کسی شخص کے ذمہ کوئی کام لگائے تو اس عمل کو وصیت اور وصیت کرنے والے کو ”مُوصِی“ اور جس کام کے لیے وصیت کی گئی ہو اسے ”مُوصِی بہ“ اور جس شخص کو وصیت کی جائے اسے ”وصی“ کہا جاتا ہے۔ لفظ وصیت اور اس کے ہم معنی الفاظ سے وصیت کی جاتی ہے مثلاً ایک شخص دوسرے سے کہے ”اوصیک بعدی برعابة اہلی ادارة مدرستی“ میں تجھے اپنے بعد اپنا مدرسہ چلانے کی وصیت کرتا ہوں۔

اس کے علاوہ وصیت ہم معنی الفاظ سے بھی صحیح ہے۔ مثلاً کوئی شخص کہے:

اطلب منك بعدی ان تفعل كذا و كذا.

”میں تجھ سے تقاضا کرتا ہوں کہ تو میرے بعد فلاں فلاں کام

سرا انجام دینا۔“

وصیت کرنے والا کبھی دوسروں کو خبر دیتا ہے کہ میں نے فلاں کو اپنا وصی

مقرر کیا ہے اور عربی زبان میں اس مفہوم کی ادائیگی کے لیے ”أَوْصَيْتُ، عَهْدْتُ

اور أَوْكَلْتُ“ کے الفاظ استعمال کیے جاتے ہیں۔ قرآن مجید اور حدیث نبوی میں بھی

لفظ وصیت اپنے وضعی معانی میں استعمال ہوا ہے اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

كَيْبَ عَلَيْكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدَكُمُ الْمَوْتُ إِنْ تَرَكَ

خَيْرًا بِالْوَصِيَّةِ لِلْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ بِالْمَعْرُوفِ حَقًّا

عَلَى الْمُتَّقِينَ فَمَنْ بَدَّلَهُ بَعْدَمَا سَمِعَهُ فَإِنَّمَا إِثْمُهُ عَلَى

الَّذِينَ يُبَدِّلُونَهُ إِنَّ اللَّهَ سَمِيعٌ عَلِيمٌ. فَمَنْ خَافَ مِنْ

مَوْصٍ جَنَفًا أَوْ إِثْمًا فَأَصْلَحَ بَيْنَهُمْ فَلَا إِثْمَ عَلَيْهِ إِنَّ اللَّهَ

غَفُورٌ رَحِيمٌ. (البقرہ: ۱۸۰، ۱۸۱، ۱۸۲)

”تمہارے اوپر یہ لکھ دیا گیا ہے کہ جب تم میں سے کسی کی

موت سامنے آئے تو اگر کوئی مال چھوڑا ہے تو اپنے ماں باپ

اور قرابت داروں کے لیے وصیت کر دے یہ صاحبان تقویٰ پر

ایک طرح کا حق ہے۔ اس کے بعد جو شخص وصیت سن کر تبدیل

کر دے گا اس کا گناہ تبدیل کرنے والے پر ہوگا خدا سب کا

سننے والا اور سب کے حالات سے باخبر ہے۔ پھر اگر کوئی شخص

وصیت کرنے والے کی طرف سے طرفداری یا نا انصافی کا

خوف رکھتا ہو اور وہ وارثوں میں صلح کر دے تو اس پر کوئی گناہ

نہیں ہے اللہ بڑا بخشنے والا اور مہربان ہے۔“

سورہ مائدہ میں بھی وصیت کا تذکرہ ان الفاظ میں کیا گیا ہے:
 يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا شَهَادَةُ بَيْنِكُمْ إِذَا حَضَرَ أَحَدُكُمْ
 الْمَوْتُ حِينَ الْوَصِيَّةِ اثْنِ ذَوَا عَدْلٍ مِّنْكُمْ.....

(المائدہ: ۱۰۶)

”اے ایمان والو! جب تم میں سے کسی کی موت سامنے آ جائے
 تو گواہی کا خیال رکھنا کہ وصیت کے وقت دو عادل گواہ تم میں
 سے ہوں۔“

اسی طرح سے سورۃ النساء کی گیارہویں اور بارہویں آیات میں بھی وصیت
 کا ذکر موجود ہے۔

سنت نبوی میں بھی وصیت کا تذکرہ کیا گیا ہے۔ جیسا کہ بخاری و مسلم میں
 پیغمبر اسلام کی سے حدیث مروی ہے:

ما حق امرئ مسلم له شيء يوصي فيه ان يبیت ليلتين
 الا ووصيته مكتوبة عنده.

”جس کسی مسلمان کے پاس وصیت کے قابل کوئی چیز ہو تو
 اسے دو راتیں بھی وصیت لکھے بغیر بسر نہیں کرنی چاہیں۔“

(صحیح بخاری ۲/۸۳- صحیح مسلم بشرح النووی ۱۱/۷۴)

اسلامی فقہ میں وصیت کا مستقل باب موجود ہے اسی لیے ہم کہہ سکتے ہیں
 کہ وصیت اور وصی کے الفاظ کا تعلق اسلامی اصطلاحات سے ہے۔ تورات و انجیل
 میں انبیائے کرام کی وصیتیں موجود ہیں جن میں انہوں نے اپنے اوصیاء کو تبلیغ
 شریعت کی وصیت کی ہے۔

انبیائے سابقین کی طرح سے حضرت رسول خدا نے بھی حضرت علی کو تبلیغ

شریعت اور امت پر شفقت کی وصیت فرمائی اور پھر حضرت علی کے ذریعہ سے گیارہ آئمہ کو تبلیغ دین کی وصیت فرمائی اور نبی کریم نے اپنی وصیت کو مخفی نہیں رکھا تھا۔ آپ نے اپنے اوصیاء کا مسلمانوں کو تعارف کرایا۔ اس کے لیے کبھی آپ نے لفظ ”وصی“ استعمال کیا اور کبھی اس کے ہم معنی الفاظ استعمال فرمائے۔

نبی کریم نے اپنی وصیت کا اتنا زیادہ ذکر کیا کہ حضرت علیؑ کے لیے لفظ ”وصی“ ایک لاحقہ سا بن گیا۔ اس مضمون کی احادیث ہم باب نصوص میں بیان کریں گے اور ان لوگوں کے نظریہ کی علمی تردید بھی کریں گے جو یہ کہتے ہیں کہ رسول خدا نے کسی کو اپنا وصی مقرر نہیں کیا تھا اور امت کو وارث کے بغیر چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے تھے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔



مکتبِ خلافت کی آراء کا جائزہ

امامت و خلافت کی سات اصطلاحات کی تعریفات کے بعد ہمارے لیے فریقین کی آراء کا جائزہ لینا آسان ہو چکا ہے اور ہم مکتبِ خلافت کی آراء سے اس بحث کا آغاز کرتے ہیں۔

مکتبِ خلافت کا نظریہ اور استدلال

(۱) حضرت ابوبکر نے اپنی خلافت کے لیے یہ دلیل پیش کی:

امر خلافت قریش کے علاوہ کسی دوسرے خاندان کو زیب نہیں دیتا کیونکہ وہ گھر اور نسب کے لحاظ سے عرب کا محترم قبیلہ ہے۔ میں نے تمہارے لیے ان دو افراد (عمر اور ابو عبیدہ) کا انتخاب کیا ہے۔ تم ان دو میں سے جس کی چاہو بیعت کر لو۔

(۲) حضرت عمر نے کہا:

کوئی شخص یہ کہہ کر لوگوں کو دھوکہ نہ دے کہ ابوبکر کی بیعت اچانک ہوئی اور قائم ہو گئی۔ جی ہاں ابوبکر کی بیعت ایسے ہی تھی لیکن اللہ نے اس کے شر سے محفوظ رکھا لیکن تمہارے اندر ابوبکر جیسی شخصیت موجود نہیں ہے جس کی طرف لوگوں کی گردنیں اٹھتی ہوں۔ لہذا جو شخص مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی کی بیعت کرے تو بیعت کرنے والے اور بیعت لینے والے کی بیعت نہ کی جائے گی اور ان دونوں کو

دھوکہ دہی کے جرم کی وجہ سے قتل کر دیا جائے۔ (بخاری کتاب الحدود باب رجم الجلی)

مذکورہ استدلال کا جائزہ

ہم نے دونوں خلفاء کے استدلال کا خلاصہ پیش کیا۔ حضرت ابو بکر کا استدلال کسی علمی بنیاد پر قائم نہیں تھا۔ زیادہ سے زیادہ اس سلسلہ میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان کا استدلال ”قبائلی منطق“ پر قائم تھا۔

وفات رسولؐ کے بعد انصار نے رسول خدا کے غسل و کفن کو چھوڑ کر سقیفہ میں ہنگامی اجتماع کیا تھا اور ان کے اجتماع کا مقصد سعد کو خلیفہ بنانا تھا۔ انصار نے سقیفہ میں یہ دعویٰ نہیں کیا تھا کہ سعد باقی مسلمانوں سے افضل ہے لہذا اسے خلیفہ منتخب کیا جائے۔

انصار کا موقف یہ تھا کہ باقی مسلمان ان کے زیر سایہ زندگی بسر کر رہے ہیں اور انہوں نے شجرہ اسلام کو پروان چڑھانے میں اہم کردار ادا کیا ہے اسی لیے خلافت ان کا حق ہے۔

کچھ دیر بعد جب مہاجرین سقیفہ میں پہنچے تو انہوں نے بھی ان کے ہی استدلال کو پیش نظر رکھتے ہوئے اپنا موقف ان الفاظ میں پیش کیا کہ خاندان قریش نسب اور اپنے گھر کی وجہ سے عرب کا محترم خاندان ہے اور ان سے محمد مصطفیٰؐ کی حکومت و اقتدار کو علیحدہ کرنا درست نہیں ہے اور مزید یہ کہ وہ آنحضرت کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں لہذا خلافت ان کا حق ہے۔

حباب بن منذر کا یہ کہنا ”منا امیر و منکم امیر“ ایک امیر ہم میں سے اور ایک تم میں سے ہو اور مہاجرین کا جواب میں یہ کہنا کہ ”نحن الامراء و انتم الوزراء“ ہم حکمران ہوں گے اور تم وزیر ہو گے بھی اسی منطق کا کرشمہ تھا۔

زیادہ واضح الفاظ میں ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ انصار کے پاس ان کی اجتماعی خدمات تو موجود تھیں، لیکن ان کے پاس سعد بن عبادہ کی فضیلت اور ان کے استحقاق خلافت کی کوئی دلیل نہیں تھی۔ اسی طرح سے مہاجرین کے پاس ان کی اجتماعی اسلامی خدمات موجود تھیں لیکن حضرت ابوبکر کی خلافت کے لیے ان کے پاس کوئی ٹھوس دلیل موجود نہیں تھی اور اگر حضرت ابوبکر کی خلافت کے لیے ان کے پاس کوئی ٹھوس دلیل موجود ہوتی تو حضرت ابوبکر خلافت کے لیے حضرت عمر اور ابو عبیدہ کے نام کبھی تجویز نہ کرتے۔ علاوہ ازیں خاندان قریش کی ہر و لعزیزی بیان کرنے کی بجائے اپنی خلافت کے اثبات کے لیے قرآن مجید کی آیت یا رسول خدا کی کوئی حدیث بیان کرتے۔

مگر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ سقیفہ میں دونوں امیدواروں کے استحقاق خلافت کے لیے انصار و مہاجرین کے مجموعی فضائل بیان کیے گئے اور خلافت کے امیدواروں کی ذاتی خصوصیات اور ان کا استحقاق خلافت ثابت کرنے کے لیے کسی فریق کے پاس کوئی دلیل نہیں تھی اور اگر کسی فریق کے پاس دلیل ہوتی تو وہ اس دلیل کو بیان کر کے مخالف کو خاموش کر سکتا تھا۔ لیکن سقیفہ میں اس طرح کی کوئی کوشش سرے سے نہیں کی گئی۔

قبیلہ اوس کے سردار اسید بن حضیر نے یہ محسوس کیا کہ اگر سعد خلیفہ بننے میں کامیاب ہو گیا تو قبیلہ خزرج برتری حاصل کر لے گا۔ اسی لیے اس نے اپنے قبیلہ والوں سے کہا کہ خزرج کی برتری سے تو یہ بہتر ہے کہ ہم مہاجرین کی حکومت کو قبول کر لیں۔

یوں قبائلی عصبیت نے یہاں بھی اپنا کام کر دکھایا اور خاندانی رقابت نے سعد کی کامیابی کو ناکامی میں بدل دیا۔

قبیلہ اوس کا حضرت ابوبکر کی بیعت کرنا کسی آیت و حدیث کی بنیاد پر نہیں تھا بلکہ خاندانی رقابت کا نتیجہ تھا۔

بعد ازاں ایک اور بدو قبیلہ ”اسلم“ مدینہ میں آیا جنہوں نے حضرت ابوبکر کی بیعت کی اور یوں ان کی حکومت قائم ہو گئی۔

حضرت عمر ان واقعات کے چشم دید گواہ تھے۔ اسی لیے انہوں نے برسر عام اپنے خطبہ میں کہا تھا کہ ابوبکر کی بیعت کسی باہمی مشورہ کا نتیجہ نہیں تھی اور نہ ہی کسی نص پر قائم تھی اور نہ ہی اس کے لیے اجماع مسلمین کا تکلف کیا گیا تھا بلکہ ان کی بیعت اچانک اور بلا سوچے سمجھے عمل میں آئی تھی اسی لیے آئندہ اگر کسی نے ایسا کیا تو اسے مسلمانوں کے ساتھ دھوکہ دہی کا مرتکب سمجھا جائے گا اور اسے قتل کر دیا جائے گا۔

واقعہ سقیفہ کی یہ ہے ساری کارروائی اور یہ ہے سقیفائی استدلال کی کل کائنات۔

اور جہاں استدلال کی نوعیت اس قدر غیر منطقی ہو تو اس استدلال کے نتیجہ میں قائم ہونے والی خلافت کے متعلق کیا کہا جائے گا؟

مکتب خلافت کا امر خلافت کے متعلق فیصلہ یہ ہے کہ خلافت کے حصول کے چار ذرائع ہیں جو اس طرح سے ہیں۔

(الف) شوریٰ

(ب) بیعت

(ج) عمل صحابہ کی اتباع

(د) قہر و غلبہ

اور لطف یہ ہے کہ مکتب خلافت کا متفقہ فیصلہ ہے کہ مذکورہ تمام ذرائع جائز

ہیں اور ان میں سے کسی ذریعہ سے بھی اگر کوئی خلیفہ منتخب ہو جائے تو اس کی اطاعت واجب ہے اگرچہ خلیفہ گناہان کبیرہ کا مرتکب ہی کیوں نہ ہو اور احکامِ الہی کی کھلے بندوں مخالفت ہی کیوں نہ کرتا ہو۔

شورئٰی کے استدلال کی حقیقت

خلافت کے لیے سب سے پہلے حضرت عمر نے ”شورئٰی“ کو متعارف کرایا۔ لیکن انہوں نے اس طرح کی کوئی دلیل نہیں دی تھی کہ خلافت کا انعقاد شورئٰی سے بھی جائز ہے۔ لیکن یہاں بھی ”مدعی ست اور گواہ چست“ والا معاملہ ہے شورئٰی قائم کرنے والی شخصیت نے تو کوئی دلیل پیش نہیں کی تھی۔ البتہ ان کے پیرو شورئٰی کے لیے قرآن مجید کی دو آیات پیش کرتے ہیں اور حضرت رسول کریمؐ کی سیرت میں بھی شورئٰی کا کافی عمل دخل بتاتے ہیں اور ان کے علاوہ نہج البلاغہ سے حضرت علیؑ کے ایک فرمان سے بھی استدلال کرتے ہیں اور ہم یہاں ترتیب وار ان کے چاروں دلائل کا جواب دیتے ہیں۔

الف: کتاب اللہ اور شورئٰی

مکتب خلافت کے پیروکار شورئٰی کے اثبات کے لیے قرآن مجید کی یہ دو

آیات پیش کرتے ہیں:

۱. وَأَمْرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ. (الشورئٰی ۳۸)

”اور وہ آپس کے معاملات میں مشورہ کرتے ہیں۔“

۲۔ اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیبؐ کو حکم دیا۔

وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ..... (آل عمران ۱۵۹)

”اور ان سے امر (جنگ) میں مشورہ کرو۔“

اس سلسلہ میں عرض یہ ہے کہ پہلی آیت سورہ شوریٰ کی اٹھتیسویں (۳۸) آیت کا ایک حصہ ہے جس کا اختتام ان الفاظ پر کیا گیا ”وَمِمَّا رَزَقْنَاهُمْ يُنْفِقُونَ“
 ”یعنی اہل ایمان ہمارے عطا کردہ رزق میں سے کچھ حصہ خرچ کرتے ہیں۔“

پہلی بات یہ ہے کہ اس آیت میں مشورہ کرنے کا حکم نہیں ہے بلکہ اس کی ترغیب ہے۔ دوسری بات یہ ہے کہ قرآن مجید کی اس آیت مجیدہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ واضح کیا کہ اہل ایمان آپس کے معاملات میں مشورہ کرتے ہیں۔ یعنی ان کا مشورہ ان امور تک محدود ہوتا ہے جو ان کے باہمی امور ہوں جب کہ مسئلہ خلافت و امامت مومنین کا باہمی امر ہی نہیں ہے جسے وہ شوریٰ سے طے کریں۔

مسئلہ خلافت و امامت کا تعلق نص سے ہے اور جب خدا اور رسول خدا کوئی فیصلہ کر دیں تو وہاں باہمی مشورہ کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ
 أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ
 وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلًّا مُّبِينًا. (الاحزاب - ۳۶)

”اور کسی مومن مرد یا عورت کو اختیار نہیں ہے کہ جب خدا اور اس کا رسول کسی امر کے بارے میں فیصلہ کر دیں تو وہ بھی امر کے بارے میں صاحب اختیار بن جائے اور جو بھی خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے گا وہ کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہو گا۔“

قرآن مجید نے ایمان کا معیار یہ بتایا ہے کہ مومن وہ ہے جو رسول خدا کے فیصلہ کو کھلے دل سے تسلیم کرے جیسا کہ سورہ نساء میں ارشاد خداوندی ہے:

فَلَا وَرَيْكَ لَا يُؤْمِنُونَ حَتَّىٰ يُحَكِّمُوكَ فِيمَا شَجَرَ
بَيْنَهُمْ ثُمَّ لَا يَجِدُوا فِي أَنفُسِهِمْ حَرَجًا مِّمَّا قَضَيْتَ
وَيَسْلَمُوا تَسْلِيمًا. (۶۵)

”بس آپ کے پروردگار کی قسم! یہ ہرگز صاحب ایمان نہ بن سکیں گے جب تک آپ کو اپنے اختلافات میں حکم نہ بنا سکیں اور پھر جب آپ فیصلہ کر دیں تو اپنے دل میں کسی طرح کی تنگی کا احساس نہ کریں اور آپ کے فیصلہ کے سامنے سراپا تسلیم ہو جائیں۔“

جب رسول خدا نے اپنی زندگی ہی میں اپنی خلافت و وصایت کا فیصلہ کر دیا تھا تو اس کی موجودگی میں شورئی کی ضرورت ہی باقی نہیں رہتی۔“

ب: ”شَاوِرُهُمْ فِي الْأَمْرِ“ کا مفہوم

مکتب خلافت سے وابستہ افراد سورہ آل عمران کی آیت مجیدہ کا ایک حصہ پڑھ کر شورئی کا اثبات کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو حکم دیا ”وَشَاوِرُهُمْ فِي الْأَمْرِ“ اور ان سے امر میں مشورہ کرو۔ یہ آیت شورئی کی اہمیت کو واضح کرتی ہے۔

اس سلسلہ میں ہماری گزارش یہ ہے کہ سورہ آل عمران کی آیت ۱۳۹ سے ۱۶۶ تک کی آیات کا تعلق عہد نبوی کی غزوات سے ہے اور ان آیات میں اللہ تعالیٰ نے اپنی نصرت کا تذکرہ کیا۔ بعض آیات میں اہل ایمان سے گفتگو کی گئی اور اس میں خصوصی گفتگو مجاہدین سے کی گئی اور بعض آیات میں رسول خدا سے خصوصی گفتگو کی گئی اور اس کے ضمن میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

فَبِمَا رَحْمَةٍ مِّنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًّا غَلِيظًا

الْقَلْبِ لَأَنْفَضُوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ
وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ
عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ. (آل عمران: ۱۵۹)

”پیغمبر یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے نرم ہو ورنہ اگر تم بدمزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ کھڑے ہوتے لہذا اب انہیں معاف کر دو۔ ان کے لیے استغفار کرو اور ان سے امر جنگ میں مشورہ کرو اور جب ارادہ کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو کہ وہ بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“

اس مقام پر آیت کریمہ کا انداز بتا رہا ہے کہ جنگ احد سے فرار کرنے والے اس قابل بھی نہیں تھے کہ انہیں بزمِ پیغمبر میں جگہ دی جاتی اور سرکار ان سے گفتگو کرتے۔ لیکن رب العالمین نے تبلیغِ اسلام کی مصلحتوں کے پیش نظر تمام باتوں کو نظر انداز کر کے بزمِ گفتگو اچھے برتاؤ اور حُسنِ سلوک کا حکم دیا تاکہ مسلمانانِ اسلام پیغمبرِ اسلام سے فرار نہ کرنے پائیں یہاں تک کہ اتمامِ حجت کے لیے مشورہ کا حکم بھی دے دیا کیونکہ ان کا خیال تھا کہ اگر ہمارے مشورہ سے جنگ ہوتی تو کامیابی نصیب ہوتی۔ تو اب مشورہ بھی کر لیا کرو تاکہ حجت تمام ہو جائے لیکن خبردار ان کے مشورہ پر انحصار کبھی نہ کرنا اور جب عزمِ مصمم ہو جائے تو بھروسہ صرف خدا پر کرنا کیونکہ وہ اپنے اوپر بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے اور دوسروں پر اعتماد کرنے والوں سے نفرت کرتا ہے۔

اس کے بعد ”شَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ“ میں وسعت پیدا کر کے اس سے خلافت کو شورشی کے ساتھ مربوط کرنا ایک کھلی جہالت ہے۔

بہر نوع اس آیت مجیدہ میں آنحضرت کو جنگ کے امور کے متعلق مشورہ کرنے کا حکم دیا گیا ہے اور اس کے ساتھ یہ بھی واضح کیا گیا کہ ان کے مشورہ کو تسلیم کرنا بھی ضروری نہیں ہے اور اس مشورہ کا تعلق کسی طور پر بھی مسئلہ امامت و خلافت سے نہیں ہے۔

ج: مشاورتِ رسولؐ سے استدلال

رسول خداؐ اپنے صحابہ سے صرف غزوات کے متعلق مشورہ کرتے تھے۔ جیسا کہ ابو ہریرہ بیان کرتے ہیں:

فلم ار احدا كان اكثر مشاوره (لاصحابه) من رسول الله (ص) وكانت مشاورته اصحابه في الحرب فقط. (کتاب المغازی واقدی ۲/۵۸۰)

”میں نے رسولؐ خدا سے زیادہ کسی دوسرے کو اپنے ساتھیوں سے مشورہ کرنے والا نہیں دیکھا اور آپ اپنے اصحاب سے صرف جنگ کے متعلق ہی مشورہ کیا کرتے تھے۔“

جنگ بدر کے متعلق آپ کی مشاورت کا قصہ مشہور ہے۔

۱۔ غزوہ بدر

حضرت رسول کریمؐ نے قریش کے تجارتی قافلہ کو روکنے کے لیے مدینہ سے سفر کیا اور اس سفر میں آپ کے ساتھ تین سو تیرہ افراد تھے۔ جب ابو سفیان کو پتہ چلا تو اس نے راستہ تبدیل کر دیا اور مکہ اطلاع کر دی جس کے نتیجے میں ایک ہزار کا لشکر تیار ہو کر مکہ سے باہر نکلا۔ اب رسول خداؐ کے سامنے دو راستے تھے۔ پہلا راستہ تو یہ تھا کہ آپ خاموشی سے مدینہ چلے جاتے اور دوسرا راستہ یہ تھا کہ اپنے غیر

مسلح قلیل ساتھیوں کے ساتھ اپنے سے تین گنا مسلح افراد سے جنگ کرتے۔

چنانچہ ابن ہشام لکھتے ہیں:

آپ کو پتہ چلا کہ قریش ایک لشکر لے کر اپنے قافلہ کی حفاظت کے لیے روانہ ہو چکے ہیں۔ آپ نے لوگوں سے مشورہ کیا اور انہیں قریش کے لشکر کی آمد سے مطلع کیا۔

اس پر ابوبکر صدیق کھڑے ہوئے انہوں نے اچھی باتیں کیں۔ پھر عمر بن خطاب اٹھے انہوں نے اچھی باتیں کیں۔ پھر مقداد کھڑے ہوئے۔

ابن ہشام نے مقداد اور انصار کی گفتگو نقل کی۔ لیکن انہوں نے حضرت ابوبکر اور عمر کی گفتگو نقل نہیں کی۔ صحیح مسلم میں یہ الفاظ ہیں:

فتکلم ابوبکر فاعرض عنه، ثم تکلم ہم فاعرض

عنه فقام المقداد.....

”ابوبکر نے گفتگو کی تو آپ نے منہ پھیر لیا پھر عمر نے گفتگو کی

تو آپ نے منہ پھیر لیا۔ پھر مقداد نے گفتگو کی۔“

امام مسلم نے یہ لکھنے پر قناعت کی کہ شیخین کا مشورہ آپ کو ناپسند آیا اور

آپ نے منہ پھیر لیا لیکن امام مسلم کو یہ لکھنے کی توفیق نہ ہوئی کہ شیخین نے کیا کہا

تھا؟ آئیے دیکھیں شیخین نے ایسی کیا بات کہی تھی جو آنحضرت کی طبع نازک پر گراں

گزری تھی۔ مغازی الواقدی و امتاع الاسماع للمقریزی میں مذکور ہے کہ

حضرت عمر نے کہا:

يا رسول الله! انها والله قريش وعزها والله ماذلت

منذ عزت والله ماامنت منذ كفرت والله لا تسلم

عزها ابدا ولتقاتلنک فاتھب لذلک اھبتہ واعد
لذلک عدتہ.

”رسول اللہ! خدا کی قسم قریش اور اس کی عزت کی کیا بات ہے۔ قریش نے جب سے عزت پائی ہے کبھی ذلیل نہیں ہوئے اور جب سے انہوں نے کفر کیا، ایمان نہیں لائے خدا کی قسم! قریش اپنی عزت سے کبھی دست بردار نہیں ہوں گے اور وہ آپ سے جنگ کریں گے اس کے لیے آپ تیاری کریں اور جنگ کا سامان جمع کریں۔ (معلوم ہوتا ہے کہ اس ”خیر خواہانہ“ مشورہ کی وجہ سے آنحضرتؐ نے ان سے منہ موڑ لیا تھا)“

پھر مقداد بن عمرو کھڑے ہوئے اور کہا:

یا رسول اللہ! آپ حکم خدا کا سہارا لے کر چلیں ہم آپ کے ساتھ ہیں۔ ہم بنی اسرائیل کی طرح آپ سے یہ نہیں کہیں گے کہ (آپ اور آپ کا رب جنگ کرے ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں) ہم آپ سے کہتے ہیں:

اَذْهَبَ اَنْتَ وَرَبُّكَ فَقَاتِلَا اَنَا هُنَا فَعِدُوْنَا.....

”آپ اپنے رب کو لے کر چلیں اور جنگ کریں ہم بھی آپ

دونوں کے ساتھ مل کر جنگ کریں گے۔“ (المائدہ: ۲۴)

اس ذات کی قسم جس نے آپ کو نبوت کے ساتھ مبعوث کیا ہے اگر آپ ہمیں ”برک العماد“ تک بھی لے جانا چاہیں تو بھی ہم آپ کے ساتھ چلیں گے۔ (برک العماد نامی جگہ مکہ سے پانچ راتوں کی مسافت پر واقع ہے اور سمندر کے قریب ہے)

حضرت رسول خداؐ نے اس کے حق میں دعا دی۔ پھر آنحضرتؐ نے لوگوں

سے فرمایا: مجھے مشورہ دو۔

اس سے آپ چاہتے تھے کہ انصار کچھ بولیں کیونکہ آپ کا خیال تھا کہ شاید انصار مدینہ سے باہر جنگ کرنے پر آمادہ نہ ہوں گے کیونکہ انہوں نے آپ سے یہ معاہدہ کیا تھا کہ وہ شہر میں رہ کر آپ کی اس طرح سے حفاظت کریں گے جیسا کہ وہ اپنی بیوی بچوں کی حفاظت کرتے ہیں۔

پھر آنحضرتؐ نے دوبارہ فرمایا: لوگو! مجھے مشورہ دو۔

یہ سن کر سعد بن معاذ اٹھے اور کہا:

انصار کی طرف سے میں جواب دیتا ہوں اور معلوم ہوتا ہے کہ آپ ہم سے ہی مخاطب ہیں۔

آپ نے فرمایا: جی ہاں!

سعد نے کہا:

یا رسول اللہ! ہم آپ پر ایمان لائے ہیں اور آپ کی تصدیق کی ہے اور

ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ جو چیز لائے ہیں وہ حق ہے۔ ہم نے سب و طاعت کا

آپ سے معاہدہ کیا ہے۔ آپ خدا کا نام لے کر چلیں۔ اس ذات کی قسم جس نے

آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے اگر آپ اس سمندر میں بھی کودنے کا حکم بھی دیں

گے تو ہم بلا دریغ سمندر میں کود جائیں گے اور ہمارا ایک فرد بھی پیچھے نہیں رہے گا۔

آپ کو اختیار ہے جس سے چاہیں رشتہ جوڑیں اور جس سے چاہیں رشتہ توڑیں

ہمارے اموال میں سے جو چاہیں لے لیں اور جو مال آپ لیں گے وہ ہمارے گھر

میں بچے ہوئے مال سے زیادہ عزیز ہوگا۔ مجھے اس ذات کی قسم! جس کے قبضہ

قدرت میں میری جان ہے ہمیں اپنے دشمن سے جنگ کرنے کا کوئی خوف نہیں ہے۔

ہم جنگ میں ثابت قدم رہنے والے لوگ ہیں۔ خدا نے چاہا تو ہمارے عمل سے

آپ کی آنکھوں کو ٹھنڈک محسوس ہوگی۔

ہم سے محمدؐ نے بیان کیا اس نے کہا کہ ہم سے واقدی نے بیان کیا اس نے کہا۔ مجھ سے محمد بن صالح نے بیان کیا اس نے عاصم بن عمرو بن قتادہ سے اس نے محمود بن لبید سے روایت کی اس نے کہا کہ سعد نے کہا: یا رسول اللہ! ہم اپنے پیچھے اپنی قوم کے ایسے افراد چھوڑ کر آئے ہیں۔ جن کی آپ سے محبت اور اطاعت کسی طور پر بھی ہم سے کم نہیں ہے اور وہ جہاد کے بھی خواہش مند ہیں۔ اگر ہماری قوم کے افراد کو یہ علم ہوتا کہ آپ کی دشمن سے معرکہ آرائی ہونے والی ہے تو وہ ہرگز پیچھے نہ رہتے۔ انہوں نے تو یہ سمجھا تھا کہ اس سفر کا مقصد صرف قافلہ کو روکنا ہے۔

اب ہم آپ کے لیے ایک چھپر سا بنا دیتے ہیں اور وہاں آپ کے لیے سواریاں بھی کھڑی کر دیتے ہیں۔ اس کے بعد ہم دشمن سے جنگ کریں گے۔ اگر اللہ تعالیٰ نے ہمیں جنگ میں کامیابی عطا کی تو بہتر اور اگر خدا نخواستہ ہم مارے گئے اور دشمن کامیاب ہو گیا تو آپ کے پاس سواریاں موجود ہوں گی۔ آپ ان پر سوار ہو کر مدینہ چلے جائیں۔ جب نبی اکرمؐ نے سعد کے یہ جذبات سن کر اسے دعائے خیر دی اور فرمایا سعد! اللہ بہتر فیصلہ کرے گا۔ جب مشورہ تمام ہوا تو آنحضرتؐ نے فرمایا:

خدا کی برکت کا سہارا لے کر چل پڑو۔ اللہ تعالیٰ نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ وہ دو گروہوں میں سے ایک گروہ میرے ہاتھ میں دے گا۔ خدا کی قسم! اس وقت گویا میں مشرکین کے قتل کے مقامات دیکھ رہا ہوں۔

راوی کا بیان ہے کہ اس دن رسول خداؐ نے ہمیں مشرکین کے قتل کے مقامات دکھائے اور فرمایا یہاں فلاں قتل ہو گا اور یہاں فلاں قتل ہو گا۔ خدا کی قسم ہر قتل ہونے والا اسی جگہ پر قتل

ہوا جہاں رسول خدا نے اس کے قتل کی پیش گوئی فرمائی تھی۔

جب حضور اکرمؐ نے مشرکین کے قتل کے مقامات کی نشان دہی کی تو صحابہ کو یقین ہو گیا کہ فیصلہ ان کے ہاتھ سے نکل چکا ہے اور انہیں جنگ کا سامنا ہے اور نبی کریمؐ کے فرمان کو سن کر انہیں فتح و نصرت کی امید بندھی۔

غزوہ بدر کے مشورہ کا تفصیلی حال آپ نے پڑھا۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول خدا کو اللہ تعالیٰ نے پہلے ہی جنگ کے متعلق بتا دیا تھا اور آپ کو جنگ کے انجام سے بھی باخبر کر دیا تھا۔ لہذا رسول خدا نے مجلس مشاورت لوگوں کے مشورہ سے مستفید ہونے کے لیے ہرگز منعقد نہیں کی تھی۔ آپ کی مجلس مشاورت کا مقصد صرف یہی تھا کہ صحابہ کو یہ بتایا جائے کہ قافلہ ان کے ہاتھ سے نکل چکا ہے اور انہیں اب جنگ کا سامنا ہے۔

آپ نے صحابہ کو ذہنی طور پر جنگ کے لیے تیار کرنے کے لیے مجلس مشاورت منعقد کی تھی اور لوگوں کے مشورہ سے استفادہ ہرگز مطلوب نہ تھا۔

۲۔ جنگ احد

تاریخ بتاتی ہے کہ جنگ احد کے موقع پر آپ کو مجبوراً صحابہ کے مشورہ پر عمل کرنا پڑا جس کے بھیا تک نتائج برآمد ہوئے تھے۔

واقعی نے مغازی اور مقریزی نے امتاع الاسماع میں لکھا: ہے کہ رسول خدا منبر پر تشریف لے گئے اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا:

میں نے خواب دیکھا کہ میں مضبوط قلعہ میں موجود ہوں اور میں نے دیکھا کہ میری تلوار ذوالفقار دھار کی جگہ سے ٹوٹ گئی ہے اور میں نے ایک ذبح شدہ بیل دیکھا اور میں نے دیکھا کہ میں ایک مینڈھے کا تعاقب کر رہا ہوں۔

صحابہ نے کہا: یا رسول اللہ! آپ نے اس خواب کی کیا تعبیر نکالی ہے؟
 آپ نے فرمایا: مضبوط قلعہ سے مراد شہر مدینہ ہے۔ تم اسی شہر ہی میں
 ٹھہرے رہو اور دھار کی جگہ سے تلوار ٹوٹنے کا مقصد یہ ہے کہ مجھ پر کوئی مصیبت
 ٹوٹنے والی ہے اور ذبح شدہ بیل کی تعبیر یہ ہے کہ میرے اصحاب میں سے کچھ قتل
 ہوں گے اور مینڈھے کے تعاقب سے مراد یہ ہے کہ ہم مشرکین کے سردار کو ان شاء
 اللہ قتل کریں گے۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

تلوار ٹوٹنے کی تعبیر یہ ہے کہ میرے خاندان میں سے ایک مرد قتل کیا
 جائے گا۔

پھر آپ نے صحابہ سے فرمایا: اب تم مشورہ دو ہمیں دشمن کے مقابلہ کے
 لیے کیا کرنا چاہیے؟

حضور اکرمؐ کی ذاتی رائے یہ تھی کہ ہمیں مدینہ نہیں چھوڑنا چاہیے اور عبداللہ
 بن ابی اور دیگر مہاجرین و انصار میں سے بہت سے افراد کی بھی یہی رائے تھی۔
 سرکار رسالت مآب نے فرمایا:

تم مدینہ میں ٹھہرو اور عورتوں اور بچوں کو پتھروں کے بنے ہوئے مکانات
 میں منتقل کر دو۔ اگر دشمن شہر میں داخل ہوا تو اس کی بہ نسبت اس شہر کو ہم بہتر طور پر
 جانتے ہیں۔ ہم شہر کی گلیوں میں دشمن کا مقابلہ کریں گے اور چھتوں سے ان پر پتھر
 برسائیں گے۔

بہت سے نوجوان جو کہ بدر میں شامل نہ تھے اور وہ شہادت کے طلب گار
 تھے انہوں نے آپ کی تجویز سے اختلاف کیا اور مشورہ دیا کہ ہمیں اپنے گھر میں
 چھپ کر لڑنے کی کوئی ضرورت نہیں، ہم میدان میں دشمن سے دو بدو مقابلہ کرنا

چاہتے ہیں۔

حضرت حمزہؓ سعد بن عبادہ اور نعمان بن مالک بن نعلبہ نے کہا کہ یا رسول اللہ! اگر ہم نے آپ کے مشورہ پر عمل کیا تو دشمن یہ سمجھے گا کہ ہم اس سے خوفزدہ ہو گئے ہیں۔ اس سے ان کی جراتیں بڑھ جائیں گی۔ جنگ بدر میں آپ کے ساتھ صرف تین سو افراد تھے اس کے باوجود بھی اللہ نے آپ کو فتح عطا کی اور آج تو ہماری تعداد کہیں زیادہ ہے۔ ہم تو اس دن کی خدا سے تمنا کیا کرتے تھے اور آج ہماری تمنا مجسم ہو کر ہمارے سامنے آ چکی ہے۔ لہذا ہمیں مدینہ سے باہر جنگ کرنی چاہیے۔

صحابہ نے صرف یہ جذباتی مشورہ ہی نہیں دیا بلکہ جنگی لباس پہن کر بھی آ گئے اور حضرت حمزہ نے کہا: مجھے اس ذات کی قسم جس نے آپ پر کتاب نازل کی میں اس وقت تک کھانا نہیں کھاؤں گا جب تک مدینہ سے باہر جا کر کافروں سے جنگ نہ کر لوں۔

چنانچہ حضرت حمزہ نے اپنی قسم پر پورا عمل کیا اور جمعہ اور ہفتہ کا دن روزہ سے بسر کیا۔ ان کے علاوہ ابو سعید خدری کے والد مالک بن سنان اور نعمان بن مالک بن نعلبہ اور ایاس بن اوس بن عتیک نے بھی مدینہ سے باہر کھلے میدان میں جنگ کرنے کا مشورہ دیا۔

رسول خداؐ نے جمعہ کی نماز پڑھائی اور آپ نے خطبہ جمعہ میں ارشاد فرمایا کہ اگر تم نے ثابت قدمی دکھائی تو تمہیں کامیابی نصیب ہوگی۔

آپ کے یہ جملے سن کر بہت سے جذباتی افراد خوش ہوئے اور غیر جذباتی افراد غمگین ہوئے۔ پھر آپ نے عصر کی نماز پڑھائی۔ لوگ پوری تیاری کر کے مسجد میں جمع ہو گئے۔ رسول خداؐ اپنے گھر گئے تو آپ کے ساتھ ابو بکر و عمر بھی تھے۔

انہوں نے آپ کو عمامہ بندھوایا اور آپ کو جنگی لباس پہنایا۔ آپ گھر میں تھے جب کہ صحابہ نے اپنی صفیں درست کر لی تھیں۔ یہ حالت دیکھ کر سعد بن معاذ اور اسید بن حضیر لوگوں کے پاس آئے اور ان سے کہا:

تم نے اپنی باتوں کی وجہ سے رسول خدا کو باہر نکلنے پر مجبور کر دیا ہے۔ جب کہ آسمان سے ان پر وحی نازل ہوتی ہے۔ تم اپنی ضد کو چھوڑ دو اور فیصلہ رسول خدا کے پاس رہنے دو اور رسول خدا جو فیصلہ کریں تم اس پر عمل کرو۔ تمہیں رسول خدا کی خواہش کی پیروی کرنی چاہیے۔

ابھی یہ باتیں ہو رہی تھیں کہ رسول خدا جنگی لباس پہن کر باہر آئے۔ آپ نے زرہ پہنی ہوئی تھی اور تلوار حائل کی ہوئی تھی: اس وقت اصرار کرنے والوں نے کہا: یا رسول اللہ! ہم آپ کی مخالفت نہیں کرنا چاہتے۔ آپ جو مناسب سمجھیں فیصلہ کریں ہم آپ کے فیصلہ کی پیروی کریں گے۔

رسول خدا نے فرمایا:

میں نے تمہیں اپنی رائے سے آگاہ کیا لیکن تم نے میری بات ماننے سے انکار کر دیا اور اب میں جنگی لباس پہن چکا ہوں اور جب کوئی نبی جنگی لباس پہن لے تو اسے اتارنا نامناسب ہے۔ اب جو خدا کی مرضی ہوگی وہی ہوگا اور اب خدا ہی فیصلہ کرے گا اور اگر تم نے صبر و استقامت سے کام لیا تو فتح تمہاری ہوگی۔

جنگ احد کی مجلس مشاورت سے بھی یہی نتیجہ اخذ ہوتا ہے کہ رسول خدا کو صحابہ کے اصرار پر مدینہ سے باہر نکلنا پڑا اور اگر آپ ان کے جذبات کی قدر نہ کرتے تو ان میں کمزوری اور بزدلی پیدا ہو جاتی۔

۳۔ غزوہ خندق اور مشاورت

واقعی اور مقریزی جنگ خندق کے متعلق لکھتے ہیں:

رسول خدا نے صحابہ سے مشورہ کیا اور آپ جنگ کے متعلق ان سے ہمیشہ مشورہ کیا کرتے تھے..... سلمان فارسی نے خندق کھودنے کا مشورہ دیا۔ دونوں مورخین نے اسی جنگ کے تناظر میں ایک اور مشورہ کا بھی تذکرہ کیا ہے۔ چنانچہ لکھتے ہیں کفار و مشرکین کی طرف سے مدینہ کے محاصرہ نے طول کھینچا تو رسول خدا نے بارگاہِ احدیت میں عرض کیا:

پروردگار! میں تجھے تیرا عہد اور وعدہ یاد دلاتا ہوں۔ خدایا اگر ہمیں شکست ہوگئی تو زمین پر تیری عبادت نہیں ہوگی۔

پھر رسول خدا نے قبیلہ غطفان کے دوسر داروں عیینہ بن حصن اور حارث بن عوف کی طرف پیغام بھیجا کہ وہ اپنی فوج کا محاصرہ ختم کرائیں تو مدینہ کے باغات کے پھلوں کا ایک تہائی ان کے حوالہ کیا جائے گا۔

قبیلہ غطفان کے سرداروں نے کہا ہم تہائی پر آمادہ نہیں ہیں البتہ اگر مدینہ کے باغات کا آدھا پھل ہمارے حوالے کریں تو ہم محاصرہ ختم کر دیں گے۔

رسول خدا نے تہائی حصہ سے زیادہ دینے پر آمادگی ظاہر نہ کی۔ آخر کار وہ اس حصہ پر راضی ہو گئے اور وہ معاہدہ کے لیے اپنی قوم کے دس افراد لے کر آپ کے پاس آئے اور معاہدہ کے لیے قلم دوات بھی لائی گئی اور حضرت عثمان کو معاہدہ کی عبارت لکھنے پر مامور کیا گیا۔

ابھی زبانی گفتگو جاری تھی کہ اسید بن حضیر آئے۔ انہوں نے دیکھا کہ عیینہ رسول خدا کی طرف ٹانگیں دراز کر کے لیٹا ہوا تھا۔ اسید بن حضیر نے اس سے کہا:

اولومزی کے بیٹے! اپنی ٹانگیں سمیٹ لے۔ تیری یہ جرأت کہ تو رسول خدا کے سامنے ٹانگیں دراز کر کے لیٹے۔ خدا کی قسم! اگر رسول خدا موجود نہ ہوتے تو میں تیرے گھٹنوں پر نیزہ مار دیتا۔

بعد ازاں اسید بن حضیر نے رسول خدا سے عرض کی:

یا رسول اللہ! اگر خدا کی طرف سے یہی حکم نازل ہوا ہے تو آپ اس پر عمل کریں اور اگر خدا کی طرف سے حکم نہیں ہے تو ہم انہیں کچھ بھی دینے پر آمادہ نہیں ہیں۔ ہمارا اور ان کا فیصلہ تلوار کرے گی۔ ان لوگوں نے ہم سے پہلے یہ امیدیں کب رکھیں تھیں کہ اب رکھنے لگے ہیں؟

رسول کریمؐ نے سعد بن معاذ اور سعد بن عبادہ سے خلوت میں مشورہ کیا۔ تو ان دونوں نے کہا اگر یہ آسمانی حکم ہے تو آپ اس پر ضرور عمل کریں اور اگر یہ خدا کا حکم نہیں اور آپ کی اپنی یہی خواہش ہے تو بھی ہم آپ کی اطاعت کریں گے اور اگر آپ مشورہ طلب کرتے ہیں تو ان کے لیے ہمارے پاس صرف تلوار ہے۔

رسول خدا نے فرمایا:

میں نے دیکھا کہ تمام عرب تمہاری مخالفت پر کمر بستہ ہو چکا ہے اسی لیے میں نے چاہا کہ انہیں راضی کروں اور ان سے جنگ نہ کروں۔

دونوں صحابیوں نے عرض کیا: یا رسول اللہ! دور جاہلیت میں یہ لوگ بدترین غذا کھاتے تھے اس وقت بھی یہ ہم سے مدینہ کے پھل قیمت کے بغیر حاصل نہ کر سکتے تھے تو آج جب کہ خدا نے ہمیں آپ کی وجہ سے عزت دی ہے تو ہم ان کی ذلت آمیز شرط کو قبول کیوں کریں؟ ہمارے پاس ان کے لیے صرف تلوار ہے۔ رسول خدا نے فرمایا: معاہدہ کی تحریر کو پھاڑ دو۔ سعد نے اس تحریر کو پھاڑ دیا یہ دیکھ کر عیینہ اور حارث اٹھ کھڑے ہوئے رسول خدا نے فرمایا: تم واپس چلے جاؤ اب ہمارے درمیان

تلوار ہی فیصلہ کرے گی۔

اس تمام واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ مشاورت کا مقصد صرف یہ تھا کہ مدینہ کا محاصرہ کرنے والے قبائل میں اختلاف پیدا کیا جائے اور اس ذریعہ سے انہیں محاصرہ اٹھانے پر مجبور کیا جائے اور حضور اکرمؐ نے کچھ ایسی ہی باتیں نعیم بن مسعود سے بھی کی تھیں اور اس نے ان باتوں کو خوب پھیلایا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ بنی قریظہ اور قریش میں اختلافات پیدا ہو گئے اور کفار کو محاصرہ ختم کرنا پڑا۔

ہم نے بدر اُحد اور خندق کی مجالس مشاورت کی تفصیل اس لیے بیان کی تاکہ ہمارے قارئین کو بخوبی معلوم ہو جائے کہ رسول خداؐ زندگی کے کسی بھی مرحلہ پر لوگوں کے مشورہ کے محتاج نہیں تھے۔ اور اصل بات یہ ہے کہ انسان مشورہ کی ضرورت اس وقت محسوس کرتا ہے جب وہ کسی شک و شبہ میں مبتلا ہو اور تبہا کسی فیصلہ پر نہ پہنچ سکتا ہو اور مشورہ اسی سے کیا جاتا ہے جو علم و تجربہ میں زیادہ ہو۔ اپنے سے کم علم اور کم فہم شخص سے مشورہ نہیں لیا جاتا۔

حضرت رسول خداؐ براہ راست وحی الہی سے تائید یافتہ تھے اور آپؐ کبھی بھی شک و شبہ میں مبتلا نہیں ہوتے تھے کیونکہ خداوند عالم قدم قدم پر ان کی رہنمائی کرتا تھا۔

علاوہ ازیں اگر رسول کریمؐ مشورہ کرتے بھی تو کس سے کرتے؟ کیا صحابہ کا علم و فہم و تجربہ رسول خداؐ سے زیادہ تھا؟

اس کا جواب نفی میں ہے۔ اصل بات یہ ہے کہ رسول خداؐ نے غزوات کے متعلق صحابہ سے اس لیے مشورہ کیا کہ اس سے ان کی تالیف قلب مقصود تھی اور آپؐ یہ نہیں چاہتے تھے کہ لوگ آپؐ پر ڈکٹیٹر شپ کا الزام لگائیں اور قرآن کریم میں بھی اسی تناظر میں آپؐ کو مشورہ کا حکم دیا گیا ہے۔

فَمَا رَحْمَةٌ مِنَ اللَّهِ لِنْتَ لَهُمْ وَلَوْ كُنْتَ فَظًا غَلِيظًا
الْقَلْبَ لَأَنْفَضُوا مِنْ حَوْلِكَ فَاعْفُ عَنْهُمْ
وَاسْتَغْفِرْ لَهُمْ وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ
عَلَى اللَّهِ إِنَّ اللَّهَ يُحِبُّ الْمُتَوَكِّلِينَ. (آل عمران: ۱۵۹)

”یہ اللہ کی مہربانی ہے کہ تم ان لوگوں کے لیے نرم ہو ورنہ اگر تم
بد مزاج اور سخت دل ہوتے تو یہ تمہارے پاس سے بھاگ جاتے۔
لہذا اب انہیں معاف کر دو اور ان کے لیے استغفار کرو اور ان سے
امر جنگ میں مشورہ کرو اور جب ارادہ کر لو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔
بے شک اللہ بھروسہ کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔“

آنحضرتؐ کو مشورہ کا حکم اس لیے دیا گیا کہ اس سے آپ کی نرمی اور
شفقت مزید واضح ہو کر سامنے آجائے اور اس سے خدا کی بے پایاں رحمت کا اظہار
ہو سکے۔

مشورہ کبھی تو آپ کی نرمی کی شان کے اظہار کے لیے کیا گیا اور کبھی آپ
نے مسلمانوں کی تربیت کے لیے ان سے مشورہ کیا جیسا کہ جنگ احد کے موقع پر
آپ نے کیا تھا اور اس مشورہ کا اثر یہ ہوا کہ جذباتی مسلمانوں کو بھی اپنی غلطی تسلیم
کرنی پڑی اور وہ یہ کہنے پر مجبور ہو گئے کہ ہم آپ کی مخالفت کے متحمل نہیں ہیں۔
اب آپ ہی جو فیصلہ کریں گے ہم اس پر دل و جان سے عمل کریں گے۔

اس کے جواب میں رسول خدا نے فرمایا:

اب ایسا ممکن نہیں ہے تم نے میری رائے کو ٹھکرا دیا اور اب میں نے جنگی
لباس پہن لیا ہے اور نبی کو یہ بات زیب نہیں دیتی کہ جنگی لباس پہن کر اسے اتار
دے اب جو فیصلہ بھی ہو گا خدا کی طرف سے ہو گا۔

آپ جانتے تھے کہ صحابہ کی رائے صحیح نہیں ہے مگر اس کے باوجود آپ نے ان کی اکثریت کی رائے پر اس لیے عمل کیا تاکہ وہ کمزوری اور شک سے محفوظ رہیں۔ جنگ خندق میں مشورہ کرنے کا مقصد دشمنوں میں پھوٹ ڈالنا تھا، جس میں آپ پوری طرح سے کامیاب ہوئے۔

۲۔ استدلالِ بیعت کا تجزیہ

سابقہ صفحات میں ہم لفظ بیعت پر تفصیلی بحث کر چکے ہیں اور وہاں ہم نے یہ عرض کیا تھا کہ ”بیعت“ بھی بیع کی طرح ہے۔ بیعت کے لیے رضا مندی اور اختیار ضروری ہے اور جس طرح سے کوئی بھی بیع جبراً واقع نہیں ہوتی اسی طرح سے بیعت بھی تلوار اور فوجی قوت کے بل بوتے پر نہیں ہوتی۔

● بیعت معصیتِ خداوندی میں نہیں ہو سکتی۔

● خدا کے فرمان کی مخالفت میں بیعت صحیح نہیں ہے۔

● خدا کے نافرمان کی بیعت بھی درست نہیں ہے۔

ہمارے قارئین بخوبی جانتے ہیں کہ رسول خدا کے بعد حضرت ابوبکر کی بیعت کی گئی۔ حضرت عمر کی بیعت اور ان کی نامزدگی حضرت ابوبکر کی خلافت پر موقوف ہے کیونکہ حضرت عمر کو حضرت ابوبکر نے اپنا جانشین نامزد کیا تھا۔ اسی طرح سے حضرت عثمان کی خلافت اور بیعت حضرت عمر کی خلافت پر موقوف ہے کیونکہ جس شوریٰ نے انہیں خلیفہ نامزد کیا تھا وہ شوریٰ حضرت عمر کی تشکیل کردہ تھی اور ان کے ذہن رسالے یہی فیصلہ کیا تھا کہ جس کی بیعت عبدالرحمن بن عوف کرے وہ خلیفہ ہوگا اور جو اس کی خلافت سے اختلاف کرے اسے قتل کر دیا جائے۔

المختصر حضرت عثمان کی خلافت حضرت عمر کی خلافت پر موقوف ہے اور

حضرت عمر کی خلافت حضرت ابوبکر کی خلافت پر موقوف ہے اور اگر اس عمارت کی پہلی اینٹ ہی درست نہ ہوئی تو ساری عمارت ہی میزھی دکھائی دے گی۔

ہمیں پہلی خلافت کے متعلق یہ علم ہے کہ وہ جنازہ رسول کو چھوڑ کر سقیفہ میں قائم ہوئی تھی اور فرد واحد نے اس خلافت کو قائم کیا تھا۔ اور انصار کی خاندانی رقابت سے اس کی آبیاری ہوئی اور بنی اسلم نامی بدوقبلہ کی وجہ سے اس میں استحکام پیدا ہوا۔ سقیفائی خلافت کے مخالفین جو کہ حضرت فاطمہؑ کے گھر میں پناہ لیے ہوئے تھے انہیں منتشر کرنے کے لیے حضرت زہراؑ کے دروازہ پر لکڑیاں اور آگ لائی گئی اور ہمیں یہ بھی علم ہے کہ جب تک دختر رسولؐ زندہ رہیں اس وقت تک بنی ہاشم نے سقیفائی حکومت کو تسلیم نہیں کیا تھا۔

علاوہ ازیں سقیفائی خلافت کا کمال یہ تھا کہ انسانوں کو اپنا ہمنوا بنانے کے بعد انہوں نے جنات کو بھی اپنا دوست بنایا اور یہی وجہ تھی کہ جنات کو سقیفائی حکومت کا مخالف سعد بن عبادہ ایک آنکھ نہ بھایا اور انہوں نے رات کی تاریکی میں تیر برس کر اس کا کام تمام کر دیا۔ مدینہ میں بیعت اس طرح سے لی گئی اور آئیے دیکھیں مدینہ سے باہر بیعت کس طرح سے لی گئی۔

اسلامی تاریخ بتاتی ہے کہ جن لوگوں نے حضرت ابوبکر کی خلافت سے انکار کیا تو حکومت وقت نے انہیں مانعین زکوٰۃ قرار دے کر ان کا قتل کر دیا۔ ان کی عورتوں کو کنیر بنایا گیا اور ان کے گھروں کو تاراج کیا گیا۔

اس سلسلہ میں مالک بن نویرہ کا واقعہ انتہائی مشہور ہے۔ مالک نہ صرف ایک صحابی تھے بلکہ رسول خدا نے انہیں ان کی قوم پر حاکم بھی مقرر کیا تھا۔ اس بے چارے کا قصور صرف یہی تھا کہ اس نے سقیفہ کے سائے میں بننے والی حکومت کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ چنانچہ حکومت کی طرف سے خالد بن ولید کو اس کی سرکوبی کے لیے بھیجا گیا۔ خالد لشکر لے کر رات کے وقت ان کے گھروں کے قریب پہنچا تو

مالک کے خاندان نے ہتھیار اٹھا لیے۔

(الاصابہ در حالات مالک بن نویرہ ۳/۳۳۶۔ شخصیت نمبر۔ ۷۹۸۔)

خالد کے لشکر نے کہا کہ ہم پر حملہ نہ کرنا ہم مسلمان ہیں۔ ادھر مالک کے اہل خاندان نے کہا کہ ہم بھی مسلمان ہیں۔ خالد نے کہا جب ہم دونوں ہی مسلمان ہیں تو یہ تلواریں بے نیام کیوں ہیں؟ تم ہتھیار رکھ دو۔

پھر عشاء کی نماز کا وقت ہوا تو مالک کے خاندان نے بھی ان کے ساتھ مل کر نماز پڑھی۔ خالد کے حکم سے مالک کو گرفتار کر لیا گیا اس کی بیوی اپنے شوہر کو رکھنے کے لیے آئی تو مالک نے کہا کہ کاش تو یہاں نہ آتی۔ اب مجھے یقین ہے کہ خالد مجھے زندہ نہیں چھوڑے گا۔

تاریخ بتاتی ہے کہ مالک کی بیوی انتہائی حسین و جمیل تھی۔ چنانچہ وہی ہوا جس کا مالک کو خدشہ تھا۔ خالد نے مالک کو قتل کر دیا اور ابھی اس کی لاش بھی ٹھنڈی نہیں ہوئی تھی کہ اس کی بیوی کو اپنی کینر بنا لیا اور داد عشرت دینے لگا۔

سقیانی جرنیل کی ”انسان دوستی“ کے لیے یہی کافی ہے کہ خالد نے اپنی شادی کا ولیمہ دیا اور مالک اور اس کے ساتھیوں کے سروں کو دیگ کے نیچے پتھروں کی جگہ رکھا گیا اور اس پر ولیمہ کا کھانا تیار ہوا۔^(۱)

قبائل کندہ کا حشر

زیاد بن لبید بیاضی حضرت ابوبکر کی طرف سے عامل زکوٰۃ تھا۔ اس نے بنی کندہ کے جوان کی اونٹنی زکوٰۃ میں لے لی۔ اس جوان کو وہ اونٹنی بہت عزیز تھی۔ اس نے زیاد سے کہا کہ تم میرے اونٹوں کے گلے میں سے کوئی بھی دوسری اونٹنی لے لو اور یہ اونٹنی مجھے واپس کر دو۔

۱۔ تاریخ طبری طبع یرپ ۱/۱۹۲۷-۱۹۲۸۔ تاریخ یعقوبی طبع بیروت ۲/۱۳۱۔ تاریخ ابو الفداء ص ۱۵۸۔ ذیات الامیمان در حالات ”دعیمہ“۔ ذیات الوضیات۔ مکمل واقعہ کے لیے ہماری کتاب ”عبداللہ بن سبا“ کا مطالعہ فرمائیں۔

زیاد نے جو ان کا مطالبہ مسترد کر دیا اور اونٹنی پر مال زکوٰۃ کا نشان لگا دیا۔ پھر اس جو ان نے زیاد کے سلوک کی اپنے قبیلہ کے سردار حارث بن سراقہ سے شکایت کی۔ حارث بن سراقہ، زیاد کے پاس گیا اور اس سے درخواست کی کہ وہ جو ان کی اونٹنی واپس کر دے اور اس کی جگہ دوسری اونٹنی لے لے۔ مگر زیاد اپنی ضد پر اڑا رہا۔

جب زیاد کسی بھی طرح سے بات ماننے پر آمادہ نہ ہوا تو حارث بن سراقہ نے وہ اونٹنی کھول کر جو ان کے حوالے کر دی اور اس سے کہا: تو اپنی اونٹنی لے جا میں اس سے خود نمٹ لوں گا۔ پھر حارث نے زیاد سے کہا: تجھے اس ہٹ دھرمی پر شرم آنی چاہیے۔ ہم نے رسول خدا کی زندگی میں ان کی اطاعت کی تھی اور اگر آپ کی وفات کے بعد آپ کے خاندان کا کوئی فرد مسند خلافت پر ہوتا تو اس کی بھی ضرور پیروی کرتے۔ ہم ابو قحافہ کے فرزند کی اطاعت اور بیعت پر رضا مند نہیں ہیں۔ پھر اس نے چند اشعار پڑھے جن میں سے ایک شعر یہ تھا:

اطعنا رسول اللہ اذ كان بيننا فيا عجا ممن يطيع ابابكر

”جب تک رسول خدا ہمارے درمیان موجود تھے ہم نے ان کی

اطاعت کی۔ مجھے تو ابوبکر کی اطاعت کرنے والوں پر تعجب ہوتا ہے۔“

بنی کندہ کے ایک اور سردار حارث بن معاویہ نے زیاد سے کہا:

تو ایک ایسے شخص کی اطاعت کی دعوت دے رہا ہے جس کی اطاعت کا رسول خدا نے ہمیں کوئی حکم نہیں دیا تھا اور نہ ہی تمہیں اس کے متعلق کچھ فرمایا تھا۔

زیاد نے کہا:

تو سچ کہتا ہے مگر ہم نے ابوبکر کا انتخاب کیا ہے۔

حارث بن معاویہ نے زیاد سے کہا:

اچھا مجھے یہ بتاؤ تم نے رسول خدا کے اہل بیت کو نظر انداز کیوں کیا؟

جب کہ آنحضرتؐ کا خاندان ہی آپ کا وارث ہے کیونکہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

”وَأُولُو الْأَرْحَامِ بَعْضُهُمْ أَوْلَىٰ بِبَعْضٍ فِي كِتَابِ اللَّهِ“

’خدا کے قانون کے مطابق رشتہ دار ایک دوسرے کی میراث کے زیادہ حقدار ہیں۔‘

زیاد نے کہا: مہاجرین و انصار اپنے معاملات کو تجھ سے بہتر سمجھتے ہیں۔

حارث نے کہا: خیر جانتا تو میں بھی ہوں تم نے اہل بیت رسول سے حسد کیا ہے اور میرا دل یہ بات ماننے پر آمادہ نہیں ہے کہ رسول خدا اپنا جانشین مقرر کیے بغیر دنیا سے رخصت ہو گئے ہوں اب تو ہمارے پاس سے چلا جا کیونکہ تو ایسی خلافت کی دعوت دیتا ہے جس میں خدا کی رضا شامل نہیں ہے۔ پھر حارث نے یہ شعر پڑھا:

كان رسول الله هو المطاع فقد مضى

صلى عليه الله لم يستخلف.

’رسول خدا ہمارے حکمران تھے اب وہ دنیا سے رخصت ہو گئے

ہیں اور عجیب بات یہ ہے کہ انہوں نے کسی کو اپنا جانشین مقرر نہیں کیا۔‘

زیاد نے زکوٰۃ کے ادنث مدینہ روانہ کیے بعد ازاں خود مدینہ گیا اور حضرت

ابوبکر کو واقعات کی اطلاع کی۔

حضرت ابوبکر نے چار ہزار کا لشکر اس کے ساتھ روانہ کیا۔ زیاد لشکر کو ساتھ

لے کر حضرموت کی طرف روانہ ہوا اور راستے میں قبائل کندہ کا قتل عام کیا اور انہیں

قیدی بنایا اور قبیلہ کندہ کی ایک شاخ بنی ہند پر اس نے یلغار کی اور ان کے مردوں کو

قتل کیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔

پھر بنی کندہ کی ایک اور شاخ بنی عقیل پر ان کی بے خبری کے عالم میں حملہ کیا۔ جب زیاد کا لشکر نمودار ہوا تو اس قبیلہ کی عورتیں چیخنے لگیں اور اس کے مردوں نے مقابلہ کیا۔ کچھ دیر تک مقابلہ جاری رہا آخر کار سربکاری لشکر کو فتح ہوئی اور مخالفین کی بڑی تعداد قتل ہوئی اور عورتوں اور بچوں کو قیدی بنایا گیا۔

اشعث بن قیس کا تعلق بھی قبیلہ کندہ سے تھا جب اسے اپنے قبیلہ کی بربادی کا علم ہوا تو وہ ایک لشکر لے کر آیا اور اس نے زیاد سے اپنے تمام قیدی بزور شمشیر آزاد کرا لیے اور انہیں ان کے گھروں میں بھیج دیا۔

حضرت ابوبکر کو اشعث کی حرکت کا علم ہوا تو انہوں نے اشعث کو خط لکھا جس میں اسے اپنی حکومت تسلیم کرنے کا مشورہ دیا۔

جب قاصد خط لے کر اشعث کے پاس آیا تو اس نے قاصد سے کہا۔ عجیب بات ہے اگر ہم ابوبکر کی حکومت کی مخالفت کریں تو ہمیں کافر کہا جائے اور اگر ابوبکر ہماری قوم کو قتل کر دے تو وہ مسلمان رہے!!

قاصد جو کہ حکومت کا کچھ زیادہ ہی خیر خواہ تھا اس نے اشعث سے کہا۔ تو واقعی کافر ہے کیونکہ تو نے جماعت مسلمین کی مخالفت کی ہے۔ اشعث کے چچا زاد کے ایک غلام نے جب یہ جواب سنا تو وہ برداشت نہ کر سکا اس نے تلوار سے قاصد کی گردن اڑادی۔ اشعث نے غلام کو آفرین کہی۔

زیاد نے حضرت ابوبکر کو خط لکھا کہ آپ کا قاصد مارا گیا ہے اور ہم مخالفین کا محاصرہ کیے ہوئے ہیں اس خط کے بعد حضرت ابوبکر نے حاضرین سے مشورہ کیا تو ابو ایوب انصاری نے کہا ان لوگوں کی تعداد بہت زیادہ ہے اور اگر وہ جمع ہونا چاہیں تو بڑی تعداد میں جمع ہو سکتے ہیں۔ آپ اپنے لشکر کو واپس بلا لیں اور اس سال انہیں کچھ نہ کہیں۔ مجھے امید ہے کہ آئندہ برس وہ اپنی مرضی سے زکوٰۃ دیتے

لگ جائیں گے۔ حضرت ابوبکر نے کہا:

خدا کی قسم! اگر وہ زکوٰۃ کی ایک رسی بھی روکیں گے تو میں ان سے جنگ کروں گا اور انہیں حق تسلیم کرنے پر مجبور کر دوں گا۔ پھر حضرت ابوبکر نے ابوجہل کے بیٹے عکرمہ کو خط لکھا کہ وہ اپنے ساتھیوں کو لے کر زیاد کی مدد کو پہنچے اور راستے میں عولوں کے وفازار قبائل کو بھی اپنے ساتھ شامل کرے اور اشعث کی سرکوبی کرے۔ عکرمہ نے مکہ سے دو ہزار کاشکر ساتھ لیا اور قبائل کندہ کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوا۔ اہل دبا کو علم ہوا کہ عکرمہ قبائل کندہ کی سرکوبی کے لیے لشکر لے کر جا رہا ہے تو انہوں نے کہا کہ ہم یہ ظلم و ستم برداشت نہیں کر سکتے۔ پھر انہوں نے شورش بپا کر کے حضرت ابوبکر کے حاکم کو اپنے شہر سے نکال دیا اور اپنے علاقہ کا نظم و نسق خود سنبھال لیا۔ حضرت ابوبکر کو اہل دبا کی شورش کا علم ہوا تو انہوں نے عکرمہ کو خط لکھ کر حکم دیا کہ زیاد کی مدد سے پہلے تم اہل دبا کی سرکوبی کرو۔ خط ملتے ہی عکرمہ اہل دبا کی طرف روانہ ہوا اور حکومتی فوج اور اہل دبا میں زبردست رن پڑا۔

اہل دبا نے اپنی کمزوری محسوس کی تو وہ قلعہ میں چلے گئے۔ جہاں عکرمہ نے ان کا محاصرہ کیا اور اہل قلعہ نے اسے صلح کا پیغام بھیجا اور زکوٰۃ دینے پر اپنی رضا مندی کا اظہار کیا۔ عکرمہ اپنی قوت کے نشہ میں غمور تھا۔ اس نے ان کی پیشکش مسترد کر دی۔ آخر کار کافی جدوجہد کے بعد حکومتی فوج قلعہ میں داخل ہو گئی اور تمام معززین شہر کو قتل کر دیا اور ان کی عورتوں اور بچوں کو قید کر کے مدینہ روانہ کیا۔

حضرت ابوبکر کا ارادہ تھا کہ قیدی مرد قتل کر دیے جائیں اور عورتوں کو کینز بنا کر تقسیم کر دیا جائے۔ مگر حضرت عمر نے اس رائے سے اختلاف کیا اور کہا: خلیفہ رسول! یہ لوگ مسلمان ہیں اور یہ حلیفہ بیان دیتے ہیں کہ انہوں نے اسلام سے انحراف نہیں کیا تھا اسی لیے ان کے لیے ایسا فرمان جاری کرنے سے اجتناب کریں۔

حضرت ابو بکر نے تمام قیدیوں کو زندان بھیج دیا اور ان کی وفات کے بعد حضرت عمر کے دور خلافت میں انہیں رہائی نصیب ہوئی۔

اہل دبا کی مہم سے فارغ ہو کر ابو جہل کا بیٹا عکرمہ زیاد کی مدد کے لیے روانہ ہوا۔ مقام زرقان میں معرکہ کا رزار گرم ہوا۔ جہاں اشعث تاب مقاومت نہ لا سکا اور باقی ماندہ لوگوں کے ساتھ قلعہ بخیر میں قلعہ بند ہو گیا۔ مگر دشمن بھی پیچھا چھوڑنے والے نہ تھے۔ انہوں نے قلعہ کے گرد محاصرہ ڈال دیا۔ جب محاصرہ نے طول کھینچا اور قلعہ میں خوراک اور پانی کا ذخیرہ ہوا تو اشعث چپکے سے ایک رات قلعہ سے باہر نکلا اور زیاد اور عکرمہ سے یہ ساز باز کی کہ اگر اسے اور اس کے گھر کے نو آدمیوں کو امان دے دی جائے تو قلعہ کا دروازہ کھلوا دے گا۔

یہ شرمناک معاہدہ طے ہونے کے بعد قلعہ کا دروازہ کھول دیا گیا تو زیاد اور عکرمہ کی فوجیں ان پر ٹوٹ پڑیں۔ اس معرکہ میں آٹھ سو آدمی مارے گئے کئی عورتوں کے ہاتھ قلم کیے گئے اور ایک ہزار قیدی عورتوں کو بیڑیوں میں جکڑ کر مدینہ روانہ کیا گیا۔^(۱)

۳۔ عمل صحابہ سے استدلال کی تردید

عمل صحابہ حجت نہیں ہے اور نہ ہی وہ کتاب و سنت کی طرح سے اسلامی شریعت کا سرچشمہ ہے۔ جب کہ رسول خدا کا قول و فعل دین میں حجت ہے اور اللہ تعالیٰ نے آپ کے لیے فرمایا:

۱۔ یہ واقعات فتوح البلدان بلاذری ص ۱۲۲-۱۲۳۔ فتوح ابن اعثم ۱/۵۷-۵۸۔ میں مرقوم ہیں ہم نے اپنے الفاظ میں ان کا جامع خلاصہ تحریر کیا ہے۔ تفصیل کے لیے ہماری کتاب ”عبداللہ بن سبا“ کا مطالعہ فرمائیں۔

۱. لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُولِ اللَّهِ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (الاحزاب: ۲۱)

رسول خدا تمہارے لیے قابل تقلید نمونہ ہیں۔

۲. مَا آتَاكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا.

(الحشر: ۷)

”جو کچھ رسول تمہیں دیں اسے لے لو اور جس سے منع کریں رک جاؤ۔“

عمل صحابہ کے لیے قرآن مجید میں ایسی کوئی آیت موجود نہیں ہے اور اگر بالفرض عمل صحابہ کو دین میں حجت مان لیا جائے تو پھر پریشانی یہ ہوگی کہ صحابہ میں سے کس صحابی کی پیروی کی جائے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ بہت سے مسائل میں صحابہ کا ایک دوسرے سے اختلاف تھا۔ مثلاً وفات پیغمبر کے دن رسول خدا کے چچا نے حضرت علیؑ سے کہا تھا کہ آپ ہاتھ بڑھائیں میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔

اور اسی دن حضرت عمر نے سفینہ بن ساعدہ میں حضرت ابوبکر کی بیعت کی تھی۔ اب اس اختلاف کی صورت میں مسلمان کس صحابی کے عمل اور رائے پر عمل کریں اور کس کے عمل کو ترک کریں؟

اسی طرح سے ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ کے مقابلہ میں طلحہ زبیر اور معاویہ نے جنگ کی تھی اور دونوں طرف سے صحابی موجود تھے۔ اس حالت میں مسلمان آخر کس صحابی کی پیروی کریں اور کس کی پیروی نہ کریں؟

ان تمام ترمشکلات سے بچنے کا صرف یہی راستہ ہے کہ ہم صدق دل سے یہ نظریہ رکھیں کہ صحابہ غیر معصوم تھے اور ان کا عمل امت کے لیے حجت نہیں تھا۔

فرمانِ علیؑ سے استدلال کی حقیقت

کتبِ خلافت کے پیروکار جب سفیفائی خلافت کو قرآن و حدیث سے ثابت کرنے میں ناکام ہوتے ہیں تو وہ نہج البلاغہ سے حضرت علیؑ علیہ السلام کے

ایک خط کا اقتباس پیش کر کے اپنی خلافت کو سند جواز دینے کی کوشش کرتے ہیں۔
حضرت علی علیہ السلام نے معاویہ بن ابی سفیان کے نام ایک خط لکھا جس
میں آپ نے تحریر فرمایا:

انه بايعنى القوم الذين بايعوا ابابكر و عمر و عثمان
على ما بايعوهم عليه فلم يكن للشاهد ان يختار ولا
للمغائب ان يرد. و انما الشورى للمهاجرين
والانصار فان اجتمعوا على رجل و سموه اماما كان
ذلك لله رضى فان خرج من امرهم خارج بطعن او
بدعة ردوه الى ماخرج منه فان ابى قاتلوه على
اتباعه غير سبيل المومنين و ولاه الله ماتولى.....

(نسخ البلاغ حصہ مکاتیب مکتوب ۶)

جن لوگوں نے ابوبکر، عمر اور عثمان کی بیعت کی تھی، انہوں نے میرے ہاتھ
پر اسی اصول کے مطابق بیعت کی جس اصول پر وہ ان کی بیعت کر چکے تھے اور اس
کی بنا پر جو حاضر ہے اسے پھر نظر ثانی کا حق نہیں اور جو بروقت موجود نہ ہو اسے رد
کرنے کا اختیار نہیں۔

اور شوریٰ کا حق صرف مہاجرین و انصار کو ہے، وہ اگر کسی پر ایکا کر لیں اور
اسے خلیفہ سمجھ لیں تو اسی میں اللہ کی رضا و خوشنودی سمجھی جائے گی۔ اب جو کوئی اس
کی شخصیت پر اعتراض یا نیا نظریہ اختیار کرتا ہوا الگ ہو جائے تو اسے وہ سب اسی
طرف واپس لائیں گے، جدھر سے وہ منحرف ہوا ہے اور اگر انکار کرے تو اس سے
لڑیں کیونکہ وہ مومنوں کے طریقے سے ہٹ کر دوسری راہ پر ہو لیا ہے اور جدھر وہ پھر
گیا ہے، اللہ تعالیٰ بھی اسے اُدھر ہی پھیر دے گا.....“ الی آخرہ

امیر المؤمنین علیہ السلام کے اس خط کو پیش کر کے مکتب خلافت کے وکلاء یہ استدلال کرتے ہیں کہ حضرت علی نے فرمایا کہ ان کی خلافت بیعت شوریٰ اور اجماع مہاجرین و انصار کی اساس پر قائم ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ حضرت علی کی نظر میں خلافت کی اساس بیعت شوریٰ اور مہاجرین و انصار کا اجماع ہے۔

اس اعتراض کا جواب یہ ہے کہ سید رضی رحمۃ اللہ علیہ کا نہج البلاغہ میں یہ اسلوب ہے کہ وہ حضرت امیر علیہ السلام کا مکمل خطبہ یا خط نقل نہیں کرتے بلکہ وہ حضرت کے خطبات و خطوط میں سے صرف اسی حصے کا انتخاب کرتے ہیں جسے وہ بلاغت کے اعلیٰ مقام پر فائز سمجھتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ نہج البلاغہ میں ہمیں لفظ ”مِنْهَا“ بار بار دکھائی دیتا ہے۔ حضرت کا پورا خط نسر بن مزاحم نے کتاب صفین میں نقل کیا ہے جس کی عبارت حسب ذیل ہے:

بسم الله الرحمن الرحيم. اما بعد. فان بيعتي
 بالمدينة لزمتمك و انت بالشام لانه بايعنى القوم
 الذين بايعوا ابابكر و عمر و عثمان على ما بيعوا
 عليه، فلم يكن للشاهد ان يختار ولا للغائب ان يرد.
 وانما الشورى للمهاجرين والانصار فاذا اجتمعوا
 على رجل فسموه كان ذلك لله رضى فان خرج
 من امرهم خارج بطعن او رغبة ردوه الى ما خرج
 منه. فان ابى قاتلوه على اتباعه غير سبيل المؤمنين و
 ولاه الله ويصليه جهنم و ساءت مصيرا. وان
 طلحة و الزبير بايعانى ثم نقضا بيعتى و كان نقضهما
 كردهما فجاهدتهما على ذلك حتى جاء الحق

وظھر امحر اللہ وہم کارھون۔ فادخل فیما دخل
 فیہ المسلمون فان احب الامور الی فیک العافیة
 الا ان تتعرض للبلاء فان تعرضت له قاتلتک
 واستعنت اللہ علیک وقد اکثرت فی قتلة عثمان
 فادخل فیما دخل فیہ المسلمون، ثم حاکم القوم
 الی احمک و ایاھم علی کتاب اللہ۔ فاما تلک
 التی تریدھا فخدعة الصبی عن اللبن۔ ولعمری لئن
 نظرت بعقلک دون هواک لتجدنی ابرا قریش من
 دم عثمان واعلم انک من الطلقة الذین لا تحل لهم
 الخلافة والاتعرض فیهم الشوری و قد ارسلت
 الیک جریر بن عبداللہ وهو من اهل الایمان
 والهجرة فبايع ولا قوة الا باللہ۔

(کتاب صفین نصر بن مزاحم طبع قاہرہ ص ۲۹)

”مدینہ میں قائم ہونے والی میری خلافت کا تجھے شام میں تسلیم
 کرنا ضروری ہے۔ کیونکہ جن لوگوں نے ابوبکر، عمر اور عثمان کی
 بیعت کی تھی انہوں نے میرے ہاتھ پر اسی اصول کے مطابق
 بیعت کی جس اصول پر ان لوگوں کی بیعت کی گئی تھی۔ اس بنا
 پر جو حاضر ہے اسے نظر ثانی کا حق نہیں اور جو بروقت موجود نہ
 ہو اسے رد کرنے کا اختیار نہیں اور شوری کا حق صرف مجھ جابرین
 و انصار کو ہے۔ وہ اگر کسی پر ایسا کر لیں اور اسے خلیفہ سمجھ لیں تو
 اسی میں اللہ کی رضا و خوشنودی سمجھی جائے گی۔ اب جو کوئی اس
 کی شخصیت پر اعتراض یا انحراف کرتا ہوا الگ ہو جائے تو اسے

وہ سب اسی طرف واپس لائیں گے جدھر سے وہ منحرف ہوا ہے اور اگر انکار کرے تو وہ اس سے لڑیں کیونکہ وہ مومنوں کے طریقہ سے ہٹ کر دوسری راہ پر ہو لیا ہے اور جدھر وہ پھر گیا ہے اللہ تعالیٰ بھی اسے ادھر ہی پھیر دے گا اور اسے دوزخ میں ڈالے گا جو بدترین ٹھکانہ ہے۔“

اور طلحہ وزبیر نے بھی میری بیعت کی تھی پھر انہوں نے میری بیعت کو توڑ دیا تھا۔ ان کا بیعت توڑنا ان کے ارتداد کے مترادف تھا جس کی وجہ سے میں نے ان سے جہاد کیا یہاں تک کہ حق آ گیا اور اللہ کا فرمان غالب آیا جب کہ وہ اس سے متنفر تھے۔ تو بھی اسی میں داخل ہو جس میں دوسرے مسلمان داخل ہوئے ہیں۔ میں تیرے متعلق عافیت کو پسند کرتا ہوں ہاں اگر تو خود ہی آزمائش میں آجائے تو میں تجھ سے جنگ کروں گا اور تیرے خلاف خدا سے مدد طلب کروں گا۔ تو نے قاتلین عثمان کا زیادہ ذکر کیا ہے۔ ارہ کا حل یہ ہے کہ تو بھی باقی مسلمانوں کی طرح سے ہماری اطاعت میں شامل ہو جا اور اس کے بعد تو ہم سے فیصلہ طلب کر۔ اس صورت میں میں کتاب اللہ کے مطابق تیرا اور ان کا فیصلہ کروں گا۔ اس حل کے علاوہ جس طرح سے تو چاہتا ہے تو یہ تو ایک دھوکہ ہے جیسا کہ بچے کو دودھ چھڑانے کے لیے دھوکہ دیا جاتا ہے۔ (میں تیرے اس دھوکے میں آنے کا نہیں ہوں)

مجھے اپنی بقا کی قسم اگر تو اپنی خواہش سے ہٹ کر عقل کی نگاہ سے دیکھے تو تجھے دکھائی دے گا کہ میں باقی تمام قریش کی بہ نسبت خون عثمان سے زیادہ بری الذمہ ہوں۔ تجھے معلوم ہونا چاہیے کہ تیرا تعلق ”طلقاء“ کی اس جماعت سے ہے جن کے لیے خلافت ناجائز ہے اور جن کا شورئہ میں کوئی حصہ نہیں ہے۔ میں نے تیری طرف جریر بن عبد اللہ کو روانہ کیا ہے۔ وہ اہل ایمان و ہجرت ہے۔ تو اس کے

ہاتھ پر بیعت کر۔ خدائے بزرگ و برتر کے علاوہ کوئی قوت نہیں ہے۔

اس پورے خط کو پڑھ کر انسان اس نتیجے پر پہنچتا ہے کہ حضرت علی علیہ السلام نے اپنے حریف معاویہ کو ہر طرح سے لا جواب کیا کیونکہ معاویہ خلفائے ثلاثہ کی خلافت کا شد و مد سے قائل تھا اور سابقہ حکومتیں بیعت، شوریٰ اور اجماع صحابہ پر قائم تھیں۔ آپ نے معاویہ کے سامنے اس کا مسلمہ نظریہ رکھ کر اس پر حجت تمام کی اور یہ وہی طرز عمل ہے جسے فرض الباطل مع الخصم حتی تلزمہ الحجۃ (حریف کے سامنے اس کے غلط مسلمات کو پیش کر کے اس پر حجت قائم کرنا) سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ کیونکہ کسی مرحلہ پر امیر المومنین نے خلافت کی حجت کا معیار شوریٰ اور رائے عامہ کو نہیں سمجھا ورنہ جن خلافتوں کے متعلق یہ کہا جاتا ہے کہ وہ مہاجرین و انصار کے اتفاق رائے سے قرار پائی تھیں۔ آپ اس رائے عامہ کو سند و حجت سمجھتے ہوئے ان کو صحیح اور درست تسلیم کرتے۔ مگر آپ کا دور اوّل ہی سے بیعت کا انکار کرنا کہ جس سے کسی کو انکار نہیں ہو سکتا۔ اس کی دلیل ہے کہ آپ ان خود ساختہ اصولوں کو خلافت کا معیار نہ سمجھتے تھے۔ اس لیے آپ ہر دور میں اپنے استحقاق خلافت کو پیش کرتے رہے کہ جو رسول اللہ سے قولاً و عملاً ثابت تھا۔ مگر معاویہ کے مقابلہ میں اسے پیش کرنا سوال و جواب کا دروازہ کھول دینا تھا۔ اسی لیے آپ نے اس خط کے ذریعہ اسی کے مسلمات و معتقدات سے اسے قائل کرنا چاہا ہے تاکہ اس کے لیے تاویلات کے الجھاوے ڈالنے کی کوئی گنجائش باقی نہ رہے ورنہ وہ تو یہ چاہتا ہی تھا کہ کسی طرح بات بڑھتی جائے تاکہ کسی موڑ پر اس کے متزلزل اقتدار کو سہارا مل جائے۔

۲۔ آپ کے خط کا ایک جملہ یہ ہے:

”فاذا اجتمعوا علی رجل فسموه اماما کان ذلک

لِلّٰهِ رَضِيّ

”جب وہ کسی پر ایکا کر لیں اور اسے خلیفہ تسلیم کر لیں تو اسی میں خدا کی رضا و خوشنودی سمجھی جائے گی۔“

بعض نسخوں میں اس طرح سے وارد ہے: ”وكان ذلك رضى“ یعنی مہاجرین و انصار کا اجماع اس وقت قابل قبول ہے جب ان کی رضا و رغبت اس میں شامل ہو اور اگر تلوار کے زور پر کسی کو اپنے ساتھ شامل کیا جائے تو ایسا اجماع کسی صورت قابل قبول نہیں ہے۔

اور اگر ”كان ذلك للهِ رضى“ کا جملہ ہی صحیح تسلیم کیا جائے تو بھی ہم اس پر مکمل ایمان رکھتے ہیں کیونکہ حضرت نے اس جملہ سے یہ واضح کیا ہے کہ جس شخص پر تمام مہاجرین و انصار کا ایکا ہو تو اس میں خدا کی خوشنودی سمجھی جائے گی۔

اور جس خلافت میں سرے سے حضرت علی شامل ہی نہ ہوں اور جو انان جنت کے سردار جس خلافت کے مخالف ہوں اور خاتون جنت جس خلافت کو تسلیم نہ کرتی ہوں تو وہ خلافت عام مسلمانوں کی نمائندہ تو کہی جاسکتی ہے لیکن خدا کی خوشنودی اور رضا کی مظہر نہیں کہلا سکتی نہ ہی اسے خلافت مرسل کا درجہ دیا جاسکتا ہے۔

دعوتِ انصاف

مکتبِ خلافت کے وکلاء سے ہماری درخواست ہے کہ سقیفائی حکومت کے اثبات کے لیے جب وہ نہج البلاغہ کے اس خط سے استدلال کرتے ہیں تو انہیں نہج البلاغہ کے دوسرے خطبات و کلمات یاد کیوں نہیں آتے جن میں حضرت نے شیخین کی خلافت پر تنقید کی ہے اور ان کی خلافت کو خلافِ ضابطہ و اصول قرار دیا ہے۔

نہج البلاغہ کے باب الحکم میں مرقوم ہے:

جب وفات پیغمبر کے بعد آپ کو سقیفہ کی کاروائی کی اطلاع ملی تو آپ نے فرمایا:
انصار نے کیا کہا تھا؟ آپ کو بتایا گیا کہ انصار نے کہا تھا۔ ”منا امیر و
منکم امیر“ ایک امیر ہم میں سے اور ایک تم میں سے ہونا چاہیے۔

یہ سن کر آپ نے فرمایا: تو تم نے ان کے سامنے یہ دلیل کیوں نہ پیش کی
کہ رسول خدا نے ان کے متعلق وصیت کی تھی کہ ان کے نیکو کار سے بھلائی کی جائے
اور ان کے گناہ گار سے درگزر کیا جائے؟

لوگوں نے کہا: اس میں انصار کے موقف کے خلاف کون سی دلیل پائی
جاتی ہے؟

آپ نے فرمایا: اس میں دلیل یہ ہے کہ اگر انہوں نے ہی حاکم بننا ہوتا تو
ان کے متعلق وصیت ہی کیوں کی جاتی؟

پھر آپ نے فرمایا: قریش نے کیا دلیل پیش کی؟
آپ کو بتایا گیا کہ قریش نے یہ دلیل دی تھی کہ وہ شجرہ رسول ہیں۔
حضرت نے فرمایا:

شجر سے تو دلیل دی گئی ہے لیکن انہوں نے اس شجر کے ثمر کو ضائع کر دیا
ہے۔ (ثمر سے مراد اہل بیت رسول ہیں۔)

نہج البلاغہ کے باب الحکم میں آپ کا یہ مختصر فرمان بھی مرقوم ہے:
واعجابہ اتکون الخليفة بالصحابة ولا تکون
بالصحابة والقراة!!

”تعجب ہے کہ صحابیت کی بنیاد پر تو خلافت مل جائے لیکن

صحابیت اور قرابت دونوں کی موجودگی میں خلافت نہ ملے!“

سید رضی کہتے ہیں کہ اس مفہوم کے اشعار بھی حضرت سے مروی ہیں:

فان كنت بالشورى ملكت امورهم
فكيف بهذا والمشيرون غيب
وان كنت بالقربى حججت خصيمهم
فغيرك اولى بالنسبى واقرب
”اگر تم شوری کے ذریعہ لوگوں کے سیاہ و سفید کے مالک ہو
گئے تو یہ کہیے جب کہ مشورہ دینے کے حقدار افراد ہی سرے
سے موجود نہیں تھے اور اگر قرابت کی وجہ سے تم اپنے حریف پر
غالب آئے ہو تو پھر تمہارے علاوہ دوسرا بنی کا زیادہ حقدار اور
ان سے زیادہ قریبی ہے۔“

(نسخ البلاغہ۔ باب الحکم ۱۸۰ تحقیق عمر ابو الفضل ابراہیم)

خطبہ شقشقیہ

نسخ البلاغہ کا نام لے کر سقیفائی حکومت کا جواز تلاش کرنے والوں کو ہم نسخ
البلاغہ کے خطبہ شقشقیہ کے مطالعہ کی دعوت دیتے ہیں اور عرض کرتے ہیں کہ اس
خطبہ میں حضرت نے اچھی طرح سے حقائق و اشکاف کئے ہیں ذیل میں ہم اس عظیم
خطبہ کو نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں:

اما والله لقد تقمصها ابن ابى قحافة وانه ليعلم ان
محلها منها محل القطب من الرحي ينحدر عنى
السيول ولا يرقى الى الطير فسدلت دونها ثوبا و
طويت عنها كشحا و طففت ارتائى بين ان اصول
بيد جذاء او اصبر على طغية عمياء. يهرم فيها
الكبير ويشيب فيها الصغير ويكدح فيها مؤمن حتى

يلقى ربه فرأيت ان الصبر على هاتا احبلى فصبرت
و فى العين قذى و فى الحلق شجا ارى ترائى نها
حتى مضى الاول لسبيله فادلى بها الى فلان بعده

(ثم تشمل بقول الأبي)

شتان مايومى على كورها..... ويوم حيان اخى جابر
فيا عجبنا بينا هو يستقلها فى حياته اذ عقدها لآخر
بعد وفاته لشد ما تشطر اضرعها فصيرها فى حوزة
خشناء يغلظ كلامها و يخشن مسها و يكشر العثار
فيها والاعتذار منها فصاحبها كراكب الصعبة ان
اشق لها خرم و ان اسلس لها تقحم فمنى الناس
لعمر الله بخبط و شماس و تلون واعتراض
فصبرت على طول المدة و شدة المحنة حتى اذا
مضى لسبيله جعلها فى جماعة زعم انى احدهم فيا
لله وللشورى متى اعترض الريب فى مع الاول منهم
حتى صرت اقرن الى هذه النظائر لكنى اسففت اذا
سفوا و طرت اذا طاروا.

فصغى رجل منهم لضغنه و مال الاخر لصهره مع هن وهن
الى ان قام ثالث القوم نافجا حضنيه بين نثيله و
معتلفه و قام معه بنوايبه يخضمون مال الله خضمة
الابل نبتة الربيع الى ان انتكث فتله واجهز عليه
عمله و كبت به بطنته فمارا عنى الا (والناس)
كعرف الضبع الى نيشالون على من كل جانب حتى

لقد و طئ الحسنان و شق عطفای مجتمعین حولی
 کربیضة الغنم فلما نهضت بالامر نکث طائفة
 و مرقت اخرى و قسط اخرون کانهم لم یسمعوا
 کلام اللہ حیث یقول تلک الدار الاخرة نجعلها
 للذین لا یریدون غلوا فی الارض ولا فسادا و العاقبة
 للمتقین) بلی واللہ لقد سمعوها و وعوها و لکنهم
 حلیت الدنیا فی اعینهم و راقهم زبرجها اما و الذی
 فلق الحبة و برأ النسمة لولا حضور الحاضر و قیام
 الحججة بوجود الناصر و ما اخذ اللہ علی العلماء ان لا
 یقار و اعلى کظة ظالم ولا سنب مظلوم لالتقیت حبلا
 علی غاربها و لسقیت اخرها بکأس اولها و الالفیتم
 دنیا کم هذه ازهد عندی من عطفة عنز. نهج البلاغه
 خطبه ۳

”خدا کی قسم! فرزند ابو قحافہ نے پیراہن خلافت پہن لیا حالانکہ میرے
 بارے میں اچھی طرح جانتا تھا کہ میرا خلافت میں وہی مقام ہے جو چکی کے اندر
 اس کی کیلی کا ہوتا ہے۔ میں وہ (کوہ بلند ہوں) جس پر سے سیلاب کا پانی گزر کر
 نیچے گر جاتا ہے اور مجھ تک پرندہ پر نہیں مار سکتا۔ (اس کے باوجود) میں نے خلافت
 کے آگے پردہ لٹکا دیا اور اس سے پہلو تہی کر لی اور سوچنا شروع کیا کہ اپنے کئے
 ہوئے ہاتھوں سے حملہ کروں یا اس بھیا تک تیرگی پر صبر کروں جس میں سن رسیدہ
 بالکل ضعیف اور بچہ بوڑھا ہو جاتا ہے اور مومن اس میں جدوجہد کرتا ہوا اپنے
 بردگار کے پاس پہنچ جاتا ہے۔ مجھے اس اندھیر پر صبر ہی قرین عقل نظر آیا۔ لہذا

میں نے صبر کیا۔ حالانکہ آنکھوں میں (غبار اندوہ کی) غلش تھی اور حلق میں (غم و رنج کے) کے پھندے لگے ہوئے تھے میں اپنی میراث کو لٹتے دیکھ رہا تھا یہاں تک کہ پہلے نے اپنی راہ لی اور اپنے بعد خلافت ابن خطاب کو دے گیا۔ (پھر حضرت نے بطور تمثیل اُسی کا شعر پڑھا)

”کہاں یہ دن جو ناقہ کے پاوان پر کٹتا ہے اور کہاں وہ دن جو جہاں برادر جابر کی صحبت میں گزرتا تھا۔“ تعجب ہے کہ وہ زندگی میں تو خلافت سے سبکدوش ہونا چاہتا تھا؛ لیکن اپنے مرنے کے بعد اس کی بنیاد دوسرے کے لیے استوار کرتا گیا۔ بیشک ان دونوں نے سختی کے ساتھ خلافت کے تھنوں کو آپس میں بانٹ دیا۔ اس نے خلافت کو ایک سخت و درشت محل میں رکھ دیا۔ بس کے چر کے کاری تھے۔ جس کو چھو کر بھی درشتی محسوس ہوتی تھی۔ جہاں بات بات میں ٹھوکر کھانا اور پھر عذر کرنا تھا۔ جس کا اس سے سابقہ پڑے وہ ایسا ہے جیسے سرکش اونٹنی کا سوار مہار کھینچتا ہے تو (اس کی منہ زوری سے) اس کی ناک کا درمیانی حصہ ہی شگافہ ہوا جاتا ہے جس کے بعد مہار دینا ہی ناممکن ہو جائے گا) اور اگر باگ کو ڈھیلا چھوڑ دیتا ہے تو وہ اس کے ساتھ مہلکوں میں پڑ جائے گا۔ اس کی وجہ سے بقائے ایزد کی قسم! لوگ سبکروی، سرکشی، متلون مزاجی اور بے راہ روی میں مبتلا ہو گئے۔ میں نے اس طویل مدت اور شدید مصیبت پر صبر کیا یہاں تک کہ دوسرا بھی اپنی راہ لگا اور خلافت کو ایک جماعت میں محدود کر گیا اور مجھے بھی اس جماعت کا ایک فرد خیال کیا۔ اے اللہ! مجھے اس شورجی سے کیا لگاؤ؟ ان کے سب سے پہلے کے مقابلہ ہی میں میرے استحقاق و فضیلت میں کب شک تھا۔ جو اب ان لوگوں میں میں بھی شامل کر لیا گیا ہوں مگر میں نے یہ طریقہ اختیار کر لیا تھا کہ جب وہ زمین کے نزدیک ہو کر پرواز کرنے لگیں تو میں نے بھی اسی طرح کرنے لگوں اور جب وہ اٹھے ہو کر اڑنے لگے تو میں بھی اسی طرح

پرواز کروں۔ (یعنی حتی الامکان کسی نہ کسی صورت سے نباہ کرتا رہوں) ان میں سے ایک شخص تو کینہ و عناد کی وجہ سے منحرف ہو گیا اور دوسرا دامادی اور بعض ناگفتہ بہ باتوں کی وجہ سے ادھر جھک گیا۔ یہاں تک کہ اس قوم میں تیسرا شخص پیٹ پھلائے سرگین اور چارے کے درمیان کھڑا ہوا اور اس کے ساتھ اس کے بھائی بند اٹھ کھڑے ہوئے جو اللہ کے مال کو اس طرح نگتے تھے جس طرح اونٹ فصل ربیع کا چارہ چرتا ہے یہاں تک کہ وہ وقت آ گیا۔ جب اس کی بنی ہوئی رسی کے بل کھل گئے اور اس کی بد اعمالیوں نے اس کا کام تمام کر دیا اور شکم پری نے اسے منہ کے بل گرا دیا۔ اس وقت مجھے لوگوں کے ہجوم نے دہشت زدہ کر دیا جو میری جانب بچو کے ایساں کی طرح ہر طرف سے لگاتار بڑھ رہا تھا یہاں تک کہ عالم یہ ہوا کہ حسنؑ اور حسینؑ کچلے جا رہے تھے اور میری ردا کے دونوں کنارے پھٹ گئے تھے۔ وہ سب میرے گرد بکریوں کے گلے کی طرح گھیرا ڈالے ہوئے تھے۔ مگر اس کے باوجود جب میں امر خلافت کو لے کر اٹھا تو ایک گروہ نے بیعت توڑ ڈالی اور دوسرا دین سے نکل گیا اور تیسرے گروہ نے فسق اختیار کر لیا۔ گویا انہوں نے اللہ کا یہ ارشاد ہی سنا تھا کہ ”یہ آخرت کا گھر ہم نے ان لوگوں کے لیے قرار دیا ہے جو دنیا میں نہ (بے جا) بلندی چاہتے ہیں نہ فساد پھیلاتے ہیں اور اچھا انجام پر بیزگاروں کے لیے ہے۔“ ہاں ہاں خدا کی قسم! ان لوگوں نے اس آیت کو سنا تھا اور یاد کیا تھا لیکن ان کی نگاہوں میں دنیا کا جمال کھب گیا اور اس کی جج دھج نے انہیں لبھا دیا دیکھو۔ اس ذات کی قسم! جس نے دانہ کو شگافتہ کیا اور ذی روح چیزیں پیدا کیں اگر بیعت کرنے والوں کی موجودگی اور مدد کرنے والوں کے وجود سے مجھ پر حجت تمام نہ ہو گئی ہوتی اور وہ عہد نہ ہوتا جو اللہ نے علماء سے لے رکھا ہے کہ وہ ظالم کی شکم پڑی اور مظالم کی گرجی برائے لوگوں قرار سے نہ ٹھیں تو میں اس خلافت کی باگ ڈور اسی کے

کندھے پر ڈال دیتا اور اس کے آخر کو اسی پیالے سے سیراب کرتا جس پیالے سے اس کو اول نے سیراب کیا تھا اور تم اپنی دنیا کو میری نظروں میں بکری کی چھینک سے بھی زیادہ ناقابل اعتنا پاتے۔

جب آپ یہاں تک پہنچے تو ایک عراقی نے آپ کے سامنے ایک کاغذ رکھا آپ اسے دیکھنے لگ گئے۔ جب آپ فارغ ہوئے تو ابن عباس نے کہا۔
 مولا! آپ نے جہاں سے خطبہ چھوڑا تھا وہاں سے آگے ارشاد فرمائیں۔
 حضرت نے فرمایا: ابن عباس! وہ ایک شقیہ (توتھڑا) تھا جو نکلا اور پھر قرار پڑ لیا۔
 ابن عباس کہتے ہیں: مجھے آج تک کسی کلام کے متعلق اتنا دکھ کبھی نہیں ہوا جتنا کہ اس کے متعلق ہوا کیونکہ حضرت جو بیان کرنا چاہتے تھے وہ پورا بیان نہ کر سکے۔“
 نہج البلاغہ کے مکتوب کا سہارا لے کر شورلی ثابت کرنے والے حضرات کو چاہیے کہ وہ نہج البلاغہ کے اس خطبہ کو بھی نگاہوں میں رکھیں۔

۴۔ کیا جبر و غلبہ سے خلافت کا انعقاد درست ہے؟

اسلامی تاریخ کا مطالعہ کرنے والے اس حقیقت کو جانتے ہیں کہ حضرت علی علیہ السلام کی خلافت و حکومت کے علاوہ باقی جتنی بھی حکومتیں قائم ہوئیں وہ سب کی سب جبر و غلبہ کے اصول کے تحت قائم ہوئی تھیں اور ہر دور میں ”جس کی لاٹھی اس کی بھینس“ کا اصول کارفرما رہا ہے اور یہ سلسلہ ابتدائے امر سے لے کر آخری ترک عثمانی خلیفہ تک قائم رہا۔ مکتب خلافت کے علماء نے یہ اصول تحریر کیا ہے:

من غلب علیہم بالسيف حتى صار خليفة وسمی

امیر المومنین فلا یحل لاحد یؤمن باللہ والیوم

الآخر ان یتبیت ولا یراہ اما ما براکان او فاجرا۔

”جو شخص کسی کو غلب کرے اور اسے امیر المومنین بنا دے تو اس کے بعد کسی کو اس کا جانشین ہونا نہیں چاہیے۔“

اور اپنے آپ کو امیر المؤمنین کہلانے لگ جائے تو خدا اور آخرت پر ایمان رکھنے والے کسی بھی شخص کے لیے حلال نہیں ہے کہ وہ ایک رات اس حالت میں بسر کرے کہ اسے امام نہ سمجھتا ہو اور خلیفہ چاہے نیک ہو یا بد ہو مگر اسے امام سمجھنا ضروری ہے۔“

اس قاعدہ و قانون کو وضع کرنے والے افراد کے متعلق میں فیصلہ نہیں کر سکتا کہ اسلامی قانون کے یہ خود ساختہ محافظ اسلامی معاشرہ کی بات کر رہے ہیں یا جنگل کے قانون کی بات کر رہے ہیں؟

یہ قانون کسی جنگل میں تو نافذ ہو سکتا ہے مگر کسی باشعور معاشرہ میں اس قانون کو رائج نہیں کیا جا سکتا اور اسی قانون کا ثمر یہ ملا کہ آج مسلمان کہلانے والے افراد یزید بن معاویہ جیسے فاسق و فاجر ظالم کو خلیفہ و امام کہہ رہے ہیں اور یزید کی حمایت میں کتابیں لکھی جا رہی ہیں اور یزید کو سچا ثابت کرنے کے لیے ایڑی چوٹی کا زور لگایا جا رہا ہے۔

اس موضوع پر ویسے تو بہت سی کتابیں شائع ہو چکی ہیں اور ملی تھیلے سے باہر آچکی ہے، اور ماضی قریب میں یزید لعین کی حمایت میں وزارت اوقاف سعودی عرب کی طرف سے ایک کتاب شائع ہوئی ہے جس کے ٹائٹیل کی فوٹو سٹیٹ آپ اگلے صفحہ پر ملاحظہ کر سکتے ہیں۔

ہمارے تمام قارئین کو معلوم ہے کہ یزید بن معاویہ کائنات کا بدترین شخص تھا۔ اس نے نواسہ پیغمبر کو شہید کرایا۔ اہل حرم کو قید کرایا اور ان کی شہر بہ شہر تشہیر کرائی اس لعین نے کعبہ شریف پر سنگ باری کرائی اور اسی کے عہد حکومت میں واقعہ جو پیش آ رہا جس میں تین دن تک مسجد نبوی میں گھومتے رہے اور مسلمان

تین دن تک شامی فوج شہر مدینہ کو لوٹی رہی۔ ہزاروں عصمتیں برباد ہوئیں اور صحابہ کرام کی ایک ہزار کنواری بیٹیاں مائیں بنیں۔

اور آج ہمیں یہ دیکھ کر سخت تعجب ہوتا ہے کہ حرین شریفین کو تباہ و برباد کرنے والے شخص کی حمایت میں حرین ہی سے کتاب لکھی گئی ہے۔

یہ سب کچھ اس غلط اصول کے ماننے کا نتیجہ ہے جس کی وجہ سے یزید جیسے اسلام دشمن شخص کو بھی آج امیر المومنین کے لقب سے یاد کیا جا رہا ہے۔

سنت رسولؐ کے مخالف کی اطاعت

مکتب خلافت کا نظریہ ہم نے پیش کیا جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ ہر حکمران واجب الاطاعت ہوتا ہے اور وہ زمین پر خدا کا نائب اور ”ظل اللہ“ ہوتا ہے اور حاکم کے خلاف خروج کرنا حرام ہے۔

مکتب اہل بیت کا نظریہ اس نظریہ کے بالکل برعکس ہے اور مکتب اہل بیت میں بہت سی روایات موجود ہیں جن میں کہا گیا ہے کہ ظالم اور فاسق و فاجر کی اطاعت کرنا حرام اور اس کے خلاف خروج کرنا واجب ہے۔

حضرت امام حسین علیہ السلام نے جناب رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے روایت کی کہ آپ نے فرمایا:

من رأى سلطانا جائرا مستحلا لحرم الله ناكثا عهده
مخالفا لسنة رسول الله (ص) يعمل في عباد الله
بالاثم والعدوان فلم يغير عليه بفعل ولا قول كان
حقا على الله ان يدخله مدخله. (1)

۱۔ امام حسین نے یہ حدیث اپنے اس خطبہ میں بیان فرمائی جو آپ نے لکھنؤ کے سامنے دیا اور یہ خطبہ تاریخ طبری ابن اثیر اور مفضل خوارزمی میں موجود ہے۔

”جو شخص کسی ایسے حکمران کو دیکھے جو ظالم ہو اور حرمت خداوندی کا احترام نہ کرتا ہو اور اپنے عہد کو توڑ دیتا ہو اور سنت رسول کا مخالف ہو اور بندگان خدا سے گناہ اور زیادتی روا رکھتا ہو اس کے باوجود بھی اگر کوئی مسلمان اپنے قول و فعل سے اسے تبدیل نہیں کرتا تو اللہ تعالیٰ کو حق حاصل ہے کہ وہ اسے بھی اس ظالم حکمران کے ٹھکانے میں داخل کر دے۔“

ہم پوری دیانت داری سے سمجھتے ہیں کہ سلاطین کی سمع و طاعت کی روایات صدر اول کے ظالم حکمرانوں کی حمایت میں وضع کی گئیں اور سلاطین نے ایسی روایات کی مکمل سرپرستی کی کیونکہ وہ چاہتے تھے کہ ان کی بد اعمالیوں کے خلاف کسی طرف سے کوئی آواز نہ اٹھے اور عوام کو مسلمین کے دلوں سے جذبہ حریت ختم کر کے اپنے دروازے کا غلام بنا دیا جائے۔

سلاطین تو چاہتے ہی تھے کہ اس طرح کی روایات کو سرعام لایا اور ادھر ایسے (روایان) احادیث بھی موجود تھے جو رسول خدا پر افتراء باندھنے میں کوئی عیب نہیں سمجھتے تھے اور انہیں صرف اس بات سے غرض تھی کہ حکمران طبقہ ان کی خدمت سے خوش رہے اور انہیں انعام و اکرام سے نوازتا رہے۔

اسوی دور میں ان روایات کی خوب نشر و اشاعت کی گئی اور جب دوسری صدی ہجری کے آخر میں کتب حدیث مدون ہونے لگیں تو یہ روایات بھی صحاح و مسانید میں شامل کر لی گئیں اور اس کے ساتھ یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ یہ روایات ازروئے سند و متن صحیح ہیں۔ اس کے نتیجے میں بندہ مسلم کی آزادی ضمیر سلب ہوئی اور اسے سلاطین کا تابع مہمل بنا دیا گیا اور حکمران کی ہر خواہش پر عمل کرنا دین کا تقاضا قرار پایا اسی طرح مسلمانوں کو سلاطین کا غلام بنانے والی روایات کی شرحیں لکھوائی

گئیں اور مساجد و مدارس میں ان کی تدریس ہوتی رہی اور مسلمانوں کی کئی نسلیں بدترین آمریت و ملوکیت کو خدائی حکومت کہہ کر اس کی خدمت میں مصروف رہیں۔

ایسی ہی بے سرو پا روایات کو اموی و عباسی سلاجبتہ و غزنوی حکمرانوں نے خوب سراہا اور مسلمانوں کی تقدیر کے مالک بن گئے اور انہیں اسلامی دنیا سے کسی مخالفت کا اندیشہ نہ رہا۔ ایسی ہی روایات نے مسلمانوں کو پستی کے اتھاہ گڑھوں میں ڈال دیا اور امت اسلامیہ پر بدبختی و کبت کے تاریک سائے چھا گئے اور مسلمان کسی بھی طرح کی حرکت و جنبش کے قابل نہ رہے کیونکہ ان کے اذہان خوئے غلامی کا چوغہ پہن چکے تھے اور حکمرانوں کے خلاف آواز اٹھانے کو خدا و رسول کے خلاف بغاوت تصور کیا جاتا تھا۔

عملی طور پر علمائے اسلام کے دو گروہ تشکیل پائے ایک طرف سے مکتب خلافت کے پیروکاروں کا گروہ تھا جو حکمرانوں کی اطاعت کو خدا و رسول کی اطاعت قرار دیتا تھا اور دوسری طرف سے مکتب اہل بیت کے پیروکاروں کا گروہ تھا جن کا پیغام یہ تھا کہ ظالم اور فاسق حکمران کی اطاعت ناجائز ہے۔

پہلا طبقہ حکمرانوں کا حمایتی تھا اسی لیے حکمران طبقہ نے ہر دور میں اس گروہ کو انعام و اکرام سے نوازا اور انہیں کلیدی عہدوں اور پرکشش مناصب پر فائز کیا۔ جب کہ دوسرا گروہ حکمرانوں کو زیادہ اہمیت دینے پر آمادہ نہیں تھا اسی لیے حکمرانوں نے ہمیشہ ان کی توہین و تذلیل کی اور ہر دور میں انہیں پابند سلاسل رکھا گیا اور انہیں اپنے زندانوں کی زینت بنایا گیا۔ انہیں سر پھرا قرار دے کر انہیں سرعام قتل کیا گیا اور صلیب پر لٹکایا گیا۔ انہیں جلاوطن کیا گیا اور ان کے کتب خانوں کو نذر آتش کیا گیا اور پوری حکومتی قوت سے ان کی گھمبیر آواز کو دبانے کی کوشش کی گئی۔

امت اسلامیہ کے افرادی اور قدرتی منابع کا استحصال کرتے رہیں۔

امت اسلامیہ کو اس دور میں سوچنا چاہیے کہ ان دو مکاتب فکر میں سے کون سا مکتب ان کا خیر خواہ ہے اور کون سا مکتب ان کی بجائے صرف حکمرانوں کی کاسہ لیسے کو اپنا دینی فریضہ سمجھتا ہے؟

خلاصہ بحث

روز سقیفہ ”قبائلی منطق“ ہی کار فرما تھی اور انصار و مہاجرین صرف اپنے قبیلوں کی خدمات ہی شمار کرتے رہے اور اپنے امیدوار کی خصوصیات بیان کرنے میں ناکام رہے اور آخر کار بڑی تند و تیز بحث کے بعد حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کی بیعت کی اور خود ان کے اپنے الفاظ میں یہ بیعت کسی اجماع مشورہ کا نتیجہ نہ تھی بس یہ اچانک وارد ہونے والے بیعت تھی جس کے شر سے خدا نے محفوظ رکھا۔

حضرت ابوبکر نے زندگی کے آخری لمحات میں حضرت عمر کو تحریری طور پر نامزد کیا اور آج ہر صاحب فکر پریشان ہے کہ حضرت ابوبکر بیماری کے عالم میں حضرت عمر کو نامزد کر سکتے تھے تو رسول خدا نے اپنی بیماری کے عالم میں کاغذ و قلم طلب کیا تو انہیں تحریر لکھنے سے کیوں باز رکھا گیا؟

حضرت عمر نے خلافت کے لیے شور مچائی تشکیل دی اور ان کے پاس اس مخصوص قسم کی شور مچائی کی کتاب و سنت میں سے کوئی دلیل موجود نہ تھی۔ زیادہ سے زیادہ یہی کہا جاسکتا ہے کہ مجلس شورائی حضرت عمر کے ذہن رسا کی افتراعی ایجاد تھی اور ان کے اجتہاد کا نتیجہ تھی۔

حضرت عمر نے اجتہاد کرتے ہوئے صرف چھ افراد کو ہی مستحق خلافت سمجھا اور چھ سے زیادہ افراد کو لائق خلافت نہیں سمجھا۔ آپ نے اجتہاد کیا تو آپ کو

خلافت کے مستحق صرف مہاجر نظر آئے جب کہ آپ کو انصار میں ایک شخص بھی
 حقدارِ خلافت دکھائی نہیں دیا۔ اجتہاد تو کیا مگر خلافت سازی کے تمام اختیارات
 عبدالرحمن بن عوف کے سپرد کر دیے اور کہا اگر دو شخص ایک پر متفق ہوں اور دو شخص
 کسی دوسرے پر اتفاق کر لیں اور دونوں طرف سے ووٹ برابر ہوں تو تم اس گروہ
 کی پیروی کرو جس میں عبدالرحمن موجود ہو۔ آپ نے مزید اجتہاد کیا تو کہا:
 ”جب عبدالرحمن کسی کی بیعت کرے تو تم بھی اس کی بیعت کرو اور جو
 اختلاف کرے اسے قتل کر دو۔“

اب جن لوگوں نے حضرت عمر کے اجتہاد کو کتاب و سنت کی طرح سے
 اسلامی شریعت کا سرچشمہ تسلیم کیا تو انہوں نے یہ فتویٰ صادر کیا۔ ”امامت چھ افراد کی
 شورئی سے منعقد ہو سکتی ہے اور پانچ افراد اگر ایک فرد کی بیعت کر لیں تو اس کی
 امامت جائز ہوگی۔“ اور اس مکتب کے حامل افراد ”وَأَمْرُهُمْ شُورَى بَيْنَهُمْ“ کی
 آیت کو بطور سند پیش کرتے ہیں۔ جب کہ مکتب امامت سے وابستہ علماء اس کا جواب
 یہ دیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے شورئی کی اجازت ان امور میں دی ہے جن کے متعلق
 خدا و رسول کی طرف سے نص قلمی موجود نہ ہو۔ جب مسئلہ خلافت و امامت کے لیے
 رسول خدا کی نصوص قطعاً موجود ہیں لہذا نصوص کی موجودگی میں کسی قسم کے شورئی کا
 کوئی جواز نہیں ہے۔

مکتب خلافت کے پیروکار اپنے نظریہ کے ثبوت کے لیے ”وَشَاوِرْهُمْ فِي
 الْأَمْرِ“ کی آیت بھی پیش کرتے ہیں۔

اور مکتب امامت کے پیروکاروں کا موقف یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے
 حبیب کو حش مشورہ کا حکم دیا ہے وہ زندگی کے تمام شعبوں کے لیے نہیں تھا اس کا
 تعلق صرف امور جنگ سے تھا اور اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو صحابہ کے مشورہ پر عمل

کرنے کا پابند بھی نہیں کیا۔ شورئٰی کا مقصد مسلمانوں کی تربیت اور مشرکین کی صفوں میں انتشار پیدا کرنے کے علاوہ اور کچھ نہیں تھا۔ شورئٰی کا حکم ایک شرعی مسئلہ کے اجراء کی تعیین کی غرض سے ہے، حکم شرعی کی پہچان کے لیے نہیں ہے۔

مکتب خلافت کے پیروکار ایک طرف شورئٰی کو ضروری سمجھتے ہیں مگر وہ آج تک مجلس شورئٰی کی تشکیل اور اس کے ممبران کی تعداد اور اس کے طریقہ کار کے متعلق کوئی لائحہ عمل بیان نہیں کر سکے۔ جب کہ حضرت عثمان کو منتخب کرنے والی شورئٰی کو کسی طور بھی شورئٰی نہیں کہا جاسکتا۔

بیعت جبر و غلبہ سے بھی درست نہیں ہے اور کسی معصیت کے لیے بھی بیعت صحیح نہیں ہے اور خدا کے کسی نافرمان کی بیعت بھی جائز نہیں ہے۔ البتہ اگر سیرت اصحاب کو بھی کتاب و سنت کی طرح سے شریعت اسلامی کا سرچشمہ تسلیم کر لیا جائے تو پھر جبر و غلبہ سے بھی امامت کا انعقاد صحیح ہوگا اور کسی امر معصیت کے لیے بھی بیعت جائز ہوگی اور فاسق و فاجر کی امامت و خلافت بھی درست قرار دی جاسکے گی اور اگر سیرت صحابہ کو اسلامی شریعت کا سرچشمہ تسلیم نہ کیا جائے تو مذکورہ امامت و خلافت کی کوئی گنجائش باقی نہیں۔

مکتب خلافت سے وابستہ افراد حضرت علی علیہ السلام کے ایک خط کو بطور سند پیش کرتے ہیں جب کہ اس کی حقیقت صرف اتنی سی ہی ہے کہ آپ نے اس خط میں معاویہ کے عقیدہ ہی کو اس کے خلاف بطور حجت بیان کیا ہے اور دنیا کے تمام دانش مند افراد اس منطق کو درست قرار دیتے ہیں۔

علاوہ ازیں جس اجماع میں اہل بیتؑ مصطفیٰ اور بالخصوص حضرت علیؑ اور حسنین کریمینؑ شامل ہوں وہ اجماع حجت ہے اور وہ رضائے الہی کا مظہر ہے۔ جیسا کہ امام علیہ السلام نے اس کی خود وضاحت فرمائی ہے۔

مکتب خلافت سے وابستہ قاضیوں کا یہ فتویٰ کہ جو تلوار لے کر غلبہ حاصل کرے وہ امیر المؤمنین ہے اور اس کی اطاعت ضروری ہے خواہ وہ نیک ہو یا بدکار، دراصل ان کی تاریخی کجروی کا اظہار ہے۔

اور جس نے بھی مسلمان خلفاء کی تاریخ کا مطالعہ کیا ہے وہ اس حقیقت سے بخوبی واقف ہے کہ مکتب خلافت ہمیشہ چڑھتے سورج کی پجاری رہی۔ اس نے ہر صاحب اقتدار کو خوش آمدید کہا، ہر مقتدر کو خلیفۃ اللہ اور ظل اللہ تسلیم کیا چاہے وہ یزید جیسا بدکار بھی کیوں نہ ہو۔ چاہے وہ خانہ کعبہ پر سنگ باری کرائے یا مدینہ طیبہ کو تباہ و برباد کرے یا صحابہ کرام کی عصمتوں اور ناموس کو تباہ کرے اور خواہ فرزند رسولؐ کو قتل کرائے اور خواہ پیغمبر کی بیٹیوں کی شہر بہ شہر تشہیر کرائے۔ پھر بھی وہ خلیفۃ اللہ اور امیر المؤمنین ہے اور اس کی اطاعت واجب ہے اور اس کی اطاعت سے انحراف اسلام سے منحرف ہونے کے مترادف ہے یہاں تک تو ہم نے مکتب خلافت اور ان کے دلائل کا جائزہ پیش کیا اور اب ہم مکتب امامت کی آراء و دلائل پیش کرنا چاہتے ہیں۔





فصل سوم

امامت و خلافت

در

مکتب اهل بیت





- تعینِ اولی الامر کے لیے رسول کریمؐ کا اہتمام
- آنحضرتؐ کا وصی، وزیرِ ولی عہد اور جانشین کون؟
- وصیت کی روایات چھپانے کی مذموم کوششیں
- سنت رسولؐ کی ان روایات سے سلوک جو مکتبِ خلافت کی مخالفت میں تھیں
- ”سیف“ کی روایات تاریخِ طبری سے دوسری کتب تاریخ میں کیسے منتقل ہوئیں؟
- خلافت کی دیگر احادیث
- وصی موسیٰ اور وصی محمد کی مشابہت
- قرآن مجید میں لفظ ولی و اولی الامر
- علیؑ اور اولادِ علیؑ، رسول خدا کی طرف سے حقیقی مبلغِ اسلام



فصل دوم میں ہم نے مکتبِ خلافت کے نظریاتِ امامت و خلافت پر تفصیلی بحث کی ہے اور اس فصل میں ہم مکتبِ اہل بیتؑ کی طرف سے پیش کردہ شرائطِ امامت و خلافت کو پیش کریں گے۔ مکتبِ اہل بیتؑ کا نظریہ امامت یہ ہے کہ نبی کریمؐ کے بعد امت کا امام وہ ہو سکتا ہے معصوم عن الخطاء ہو اور وہ خدا کی طرف سے مقرر کردہ ہو اور نبی اکرمؐ کی طرف سے اس کے لیے نص موجود ہو کیونکہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں فرمایا:

وَإِذَا ابْتَلَىٰ إِبْرَاهِيمَ رَبُّهُ بِكَلِمَاتٍ فَأَتَمَّهُنَّ قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ لَا يَنَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ. (البقرہ: ۱۲۴)

”اور اس وقت کو یاد کرو جب خدا نے چند کلمات کے ذریعہ ابراہیم کا امتحان لیا اور انہوں نے پورا کر دکھایا تو اس نے کہا کہ ہم تم کو لوگوں کا امام اور قائد بنا رہے ہیں۔ انہوں نے عرض کیا کہ میری ذریت؟ ارشاد ہوا کہ میرا عہد ظالمین کے لئے نہیں ہے۔“

اس آیت مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ امامت ایک خدائی عہد ہے اور اللہ کا عہد جس سے ہوتا ہے وہ امام ہوتا ہے۔ مگر عام افراد کو عہد الہی کا علم نہیں ہوتا کہ خدا نے کسے عہدہ امامت پر مامور کیا ہے۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ اپنے عہد کے متعلق اپنے نبی کو اطلاع دیتا ہے اور نبی اپنی امت کو امام کا تعارف کراتا ہے۔ یہ آیت مجیدہ بیان کرتی ہے کہ ”ظالم“ امام نہیں ہو سکتا اور جس شخص کے متعلق معلوم ہو جائے کہ اس نے اپنے نفس پر ظلم کیا ہے یا کسی دوسرے پر ظلم کیا ہے تو وہ شخص عہدہ امامت کے لائق نہیں رہے گا۔

خلاصہ گفتگو یہ ہے کہ امامت ایک خدائی عہدہ ہے اور امام مقرر کرنے کا حق صرف خدا کو ہی حاصل ہے۔ رسول تقررِ امام کی اطلاع دیتا ہے اور امام کے لیے باعصمت ہونا ضروری ہے۔ آئمہ اہل بیت میں یہ دونوں شرطیں بدرجہ اتم موجود ہیں جن کی تفصیل یہ ہے۔

عصمتِ اہل بیت علیہم السلام

اللہ تعالیٰ نے اہل بیت یعنی محمد و علی و فاطمہ و حسن و حسین صلوات اللہ علیہم کے متعلق اعلان کیا کہ یہ ذوات عالیہ تمام گناہوں سے معصوم ہیں۔

اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ
وَيُطَهِّرَكُم تَطْهِيرًا (الاحزاب: ۳۳)

”بس اللہ کا ارادہ یہ ہے اے اہل بیت کہ تم سے ہر برائی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جیسے پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔“

آیت کی شانِ نزول

حضرت عبداللہ بن جعفر بن ابی طالب کا بیان ہے:

لما نظر رسول الله والى الرحمة هابطة وقال "ادعوالى ادعوالى" فقالت صفة من يا رسول الله (ص)؟ قال "اهل بيتى عليا و فاطمة والحسن والحسين" فجنى بهم فألقى عليهم النبى كساء ثم رفع يديه ثم قال اللهم هؤلاء الى فصل على محمد وآل محمد و انزل الله عزوجل إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ وَيُطَهِّرَكُم تَطْهِيرًا. (متدرک الحسین ۱۳۷/۳)

جب رسول خدا نے رحمت خداوندی کو اترتے ہوئے دیکھا تو فرمایا:
 میرے لیے بلاؤ، میرے لیے بلاؤ۔ صفیہ نے کہا۔ یا رسول اللہ! کسے بلائیں؟
 آپ نے فرمایا: میرے اہل بیت علی و فاطمہ و حسن و حسین کو بلاؤ۔ انہیں بلایا
 گیا تو آپ نے ان پر اپنی چادر ڈالی پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھ بلند کر کے کہا۔
 پروردگار یہ میری اہل بیت ہیں یہ سب میری طرف سے ہیں تو محمد اور آل محمد پر رحمت
 نازل فرما۔ اللہ تعالیٰ نے انما یرید اللہ..... الی آخرہ کی آیت نازل فرمائی۔
 حضرت عائشہ کی روایت میں مذکور ہے کہ رسول خدا کی چادر اونٹ کے
 سیاہ بالوں سے بنی ہوئی متقش چادر تھی۔^(۱)

صحابی و ائمه بن اسحق کی روایت میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

ان رسول اللہ ادنیٰ علیا و فاطمة و اجلسهما بین یدیه و اجلس
 حسنا و حسینا کل واحد منهما علی فخذہ..... الحدیث.
 ”رسول خدا نے علی و فاطمہ کو قریب کیا اور ان دونوں کو اپنے سامنے بٹھایا اور
 حسن و حسین کو اپنی رانوں پر بٹھایا..... الحدیث“^(۲)

ام المؤمنین ام سلمہ کا بیان ہے:

نزلت هذه الایة فی بیتی (انما یرید اللہ لیذهب عنکم
 الرجس.....) و فی البیت سبعة جبرئیل و میکائیل و
 علی و فاطمة و الحسن و الحسن و انا علی باب

۱- صحیح مسلم ۱۳۰/۷- باب فضائل اہل بیت النبی۔ مستدرک حاکم ۱۳۷/۳- تفسیر ابن
 جریر۔ درمنثور سیوطی در ذیل تفسیر آیت تطہیر۔ تفسیر کشاف و تفسیر بیر در ذیل آیت مہلبہ۔ سنن بیہقی
 ۱۳۹/۲

۲- سنن بیہقی ۱۵۲/۲- مند احمد ۱۰۷/۳- مستدرک حاکم ۲۱۶/۲- ۱۳۷/۳- و مجمع الزوائد
 ۱۶۷/۹- تفسیر ابن جریر و تفسیر سیوطی در ذیل آیت تطہیر اسد الغابہ ۲۰/۲

البيت. قلت: يا رسول الله الست من اهل البيت؟

قال انك الى خيرا، انك من ازواج النبي. (۱)

”انما يريد اللہ..... کی آیت میرے گھر میں نازل ہوئی اس وقت گھر میں جبرئیلؑ و میکائیلؑ و علیؑ و فاطمہؑ و حسنؑ و حسینؑ اور میرے سمیت سات افراد تھے اور میں اس وقت گھر کے دروازے پر بیٹھی تھی۔ میں نے کہا: یا رسول اللہ! کیا میں آپ کی اہل بیتؑ میں سے نہیں ہوں؟ آپ نے فرمایا: تو بھلائی کی طرف ہے۔ تو ازواج نبی میں سے ہے۔“

آیت تطہیر کا شان نزول درج بالا استناد و رواۃ کے علاوہ عبداللہ بن عباسؓ

عمر بن ابی سلمہ پروردہ پیغمبرؐ ابو سعید خدریؓ سعد بن ابی وقاصؓ اور انس بن مالک سے بھی مروی ہے:

امام حسن مجتبیٰ نے ہر سر منبر ارشاد فرمایا کہ آیت تطہیر ہمارے حق میں نازل

ہوئی۔ (۲)

امام زین العابدین علیہ السلام نے شام میں ایک شامی سے فرمایا۔

کیا تو نے آیت تطہیر نہیں پڑھی؟

اس نے کہا: پڑھی ہے۔

آپ نے فرمایا: آیت تطہیر ہمارے حق میں نازل ہوئی۔ (۳)

۱۔ تفسیر سیوطی ۵/۱۹۸-۱۹۹، سنن ترمذی ۱۳/۲۸۴۔ مسند احمد ۶/۳۰۶۔ اسد الغابہ ۴/۳۹

۲۔ تہذیب الحدیث ۲/۲۹۷ تاریخ بغداد ۹/۱۲۶۔ مسند احمد ۶/۲۹۲۔

۳۔ مستدرک حاکم ۳/۱۷۲۔ مجمع الزوائد ۹/۱۳۶-۱۷۲۔

۳۔ تفسیر طبری در ذیل آیت تطہیر۔

عملِ رسولؐ

آیت تطہیر کے نازل ہونے کے بعد کئی ماہ تک پیغمبر اکرمؐ کا معمول رہا کہ آپ ہر نماز کے وقت علی و بتول علیہما السلام کے دروازے پر آتے تھے اور اس آیت کی تلاوت کرتے تھے۔ ابن عباس بیان کرتے ہیں:

میں نے دیکھا کہ آیت تطہیر کے نزول کے بعد رسول خدا مسلسل چھ ماہ تک ہر نماز کے وقت علیؑ کے دروازے پر آتے تھے اور فرماتے تھے:

اسلام علیکم ورحمة اللہ وبرکاتہ اهل البيت . انما
یرید اللہ لیذهب عنکم الرجس اهل البيت و
یطہرکم تطہیرا . الصلاة رحمکم اللہ .^(۱)

اے اہل بیت تم پر سلام ہو اور اللہ کی رحمت اور برکتیں ہوں۔ اللہ تو بس یہی چاہتا ہے کہ اے اہل بیت تم سے ہر طرح کی ناپاکی کو دور رکھے اور تمہیں ایسا پاک و طاہر رکھے جیسا کہ طہارت کا حق ہے۔ اللہ تم پر رحم فرمائے نماز کا وقت ہے۔

ابوالمہرء کا بیان ہے:

مجھے اچھی طرح سے یاد ہے کہ رسول خداؐ پورے آٹھ مہینے روزانہ نماز فجر کے وقت علی بن ابی طالب کے دروازے پر جاتے تھے اور اپنا ہاتھ علی کے دروازہ کے کناروں پر رکھ کر فرماتے تھے نماز کا وقت ہو گیا ہے پھر آپؐ انما یرید اللہ لیذهب..... کی آیت تلاوت کرتے تھے۔^(۲)

ابو برزہ کا بیان ہے کہ میں نے رسول خدا کے ساتھ سات مہینے نماز پڑھی

۱۔ تفسیر درمنثور سیوطی در ذیل و امر اہلک بالصلاة.

۲۔ الاستیعاب ۲/۵۹۸۔ اسد الغابہ ۵/۱۷۴۔ مجمع الرواۃ ۹/۱۶۸ ابوالمہرء رسول خدا کے

آزاد کردہ غلام تھے۔ اس کا نام بلال بن حارث تھا۔

اور آپ جب بھی نماز سے فارغ ہوتے فاطمہؑ کے دروازے پر جاتے اور آیت تطہیر کی تلاوت کرتے تھے۔^(۱)

انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول خداؐ نے یہ عمل چھ ماہ تک دہرایا۔^(۲) اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ان معصوم شخصیات کو متعین کیا جو زمانہ پیغمبر میں موجود تھیں اور رسول خداؐ نے معصومین پر اپنی چادر پھیلا کر اپنی ازواج کو بتایا کہ یہ حضرات بھی میری طرح معصوم ہیں۔ پھر رسالت مآبؐ نے دیکھا کہ چادر پھیلانے کا عمل گھر میں کیا گیا ہے اسے عام صحابہ نے نہیں دیکھا اسی لیے آپ اپنے صحابہ کو آیت تطہیر کے وارث دکھانے کے لیے چھ یا آٹھ ماہ تک روزانہ علیؑ و بتول کے دروازہ پر تشریف لاتے رہے اور ان کے دروازے پر کھڑے ہو کر بلند آواز سے آیت تطہیر کی تلاوت کرتے تھے اس سے آپ کا مقصد اول و آخر یہی تھا کہ میرے تمام صحابی دیکھ لیں کہ آیت تطہیر کے وارث علیؑ و بتول اور حسینؑ کریمین ہیں۔

ہم اپنے قارئین کرام سے درخواست کرتے ہیں کہ چند لمحات کے لیے یہاں رک جائیے اور دیکھیے رسول خداؐ ہر نماز کے وقت علیؑ و بتول کے دروازہ پر آ کر آیت تطہیر پڑھتے تھے۔ ایک دن میں پانچ نمازیں ہوتی ہیں اور ایک ماہ میں ایک سو پچاس نمازیں ہوتی ہیں اور چھ ماہ میں نو سو نمازیں بنتی ہیں۔ معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلامؐ نو سو بار علیؑ و بتول کے دروازے پر تشریف لے گئے اور وہاں کھڑے ہو کر آیت تطہیر کی تلاوت کی۔

۱۔ مجمع الزوائد ۱۶۹/۹۔ کتاب میں "سبعة عشر شهرا" کے الفاظ ہیں یعنی سترہ ماہ تک رسول خداؐ یہی عمل دہراتے رہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ کتابت کی غلطی سے ایسا لکھا گیا اور اصل لفظ "سبعة اشهر" ہے۔

۲۔ مسند احمد ۲۵۲/۳۔ طرابلسی ۲۷۳/۷۔ حدیث ۲۵۰۹۔ اسد الغابہ ۵۲۱/۵۔ تفسیر ابن جریر و درمنثور سیوطی و در ذیل آیت تطہیر۔

مگر یہ دیکھ کر ہمیں شدید تعجب ہوتا ہے کہ جو عمل رسول خداؐ نے نو سو بار کیا اور اپنی امت کو نو سو مرتبہ تطہیر والوں کا دروازہ دکھایا اس کے باوجود آج بھی مسلمان آیت تطہیر میں دوسروں کو شامل کرنے پر تلے ہوئے ہیں۔ جب مسلمان نو سو دفعہ کے مسلسل عمل کو یاد نہ رکھ سکے تو وہ رسول خدا کے ایک دو بار کے عمل کو کیسے یاد رکھیں گے؟

قرآن مجید کی یہ آیت اور رسول خدا سے مروی اس کی عملی و قولی تفسیر عصمت اہل بیتؑ کی واضح ترین دلیل ہے۔

کردارِ اہل بیتؑ کی عظمت

ہمارے قارئین اس حقیقت سے بخوبی واقف ہیں کہ کتب تاریخ مکتب خلافت سے وابستہ افراد نے مرتب کی ہیں اور اموی و عباسی خلفاء کی تاریخ لکھنے والے علماء اس حقیقت سے واقف تھے کہ سلاطین آل محمدؑ کے مخالف تھے اور انہیں ہر وقت اذیت دینے کی فکر میں رہتے تھے اور آل محمدؑ کو زندانوں میں رکھتے تھے اور انہیں شہید کرنے سے بھی دریغ نہیں کرتے تھے اور وہ چاہتے تھے کہ آل محمدؑ کا تذکرہ تک دنیا میں موجود نہ رہے۔ انہوں نے ہر طرح سے آل محمدؑ کو مٹانے کی مذموم کوشش کی اور آل محمدؑ ہمیشہ ان کے ظلم و ستم سہتے رہے اور اموی سلاطین کو آل محمدؑ سے اس قدر عداوت تھی کہ جمعہ و عیدین کے خطبات میں امیر المومنین اور حسینؑ کریمینؑ پر سب و شتم کیا کرتے تھے۔ مگر اس نئے باوجود ان کے پروردہ مورثین کی کتابیں پڑھیں۔ آپ کو ان کی کتابوں میں آل محمدؑ کی مظلومیت دکھائی دے گی ان کی زندگی میں آپ کو کوئی غلطی اور خطا نظر نہیں آئے گی۔ آل محمدؑ کے بدترین دشمن بھی ان کے کردار کی کوئی غلطی یا ہلکی سی لغزش آج تک پیش نہیں کر سکے اور اس کی سر

وجہ صرف یہی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان سے ہر جس کو دور رکھا ہے اور انہیں تطہیر کا وارث قرار دیا ہے۔

اہل بیت کی عصمت کے اثبات کے لیے آیت تطہیر ہی کافی ہے اور یہی آیت مجیدہ رہتی دنیا تک اہل بیت کی عصمت و طہارت کو ثابت کرتی رہے گی۔ عصمتِ اہل بیت کی بحث کے بعد ہم رسول خدا کی چند نصوص پیش کرنا چاہتے ہیں جو امامتِ اہل بیت پر دلالت کرتی ہیں اور رسول خدا کے فرمان کے متعلق اس حقیقت کو کبھی فراموش نہ کرنا چاہیے کہ آپ کی تمام تر گفتگو وحی الہی کے تابع ہوتی تھی اور آپ اپنی خواہش کے تحت کبھی کلام نہیں کرتے تھے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ .

(النجم: ۳-۴)

”اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتا اس کا کلام وہی وحی ہے جو مسلسل نازل ہوتی رہتی ہے۔“



تعیین اولی الامر کے لیے رسول کریم کا اہتمام

تعیین اولی الامر کی احادیث نقل کرنے سے قبل ہم یہ دیکھیں گے کہ رسول خدا کو امر خلافت کی کتنی فکر رہتی تھی۔

رسول خدا کی جانشینی کا معاملہ نہ تو آپ کی نگاہوں سے اوجھل تھا اور نہ ہی اس وقت کے لوگوں سے مخفی تھا۔ رسول خدا نے ایام حج میں بنی عامر بن صعصعہ کو اسلام کی دعوت دی تو ان کے ایک سردار بحیرہ نے کہا تھا کہ اگر آپ اپنی جانشینی ہمارے سپرد کرنے کا وعدہ کریں تو ہم آپ کی ہر طرح سے مدد کرنے پر تیار ہیں۔

اور اسی طرح کا مطالبہ ہوزہ حنفی نے بھی آپ سے کیا تھا۔ تاریخ و سیرت میں ان افراد کا یہ مطالبہ موجود ہے جس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ اس وقت کے افراد بھی منصب خلافت سے بے بہرہ نہیں تھے اور اگر بالفرض وہ اس منصب کی قدر و قیمت سے بے بہرہ ہوتے تو وہ آپ سے خلافت کا مطالبہ ہی کیوں کرتے؟

یہ تصویر کا ایک رخ ہے اور اس تصویر کا دوسرا رخ یہ ہے کہ پیغمبر اکرم بھی اپنے جانشین کے لیے ہمیشہ زمین ہموار کرتے تھے اور آپ نے عقبہ ثانیہ کی بیعت میں انصار سے یہ عہد لیا تھا کہ وہ آپ کے جانشین کی اطاعت کریں گے۔

بخاری و مسلم نے صحیحین میں نسائی اور ابن ماجہ نے اپنے سنن میں مالک نے موطا میں اور احمد نے مسند میں یہ روایت کی ہے۔^(۱) جب کہ بخاری کے الفاظ یہ ہیں۔

قال عبادة بن الصامت: بايعنا رسول الله (ص) على
السمع والطاعة في (العسر واليسر) والمنشط
والمكروه و ان لا ننارع الامر اهله.....

”عبادہ بن صامت نے کہا کہ ہم نے رسول خدا کی بیعت کی کہ ہم آپ کا فرمان سنیں گے اور اس کی اطاعت کریں گے چاہے ہمیں تنگی ہو یا آسانی ہو۔ اور ہم خوشی اور غم میں سب سے اطاعت سے کام لیں گے اور یہ کہ ہم حکمرانی کے اہل سے جھگڑا نہیں کریں گے۔“

یہ روایت عبادہ بن صامت کی ہے اور عبادہ رسول خدا کے نقباء میں سے ایک نقیب تھے اور آنحضرتؐ نے عقبہ ثانیہ کے موقع پر مدینہ کے ستر افراد سے بیعت کی تھی اور آپ نے ان سے فرمایا تھا کہ تم اپنے میں سے بارہ افراد کا انتخاب کرو۔ چنانچہ اہل مدینہ نے بارہ افراد کا انتخاب کیا تھا اور ان میں عبادہ بن صامت بھی شامل تھے۔

آنحضرتؐ نے ان سے فرمایا تھا کہ تم بارہ میرے نقیب ہو اور جس طرح

۱. صحیح بخاری، کتاب الاحکام، باب کیف یبایع الامام الناس حدیث نمبر ۱
۱۶۳/۴. صحیح مسلم، کتاب الامارۃ، باب وجوب طاعة الامراء فی غیر معصیۃ و
تحریمها فی المعصیۃ حدیث نمبر ۴۱/۴۲. سنن نسائی، کتاب البیعة، باب البیعة
علی ان لا ننارع الامراہلہ. سنن ابن ماجہ، کتاب الجہاد، باب البیعة حدیث
نمبر ۲۸۷۶. موطا مالک، کتاب الجہاد، باب الترغیب فی الجہاد حدیث ۵ مسند
احمد نمبر ۵ / ۳۱۴، ۳۱۶، ۳۱۹، ۳۳۱ بمعہ جلد نمبر ۳ / ۱۱۱. سیر اعلام
النبلاء در حالات عباده نمبر ۳ / ۲. تہذیب ابن عساکر نمبر ۴ / ۲۰۷ ۲۱۹.

سے حضرت عیسیٰ کی طرف سے ان کے حواری ان کی امت کے کفیل تھے اسی طرح سے تم بھی اہل مدینہ کے کفیل ہو۔ چنانچہ اہل مدینہ کے بارہ نقباء میں سے ایک نقیب نے اپنی شرائط بیعت بیان کرتے ہوئے کہا کہ ہماری بیعت کی ایک شرط یہ بھی تھی کہ ہم صاحبان امر سے جھگڑا نہیں کریں گے۔ اس حدیث صحیح کے مطابق رسول خداؐ نے انصار کے سامنے یہ شرط رکھی تھی کہ وہ صاحبان امر سے جھگڑا نہیں کریں گے۔ مگر ہم تاریخ کے اوراق میں یہ دلخراش واقعہ بھی دیکھتے ہیں کہ وفات رسولؐ کے فوراً بعد انصار نے سقیفہ میں جو اجتماع منعقد کیا تھا اس کا مقصد ہی صاحبان امر سے جھگڑنا تھا۔

آئیے ہم دیکھیں کہ وہ ”امر“ کیا تھا جس کے متعلق رسول خدا نے انصار سے بیعت لی تھی کہ وہ صاحب امر سے جھگڑا نہیں کریں گے۔ یہ وہی امر ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے سورہ نساء میں ارشاد فرمایا:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ
وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ..... (النساء. ۵۹)
”ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ اور جو تم میں سے
صاحبان امر ہوں ان کی اطاعت کرو۔“

حضرت رسولؐ خدا نے انصار سے بیعت لیتے وقت یہ اقرار لیا تھا کہ وہ صاحبان امر سے جھگڑا نہیں کریں گے۔ مگر اس روایت میں ہمیں یہ بات کہیں دکھائی نہیں دیتی کہ آپ نے ان کے سامنے اپنے جانشین اور ولی امر کا نام بھی لیا ہو اور نام نہ لینے میں یہ حکمت تھی کہ آپ کے جانشین کا تعلق قبیلہ انصار سے نہیں تھا اور آپ نے حکمت نبوت سے یہ محسوس کیا کہ اگر ابھی سے انہیں اپنے جانشین کے متعلق نام لگایا تو ممکن ہے کہ ان میں سے بعض افراد سے اشتقاق نہ کر سکیا۔

اسی لیے آپ نے ان کے سامنے اپنے جانشین کا نام نہیں لیا اور اس کے عوض ان سے یہ شرط تسلیم کرائی کہ جیسے ہی جانشین کا اعلان کیا جائے گا وہ اسے دل و جان سے قبول کریں گے اور اس سے کسی طرح کا جھگڑا نہ کریں گے۔

دعوت ذوالعشیرہ اور مسئلہ خلافت

اصل حقیقت یہ ہے کہ رسول خداؐ اس بیعت عقبہ سے بہت عرصہ پہلے دعوت ذوالعشیرہ میں اپنے جانشین کا اعلان کر چکے تھے جیسا کہ طبری، ابن عساکر، ابن اثیر، ابن کثیر اور متقی نے اس دعوت کا حال بیان کرتے ہوئے لکھا ہے۔ طبری کے یہ الفاظ ہیں:

حضرت علی بن ابی طالب نے فرمایا:

وَأَنْذِرُ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ. (الشعراء: ۲۱۳)

”اے پیغمبر اپنے قریبی رشتہ داروں کو ڈرائیے۔“ کی آیت

نازل ہوئی تو رسول خداؐ نے مجھے بلا کر فرمایا:

علی! اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اپنے قریبی رشتہ داروں کو تبلیغ دین کروں جس کی وجہ سے میں انتہائی پریشان ہوا اور میں نے کہا کہ میں جب بھی دین کی تبلیغ کروں گا مجھے تکالیف کا سامنا کرنا پڑے گا اسی لیے میں خاموش رہا۔ پھر میرے پاس جبریل آئے اور اس نے کہا: محمد! اگر آپ نے اپنے رب کے حکم کی تعمیل نہ کی تو آپ کا رب آپ کو عذاب دے گا۔ لہذا اب تم ایک صاع (تین کلو گرام) آٹے کی روٹیاں پکواؤ اور بکری کی ایک ران کا سالن تیار کرو اور دودھ کا ایک پیالہ لاؤ، پھر تم عبدالمطلب کی اولاد کو دعوت دو، میں ان سے گفتگو کروں گا اور انہیں خدا کا پیغام پہنچاؤں گا۔

میں نے رسول خداؐ کے فرمان کی تعمیل کی اور میں نے اولاد عبدالمطلب میں سے کم و بیش چالیس افراد کو دعوت طعام دی اور ان میں آپ کے چچا ابوطالب، حمزہؓ عباس اور ابولہب بھی شامل تھے۔

جب تمام لوگ آگئے تو رسول خداؐ نے مجھے فرمایا کہ تم تھوڑا سا کھانا لے آؤ۔ میں کھانا لے کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا۔ آپ نے اس میں سے گوشت کے ایک ٹکڑے کو اپنے دانتوں سے ریزہ ریزہ کیا اور پھر اسے کھانے کے کنارے رکھ دیا اور حاضرین سے فرمایا کہ خدا کا نام لے کر کھانا کھاؤ۔

سب لوگوں نے سیر ہو کر کھانا کھایا جب کہ کھانا ویسے کا ویسا ہی بچا رہا اور اس میں صرف ان کی انگلیوں کے نشان دکھائی دیتے تھے۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں علیؑ کی جان ہے کھانا صرف اتنا تھا کہ جسے ایک آدمی ہی کھا سکتا تھا مگر حضورؐ کی برکت سے سب کو کافی ہو گیا۔

پھر آپ نے مجھے فرمایا کہ حاضرین کو دودھ پلاؤ۔ میں دودھ کا پیالہ لے کر آیا۔ سب نے جی بھر کر دودھ پیا جب کہ دودھ کی مقدار صرف ایک آدمی ہی کو کافی ہو سکتی تھی۔

پھر رسول خداؐ نے گفتگو کرنے کا ارادہ کیا تو ابولہب آپ سے پہلے اٹھ کھڑا ہوا اور کہا۔ تمہارے ساتھی نے تم پر بہت سخت قسم کا جادو کیا ہے۔ اس کے یہ الفاظ سن کر سب لوگ اٹھ کر چلے گئے اور رسول خداؐ گفتگو نہ کر سکے۔ دوسرے دن رسول خداؐ نے مجھ سے فرمایا: کل اس شخص نے مجھے بولنے کا موقع ہی نہیں دیا جسے تم نے بھی سنا تھا اور میں چاہتا ہوں کہ تم آج بھی کل کی طرح سے دعوت کا انتظام کرو اور ان سب لوگوں کو دعوت پر بلاؤ۔

حضرت علیؑ کہتے ہیں کہ میں نے آپ کے فرمان کی تعمیل کی اور لوگوں کو

اکٹھا کیا۔ جب سب لوگ آگئے تو آپ نے مجھ سے فرمایا کہ کھانا میرے پاس لاؤ۔ میں کھانا لے کر گیا تو آپ نے کل کی طرح سے ایک گوشت کے ٹکڑے کو اپنے دانتوں سے ریزہ ریزہ کیا اور اسے کھانے میں شامل کیا۔ پھر لوگوں کو کھانا کھانے کا حکم دیا۔

سب لوگوں نے جی بھر کر کھانا کھایا۔ پھر آپ نے مجھ سے دودھ طلب کیا۔ میں دودھ کا پیالہ لایا۔ سب نے خوب اچھی طرح سے دودھ پیا۔ پھر رسول خداؐ نے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

اے اولاد عبدالمطلب! پورے عرب میں میں کسی جوان کو نہیں جانتا جو اپنی قوم کے پاس مجھ سے بھرا پیغام لے کر آیا ہو۔ میں تمہارے پاس دنیا و آخرت کی بھلائی لے کر آیا ہوں۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تمہیں اس کی دعوت دوں تم میں سے کون ہے جو اس کام میں میری مدد کرے اور وہ میرا بھائی، میرا وصی اور تم میں میرا خلیفہ بنے؟ تمام لوگ خاموش رہے۔ اس وقت میں سب سے کم سن تھا اور میری آنکھیں آشوب زدہ تھیں اور میری پنڈلیاں کمزور تھیں میں نے اٹھ کر کہا۔ یا رسول اللہ! میں آپ کا بوجھ بانٹا گا۔ رسول خدا نے میری گردن سے پکڑ کر فرمایا:

ان هذا أحنى و وصى و خليفتى فيكم فاسمعوا له و اطيعوا.

”یہ میرا بھائی اور میرا وصی اور تمہارے درمیان میرا خلیفہ ہے۔ تم اس کے فرمان کو سنو اور اطاعت کرو۔“

حضرت علیؑ کا بیان ہے کہ لوگ ہنستے ہوئے اٹھ کھڑے ہوئے اور ابو طالب سے کہنے لگے محمدؐ نے تجھے حکم دیا ہے کہ تو اپنے بیٹے کا فرمان سن اور اس کی اطاعت کر۔

دعوت ذوالعشرہ اعلانِ نبوت کے تیسرے سال منعقد ہوئی اور اسی اجلاس میں رسولِ خداؐ نے کھل کر اپنی نبوت کا پیغام دیا اور لوگوں کو اسلام کی دعوت دی تھی اور اسلام کی اس کھلی دعوت کے وقت ہی رسولِ خداؐ نے اپنے خاندان کے افراد کو اپنے جانشین اور امت کے امام کا تعارف کرا دیا تھا۔

دعوت ذوالعشرہ کے دس سال بعد جب رسولِ خداؐ نے اسلامی معاشرہ کے قیام کے لیے عقبہ ثانیہ میں انصار سے بیعت لی تو ان کے سامنے اپنے جانشین کا اعلان نہیں کیا تھا بلکہ اس کی بجائے ان سے یہ وعدہ لیا تھا کہ وہ اپنے صاحبانِ امر سے اختلاف اور تنازعہ نہیں کریں گے۔

انصار کے سامنے بیعت عقبہ کے وقت رسولِ خداؐ نے اپنے جانشین کا تعارف اس لیے نہیں کرایا تھا کہ آپ جانتے تھے کہ ان کے معاشرہ کی بنیاد قبائلی نظام پر قائم ہے۔ اسی لیے مصلحتِ نبوت آپ کو اجازت نہیں دیتی تھی کہ آپ ان کے سامنے کسی ایسے خلیفہ کا اعلان کریں جو انصار میں سے نہ ہو۔ اب اس مقام پر ایک خوبصورت سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب رسولِ خداؐ اپنی فراستِ نبوت سے جانتے تھے کہ دعوت ذوالعشرہ کے بھرے مجمع میں سے علیؑ کے علاوہ کوئی بھی ان کی مدد پر تیار نہ ہوگا تو پھر آپ نے حاضرین کے سامنے یہ اعلان کیوں کیا کہ آیاتم میں سے کوئی ہے جو میری مدد کرے وہ میرا وصیٰ وزیر اور بھائی اور جانشین ہوگا؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو جنگِ بدر کے انجام سے پہلے ہی باخبر کر دیا تھا اور آپ کو مشرکین کے قتل کے مقامات تک دکھائے جا چکے تھے مگر اس کے باوجود بھی آپ نے اپنے اصحاب سے مشورہ کیا اور مقصد یہ تھا کہ ان کے نفوس کی تربیت بھی ہو جائے اور ان کے مافی الضمیر کا اظہار بھی ہو جائے۔

اسی طرح سے آپ کو وصایت و خلافت کے حقدار کا بھی علم تھا مگر آپ

نے حاضرین کے سامنے اپنی مدد و اعانت کی شرط رکھی اور فرمایا جو میری مدد کرے گا وہ میرا بھائی، وصی اور میرا خلیفہ ہوگا۔

اگر آپ اس طرح کا اعلان کیے بغیر حضرت علیؑ کی خلافت و وصایت کا اعلان کر دیتے تو ممکن ہے کہ حاضرین میں سے کچھ لوگ یہ کہتے کہ ہم بھی رسول خداؐ کی مدد پر آمادہ تھے مگر رسول خداؐ نے ہم سے کچھ کہے سنے بغیر ہی علیؑ کی وصایت و خلافت کا اعلان کر دیا تھا، اسی لیے آپ نے اتمام حجت فرمائی اور عملی طور پر ثابت کیا کہ میں نے علیؑ کو ویسے ہی وصایت و خلافت کا عہدہ نہیں دیا بلکہ اس نے یہ عظیم عہدہ اپنی خدمات کی وجہ سے حاصل کیا ہے۔

دعوت ذوالعشیرہ میں آپ نے اپنے خلیفہ کا اعلان کیا اور بیعت عقبہ میں انصار سے یہ اقرار لیا کہ وہ آپ کے بعد آپ کے جانشین کی مخالفت نہیں کریں گے۔ ان دونوں واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول خداؐ اپنی جانشینی کے مسئلہ کو کس قدر اہمیت دیتے تھے۔

غزوات میں رسول خدا کے جانشین

کتب سیرت و تاریخ کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ رسول خداؐ اپنی جانشینی کے مسئلہ کے متعلق انتہائی حساس تھے اور آپ جب بھی غزوات کے لیے چلے روز کے لیے مدینہ سے باہر جاتے تو آپ اپنا جانشین مقرر کر کے مدینہ سے روانہ ہوتے تھے۔

تاریخ میں آپ کو ایک بھی ایسا موقع دکھائی نہیں دے گا جب آپ نے خلیفہ مقرر کیے بغیر مدینہ چھوڑا ہو۔ ذیل میں ہم سالانہ ترتیب سے آپ کے جانشینوں کا ذکر کرتے ہیں۔

۲ھ

- ۱- ماہ صفر ۲ھ میں آپ کو جہاد کی اجازت ملی تو آپ قریش کے تجارتی قافلہ کو روکنے کے لیے چند صحابہ کو ساتھ لے کر مقام ودان و ابوا تک گئے اور اس مہم میں آپ کے پندرہ دن صرف ہوئے۔ اس مہم کے موقع پر آپ نے قبیلہ خزرج کے سردار سعد بن عبادہ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔
- ۲- ماہ ربیع الاول ۲ھ میں آنحضرت غزوہ ”بواط“ کے لیے گئے تو آپ نے قبیلہ اوس کے ایک سردار سعد بن معاذ کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔
- ۳- کرز بن جابر نے مدینہ کی چراگاہ کو تاراج کیا تھا۔ آنحضرت اس کے تعاقب میں روانہ ہوئے اور آپ نے مقام ”سفوان“ تک اس کا تعاقب جاری رکھا مگر وہ ہاتھ نہ آیا۔ اس مہم کے موقع پر آپ نے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کو اپنا خلیفہ نامزد کیا تھا۔
- ۴- ماہ جمادی الاول یا جمادی الثانی ۲ھ میں آپ قریش کے تجارتی قافلہ کو جو کہ شام کی طرف جا رہا تھا، روکنے کی غرض سے مقام ”ذی العشیرہ“ تک گئے تھے۔ مگر قافلہ آپ کے ہاتھ نہ آیا اور جب یہ قافلہ شام سے واپس مکہ آ رہا تھا تو اس وقت جنگ بدر واقع ہوئی۔ اس مہم کے دوران آپ نے ابوسلمہ مخزومی کو اپنا خلیفہ مقرر کیا۔^(۱)
- ۵- غزوہ بدر کبریٰ کے سلسلہ میں آنحضرت انیس دن کے لیے مدینہ سے غائب رہے اور آپ نے اپنی عدم موجودگی میں ابن ام مکتوم کو اپنا جانشین نامزد کیا۔

۱- مقام عشیہ مدینہ منورہ سے ایک سو دس میل کے فاصلہ پر واقع ہے۔ کتاب التنبیہ۔

- ۶۔ غزوہ بنی قینقاع کے وقت آپ نے ابولبابہ انصاری کو اپنا جانشین مقرر کیا۔
- ۷۔ جنگ بدر کی شکست کی وجہ سے ابوسفیان نے قسم کھائی تھی کہ جب تک میں اس جنگ کا بدلہ نہ لوں گا اس وقت تک نہ خوشبو لگاؤں گا اور نہ ہی اپنی بیوی سے مقاربت کروں گا۔

چنانچہ وہ اپنی قسم کو پورا کرنے کے لیے دو سو سوار لے کر مدینہ کے قریب آیا۔ آنحضرتؐ کو اس کی آمد کا علم ہوا تو آپ ایک لشکر لے کر روانہ ہوئے۔ ادھر ابوسفیان کو بھی رسول خداؐ کی آمد معلوم ہو گئی تو اس نے واپسی کی راہ لی اور اپنے اونٹوں کا بوجھ ہلکا کرنے کے لیے ”ستو“ کی تھیلیاں پھینک کر چلا گیا۔

عربی زبان میں ”ستو“ کو سوتیل کہا جاتا ہے۔ اسی لیے اس مہم کو غزوہ سوتیل کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ اس مہم پر روانہ ہوتے وقت بھی آپ نے ابولبابہ انصاری کو اپنا جانشین نامزد کیا۔

۳۳ھ

- ۸۔ رسول خدا پندرہ محرم ۳ھ کو سلیم و غطفان قبائل کی سرکوبی کے لیے قَرَقْرَةَ الْكُدْر کی طرف روانہ ہوئے۔ جہاں آپ کو بہت سا مال غنیمت ہاتھ آیا۔ اس مہم کے دوران آپ نے ابن ام مکتوم کو اپنا جانشین مقرر کیا۔
- ۹۔ جمادی الثانی ۳ھ میں آپ دس دن کے لیے غزوہ فران کے لیے مدینہ سے غائب رہے اور آپ نے اس عرصہ کے لیے ابن ام مکتوم کو اپنا جانشین مقرر کیا۔
- ۱۰۔ قبیلہ غطفان کی شرارتوں کے سدباب کے لیے آپ ”ذی امر نجد“ کے طرف روانہ ہوئے اور اس مہم میں آپ کے دس دن صرف ہوئے۔ آپ نے اس عرصہ کے لیے عثمان بن عفان کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

- ۱۱- غزوہ احد کے لیے آپ مدینہ سے صرف ایک دن کے لیے غائب ہوئے اور آپ نے اس مدت کے لیے ابن مکتوم کو اپنا جانشین مقرر کیا۔
- ۱۲- آپ غزوہ حراء الاسد کے لیے روانہ ہوئے۔ یہ مقام مدینہ سے دس میل کے فاصلہ پر ہے۔ آپ کو معلوم ہوا کہ ابوسفیان ایک لشکر لے کر مدینہ پر حملہ آور ہونا چاہتا ہے تو آپ اس سے مقابلہ کے لیے روانہ ہوئے۔ ابوسفیان آپ کی آمد سن کر بھاگ گیا۔ آپ وہاں تین دن تک رہے پھر مدینہ واپس آ گئے۔ اس دوران میں آپ نے ابن مکتوم کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

۱۳

- ۱۳- اس سال آپ کو غزوہ بنی نضیر پیش آیا۔ آپ نے پندرہ دن تک ان کا محاصرہ کیا۔ پھر ایک معاہدہ کے بعد انہیں وہاں سے جلا وطن کر دیا۔ اس غزوہ کے دوران میں آپ نے ابن مکتوم کو اپنا جانشین مقرر کیا۔
- ۱۴- آنحضرتؐ غزوہ بدر ثالثہ کے لیے سولہ دن تک مدینہ سے غائب رہے اور آٹھ دن تک مقام بدر پر ابوسفیان اور اس کے لشکر کا انتظار کرتے رہے جب کہ ابوسفیان لشکر لے کر مکہ سے عسفان تک آیا۔ پھر لڑائی کے بغیر واپس چلا گیا۔ اس مہم کے لیے آپ نے عبداللہ بن رواحہ انصاری کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

۱۵

- ۱۵- غزوہ ذات الرقاع کے لیے آپ پندرہ دن تک مدینہ سے باہر رہے۔ آپ دس محرم ۵ھ کو مدینہ سے روانہ ہوئے تھے۔ شرارتی قبائل آپ کی آمد کی خبر سنتے ہی پہاڑوں اور گھاٹیوں میں جا چھپے اور آپ لڑائی کے بغیر

مدینہ واپس تشریف لائے۔ ان ایام کے لئے آپ نے عثمان بن عفان کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

۱۶۔ آپ غزوہ دومتہ الجندل کے لیے اسی سال روانہ ہوئے اور اس کی وجہ یہ تھی کہ وہاں کا حاکم اکیدر بن عبدالملک جو کہ عیسائی مذہب سے تعلق رکھتا تھا، مدینہ کے تجارتی قافلوں کو تنگ کر رہا تھا۔ اسی لیے آپ لشکر لے کر اس کی سرکوبی کے لیے روانہ ہوئے اور آپ کی یہ مہم حکومت روم کے خلاف پہلی مہم تھی اور اس مہم پر روانگی کے وقت آپ نے عبداللہ بن ام مکتوم کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

۱۷۔ آپ غزوہ بنی مصطلق کے لیے اٹھارہ دنوں کے لیے مدینہ سے غائب ہوئے تو آپ نے اپنے آزاد کردہ غلام زید بن حارثہ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

۱۸۔ جنگ خندق کے دوران میں جب کہ آپ مدینہ ہی میں قیام پذیر تھے اور مدینہ کے تحفظ کے لیے خندق کے قریب پڑاؤ ڈالے ہوئے تھے تو آپ نے اس مہم کے آغاز کے وقت ابن ام مکتوم کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

۱۹۔ غزوہ بنی قریظہ کے سلسلہ میں آنحضرتؐ نے ان کا پندرہ دن تک محاصرہ کیا تھا اور محاصرہ کا آغاز تیس ذی القعدہ سے ہوا تھا۔ اس عرصہ کے لیے آپ نے ابورہم غفاری کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

۲۰۔

اس سال آپ غزوہ بنی لحيان کے لیے روانہ ہوئے اور بنی لحيان قبیلہ ہذیل کی ایک شاخ ہے اور وہ عسفان کے قریب رہائش پذیر تھے۔ اس مہم میں آپ کے چودہ دن صرف ہوئے اور دشمن کی طرف سے کسی قسم

کی مزاحمت دیکھنے میں نہ آئی۔ اس عرصہ کے لیے آپ نے ابن ام مکتوم کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

۲۱۔ آپ غزوہ ذی قرد کے لیے روانہ ہوئے۔ یہ مقام مدینہ سے دو دن کی مسافت پر واقع ہے اور اس مہم میں آپ کے پانچ دن صرف ہوئے اس عرصہ کے لیے آپ نے ابن ام مکتوم کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

۲۲۔ غزوہ حدیبیہ کے موقع پر آپ نے ابن ام مکتوم کو اپنا جانشین مقرر کیا تھا اور یہاں جنگ ہوتے ہوتے رہ گئی تھی اور مشرکین مکہ سے معاہدہ طے پایا تھا۔

۵۷

۲۳۔ غزوہ خیبر کے موقع پر آپ نے سباع بن عرفظہ کو اپنا جانشین نامزد کیا۔ خیبر مدینہ سے چھیانوے میل کے فاصلہ پر یہودیوں کا مضبوط گڑھ تھا اور اس کے آس پاس بھی یہودی آبادی رہائش پذیر تھی۔ آپ نے خیبر کو فتح کیا پھر وادی القریٰ کا محاصرہ کیا اور اسے بھی فتح کیا اور اسی مہم کے آخر میں آپ نے اہل یمنا سے مصالحت فرمائی۔

۲۴۔ آپ عمرہ قضا کی ادائیگی کے لیے چھ ذی القعدہ ۷ھ کو مکہ کی طرف روانہ ہوئے اور اس عرصہ کے لیے آپ نے سباع بن عرفظہ غفاری کو اپنا جانشین نامزد کیا۔

۵۸

۲۵۔ غزوہ مکہ کے وقت آپ نے ابو رہم غفاری کو اپنا جانشین مقرر کیا۔

۲۶۔ فتح مکہ کے بعد آپ غزوہ حنین کے لیے روانہ ہوئے اور اس پورے عرصہ میں ابو رہم غفاری آپ کی نیابت کرتے رہے۔

۲۷۔ غزوہ تبوک کے وقت آپ نے حضرت علی بن ابی طالب کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ تبوک مدینہ سے نوے فرسخ کے فاصلہ پر واقع ہے۔ جنگ تبوک آنحضرتؐ کی زندگی کی آخری جنگ تھی۔

اگر خیبر اور وادی القرئی کے غزوات کو علیحدہ علیحدہ شمار کیا جائے تو آپؐ کی زندگی میں غزوات کی تعداد اٹھائیس ہوگی ورنہ ستائیس ہوگی۔

سن دو ہجری سے سن آٹھ ہجری تک کے خلفاء کا ذکر ہم نے مسعودی کی کتاب ”التنبیہ والاشراف“ سے نقل کیا ہے۔ حضور اکرمؐ کے مقرر کردہ خلفاء کے ناموں میں قدرے اختلاف پایا جاتا ہے لیکن غزوہ تبوک کے موقع پر حضرت علیؑ کی جانشینی کے متعلق کوئی اختلاف نہیں ہے۔

امام الحنابلہ مسند میں سعد بن ابی وقاص کی روایت سے لکھتے ہیں جب رسول خداؐ تبوک کی طرف روانہ ہونے لگے تو آپ نے حضرت علیؑ کو مدینہ میں اپنا جانشین نامزد کیا۔ حضرت علیؑ نے کہا: میری تو خواہش تھی کہ میں آپ کے ساتھ ہی باہر نکلتا۔

آپؐ نے فرمایا:

اوما تروضی ان تکون منی بمنزلة هارون من موسى
الا انه لا بنی بعدی.

”کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تجھے مجھ سے وہی نسبت ہو جو ہارون کو موسیٰ سے تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔“

(مسند احمد ۱-۱۷۷)

امام بخاری اپنی کتاب صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب غزوہ تبوک میں سعد بن ابی وقاص کی زبانی لکھتے ہیں:

رسول خداؐ تبوک کی طرف روانہ ہوئے تو آپ نے علیؑ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔
 علیؑ نے عرض کی: یا رسول اللہ! آپ مجھے عورتوں اور بچوں میں چھوڑ کر جا
 رہے ہیں؟ آپ نے فرمایا۔ الا ترضیٰ ان تکون منی بمنزلة ہارون من موسیٰ
 الا انه بنی بعدی۔ کیا تو راضی نہیں کہ تجھے مجھ سے وہی منزلت حاصل ہو جو
 ہارونؑ کو موسیٰؑ سے حاصل تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں آئے گا۔^(۱)

(صحیح بخاری، کتاب بدء الخلق، باب غزوة تبوک ۵۸/۳)

اسی حدیث منزلت کو امام مسلم نے اپنی کتاب صحیح مسلم میں سعد بن ابی
 وقاص کی زبانی نقل کیا ہے۔

سعد کہتے ہیں کہ رسول خداؐ نے ایک جنگ کے موقع پر حضرت علیؑ کو اپنا
 جانشین مقرر کیا تو حضرت علیؑ نے عرض کی ”آپ مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ
 پیچھے چھوڑ رہے ہیں؟“

رسول خداؐ نے فرمایا:

وما ترضیٰ ان تکون منی بمنزلة ہارون من موسیٰ
 الا انه نبوة بعدی۔

۱۔ صحیح مسلم، کتاب فضائل الصحابة، باب فضل علی بن ابی طالب حدیث ۳۲۔ مسند ابو داؤد

طیالسی ۲۹/۱۔ حلیۃ الاولیاء ابو نعیم ۷/۱۹۵۔ ۱۹۶۔ مسند احمد ۱/۱۷۳۔ ۱۸۲۔ ۳۳۰ و جلد چہارم ص

۱۵۳۔ تاریخ بغداد ۱۱/۳۳۲۔ خصائص نسائی ۱۶۸۔ طبقات ابن سعد ۳/ق ۱۵/۱۔

”کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تجھے مجھ سے وہی منزلت حاصل ہو جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے حاصل تھی لیکن میرے بعد نبوت نہ ہوگی۔“

اس تمام تر بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم جب بھی مدینہ سے ایک یا زیادہ دنوں کے لیے روانہ ہوئے تو آپ جانشین مقرر کیے بغیر نہیں گئے۔ ہم دیکھتے ہیں جنگ احد جو کہ مدینہ کے بالکل قریب واقع ہوئی تھی اور آپ صرف ایک دن کے لیے وہاں روانہ ہوئے تھے تو اس قلیل ساخت اور قلیل وقت کے لیے بھی آپ نے خلیفہ مقرر کیا اور پھر یہ دیکھ کر ہمیں فراست رسولؐ کی داد دینا پڑتی ہے کہ آپ غزوہ خندق کے دوران جب کہ آپ مدینہ ہی میں قیام پذیر تھے اور آپ کی ذمہ داریاں بڑھ گئی تھیں تو آپ نے اس موقع پر بھی اپنا جانشین بنایا اور اس سے آپ کا مقصد یہ تھا کہ آپ کی مصروفیت بڑھنے کی وجہ سے اہل شہر کے معاملات معطل نہ ہوں۔

اب ذرا ٹھنڈے دل و دماغ سے سوچ کر فیصلہ کریں کہ جب رسول خداؐ ایک دن کے لیے بھی کہیں جاتے تو بھی آپ کسی نہ کسی کو جانشین مقرر کرتے تھے خدا را سوچئے کہ جس ذات عالیہ کو امت کی اتنی زیادہ فکر ہو وہ امت میں جانشین مقرر کیے بغیر دنیا سے کیسے رخصت ہو سکتے ہیں؟ اور عقل سلیم یہ بات ماننے پر آمادہ نہیں ہے کہ رسول کریمؐ امت کو سہارے اور مرجع کے بغیر چھوڑ جائیں اور کسی کو اپنا خلیفہ مقرر نہ کریں اور یوں امت میں سر پھٹول ہوتی رہے!

وصیت درِ امم سابقہ

اس بحث کا آغاز ہم انبیاء سابقین کی سیرت سے کرتے ہیں اور دیکھتے ہیں کہ انہوں نے اپنی امتوں کے لیے کوئی وصی مقرر کیے تھے یا نہیں؟

مسعودی نے حضرت آدم سے لے کر حضرت خاتم الانبیاء تک انبیاء و اولیاء کے پورے سلسلہ کا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ مسعودی لکھتے ہیں:

- حضرت آدم کے وصی ہبہ اللہ تھے جنہیں عبرانی میں شیث کہا جاتا ہے۔
- ابراہیم علیہ السلام کے وصی حضرت اسماعیلؑ تھے۔
- حضرت یعقوب کے وصی حضرت یوسفؑ تھے۔
- حضرت موسیٰ کے وصی یوشع بن نون بن افرائیم بن یوسف تھے۔ ان کے زمانہ خلافت میں حضرت موسیٰ کی زوجہ صفورا نے ان کے خلاف بغاوت کی تھی۔
- حضرت عیسیٰؑ کے وصی شمعون تھے۔
- خاتم الانبیاء حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے وصی حضرت علی بن ابی طالب اور ان کی نسل کے گیارہ امام تھے۔

(اثبات الوصیۃ مسعودی، مطبع حیدریہ، نجف اشرف ص ۵۰-۷۰)

اور ہم یہاں تین اوصیاء کے ذکر پر اکتفا کرنا چاہتے ہیں۔

۱۔ شیثؑ کے نام آدمؑ کی وصیت

یعقوبی حضرت آدمؑ کی شیثؑ کے نام وصیت کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

لما حضر ادم الوفاة..... جعل وصيته الى شيث.

”حضرت آدمؑ نے اپنی وفات کے وقت شیث کو اپنا وصی مقرر

کیا۔“

طبری لکھتے ہیں: هبة الله كوعبراني زبان میں شیث کہا جاتا ہے اور آدم علیہ

السلام نے انہیں اپنا وصی مقرر کیا تھا اور آپ نے اپنی وصیت تحریر کر کے ان کے

حوالے کی تھی اور اس تحریر میں آپ نے انہیں اپنا وصی مقرر کیا تھا۔ مسعودی رقم طراز

ہیں: جب حضرت آدم اپنی وصیت شیث کے حوالے کر چکے تو اس سے فرمایا۔ اس

وصیت کی حفاظت کرنا اور اس کی تحریر پر عمل کرنا۔ پھر حضرت آدم کی وفات ہو گئی۔ ابن

اثیر لکھتے ہیں:

”شیث“ عبرانی زبان کا لفظ ہے جس کا عربی میں ترجمہ ”ہبۃ اللہ“ بنتا ہے

اور آپ حضرت آدم کے وصی تھے۔ جب حضرت آدم کی وفات ہونے لگی تو انہوں

نے شیث کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ ابن کثیر لکھتے ہیں:

شیث کے معنی ”ہبۃ اللہ“ کے ہیں۔ حضرت آدم نے اپنی وفات کے وقت

اپنا عہد ان کے سپرد کیا تھا۔

ب۔ حضرت موسیٰ کی یوشع پر نص

تورات میں ہے کہ حضرت یوشع بن نون، حضرت موسیٰ کے ساتھ طور سینا پر

براجمان تھے اور انہوں نے گیسولہ بچھڑے کی عبادت نہیں کی تھی۔

تورات کے باب گنتی کے ستائیسویں باب کی یہ آیات ملاحظہ فرمائیں۔
 موسیٰ نے خداوند سے کہا کہ! خداوند سارے بشر کی روجوں کا خدا کسی آدمی
 کو اس جماعت پر مقرر کرے جس کی آمد و رفت ان کے رو برو ہو اور وہ ان کو باہر
 لے جانے اور اندر لے آنے میں ان کا راہبر ہوتا کہ خداوند کی جماعت ان بھیڑوں
 کی مانند نہ رہے جن کا کوئی چرواہا نہیں۔ خداوند نے موسیٰ سے کہا تو نون کے بیٹے
 یسوع کو لے کر اس پر اپنا ہاتھ رکھ کیونکہ اس شخص میں روح ہے۔ اور اسے الیجز
 کاہن اور ساری جماعت کے سامنے کھڑا کر کے ان کی آنکھوں کے سامنے وصیت
 کر۔ اور اپنے رعب داب سے اسے بہرہ ور کر دے تاکہ بنی اسرائیل کی ساری
 جماعت اس کی فرماں برداری کرے۔ وہ الیجز کاہن کے آگے کھڑا ہوا تاکہ جو اس
 کی جانب سے خداوند کے حضور اور ان کا حکم دریافت کرے گا اسی کے کہنے سے وہ
 اور بنی اسرائیل کی ساری جماعت کے لوگ نکلا کریں اور اسی کے کہنے سے لونا بھی
 کریں۔ سو موسیٰ نے خداوند کے حکم کے مطابق عمل کیا اور اس نے یسوع کو لے کر
 اسے الیجز کاہن اور ساری جماعت کے سامنے کھڑا کیا۔ اور اس نے اپنے ہاتھ اس
 پر رکھے اور جیسا خداوند نے اس کو حکم دیا تھا اسے وصیت کی۔

تورات، گنتی، باب ۲۷۔ آیات ۱۵-۲۳۔ مطبوعہ پاکستان بائبل سوسائٹی۔

لاہور۔ تورات کے سفر یوشع میں ان کی غزوات کا تفصیلی تذکرہ موجود ہے۔

عربی زبان میں یسوع اور یوشع کو لفظ ”یسع“ سے تعبیر کیا گیا ہے اور سورہ
 انعام کی آیت ۸۶ اور سورہ ص کی آیت ۴۸ میں ان کا نام لیا گیا ہے۔ تاریخ
 یعقوبی میں مذکورہ ہے۔

جب حضرت موسیٰ کی وفات کا وقت قریب ہوا تو اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم
 دیا کہ وہ یوشع بن نون کو ”قبۃ الرمان“ میں داخل کرے اور اسے برکت دے اور اس

کے لیے اپنا ہاتھ اس کے جسم پر رکھے تاکہ اس میں برکت منتقل ہو جائے اور اسے وصیت کرے کہ وہ بنی اسرائیل میں ان کا قائم مقام ہو۔

وصی موسیٰ اور وصی مصطفیٰ میں مشابہت

رسول خدا مثل موسیٰ " تھے اور ان کے وصی مثل یوشع " تھے۔ حضرت علیؑ اور یوشع میں بہت سی مشابہت پائی جاتی ہے۔

۱۔ حضرت یوشع موسیٰ کے ساتھ تورات لینے کے لیے کوہ طور پر گئے تھے اسی طرح سے نزول وحی کے وقت حضرت علیؑ بھی رسول خداؐ کے ساتھ غار حرا میں تشریف لے گئے تھے۔

۲۔ حضرت یوشع نے باقی بنی اسرائیل کی طرح گنو سالہ کی عبادت نہیں کی تھی اسی طرح سے حضرت علیؑ نے بھی پوری زندگی میں کبھی بت پرستی نہیں کی تھی۔

۳۔ حضرت یوشع اپنے دور کے موعدہ کامل تھے اور حضرت علیؑ بھی اپنے زمانہ کے موعدہ اعظم تھے۔

۴۔ حضرت موسیٰ نے خدا سے درخواست کی کہ وہ بنی اسرائیل پر کسی کو مقرر کرے تاکہ وہ ان بھیڑوں کی مانند نہ رہیں جن کا کوئی چرواہا نہ ہو۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں حکم دیا کہ وہ یوشع کو اپنا جانشین مقرر کریں اور ان کی جانشینی کا اعلان سرعام کریں تاکہ کسی کو ان کی خلافت میں شک نہ رہے۔

اسی طرح سے اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم النبیینؐ کو حکم دیا کہ وہ بھی اپنی امت کو بھیڑوں کے اس گلہ کی طرح سے نہ چھوڑیں جن کا کوئی چرواہا نہ ہو بلکہ ان پر علی بن ابی طالب کو مقرر کر کے جائیں اور حضرت علیؑ کی تقرری کسی بند کمرے میں نہیں ہوئی بلکہ کھلے میدان میں (نہم غدیر) لاکھوں کے مجمع میں ہوئی۔

۵۔ حضرت موسیٰ کو خدا نے حکم دیا تھا کہ وہ یوشع پر ہاتھ رکھ کر ان کی خلافت کا

اعلان کریں اور ادھر حضرت محمد مصطفیٰؐ کو خدا نے حکم دیا کہ وہ علی کا بازو پکڑ کر حاضرین کو دکھائیں۔

ان مشابہتوں کو دیکھ کر رسول خداؐ کا وہ فرمان بالکل سچا دکھائی دیتا ہے۔ میری امت پر بھی وہی حالات طاری ہوں گے جو بنی اسرائیل پر طاری ہوئے تھے اور اس میں بال برابر فرق نہیں ہوگا۔

اس حدیث کے مصادر کے لیے ہماری کتاب ”شمعون و مائے صحابی مخلص“ کی دوسری جلد کا مطالعہ فرمائیں۔

ج۔ شمعون وصی عیسیٰ کی روایت

کتاب مقدس میں شمعون نام کے دس افراد کا تذکرہ ملتا ہے جن میں سے ایک شمعون پطرس ہے اور ایک شمعون کا نام تورات میں سمعون ہے۔ انجیل متی میں ہے۔ پھر اس (حضرت عیسیٰ) نے اپنے بارہ شاگردوں کو پاس بلا کر ان کو ناپاک روحوں پر اختیار بخشا کہ ان کو نکالیں اور ہر طرح کی بیماری اور ہر طرح کی کمزوری کو دور کریں۔ اور بارہ رسولوں کے نام یہ ہیں۔ پہلا شمعون جو پطرس کہلاتا ہے.....

(انجیل متی باب ۱۰۔ آیت ۲۔)

انجیل یوحنا کی یہ آیات ملاحظہ فرمائیں۔

اور جب کھانا کھا چکے تو یسوع نے شمعون پطرس سے کہا۔ اے شمعون! یوحنا کے بیٹے کیا تو ان سے زیادہ مجھ سے محبت رکھتا ہے؟ اس نے اس سے کہا: ہاں خداوند! تو تو جانتا ہی ہے کہ میں تجھے عزیز رکھتا ہوں۔ اس نے اس سے کہا۔ تو میری بھیڑیں چرا۔ اس نے دوبارہ اس سے پھر کہا: اے شمعون یوحنا کے بیٹے کیا تو مجھ سے محبت رکھتا ہے؟ اس نے کہا ہاں خداوند تو تو جانتا ہی ہے کہ میں تجھ کو عزیز رکھتا ہوں۔ اس نے اس سے کہا تو میری بھیڑوں کی گلہ بانی کر۔ اس نے تیسری بار اس

سے کہا اے شمعون یوحنا کے بیٹے کیا تو مجھے عزیز رکھتا ہے؟ چونکہ اس نے تیسری بار اس سے کہا کیا تو مجھے عزیز رکھتا ہے اس سبب سے پطرس نے دلگیر ہو کر اس سے کہا اے خداوند تو تو سب کچھ جانتا ہے تجھے معلوم ہی ہے کہ میں تجھے عزیز رکھتا ہوں۔ یسوع نے اس سے کہا تو میری بھیڑیں چرا۔ (انجیل یوحنا باب ۲۱۔ آیت ۱۵-۱۷)

بھیڑیں چرانا امت کی رہنمائی کے لیے کنایہ ہے۔ قاموں کتاب مقدس میں ہے:
 مسیح نے اسے کنیہ کی ہدایت پر متعین کیا۔

اسلامی کتابوں میں بھی شمعون کا ذکر موجود ہے۔ چنانچہ یعقوبی نے ان کا تذکرہ کیا ہے اور ان کا نام ”سمعان الصفا“ بیان کیا۔ مسعودی لکھتے ہیں:
 وہ رومیہ پطرس میں قتل ہوئے اور یونانی زبان میں ان کا نام شمعون ہے اور عرب اسے ”سمعان“ کے نام سے یاد کرتے ہیں۔ کتاب معجم البلدان میں ”دیر سمعان“ کے متعلق مرقوم ہے:

”دیر سمعان“ دمشق کے نواح میں واقع ہے اور یہ گرجا ”سمعان“ کے نام سے منسوب ہے اور وہ نصاریٰ کے اکابر میں سے تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ وہ شمعون الصفا تھے۔ ہم نے انبیائے سابقین میں سے بطور نمونہ تین انبیائے کرام کے اوصیاء کا ذکر کیا۔ حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اللہ کے نبی تھے اور آپ کے اخلاق کریمہ سے یہ توقع ہی نہیں کی جاسکتی کہ آپ اپنی امت کو بے وارث بنا کر چھوڑ جائیں اور کسی کو اس ریوڑ کا چرواہا مقرر نہ کریں۔ آپ کی سیرت طیبہ سے ہمیں یہ درس ملتا ہے کہ آپ ایک دن کے لیے کہیں باہر جاتے تو اپنا خلیفہ اور جانشین مقرر کر کے جاتے تھے۔

چنانچہ آپ نے اپنی امت میں اپنا جانشین مقرر کیا اور متعدد بار اشارۃً کنایۃً اور صریحاً سے اس کا تذکرہ کیا۔ لیکن سیاست وقت نے ہر دور میں آپ کی

وصیت کو چھپانے کی کوشش کی اور جب روایت چھپ نہ سکی تو اس کی تاویل گڑلی گئی اور یوں امت اسلامیہ کو حقیقی جانشینانِ رسولؐ کی رہنمائی سے محروم ہونا پڑا۔

وصیت و خلافتِ علیؑ بربانِ نبیؐ

ہم نے اس باب کے آغاز میں دعوتِ ذی العشرہ کا ذکر کیا اور اس ضمن میں عرض کی کہ جب حضرت علیؑ نے بھرے مجمع میں رسولِ خداؐ کی حمایت و شہرت کا وعدہ کیا تو رسولِ خداؐ نے فرمایا:

ان هذا اخی ووصی و خلیفتی فیکم فاسمعوا لہ
واطیعو.

”یقیناً یہ میرا بھائی، میرا وصی اور تم میں میرا جانشین ہے تم اس کا فرمان سنو اور اس کی اطاعت کرو۔“

رسولِ خداؐ نے یہ الفاظ فرما کر اپنے وصی اور اپنے جانشین کا اعلان کر دیا تھا اور آپ نے لوگوں کو حضرت علیؑ کی اطاعت کا حکم دیا۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

وَمَا اتَّكُمُ الرَّسُولُ فَخُذُوهُ وَمَا نَهَاكُمْ عَنْهُ فَانْتَهُوا. (الحشر: ۷)
”اور جو کچھ رسول تمہیں دے دے وہ لے لو اور جس سے تمہیں منع کرے اس سے رک جاؤ۔“

طبرانی نے سلمان سے روایت کی۔ انہوں نے کہا کہ میں نے رسولِ خداؐ سے عرض کیا یا رسول اللہ! ہر نبی کا وصی ہوتا ہے اور آپ کا وصی کون ہے؟ آپ یہ سن کر خاموش رہے۔ پھر بعد میں آپ نے مجھے دیکھ کر فرمایا: سلمان! میں تیزی سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے لبیک کہی۔ آپ نے فرمایا: جانتا ہے کہ موسیٰ کا وصی کون تھا؟

سلمان نے کہا: جی ہاں۔ یوشع بن نون۔
رسول خداؐ نے فرمایا: جانتا ہے کہ یوشعؑ ہی موسیٰؑ کے وصی کیوں نامزد
ہوئے تھے؟

سلمان نے کہا کیونکہ وہ اپنے دور کا سب سے بڑا عالم تھا۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا:
فان وصی و موضع سری و خیر من اترک بعدی و
ینجز عدتی و یقضی دینی علی بن ابی طالب۔
میرا وصی اور میرے راز کا مقام اور جنہیں اپنے بعد چھوڑ کر
جاؤں گا ان سب سے بہتر اور میرے وعدے پورے کرنے
والا اور میرے قرض ادا کرنے والا علی بن ابی طالب ہے۔^(۱)

ابو ایوب انصاری کا بیان ہے کہ رسول خداؐ نے اپنی دختر حضرت فاطمہؑ سے فرمایا:
اما علمت ان اللہ عز و جل اطلع علی اهل الارض

۱۔ المجمع الکبیر ۶/۲۲۱۔ مجمع الزوائد ۹/۱۱۳۔ تذکرہ سبط بن جوزی ص ۲۳ باب حدیث

النجفی نقل از کتاب الفصائل احمد بن حنبل۔ اور روایت کے الفاظ یہ ہیں۔

انس نے کہا کہ ہم نے سلمان سے کہا کہ تم رسول خداؐ سے پوچھو کہ آپ کا وصی کون
ہے؟ سلمان نے یہی سوال رسول خداؐ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا۔

موسیٰ بن عمران کا وصی کون تھا؟

سلمان نے کہا۔ وہ یوشع بن نون تھا۔

رسول خداؐ نے فرمایا:

ان وصی و وارثی و منجز و عدی و علی بن ابی طالب۔

میرا وصی اور میرا وارث اور میرے وعدے پورے کرنے والا علی بن ابی طالب ہے۔

(الریاض النضرہ محبت طبری ۲/۲۳۴۔)

فاختار منهم اباک فبعثه نبیا، ثم اطلع الثانیہ فاختار

بعلک فاوحی الی فانکحتہ و اتخذتہ وصیا۔^(۱)

کیا تجھے معلوم نہیں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے زمین والوں پر نظر ڈالی تو ان میں سے تیرے باپ کو منتخب کیا۔ پھر اللہ تعالیٰ نے دوبارہ اہل زمین پر نظر ڈالی تو تیرے شوہر کا انتخاب کیا اور اللہ نے مجھے وحی کی اسی لیے میں نے اس کا عقد تیرے ساتھ کیا اور میں نے اسے اپنا وصی مقرر کیا ہے۔“

ابوسعید کا بیان ہے کہ رسول خدا نے فرمایا:

ان وصی و موضع سری و خیر من اترک بعدی و

ینجز عدتی و یقضی دینی علی بن ابی طالب۔^(۲)

”بے شک میرا وصی اور میرے راز کا مقام اور جنہیں اپنے بعد چھوڑ کر جا رہا ہوں ان میں سب سے بہتر اور میرے وعدے پورے کرنے والا اور میرا قرض ادا کرنے والا علی بن ابی طالب ہے۔“

انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا نے وضو کیا اور دو رکعت نماز

پڑھی اور پھر مجھ سے فرمایا:

۱۔ مجمع الزوائد بیہقی ۳۵۳/۸۔ علاوہ ازیں اسی کتاب کی جلد نهم ص ۱۶۵ پر ہے کہ آنحضرتؐ نے حضرت فاطمہؑ سے فرمایا۔ و وصی خیر الاوصیاء و احبہم الی اللہ و هو بعلمک۔ میرا وصی تمام اوصیاء کا سردار ہے اور وہ تیرا شوہر ہے۔ اس کے علاوہ یہ حدیث منتخب کنز العمال بر حاشیہ منہ ۱۱/۵ اور کنز العمال کتاب الفضائل، الفصل الثانی، فضائل علی بن ابی طالب حدیث ۱۱۶۳۔ ۲۰۴/۱۲۔ موسوعۃ المراف الحدیث من الحج الکبیر طبرانی ۲۰۵/۴۔ جمع الجوامع سیوطی حدیث ۳۲۶۱۔ میں بھی موجود ہے۔

۲۔ کنز العمال کتاب الفضائل، الفصل الثانی، فضائل علی بن ابی طالب حدیث ۱۱۹۲۔ جلد دوم ص ۲۰۹۔

اول من يدخل عليك من هذا الباب امام المتقين و
سيد المسلمين و يعسوب الدين و خاتم
الوصيين..... فجاء علي. فقال من جاء يا انس فقلت
علي فقام اليه مستبشر فاعتنقه. (الحدیث) ^(۱)

”اس دروازہ میں سے جو سب سے پہلے داخل ہوگا وہ متقین کا
امام اور مسلمانوں کا سردار اور دین کا رہبر اور آخری وصی ہوگا۔
کچھ دیر بعد علی آئے۔ رسول خدا نے مجھ سے پوچھا، انس! کون
آیا ہے؟ میں نے کہا علی آئے ہیں۔ رسول خدا خوش ہو کر اٹھے
اور علیؑ کو گلے لگایا۔“

صحابی بریدہ بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ نے فرمایا:

لكل نبي وصي و وارث و ان عليا و صي و وارثي. ^(۲)
”ہر نبی کا وصی اور وارث ہوتا ہے اور علیؑ میرا وصی اور وارث
ہے۔“

بیہقی کی کتاب الحسان و المساری میں ایک روایت ہے جس کا خلاصہ یہ ہے۔

ان جبریل جاء بهدية من الله ليهديها الرسول الى
ابن عمه و وصيه علي بن ابي طالب. الحديث ^(۳)

”جبریل امین اللہ کی طرف سے ایک ہدیہ لے کر آئے تاکہ وہ

۱۔ حلیۃ الاولیاء / ۶۳۔ تاریخ ابن عساکر ۲/۳۸۶۔ شرح منج البلاغہ طبع اول / ۱/۳۵۰

الخراف الحدیث بحوالہ اتحاد السادة المحققین زبیدی ۷/۳۶۱۔

۲۔ مخطوطہ تاریخ دمشق ابن عساکر مصورة المجمع العلمی الاسلامی ج ۱۲/۱۲ ق / ۱۶۳۔ الرياض

الضر ۲/۲۲۳۔

۳۔ الحسان و المساری محمد بن ابراہیم بیہقی طبع قاہرہ ۱/۶۳۔ ۶۵۔

ہدیہ رسولؐ اپنے ہاتھ سے اپنے ابن عم اور اپنے وصی علی بن ابی طالب کو پہنچائیں۔“

امم سابقہ میں علیؑ کی وصایت

اس واقعہ کو نصر بن مزاحم نے اپنی کتاب وقعة الصفین اور خطیب نے تاریخ بغداد میں نقل کیا ہے اور نصر بن مزاحم کے الفاظ یہ ہیں۔

حضرت علیؑ علیہ السلام اپنے لشکر کو ساتھ لے کر صفین کی طرف جا رہے تھے۔ راستہ میں ان کا گزر ایک صحرا سے ہوا جہاں ان کا پانی ختم ہو گیا اور پورا لشکر پیاس سے بے چین ہو گیا۔ حضرت اپنے لشکر کو لے کر ایک چٹان کے قریب آئے آپ نے اپنے ساتھیوں سمیت اسے ہٹایا تو اس سے شیرین پانی برآمد ہوا جسے تمام لشکر نے دل کھول کر پیا۔ اس کے قریب ایک گر جا بنا ہوا تھا۔ جب راہب کو پتہ چلا تو اس نے کہا۔ یہ گر جا اسی پانی سے بنایا گیا تھا اور پھر پانی کو چھپا دیا گیا تھا اس پانی کو نبی یا نبی کے وصی کے علاوہ کوئی برآمد نہیں کر سکتا۔^(۱)

اس خبر کی تائید درج ذیل روایت سے ہوتی ہے۔ اس روایت کو نصر بن مزاحم نے کتاب الصفین اور ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں بیان کیا ہے۔ نصر کے الفاظ یہ ہیں۔

جب حضرت علیؑ صفین کے لیے جا رہے تھے اور رقبہ کے قریب ایک جگہ سے ان کا گزر ہوا جسے ”بلخ“ کہا جاتا تھا اور وہ مقام فرات کے کنارے واقع تھا۔ وہاں ایک صومعہ تھا جس میں ایک راہب رہتا تھا۔ آپ کو دیکھ کر وہ راہب اپنی خانقاہ

۱۔ وقعة صفین طبع المدنی مصر ص ۱۳۵۔ تاریخ بغداد ۱۴/۳۰۵۔ آج اس درہ کے کھنڈرات پر مسجد ابراہیم بن جکی ہے۔ اور یہ مسجد شہر بغداد کے محلہ کرخ کے قریب واقع ہے اور اس کے قریب دریائے دجلہ بہتا ہے۔ روایت کی رو سے معلوم ہوتا ہے کہ اس وقت دریائے دجلہ یہاں سے بہت دور بہتا تھا اور یہ جگہ بے آب و گیاہ صحرا شام کی جالی تھی۔

سے باہر آیا اور آپ سے کہا ہمارے پاس ایک وصیت نامہ ہے جسے ہم نے بطور میراث اپنے آباء و اجداد سے حاصل کیا ہے۔ اور اس دستاویز کو حضرت عیسیٰ کے صحابیوں نے لکھا تھا۔ اگر آپ چاہیں تو میں وہ دستاویز آپ کے سامنے لے آؤں؟ حضرت علیؑ نے فرمایا: جی ہاں۔ راہب وہ دستاویز لے کر آیا جس میں یہ عبارت تحریر تھی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

خدا نے اپنے فیصلوں میں ایک فیصلہ یہ کیا ہے کہ وہ امین میں ایک رسول مبعوث کرے گا جو انہیں کتاب و حکمت کی تعلیم دے گا اور خدا کے راستہ کی رہنمائی کرے گا۔ وہ تند خو اور بد مزاج نہ ہوگا اور خواہ مخواہ بازاروں میں پھرنے والا نہ ہوگا۔ وہ برائی کا بدلہ برائی سے نہ دے گا۔ وہ برائی کے بدلے معاف کر دے گا اور درگزر کرے گا۔ اس کی امت پر بلندی و پستی میں خدا کی حمد کرنے والی ہوگی اور ان کی زبانوں سے ہمیشہ تمہیل و تکبیر و تسبیح کی صدائیں بلند ہوں گی اور جو بھی اس نبی سے دوری اختیار کرے گا، خدا اسے اس پر فتح و نصرت عطا کرے گا اور جب خدا اسے وفات دے گا تو اس کی امت میں اختلاف پیدا ہوگا پھر اتفاق پیدا ہوگا اور جب تک خدا چاہے گا ان میں اتفاق رہے گا پھر ان میں اختلاف پیدا ہوگا اسی اختلاف کے زمانہ میں اسی دریائے فرات کے کنارے سے امت رسولؐ میں سے ایک شخص کا گزر ہوگا جو امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرنے والا ہوگا اور وہ حق کے مطابق فیصلہ کرنے والا ہوگا اور فیصلہ کے لیے کسی طرح کی رشوت قبول نہیں کرے گا۔ اس کی نگاہ میں دنیا اس راکھ کے ڈھیر سے بھی کم قیمت ہوگی جسے آندھی نے اڑایا ہو اور اس کی نگاہوں میں موت ایسے عزیز ہوگی جیسے پیاسے کو پانی عزیز ہوتا

ہے وہ خلوت کے لمحات میں خدا سے ڈرتا ہوگا اور جلوت کے لمحات میں خدا کی مخلوق کی خیر خواہی کرے گا اور خدا کے متعلق کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کو خاطر میں نہ لائے گا۔ ان شہر والوں میں سے جو بھی اس نبی کو پائے اور اس پر ایمان لائے تو اس کو ثواب کے طور پر اپنی رضا اور جنت دوں گا اور جو شخص اس عبد صالح کو پائے تو اسے اس کی مدد کرنی چاہیے کیونکہ اس کی رفاقت میں قتل ہونا شہادت ہے۔

راہب نے حضرت علیؑ سے عرض کیا: اب میں آپ کے ساتھ رہوں گا اور آپ سے جدا نہ ہوں گا اور آپ پر آنے والے مصائب میں اپنے اوپر سہوں گا۔ حضرت علیؑ علیہ السلام دستاویز پڑھ کر رو پڑے اور فرمایا:

اس خدا کی حمد ہے جس نے مجھے اپنے ہاں فراموش نہیں کیا۔ اس ذات کی حمد ہے جس نے نیک لوگوں کی کتابوں میں میرا ذکر کیا ہے۔

راہب آپ کے ساتھ روانہ ہوا اور وہ صبح و شام کا کھانا بھی حضرت کے ساتھ کھاتا تھا۔ جنگ صفین میں وہ شہید ہو گیا۔ لوگ اپنے مقتولین کو دفن کرنے کے لیے نکلے تو حضرت نے فرمایا: اس راہب کی لاش کو تلاش کرو۔ آخر کار اس کی لاش مل گئی آپ نے اس کی نماز جنازہ پڑھی اور اسے اپنے ہاتھوں دفن کیا اور فرمایا۔ یہ شخص ہم اہل بیت میں سے ہے۔ پھر آپ نے کئی بار اس کے لیے خدا سے مغفرت طلب کی۔ (کتاب الصفین ص ۱۳۷-۱۳۸۔ ابن کثیر ۲/۲۵۳)

صحابہ و تابعین کی احادیث میں وصایت علیؑ کا تذکرہ

۱۔ حضرت ابو ذر غفاری عہد عثمان میں مسجد نبوی کے دروازے پر

کھڑے ہوئے اور خطبہ دیا اور اپنے خطبہ میں انہوں نے یہ الفاظ کہے:

محمد وارث علم ادم وما فضل به النبون و علیؑ۔

بن ابی طالب وصی محمد و وارث علمہ.....
 ”محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم آدم کے علم اور تمام انبیاء کے فضائل کے وارث ہیں اور علیؑ محمد مصطفیٰ کے وصی اور ان کے علم کے وارث ہیں۔“

حضرت ابو ذر کا پورا خطبہ کتب خلافت کی طرف سے حقائق چھپانے کے باب میں بیان کیا جائے گا۔

۲۔ جب حضرت امیر المؤمنین علیہ السلام کی بیعت ہوئی تو مالک اشتر نے کہا:

ایہا الناس ہذا وصی الاوصیاء و وارث علم الانبیاء
 العظیم البلاء الحسن العناء الذی شہدہ کتاب اللہ
 بالایمان و رسولہ بجنة الرضوان من کملت فیہ
 الفضائل ولم یشک فی سابقته و علمہ و فضلہ
 الاواخر ولا الاوائل. (تاریخ یعقوبی ۲/۱۷۸)

”لوگو! یہ وصی الاوصیاء اور علم انبیاء کا وارث ہے۔ بہت زیادہ آزمائشوں سے گزرنے والا اور تکالیف کو برداشت کرنے والا ہے۔ اس کے ایمان کی گواہی کتاب خدا نے دی ہے اور رسول کریمؐ نے اس کے لیے جنت رضوان کی گواہی دی ہے۔ یہ فضائل میں کامل ہے اور اس کی سبقت اسلام اور علم اور فضیلت کے متعلق اولین و آخرین میں سے کسی نے شک نہیں کیا۔“

۳۔ حضرت امیر المؤمنین نے مسجد کوفہ میں لوگوں کے ایک اجتماع سے خطاب کیا اور انہیں جنگ صفین کے لیے آمادہ کیا۔ اس وقت عمرو بن لُحَمّ الخزاعی کھڑے ہوئے اور امام علیہ السلام سے مخاطب ہو کر کہا۔

امیر المؤمنین! میں نے آپ سے محبت اور آپ کی بیعت کسی رشتہ داری کی

وجہ سے نہیں کی اور نہ ہی مجھے آپ سے کسی طرح کی دولت ملنے کی توقع ہے اور نہ میں اپنی سر بلندی کے لیے کسی عہدہ کا طلب گار ہوں۔ میں نے پانچ وجوہات کی بنا پر آپ سے محبت کی ہے اور آپ کی بیعت کی ہے۔

(۱) آپ رسول خدا کے چچا زاد بھائی ہیں۔ (۲) آپ پیغمبر اکرم کے وصی ہیں۔ (۳) آپ ذریت رسول کے والد ہیں۔ (۴) آپ سابق الاسلام ہیں۔ (۵) تمام مہاجرین کی بہ نسبت جہاد میں آپ کا زیادہ حصہ ہے۔^(۱)

عمر بن ابی بکر کا خط

۴۔ حضرت محمد بن ابوبکر نے معاویہ کے نام خط تحریر کیا جس کی عبارت یہ تھی:

۱۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ۱/۲۸۱۔

عمر بن الحنظل الخزاعی نے حدیبیہ کے بعد ہجرت کی اور اس نے آنحضرت کو پانی پلایا۔ رسول خدا نے اس کے لیے دعا فرمائی کہ خدایا اس کو جوانی سے مستفید فرما۔

آپ کی دعا کا یہ اثر ہوا کہ وہ اسی سال کی عمر میں بھی بھرپور جوان دکھائی دیتے تھے اور ان کا ایک بال بھی سفید نہیں ہوا تھا۔ وہ حضرت علیؑ کے ساتھ تمام غزوات میں شامل رہے۔ آپ حجر بن عدی کے دوستوں میں سے تھے۔ زیاد بن ابیہ کے دور حکومت میں کوفہ سے بھاگ کر موصل چلے گئے اور وہاں ایک غار میں چھپ گئے۔ اس وقت موصل کا گورنر معاویہ کا بھانجا عمرو بن حکم تھا۔ معاویہ نے اسے لکھا کہ ہر قیمت پر عمرو بن الحنظل الخزاعی کو تلاش کرو۔

اس کے فوجی دن رات انہیں ڈھونڈنے میں لگ گئے۔ آخر کار وہ انہیں مردہ حالت میں غار میں دکھائی دیے۔ ظالموں نے ان کا سر قلم کیا اور حاکم موصل کے سامنے پیش کیا۔ حاکم نے ان کا سر معاویہ کے پاس دمشق بھیجا۔ معاویہ نے ان کی زوجہ کو گرفتار کیا ہوا تھا۔ جب ان کا سر معاویہ کے پاس پہنچا تو معاویہ نے وہی سر ان کی بیوی کے پاس بھیجا۔ وہ مظلومہ سر کو پا کر بے حد غمگین ہوئی اور کہا تم نے ایک عرصہ تک اسے مجھ سے غائب رکھا اور اب قتل کر کے اس کا سر میرے پاس بطور ہدیہ لائے ہو۔ بہر نوع میں اس ہدیہ کو خوش آمدید کہتی ہوں حضرت عمرو بن الحنظل نے ۵۰ھ میں وفات پائی۔ (اسد الغابہ ۳/۱۰۰-۱۰۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

محمد بن ابی بکر کی طرف سے صحر کے گمراہ بیٹے کے نام۔ طاعت الہی کرنے والوں اور ولایت خداوندی کے اقرار کرنے والوں پر سلام ہو۔

اما بعد۔ اللہ تعالیٰ نے محمد مصطفیٰؐ کو چنا اور انہیں اپنی رسالت کے لیے مخصوص کیا اور اپنی وحی کے لیے پسند فرمایا اور اپنے احکام کا انہیں امین بنایا۔ انہیں ایسا رسول بنا کر بھیجا کہ آپ گزشتہ انبیاء کی تصدیق کرنے والے اور ان کی کتابوں کی تائید کرنے والے تھے۔ آپ شریعت کے رہنما تھے۔ آپ نے لوگوں کو حکمت اور موعظہ حسنہ سے دین خداوندی کی دعوت دی۔

اور آپ کی آواز پر سب سے پہلے لبیک کہنے والا آپ کا فرزند عم علیؑ بن ابی طالب تھا۔ علیؑ نے پردہ کسم میں چھپے ہوئے غیب کی تصدیق کی اور ہر دوست پر آنحضرتؐ کو ترجیح دی اور ہر مشکل میں ان کا ساتھ دیا اور ہر خوف کے مقام پر آنحضرتؐ کے سامنے سینہ سپر رہے۔ علیؑ نے نبی کے مخالفین سے جنگیں کیں اور نبی کے چاہنے والوں سے صلح قائم کی اور ہر خوفناک مقام پر جان کی پروا کیے بغیر گھس جاتے تھے۔ جہاد میں ان کی مثال نہیں ہے اور کردار و افعال میں ان کی نظیر نہیں ہے۔ میں نے تجھے دیکھا کہ تو علیؑ کی برابری کا دعویٰ کرنے لگا ہے جب کہ تو تو ہی ہے اور علیؑ ہر بھلائی میں سبقت کرنے والے ہیں۔ علیؑ نے سب لوگوں سے پہلے اسلام قبول کیا۔ علیؑ از روئے نیت تمام لوگوں سے زیادہ سچے ہیں اور ذریت کے لحاظ سے تمام لوگوں سے طیب و طاہر ہیں۔ ان کی بیوی خاتونِ جنت ہے اور وہ افضل کائنات محمد مصطفیٰؐ کے ابن عم ہیں..... تو اور تیرا باپ پوری زندگی دین کے مٹانے میں پیش پیش رہے اور تمہاری کوشش تھی کہ خدا کا نور بجھ جائے اور اس مقصد کے لیے تم نے فوجیں تشکیل دی تھیں اور دولت خرچ کی اور قبائل عرب کو اپنا حلیف بنایا

تھا۔ تیرا باپ اسلام کی دشمنی لے کر مر گیا اور اب تو اپنے باپ کا جانشین ہے اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ رسول خداؐ کے زمانہ کے تمام سرکش مخالف اور منافق تیرے پاس آمد و رفت رکھتے ہیں۔

علیؑ کی فضیلت اور ان کی سبقتِ اسلامِ مسلم ہے اور محمد مصطفیٰؐ کے مخلص اور وفادار صحابی علیؑ کے گرد جمع ہیں۔ جو اپنی تلواریں لے کر علیؑ کی حمایت پر کمر بستہ ہیں اور علیؑ کی حمایت میں اپنا خون بہانے پر آمادہ ہیں اور وہ علیؑ کی پیروی کو اپنے لیے فضیلت اور علیؑ کی مخالفت کو بد نصیبی تصور کرتے ہیں۔

تجھ پر افسوس! تو اپنے آپ کو علیؑ کے برابر کیسے قرار دے رہا ہے جب کہ وہ رسول خداؐ کا وارث اور ان کا وصی اور ان کی اولاد کا والد اور ان کا سب سے پہلا پیرو ہے اور آخری گھڑی تک علیؑ ہی نے محمد مصطفیٰؐ کا ساتھ دیا۔ رسول خداؐ انہیں اپنے راز کی خبر دیتے تھے اور اپنے امور میں انہیں شریک رکھتے تھے۔

معاویہ کا جواب

معاویہ نے محمد بن ابی بکر کو یہ جواب تحریر کیا:

معاویہ بن ابی سفیان کی طرف سے اپنے والد پر الزام لگانے والے محمد بن ابی بکر کی طرف اطاعت الہی کرنے والوں کا سلام ہو۔

اما بعد! تیرا خط ملا تو نے اس میں خدا کی قدرت کا ذکر کیا اور محمد مصطفیٰؐ کی نبوت کا تذکرہ کیا، پھر تو نے اپنی طرف سے بہت سی خود ساختہ باتیں لکھیں جن سے تیری رائے کی کمزوری اور تیرے والد پر الزام ثابت ہوتا ہے۔ تو نے فرزند ابو طالب کے حق کا ذکر کیا اور تو نے اس کی سبقتِ اسلام اور اس کی نبی سے قربت اور اس کی نصرت و وفاداری کا ذکر کیا ہے اور تو نے مجھ پر اس کی فضیلت کی وجہ سے نسبت تمام

کرنے کی کوشش کی ہے۔ خدا کا شکر ہے جس نے تجھ سے فضیلت کو دور رکھا اور تیرے غیر کو فضیلت دی۔ میں اور تیرا باپ نبی کریم کی زندگی میں علیؑ کے حق کو اپنے اوپر ضروری سمجھتے تھے اور اس کی فضیلت کو تسلیم کرتے تھے۔ جب اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کے لیے دارِ آخرت پسند کیا تو اس کے بعد تیرے باپ اور اس کے فاروق نے اس کا حق چھینا اور اس کی مخالفت کی اور اس بات پر دونوں کا اتفاق تھا۔ پھر ان دونوں نے علیؑ کو اپنی اطاعت کی دعوت دی مگر علیؑ ان سے علیحدہ رہا اور سستی کا اظہار کیا۔ ان دونوں نے اس کے متعلق بہت سے منصوبے بنائے اور اس کے متعلق انہوں نے بہت سے ارادے کیے آخر علیؑ نے بیعت کی اور ان کی حکومت کو تسلیم کیا۔ وہ دونوں علیؑ کو اپنے کسی معاملہ میں شریک نہیں کرتے تھے اور اپنے رازوں کی اسے کوئی اطلاع نہیں دیتے تھے۔ یہاں تک کہ ان دونوں کی وفات ہو گئی اور ان کی حکومت ختم ہو گئی۔ پھر ان کے بعد عثمان بن عفان ان کا جانشین بنا وہ بھی انہی کے نقش قدم پر چلتا رہا..... الی آخر الکتاب۔

ہم نے معاویہ کا جواب اس لیے تحریر کیا تاکہ ہمارے قارئین کو معلوم ہو سکے کہ معاویہ بھی محمد بن ابی بکر کے پیش کردہ حقائق کو جھٹلانے کی جرأت نہ کر سکا تھا۔

ان دونوں خطوط کو نصر بن مزاحم نے اپنی کتاب وقعتہ الصنفین اور مسعودی نے اپنی کتاب مروج الذهب میں نقل کیا ہے۔ جب کہ طبری اور ابن اثیر نے ۳۶ھ کے واقعات کے ضمن میں ان خطوط کی طرف اشارہ کیا ہے لیکن اپنے مذہبی تعصب کی وجہ سے انہیں نقل کرنے سے گریز کیا ہے۔ چنانچہ ان دونوں کا انداز ملاحظہ فرمائیں:

طبری نے اپنی سند سے یزید بن ظلیان سے روایت کی:

ان محمد بن ابی بکر کتب الی معاویہ بن ابی سفیان
لما ولی فذکر مکاتبات جرت بینہما کرہت ذکرہا
لما فیہ مما لا یحتمل سماعہ العامة.....

”جب محمد بن ابوبکر مصر کے حاکم بنے تو انہوں نے معاویہ کو خط
لکھا اور معاویہ اور ان کے درمیان بہت سے خطوط کا تبادلہ
ہوا۔ میں ان کا نقل کرنا اس لیے پسند نہیں کرتا کہ عام لوگ اس
کے سننے کے متحمل نہیں ہیں۔“

طبری کے ان الفاظ سے معلوم ہوتا ہے کہ طبری کو ان خطوط کا علم تھا اور وہ
یہ بھی جانتے تھے کہ خطوط کی روایت صحیح ہے لیکن اس کے باوجود اس نے خطوط نقل
کرنے سے اس لیے گریز کیا کہ عوام الناس یہ باتیں سننا پسند نہیں کرتے۔ طبری کی
طرح ابن اثیر کو بھی ان خطوط کا علم تھا لیکن اس نے اپنی کتاب تاریخ کامل میں ان
کو نقل نہیں کیا اور اس کی وجہ یہ بتائی۔

کرہت ذکرہا لما فیہ مما لا یحتمل سماعہ العامة.
میں نے ان خطوط کا ذکر کرنا اس لیے پسند نہیں کیا کہ عوام
الناس اس کے سننے کے متحمل نہیں ہیں۔^(۱)

۱۔ کتاب وقحہ الصغیرین نصر بن حزام طبع قاہرہ ص ۱۱۸-۱۱۹۔ تاریخ طبری طبع یورپ
نمبر ۳۲۳۸۱۔ تاریخ ابن اثیر طبع یورپ ۱۰۸/۳۔ مروج الذهب مسعودی طبع بیروت ۱۱/۳۔ شرح
ابن ابی الحدید ۱/۲۳۸۔

(طبری اور ابن اثیر کے عمل کو تفسیر پر محمول کیا جائے یا کسمان حق کی بدترین صورت
سمجھا جائے اس کا فیصلہ ہم اپنے بائیسہ قارئین کی عدالت پر چھوڑتے ہیں۔) (سن الحرم)

عمرو بن العاص کے خط میں وصایت علیؑ کا ذکر

خوارزمی لکھتے ہیں کہ معاویہ نے عمرو بن العاص کو ایک خط لکھا جس میں اس نے اسے اپنی حمایت و نصرت اور حضرت علیؑ کی مخالفت کی دعوت دی۔ اس کے جواب میں عمرو بن العاص نے معاویہ کو خط لکھا جس میں اس نے تحریر کیا:

فاما ما دعوتنی الیہ..... و اعانتی ایاک علی الباطل
و اختراط السیف فی وجہ علی و هو اخو رسول اللہ
و وصیہ و وارثہ و قاضی دینہ و منجز وعدہ و زوج
ابنتہ. (مناقب خوارزمی ص ۱۲۵)

”بہر نوع تو نے مجھے جو دعوت دی ہے..... اور یہ کہ میں باطل کے حصول کے لیے تیری مدد کروں اور علیؑ کے سامنے تلوار بلند کروں جب کہ وہ رسول خدا کا بھائی اور ان کا وصی اور ان کا وارث اور ان کے قرض کو اتارنے والا اور ان کے وعدے پورے کرنے والا اور ان کی بیٹی کا خاوند ہے۔“

حضرت علیؑ کی زبانی اپنی وصایت کا ذکر

خوارزمی نے حضرت علیؑ کا یہ فرمان نقل کیا ہے۔

انا اخو رسول اللہ و وصیہ..... (مناقب خوارزمی ص ۱۲۳)

”میں رسول خدا کا بھائی اور ان کا وصی ہوں۔“

ابن ابی الحدید شرح نوح البلاغہ میں لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے اہل مصر کو

ایک خط لکھا جس میں یہ جملے بھی تھے:

واعلموا انه لاسوی: امام الہدی و امام الردی و

وصی النبی و عدو النبی۔ (شرح ابن ابی الحدید ۲/۸۲۔)

”جان لو کہ ہدایت کا امام اور گمراہی کا پیشوا اور نبی کا وصی اور نبی کا دشمن برابر نہیں ہو سکتے۔“

یعقوبی لکھتے ہیں کہ خوارج نے حضرت علی کے سامنے کہا تھا کہ انہوں نے وصیت کو ضائع کر دیا ہے: اس کے جواب میں آپ نے فرمایا:

۱. اما قولکم انی کنت وصیا فضیعت الوصیة فان
الله (عز و جل) یقول (وَلِلّٰهِ عَلٰی النَّاسِ حُجُّ الْبَيْتِ
مَنْ اسْتَطَاعَ اِلَيْهِ سَبِيْلًا وَمَنْ كَفَرَ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِيٌّ عَنِ
الْعَالَمِيْنَ) (آل عمران: ۹۷) افرایتم هذا البيت لولم يحج
اليه احد كان البيت يكفر؟ ان هذا البيت لو تركه من
استطاع اليه سبيلا كفر' و انتم كفرتم بترككم اياي لا انا
بتركى لكم..... الى اخره (تاریخ یعقوبی ۲/۱۹۲-۱۹۳)

”اور تمہارا یہ کہنا کہ میں وصی تھا مگر میں نے وصیت کو ضائع کر دیا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔ اللہ تعالیٰ نے لوگوں پر گھر کا حج واجب کیا جو اس تک پہنچنے کی طاقت رکھتا ہو اور جو کوئی کفر کرے تو اللہ تمام جہانوں سے بے پروا ہے۔ اب بتاؤ اگر اس گھر کا حج کرنے کوئی نہ جائے تو کیا گھر پر کفر کا فتویٰ لگایا جائے یا اس پر کفر کا فتویٰ لگایا جائے گا جو قدرت ہونے کے باوجود حج پر نہ گیا ہو؟“

اس طرح تم نے مجھے چھوڑ کر کفر اختیار کیا ہے۔ میں نے تو کفر اختیار نہیں کیا۔

حضرتؐ کے خطبات اور وصایت

سُجِّحَ الْبَلَاءُ كَـ اِيكْ خُطْبَةٍ مِّنْ اَبِّكَ نَبِيًّا:

ايها الناس اني قد بشت لكم المواعظ التي وعظ
الانبياء بها امهم واديت اليكم ما ادت الاوصياء

الى من بعلمهم..... (سُجِّحَ الْبَلَاءُ خُطْبَةٌ ۱۸۰)

”اے لوگو! میں نے تمہیں اس طرح نصیحتیں کیں جس طرح کی
انبیاء اپنی امتوں کو کرتے چلے آئے ہیں اور ان چیزوں کو تم
یک پہنچایا ہے جو اوصیاء بعد والوں تک پہنچایا کرتے تھے۔“

ايك اور خطبہ میں آپؐ نے ارشاد فرمایا:

وما لي لا اعجب من خطأ هذه الفرقة على اختلاف
حججها في دينها لا يقتصون اثر نبي ولا يقتلون
بعمل وصي. (سُجِّحَ الْبَلَاءُ خُطْبَةٌ ۸۶)

”مجھے حیرت ہے اور حیرت کیوں نہ ہو ان فرقوں کی خطاؤں پر
جنہوں نے اپنے دین کی حجّتوں میں اختلاف پیدا کر رکھے ہیں
جو نہ نبی کے نقش قدم پر چلتے ہیں اور نہ وصی کے عمل کی پیروی
کرتے ہیں۔“

سُجِّحَ الْبَلَاءُ كَـ دوسرے خطبہ میں آپؐ کے یہ الفاظ موجود ہیں:
لا يقاس بأل محمد (ص) من هذه الامة احد ولا
يسوى بهم من جرت نعمتهم عليه ابدا. هم اساس
الدين و عماد اليقين اليهم يقى الغالى وبهم يلحق
التالى ولهم خصائص حق الولاية و فيهم الوصية
والوراثة.....

”اس امت میں سے کسی کو آل محمدؐ پر قیاس نہیں کیا جا سکتا۔ جن لوگوں پر ان کے احسانات ہمیشہ جاری رہے ہوں، وہ ان کے برابر نہیں ہو سکتے۔ وہ دین کی بنیاد اور یقین کے ستون ہیں۔ آگے بڑھ جانے والے کو ان کی طرف پلٹ کر آنا ہے اور پیچھے رہ جانے والے کو ان سے آ کر ملنا ہے۔ حق ولایت کی خصوصیات انہی کے لیے ہیں اور انہی کے بارے میں پیغمبرؐ کی وصیت اور انہی کے لیے نبی کی وراثت ہے۔“

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ علیہ السلام نے خطبہ دیا اور خطبہ کے دوران میں آپ نے فرمایا:

انا عبد اللہ واخو رسولہ لا یقولہا احد قبلی ولا
بعدی الا کذب، ورثت نبی الرحمة و نکحت سیدة
نساء هذه الامة و انا خاتم الوصیین.

(شرح نوح البلاغہ ابن ابی الحدید طبع مصر/۱/۲۰۸)

”میں اللہ کا بندہ اور اس کے رسولؐ کا بھائی ہوں اور مجھ سے پہلے یا میرے بعد جو بھی یہ دعویٰ کرے گا تو جھوٹا ہو گا۔ میں نبی رحمت کا وارث ہوں اور اس امت کی عورتوں کی سردار سے میرا نکاح ہوا اور میں خاتم الوصیین ہوں۔“

حسن مجتبیٰؑ کے خطبہ میں ذکر وصایت

امام حسن مجتبیٰؑ علیہ السلام نے اپنے والد کی شہادت کے بعد خطبہ دیا جس

میں آپ نے ارشاد فرمایا:

انا الحسن بن علی وانا ابن النبی وانا ابن الوصی..... (الحدیث)

(مترک حاکم ۳/۱۷۲۔ ذخائر العقبی ص ۱۳۸۔ مجمع الزوائد بیہقی ۹/۱۳۶)

”میں حسن بن علی ہوں اور میں نبیؐ کا فرزند ہوں اور میں وصی کا فرزند ہوں۔“

تعزیت نامہ میں وصایت کا ذکر

جب حسن مجتبیٰؑ کی وفات ہوئی اور یہ خبر کوفہ کے شیعوں نے سنی تو وہ سلیمان بن صدوزخاعی کے گھر میں جمع ہوئے اور انہوں نے امام حسین علیہ السلام کو ایک تعزیت نامہ لکھا۔ جس کی تحریر یہ تھی۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

لِلْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ مِنْ شِيعَتِهِ وَ شِيعَةِ اَبِيهِ اميرِ الْمُؤْمِنِينَ
سَلَامٌ عَلَيْكَ، فَاِنَّا نَحْمَدُ اِيْكَ اللّٰهُ الَّذِي لَا اِلٰهَ اِلَّا هُوَ.
اِمَّا بَعْدُ! فَقَدْ بَلَّغْنَا وَاثِقَةَ الْحَسَنِ بْنِ عَلِيٍّ (فَسَلَامٌ عَلَيْهِ) يَوْمَ
وُلِدَ وَ يَوْمَ يَمُوتُ وَ يَوْمَ يَبْعَثُ حَيًّا مَا عَظُمَ مَا اَصِيبُ بِهِ هَذِهِ
الْاُمَّةُ عَامَةً وَاَنْتَ وَ هَذِهِ الشَّيْعَةُ خَاصَّةً بِهَلَاكِ ابْنِ
الْوَصِيِّ وَاِبْنِ بِنْتِ النَّبِيِّ وَ (تاريخ يعقوبي ۲/۲۲۸)
”حسین بن علیؑ کے نام ان کے شیعوں اور ان کے والد امیر
المؤمنین کے شیعوں کی طرف سے۔“

امَّا بَعْدُ! ہم اس خدا کی حمد کرتے ہیں جس کے علاوہ کوئی معبود نہیں ہے
ہمیں حسن بن علیؑ کی وفات کا علم ہوا۔ ان پر خدا کی طرف سے سلامتی ہو جس دن وہ
پیدا ہوئے اور جس دن وہ مرے اور جب وہ دوبارہ اٹھائے جائیں گے۔ ان کی
موت اس امت کے لیے بالعموم اور آپ اور آپ کے شیعوں کے لیے ایک عظیم
صدمہ ہے کیونکہ حسنؑ وصی کے فرزند اور بنت پیغمبر کے بیٹے ہیں۔

مسعودی نے مروج الذهب میں لکھا:

جب شام میں حسن مجتبیٰ کی وفات کی اطلاع پہنچی تو اس وقت ابن عباس

معاویہ کے دربار میں موجود تھے۔ ابن عباس نے معاویہ سے کہا:

اگر آج ہمیں یہ صدمہ سہنا پڑا ہے تو اس سے پہلے ہم نے سید المرسلین کی

موت کا صدمہ بھی جھیلا ہے اور اس کے بعد ہم نے سید الاوصیاء کی موت کا صدمہ

بھی اٹھایا ہے۔ (مروج الذهب مسعودی ۲/۳۳۰۔)

امام حسین کے خطبہ میں وصایت کا ذکر

حضرت امام حسین علیہ السلام نے روز عاشور یزیدی افواج کے سامنے

خطبہ دیا جس میں آپ نے حجت تمام کرتے ہوئے فرمایا:

امابعد! فانسبونی فانظروا من انا ثم ارجعوا الی

انفسکم و عاتبوها هل یجوز لکم قتلی و انتهاک

حرمتی الست ابن بنت بنیکم (ص) و ابن وصیہ و

ابن عمہ و اول القوم اسلاما و اول المومنین باللہ

والمصدق لرسولہ بما جاء من عنده ربہ اولیس

حمزة سید الشهداء عم ابی اویس جعفر الشہید

الطیار ذو الجناحین عمی؟^(۲)

میرا نسب بیان کرو اور دیکھو کہ میں کون ہوں؟ پھر تم اپنے دلوں میں

جھانک کر یہ فیصلہ کرو کہ کیا تمہارے لیے میرا قتل کرنا اور میری ہتک

حرمت جائز ہے؟

۲۔ طبری طبع یورپ ۲/۳۲۹۔ ابن اثیر طبع یورپ ۳/۵۲۔ ابن کثیر نے اس خطبہ کو لکھا

لیکن حضرت علی کی خصوصیات لکھنے سے گریز کیا اور صرف اتنا لکھا ”وعلی ابی“

تو کیا میں تمہارے نبی کی دختر کا بیٹا نہیں ہوں اور کیا میں نبی کے وصی اور نبی کے ابن عم کا بیٹا نہیں ہوں؟ کیا میں اس کا بیٹا نہیں جو سب سے پہلے اسلام لایا اور جس نے سب سے پہلے رسول خدا کے پیغام کی تصدیق کی؟

اور کیا حمزہ سید الشہداء میرے والد کے چچا نہیں تھے؟ اور کیا جعفر شہید جسے خدا نے دو پر عطا کیے ہیں اور جو جنت میں پرواز کرتا ہے وہ میرا چچا نہیں ہے؟“

حضرت امام حسینؑ نے یہ خطبہ اپنے ماننے والوں کے درمیان نہیں دیا بلکہ آپ نے یہ خطبہ یزیدی فوج کے سامنے دیا جو کہ آپ کے خون کی پیاسی تھی اور آپ نے اپنے دشمنوں کے سامنے بیان کیا کہ میرے والد وصی رسول ہیں اور میرے والد کے چچا حمزہ سید الشہداء ہیں اور میرا چچا جعفر طیار ہے۔

یزیدی فوج آپ کے فرمان کی تردید نہ کر سکی۔ اگر حضرت علیؑ کی وصایت مشکوک اور متنازع ہوتی تو یزیدی فوج اس کی تردید کرتی لیکن ان کا تردید نہ کرنا اس بات کا ثبوت ہے کہ حضرت علیؑ کی وصایت ایک امر مسلم تھی۔

سفاح عباسی کے چچا کا وصایت سے احتجاج

بنی عباس نے ابتداء میں آل رسول کے حق کا نام لے کر بنی امیہ کے خلاف احتجاج کو منظم کیا تھا اور مشہور عباسی داعی ابو مسلم خراسانی کو ”امیر آل محمد“ کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا اور بنی عباس کے داعی رسول اللہؐ کی ان احادیث کا سہارا لیتے تھے جو آل محمد کے حق میں وارد ہوئی تھیں۔ البتہ یہ علیحدہ بات ہے کہ جب ان کے پاس اقتدار آ گیا تو انہوں نے آل محمدؐ سے منہ موڑ لیا۔

پہلے عباس خلیفہ سفاح کا چچا عبداللہ بن علیؑ نے حضرت علیؑ کی وصایت سے استدلال کیا۔ جیسا کہ ذہبی نے ابو عمر و اوزاعی سے روایت کی جس کا خلاصہ یہ ہے۔

جب سفاح کے چچا عبداللہ بن علی شام آیا اور اس نے بنی امیہ کو قتل کیا۔ پھر اس نے میرے پاس پیغام بھیجا کہ مجھ سے ملاقات کرو۔ میں اس کے پاس گیا تو اس نے کہا:

تجھ پر افسوس! کیا دین کے تقاضوں کے تحت خلافت ہمارا حق نہیں ہے؟

میں نے کہا: وہ کیسے؟

اس نے کہا:

کیا رسول خدا نے حضرت علی کو اپنا وصی مقرر نہیں کیا تھا؟

میں نے کہا: اگر ایسا ہوتا تو علی تکلیف کو کیوں قبول کرتے؟

یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا اور مجھے یہ اندیشہ پیدا ہوا کہ وہ غصہ میں کہیں

مجھے قتل ہی نہ کرادے۔^(۱)

میں (مؤلف کتاب) کہتا ہوں کہ اوزاعی کے جواب کی کوئی حیثیت نہیں

ہے۔ یہ خوارج کی وہی دلیل ہے جس کی تردید حضرت علی نے مدلل طور پر کر دی تھی

جیسا کہ ابھی گزر چکا ہے۔

منصور دوانیقی کے سامنے وصایت سے احتجاج

طبری اور ابن اثیر ۱۴۵ھ کے واقعات کے ضمن میں لکھتے ہیں:

اس سال محمد بن عبداللہ بن حسن بن علی بن ابی طالب نے عباسی خلیفہ

منصور کے خلاف خروج کیا اور اہل مدینہ نے اس کی بیعت کی۔

منصور عباسی اور اس کے درمیان خط و کتابت کا تبادلہ ہوا۔ انہوں نے

اپنے ایک خط میں اپنے استحقاق خلافت کی یہ دلیل دی:

.....وان ابانا علیا کان الوصی و کان الامام فکیف

ورثتم ولایتہ وولدہ احياء.....

ہمارے والد علی مرتضیٰ وصی اور امام تھے۔ ان کی اولاد کی

موجودگی میں تم ان کی وراثت کے وارث کیسے بن گئے؟

منصور نے ان کے خط کا جواب دیا جس میں ان کے باقی دلائل کا جواب

دیا لیکن اس نے اس دلیل کا کوئی جواب نہ دیا جس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؑ

کی وصایت اس کے ہاں مسلم تھی ورنہ وہ کوئی نہ کوئی جواب تو ضرور دیتا۔

وصیت نامہ میں وصایت علی کا تذکرہ

طبری لکھتے ہیں:

ابو الخطاب کا بیان ہے کہ قاسم بن مجاشع مرو کے رہنے والا تھا اور باران

نامی ایک بہتی میں اس کی وفات ہوئی۔ اس نے خلیفہ مہدی کے نام وصیت لکھی اور

اس وصیت نامہ میں اس نے لکھا:

شهد اللہ انه لا اله الا هو والملائكة واولوا لعلم

قالما بالقسط لا اله الا هو العزيز الحكيم ان الدين

عند الله الاسلام الى آخر الاية.

اس آیت کے بعد اس نے یہ الفاظ تحریر کیے:

قاسم بن مجاشع عقیدہ توحید کی گواہی دیتا ہے اور وہ یہ گواہی دیتا ہے کہ

حضرت محمدؐ اللہ کے بندے اور اس کے رسولؐ ہیں اور علی ابن ابی طالب رسولؐ خدا کے وصی اور ان کے بعد امامت کے وارث ہیں۔

جب مہدی نے اس تحریر کو دیکھا اور اس نے وصیت علیؑ کو پڑھا تو اس نے اس وصیت نامہ کو پھینک دیا اور اس پر کوئی توجہ تک نہ دی۔ (تاریخ طبری ۵۳۲/۳)

ہارون رشید بھی نظریہ وصیت کا قائل تھا

کتاب الاخبار الطوال میں اصمعی سے ایک روایت مروی ہے جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

میں ہارون الرشید کے پاس گیا اس نے اپنے بیٹوں محمد اور عبداللہ کو اپنے پاس بلایا۔ جب دونوں شاہزادے آئے تو اس نے ایک کو دائیں اور دوسرے کو بائیں جانب بٹھایا اور مجھے ان سے امتحان لینے کا حکم دیا۔

میں نے فنون ادب میں سے ان کے سامنے جو بھی مسئلہ رکھا دونوں نے بہترین انداز سے جواب دیا۔

ہارون نے کہا:

ان کے ادب کے متعلق تمہاری کیا رائے ہے؟

میں نے کہا:

میں نے ان سے زیادہ صاحب فہم اور ذہین بچہ آج تک نہیں دیکھا.....

اصمعی کہتے ہیں اس کے بعد ہارون نے دونوں شاہزادوں کو سینے سے لگایا اور رونے لگا اور وہ اتنا رویا کہ اس کے آنسو زمین پر ٹپکنے لگ گئے۔ پھر اس نے بچوں کو واپس جانے کی اجازت دی۔ بچے اٹھ کر چلے گئے تو ہارون نے مجھ سے کہا۔

اس وقت کیا حالت ہوگی جب یہ دونوں بچے ایک دوسرے کے دشمن بن جائیں گے اور ان کے درمیان جنگ چھڑ جائے گی اور اس میں بہت سی جانیں تلف ہوں گی۔

میں نے کہا: امیر المومنین! کیا مجھ میں نے ان کا زائچہ بنا کر یہ نتیجہ نکالا ہے یا علمائے حق نے یہ پیش گوئی کی ہے؟
ہارون نے کہا۔ اسے علماء نے اوصیاء سے نقل کیا اور اوصیاء نے انبیاء سے نقل کیا۔

لوگ بیان کرتے ہیں کہ مامون کہا کرتا تھا کہ میرے والد کو ہمارے اختلافات کا علم تھا اور اس نے یہ خبر امام موسیٰ کاظم بن جعفر صادق سے سنی تھی۔^(۱)
مؤلف کہتا ہے کہ ہارون رشید نے اوصیاء سے امام موسیٰ کاظم بن جعفر صادق، محمد باقر، زین العابدین، امام حسین، امام حسن اور علی مرتضیٰ علیہم السلام کی ذوات عالیہ کی طرف اشارہ کیا تھا اور لفظ انبیاء سے حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی طرف اشارہ کیا تھا۔

اور اسی پیش گوئی کی وجہ سے اس نے اپنے دونوں بیٹوں کے متعلق وصیت کا بڑا اہتمام کیا تھا جس کی سابقہ ادوار میں کوئی مثال نہیں ملتی تھی۔ چنانچہ مورخین لکھتے ہیں۔

ہارون الرشید مکہ پہنچا وہاں منبر پر ایک خطبہ دیا۔ پھر منبر سے اتر کر بیت اللہ کے اندر داخل ہوا اور اپنے بیٹوں محمد اور مامون کو بھی بیت اللہ کے اندر طلب کیا۔ پھر اس نے محمد کے سامنے شرائط رکھیں اور محمد سے کہا کہ وہ ان شرائط کو کعبہ کے اندر بیٹھ کر اپنے ہاتھ سے تحریر کرے اور اس کے بعد اس نے محمد سے پختہ عہد و میثاق

۱۔ الاخبار الطوال طبع قاہرہ ص ۳۸۹۔ مروج الذهب سعودی ۳/۳۵۱۔

لیا تاکہ وہ اس وصیت نامہ میں کسی طرح کا تغیر و تبدل نہیں کرے گا۔ محمد کے بعد اس نے مامون سے بھی اس وصیت نامہ کے متعلق پختہ عہد و میثاق لیا اور محمد نے اپنے ہاتھ سے یہ تحریر لکھی تھی۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

یہ خدا کے بندے امیر المومنین ہارون کی تحریر ہے جسے محمد بن ہارون نے اپنے ہاتھ سے اس وقت لکھا جب امیر المومنین بقا کی ہوش و حواس تھے اور پوری طرح سے اقتدار کے مالک تھے۔

اور مقصد تحریر یہ ہے کہ امیر المومنین ہارون نے میرے لئے دنیاوی عہد مقرر کیا ہے اور تمام مسلمانوں کی گردن میں میری بیعت کا فلابہ ڈالا ہے اور میرے بعد میرے بھائی عبداللہ بن امیر المومنین کو ولی عہد مقرر کیا ہے۔ میرا بھائی میرے بعد خلیفہ ہوگا اور تمام مسلمانوں کا حاکم ہوگا اس میں میری رضا شامل ہوگی اور میں اس فیصلہ کو کھلے دل سے تسلیم کرتا ہوں اور اس کے لیے مجھ پر کسی طرح کا جبر نہیں کیا گیا اور مزید یہ کہ امیر المومنین نے میرے بھائی کو خراسان کی سرحدوں اور دیہاتوں، شہروں اور فوج، خراج، ڈاک، بیت المال، صدقات و عشر کا حاکم مقرر کیا ہے اور یہ حکومت امیر المومنین کی زندگی اور ان کی موت کے بعد قائم رہے گی۔ میں امیر المومنین کے اس فیصلہ کو تسلیم کرتا ہوں اور اپنے بعد اپنے بھائی کی بیعت اور خلافت کو تسلیم کرتا ہوں..... الی آخرہ۔

اس کے بعد طبری مزید لکھتے ہیں۔

دونوں شاہزادوں نے بیت اللہ کے اندر بیٹھ کر اپنے گورنروں، قاضیوں اور بیت اللہ کے حاجیوں کے سامنے وصیت نامہ کے مطابق تحریر لکھ دی اور ہارون نے ان کی تحریریں خانہ کعبہ کے اندر آویزاں کرادیں اور قاضیوں کو حکم دیا کہ وہ تمام حجاج

کو اس وصیت نامہ سے آگاہ کریں اور اس وصیت نامہ کی نقلیں تیار کر کے پوری اسلامی مملکت میں روانہ کی گئیں۔

لفظ وصی اور شعراء

حضرت علیؑ کی وصایت اتنی مشہور اور مستند ہے کہ علم و ادب کی دنیا میں جب بھی لفظ وصی بولا جاتا ہے تو اس سے حضرت علیؑ کی ذات مراد لی جاتی ہے اور صدر اسلام اور بعد کے شعراء نے حضرت علیؑ کی وصایت کا تذکرہ کیا ہے اور کتب لغت میں بھی لفظ وصی حضرت علیؑ کے ساتھ مخصوص ہے۔

صدر اسلام میں لفظ وصی حضرت علیؑ کے ساتھ مخصوص تھا جیسا کہ لسان

العرب میں ہے۔

وقیل لعلی:

وصی حضرت علیؑ کو وصی کہا جاتا ہے۔

تاج العروس کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

والوصی کغنی لقب علیؑ (رض)

”لفظ وصی غنی کے وزن پر ہے اور یہ حضرت علیؑ کا لقب ہے۔“

عہد صحابہ میں حضرت علیؑ کو وصی کے لقب سے یاد کیا جاتا تھا۔ جیسا کہ

حسان بن ثابت کے اس قصیدہ میں مذکور ہے۔ واضح رہے کہ یہ قصیدہ وفات پیغمبر

کے بعد کہا گیا تھا اور اس قصیدہ کا پس منظر یہ ہے کہ حکومتی اشارہ پر ایک شخص نے

انصار کی مذمت کی۔ حضرت علیؑ نے اسے ٹوک دیا اور آپ نے انصار کی تعریف کی

اور قرآن مجید کی ان آیات کی تلاوت کی جن میں انصار کی عظمت بیان کی گئی تھی۔

حضرت علیؑ کے اس طرز عمل سے انصار خوش ہوئے اور انہوں نے اپنے شاعر حسان بن ثابت سے کہا کہ وہ بھی حضرت کی مدح میں نظم لکھیں۔ چنانچہ حسان نے یہ نظم پڑھی:

جزى الله عنا و الجزاء بكفه اباحسن عنا و من كباى حسن
حفظت رسول الله فينا وعهده اليك و من اولى به منك من و من
الست اخاه فى الهدى و وصيه و اعلم منهم بالكتاب و السنن^(۱)

اللہ ہماری طرف سے ابو الحسن کو جزائے خیر دے اور جزا خدا کے ہاتھ میں

ہے اور ابو الحسن جیسا اور کون ہے؟

آپ نے ہمارے متعلق رسول خدا کے اس عہد کی پاسداری کی جو انہوں نے آپ سے کیا تھا اور خلافت کے لیے آپ سے زیادہ موزوں اور کون ہو سکتا ہے۔

کیا آپ ہدایت میں رسول خدا کے بھائی اور ان کے وصی اور کتاب و

سنت کے سب سے زیادہ جاننے والے نہیں ہیں؟

زبیر بن بکار موافقیات میں لکھتے ہیں کہ ایک قرشی شاعر نے عبد اللہ بن

عباس کی مدح میں شعر پڑھے جن میں سے ایک شعر یہ ہے:

والله ما كلم الاقوام من بشر بعد الوصى على كباى عباس^(۲)

الموافقیات زبیر بن بکار طبع بغداد ص ۵۷۳-۵۷۵۔ حسان کے یہ اشعار الفاظ کے

تفسیر کے ساتھ تاریخ یعقوبی ۲/۱۲۸ میں بھی موجود ہیں اور شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید

۲/۱۵ میں بھی یہ اشعار موجود ہیں۔

۲۔ الموافقیات ص ۵۷۵۔ شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ۲/۲۶۲۔

خدا کی قسم وصی محمدؐ، علیؑ کے بعد کسی نے ابن عباس کی طرح لوگوں سے گفتگو نہیں کی۔

ولید بن عقبہ بن ابی معیط نے حضرت عثمانؓ کے مرثیہ میں یہ شعر پڑھا۔

الا ان خیر الناس بعد ثلاثة قتیل التجیبی الذی جاء من مصر (۱)

خبردار رسول خدا اور شیخین کے بعد وہ شخص تمام لوگوں سے افضل ہے جسے مصر سے آنے والے تجیبی نے قتل کیا ہے۔

فضل بن عباس نے اس کے جواب میں یہ شعر کہے تھے۔

الا ان خیر الناس بعد محمد وصی النبی المصطفیٰ عند ذی الذکر
 واول من صلی وضو بنیہ واول من اردی الغواة لدی بدر

خبردار! خدا کے نزدیک محمد مصطفیٰ کے بعد تمام انسانوں سے افضل نبی اکرمؐ کا وصی ہے اور وہ پہلا شخص ہے جس نے نماز پڑھی اور وہ نبی کی شبیہ ہے اور وہ پہلا شخص ہے جس نے بدر میں گمراہوں کو ہلاک کیا۔

وفات پیغمبرؐ کے بعد انصار کے شاعر نعمان بن عجلان نے کہا تھا۔

وکان هو انفا فی علی وانہ لاهل لها یا عمرو من حیث لاتدری

وصی النبی المصطفیٰ وابن عمہ وقاتل فرسان الضلالة والکفر (۲)

۱۔ تاریخ طبری طبع یورپ ۱/۳۰۶۳-۳۰۶۵۔ تاریخ ابن اثیر طبع یورپ ۳/۱۵۲۔

ولید حضرت عثمان کا مادری بھائی تھا اور اسی کو قرآن مجید کی سورہ الحجرات میں لفظ ”فاسق“ سے یاد کیا گیا ہے اور اسی نے جب وہ حضرت عثمان کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا تو نشہ کی حالت میں صبح کی نماز دو رکعت کی بجائے چار رکعت پڑھائی تھی۔

تجیبی بن مذحج کی ایک ذیلی شاخ تجیب کی طرف منسوب ہے اور شاعر کا اشارہ عبدالرحمن بن عمر میں کی طرف ہے جو قتل عثمان میں شامل تھا۔

۲۔ الموفقیات زبیر بن بکار ص ۵۹۲-۵۹۳۔ شرح ابن ابی الحدید ۶/۳۱۔

ہماری خواہش علیؑ کے متعلق تھی کہ وہ خلیفہ بنیں اور وہ خلافت کے اہل ہیں جب کہ اے عمرو تجھے کچھ بھی معلوم نہیں ہے۔
وہ نبی مصطفیٰ کے وصی اور ان کے چچا زاد بھائی ہیں اور کفر و گمراہی کے شاہ سواروں کے قاتل ہیں۔

واضح رہے کہ شاعر نے یہ شعر عمرو بن العاص کے جواب میں کہے تھے کیونکہ اس نے سفیفائی حکومت کی حمایت میں تقریر کی تھی اور اس نے انصار پر نکتہ چینی کی تھی۔

ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

صدر اسلام کے جن شعراء نے حضرت علیؑ کو وصی کے عنوان سے یاد کیا ان میں عبداللہ بن ابی سفیان بن حرث بن عبدالمطلب بھی شامل ہیں۔ انہوں نے حضرت علیؑ کی ذات پر ناز کرتے ہوئے کہا تھا:

ومنا علی ذاک صاحب خیر و صاحب بدر یوم سالت کتابہ

وصی النبی المصطفیٰ وابن عمہ فمن ذایدانیہ ومن ذایقاربہ؟

علیؑ ہمارے ہی خاندان کا فرد ہے جو فاتح خیر ہے اور جس دن کفر کی افواج پانی کی طرح سے بہ رہی تھیں۔ اسی جنگ بدر کا فاتح بھی علیؑ ہے۔

وہ نبی مصطفیٰ کا وصی اور ان کا چچا زاد ہے۔ اس کی برابری کون کر سکتا ہے اور اس جیسا کون ہو سکتا ہے؟

حضرت علیؑ کی خلافت ظاہری کے بعد عبدالرحمن بن ہعیل نے کہا تھا:

لعمری لقد بالیعتم ذاحفیظۃ علی الدین معروف العفاف موفقا

علیا وصی المصطفیٰ زابن عمہ واول من صلی اخا الدین والتقی^(۱)

۱۔ عبداللہ بن ابی سفیان اور عبدالرحمن بن ہعیل کے اشعار شرح نہج البلاغہ ۱/۴۷ اور فتوح ابن اثم میں مرقوم ہیں۔

مجھے اپنی بقا کی قسم! تم نے دین کے محافظ پاکدامنی میں مشہور اور تائید الہی سے موید شخص کی بیعت کی ہے۔

یعنی تم نے مصطفیٰ کے وصی اور ان کے چچا زاد علیؑ کی بیعت کی ہے۔ وہ پہلا شخص ہے جس نے نماز پڑھی جو دیندار اور متقی ہے۔
جنگِ جمل میں کہے جانے والے اشعار
آئیے اب ان اشعار کی طرف توجہ فرمائیں جو جنگِ جمل کے دوران کہے گئے اور ان میں وصایتِ علیؑ کا تذکرہ کیا گیا۔

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں۔

مشہور بدری صحابی ابو الہیثم بن تیہان نے یہ شعر کہے۔

قل للزبير وقل لطلحة اننا نحن الذين شعارنا الانصار
نحن الذين رأت قریش فعلنا يوم القلب اولئك الكفار
كنا شعار نبينا و دناره يضديه منا الروح والابصار
ان الوصی امامنا و ليننا برح الخفا و باحت الاسرار
زبير و طلحہ سے کہہ دو کہ ہم وہ لوگ ہیں جنہیں انصار کہا جاتا ہے۔

اور ہم وہ لوگ ہیں کہ قریش کے کفار نے جنگِ بدر میں ہماری قوت کو دیکھا تھا ہم نبیؐ کا ایک طرح کا اوڑھنا کچھوٹا ہیں اور ہم ان پر روح اور آنکھیں قربان کرتے رہے ہیں۔

وصی ہمارا امام اور ہمارا سر پرست ہے۔ چھپی باتیں ظاہر ہو چکی ہیں اور پوشیدہ ہاز کھل چکے ہیں۔

عمر بن حارثہ انصاری نے جنگِ جمل میں محمد بن حنفیہ کی مدح میں شعر کہے تھے جن میں سے ایک شعر یہ ہے:

سمى النبى و شبه الوصى و رأيتہ لونها العندم

وہ نبی کا ہم نام اور وصی کی شبیہ ہے جب تو اسے دیکھے گا تو وہ دم الاخوین
کی طرح سے سرخ و سفید دکھائی دے گا۔

جنگ جمل کے موقع پر بنی ازد کے ایک جوان نے کہا۔

هذا على وهو الوصى اخاه يوم النجوة النبى

وقال هذا بعدى الولى وعاه واع ونسى الشقى

یہ علیؑ ہے اور یہی وصی ہے۔ آیت نجوی کے دن رسول نے اسے اپنا

بھائی بنایا۔

اور کہا میرے بعد یہ حاکم ہے۔ اس بات کو یاد کرنے والوں نے یاد رکھا

اور بد نصیبوں نے بھلا دیا۔

فضیلت وہ ہوتی ہے جس کی دشمن بھی گواہی دیں۔ چنانچہ بنی ضبہ کا ایک

جوان جو کہ بی بی عائشہ کی فوج میں شامل تھا اور حضرت علی سے جنگ کر رہا تھا۔ اس

نے یہ شعر پڑھے:

نحن بنى ضبة اعداء على ذاك الذى يعرف قلما بالوصى

وفارس الخيل على عهد النبى ماأنا عن فضل على بالعمى

لكننى انعى ابن عفان التقى ان الولى طالب ثار الولى

ہم بنی ضبہ علیؑ کے دشمن ہیں۔ ہم اس علیؑ کے دشمن ہیں جسے ازل سے وصی

کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ میں پرہیزگار عثمان کی موت کی خبر دے رہا ہوں اور کہتا

ہوں کہ دوست اپنے دوست کے خون کا قصاص چاہتا ہے۔ سعید بن قیس ہمدانی

جنگ جمل میں حضرت علیؑ کی فوج میں شامل تھے اور جب قبیلہ قحطان مقابلہ کے لیے

آگے بڑھا تو انہوں نے کہا:

قل للوصى اقبلت قحطانها فادع بها تكفيكها همدانها

وہی سے کہہ دو کہ قحطان بڑھ رہے ہیں۔ ان کے مقابلہ کے لیے آپ قبیلہ ہمدان کو صدا دیں وہ آپ کی مدد کرے گا۔

جنگ جمل میں حضرت حجر بن عدی نے کہا:

يا ربنا سلم لنا عليا سلم لنا المبارك المرضيا
المومن الموحد التقيا لا خطل الرأي ولا غويا
بل هاديا موقفا مهديا واحفظه ربي واحفظ النبيا
فيه فقد كان له وليا ثم ارتضاه بعده وصيا
پروردگار! ہمارے لیے علیؑ کو سلامت رکھ۔ ہمارے لیے بابرکت اور پسندیدہ

کو سلامت رکھ جو کہ مومن، موحد اور متقی ہے جو کمزور رائے والا اور گمراہ نہیں ہے۔ بلکہ وہ ہادی اور ہدایت یافتہ اور توفیق الہی سے موید ہے۔ میرے رب اس کی حفاظت فرما اور اس کے متعلق بنی کی حفاظت فرما جس کا وہ ولی تھا۔ پھر نبی نے اسے اپنا وصی چنا تھا۔ حضرت خزیمہ بن ثابت ذوالشہادتین نے جنگ جمل میں یہ شعر کہے۔

يا وصي النبي قد اجلت الحرب الا عادي وسارت الاظعان
واستقامت لك الامور سوى الشام و في الشام يظهر الاذعان
حسبهم ما راو او حسبك منا هكذا نحن حث كنا و كانوا
اے نبیؐ کے وصی جنگ نے دشمنوں کو ظاہر کر دیا اور ان کی روانگی کا وقت آ

گیا اب شام کے علاوہ تمام حالات درست ہو چکے ہیں اور شام میں ان کی اطاعت ظاہر ہوگی۔ جو کچھ وہ دیکھ چکے ہیں وہ منظر ان کے لیے کافی ہے اور آپ کے لیے ہم کافی ہیں۔

اس طرح جہاں ہم ہیں اور جہاں وہ ہیں اس کا فیصلہ ہو جائے گا۔
حضرت خزیمہ نے جنگ جمل میں بی بی عائشہ کو مخاطب کر کے کہا تھا۔

وصی رسول اللہ من دون اہلہ وانت علی ماکان من ذاک شاہد
خاندان رسول میں صرف علی ہی ان کے وصی ہیں اور تو ان کی وصایت کی
شاہد ہے۔

جبکہ جمل کے دن ابن زبیر نے خطبہ دیا۔ اس کے بعد امام حسن مجتبیٰ نے
خطبہ دیا تو عمر بن ابیجہ نے امام حسن کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا۔

حسن الخیر یا شبیہ ایہ	قمت فینا مقام خیر خطیب
قمت بالخطبة التي صدع الله	بها عن ابیک اهل العیوب
وکشفت القناع فاتضح الامر	واصلحت فاسدات القلوب
لست کابن الزبیر لجلج فی القول	وطاطا عنان فسل مریب
والبی الله ان یقوم بنا قدم	به ابن الوصی وابن الخیب
ان شخصایین النبی لک الخیر	وبین الوصی غیر مشوب

اے اچھے حسن! اور اپنے والد کی شبیہ! تو ہمارے درمیان بہترین خطیب
بن کر اٹھا تو نے ایک ایسا خطبہ دیا جس کے ذریعہ سے اللہ نے تیرے والد کے
دشمنوں کے عیوب واضح کر دیے۔ تو نے اپنی تقریر سے پردے ہٹا دیے اور معاملہ
واضح ہو گیا اور تو نے فاسد دل رکھنے والوں کی اصلاح کی۔ تو ابن زبیر کی طرح سے
نہیں ہے جس کی گفتگو میں لگنت تھی اور جس نے بے وقوف اور شک کرنے والوں
کی لگام کو ڈھیلا چھوڑا۔ خدا کو یہ بات ناپسند تھی کہ وصی اور نجیب کا بیٹا بھی ویسا ہی
خطبہ دیتا۔ یقیناً جس کا رشتہ نبی اور وصی سے ہو وہ خلط ملط گفتگو نہیں کر سکتا۔

ابن ابی الحدید نے درج بالا اشعار نقل کرنے کے بعد لکھا ہے کہ ہم نے یہ
اشعار ابو مخنف لوط بن یحییٰ کی کتاب وقعتہ الجمل سے نقل کیے ہیں۔ ابو مخنف کا تعلق
جماعت محدثین سے تھا اور وہ یہ نظریہ رکھتے تھے کہ امامت لوگوں کے چناؤ پر موقوف

ہے۔ ابو مخنف ہرگز شیعہ نہ تھا اور نہ ہی علمائے شیعہ میں اسے شمار کیا جاتا ہے۔

جنگ صفین میں عقیدہ وصایت کی گونج

جب حضرت علیؑ نے منصب خلافت سنبھالا تو آپ نے جریر بن عبد اللہ بجلي اور اشعث بن قیس کو اپنی بیعت کے لیے خطوط لکھے اور اس وقت دونوں سرزمین ایران پر حضرت عثمان کی طرف سے حاکم تھے۔ چند اشعار جب جریر بن عبد اللہ بجلي کو آپ کا خط ملا تو اس نے چند اشعار پڑھے جن میں سے کچھ شعر اس طرح سے ہیں۔

اتانا کتاب علی فلم نرد الكتاب بارض المعجم
امین الا له و برہانہ وعدل البریة والمعتصم
علیا عنیت وصی النبی نجا لدعنه غواة الامم^(۱)

ہمارے پاس علی کا خط آیا۔ ہم نے ارض عجم میں بیٹھ کر اس کا جواب نہیں دیا (بلکہ خود چلے آئے) وہ خدا کا امین اور خدا کی برہان ہے اور پوری کائنات کا عادل ترین فرد ہے۔ اس سے میری مراد علی ہے جو نبی کا وصی ہے۔ ہم گمراہوں سے اس کی حفاظت کرتے ہیں۔ جب حضرت کا قاصد آپ کا خط لے کر اشعث بن قیس کے پاس گیا تو اس نے یہ شعر کہے:

اتانا الرسول رسول علی فسر بمقدمہ المسلمونا
رسول الوصی وصی النبی له الفضل والسبق فی المومنینا
وزیر النبی وذو صہرہ وسیف المنیة فی الظالمینا
ہمارے پاس علی کا قاصد آیا اور اس کی آمد سے مسلمان خوش ہوئے۔

۱۔ کتاب صفین ص ۱۵-۱۸۔ ابن ابی الحدید ۱/۲۳۷۔ فوج ابن اعثم ۲/۳۰۵۔

وصی کا قاصد آیا نبی کے وصی کا قاصد آیا جسے مومنین میں فضیلت اور سبقت حاصل ہے۔

وہ نبی کا وزیر اور اس کا داماد ہے اور ظالموں کے لیے موت کی تلوار ہے۔
اشعث کی زبان سے یہ اشعار بھی مروی ہیں۔

اتانا الرسول، رسول الوصی، علی المہذب من ہاشم
رسول الوصی وصی النبی وخیر البریة من قائم
وزیر النبی و ذوصہرہ وخیر البریة فی العالم
ہمارے پاس وصی کا قاصد آیا۔ ہمارے پاس بنی ہاشم کے مہذب فرد علی کا قاصد آیا۔

ہمارے پاس وصی کا قاصد آیا۔ نبی کے وصی کا قاصد آیا۔ اس کا قاصد آیا جو پوری دنیا کا افضل ترین حاکم ہے۔

جو نبی کا وزیر اور اس کا داماد ہے اور جو پورے جہان میں سب سے افضل ہے۔

عبدالرحمن بن ذؤیب اسلمی نے کہا۔

الا ابلیغ معاویة بن حرب امالک لا تنیب الی الصواب
فان تسلّم وتبقی الدھر یوما نزرک بجحفل شبہ الهضاب
یقودہم الوصی الیک حتی یردک عن عوائک وارتیاب^(۱)

معاویہ بن حرب تک یہ پیغام پہنچا دو۔ تجھے کیا ہوا ہے آخر تو حق کی طرف رجوع کیوں نہیں کرتا؟ اگر تو کچھ دن زندہ رہا تو ہم بارش جیسا لشکر لے کر تجھ سے ملاقات کریں گے۔ اس لشکر کی قیادت وصی کر رہا ہوگا جو تجھے تیری منحوس آواز اور تیرے

شکوک سے باز رکھے۔

مغیرہ بن حارث بن عبدالمطلب نے صفین کے موقع پر چند اشعار کہے تھے جن میں سے چند شعر یہ ہیں:

ياشرطة الموت صبيرا لا يهولكم دين ابن حرب فان الحق قد ظهرا
وقاتلوا كل من يبغي غوائلكم فانما النصر في الضراء لمن صبيرا
فيكم وصى رسول الله قائدكم واهله و كتاب الله قد نشرا^(۱)
اے لشکر موت صبر و استقامت سے کام لو اور ابن حرب کا دین تمہیں خوف زدہ نہ کرنے پائے۔ حق واضح ہو چکا ہے۔

جو بھی تمہیں نقصان پہنچانے کا خواہش مند ہو تم اس سے جنگ کرو۔ جنگ میں صبر کرنے والا گروہ ہی کامیاب حاصل کرتا ہے۔

رسول خدا کے وصی تمہارے اندر موجود ہیں جو تمہاری قیادت کر رہے ہیں اور آپ رسول خدا کے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ کتاب خدا کھل چکی ہے۔ فضل ابن عباس نے کہا تھا:

وصى رسول الله من دون اهله وفارسه ان قيل هل من منازل
حضرت علی خاندان پیغمبر میں وصی رسول ہیں اور اگر کوئی مقابلہ کی صدا دے تو علی ہی شاہسوار ہیں۔ منذر بن ابی حمیصہ دعاغی نے اپنے اشعار میں کہا تھا۔
ليس منا من لم يكن لك في الله: وليا ياذا الولا والوصية^(۲)
اے ولایت و وصیت کے مالک! جو شخص خدا کے دین کے لیے آپ کو سرپرست نہیں مانتا اس کا ہم سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

۱۔ کتاب الصفین ص ۳۱۶۔ شرح نوح البلاغہ ابن ابی الحدید ۱/۲۸۳ طبع مصر۔

۲۔ صفین ص ۳۳۶۔

وصایتِ علیؑ بزبان ابن عباسؓ

معاویہ نے ابن عباس کو ایک خط لکھا جس نے اپنے مقدور بھر انہیں پھسلانے کی کوشش کی۔ اس کے جواب میں ابن عباس نے اسے ایک خط لکھا جس کی یہ تحریر یہ تھی۔

اباعد! تیرا خط ملا اور جو کچھ تو نے اس میں تحریر کیا اس کے مضمون سے آگاہی حاصل ہوئی۔ تیرا یہ کہنا کہ ہم نے عثمان کے ہی خواہوں سے برائی کرنے میں جلدی کی ہے تو مجھے اپنی زندگی کی قسم تو نے عثمان کی کون سی مدد کی ہے؟ جب اسے مدد کی ضرورت تھی اور وہ تجھے مدد کے لیے پکار رہا تھا تو تُو نے اس کی کسی طرح سے مدد نہ کی اور عثمان کا مادری بھائی ولید بن عقبہ ان واقعات کا چشم دید گواہ ہے۔ تو ہمیں نبی تمیم اور بنی عدی کے افراد کی فضیلت بتانا چاہتا ہے تو سن لے ابو بکر و عمرؓ عثمان سے بہتر تھے اور عثمان تجھ سے بہتر تھے اور تیرا یہ کہنا کہ اس وقت قریش میں صرف چھ افراد ہی ہیں تیری یہ بات نادرست ہے کیونکہ قبیلہ قریش میں بہت سے مرد موجود ہیں اور قریش کے اچھے افراد نے تجھ سے جنگ کی ہے اور جن لوگوں نے ہماری مدد نہیں کی تو انہوں نے تیری مدد بھی نہیں کی۔

اور تیرا یہ کہنا کہ اگر باقی لوگ تیری (ابن عباس) بیعت کر لیں تو میں (معاویہ) بھی تیری پیروی کروں گا۔ تو خوب سن! مجھے ایسے کسی اقتدار کی ضرورت نہیں ہے۔ لوگ علی کی بیعت کر چکے ہیں اور علی رسولِ خدا کے بھائی اور ان کے وصی اور وزیر ہیں اور وہ مجھ سے بہر طور افضل ہیں۔ تیرا خلافت میں کوئی حق نہیں ہے کیونکہ تو طلیق بن طلیق ہے۔ دشمنان رسول کا سربراہ اور جگر خوار ماں کا بیٹا ہے۔ والسلام۔

جب ابن عباس کا یہ ٹکا سا جواب معاویہ کو موصول ہوا تو اس نے کہا مجھ سے غلطی ہوئی مجھے خط لکھنا ہی نہیں چاہیے تھا اور میں پورے ایک سال تک اسے خط نہیں لکھوں گا۔

پھر اس نے چند شعر کہے جس میں اس نے ابن عباس کا شکوہ کیا۔ جب اس کے شعر ابن عباس تک پہنچے تو ان کے بھائی فضل بن عباس نے اس کے اشعار کے جواب میں شعر کہے تھے جن میں سے ہم یہاں صرف چار شعر نقل کرتے ہیں:

والیت لا تھدی الیہ رسالۃ الی ان یحول الحول من رأس قابل
اردت بہا قطع الجواب وانما رماک فلم یخطی بشار المقاتل
قلت لہ لو بایعوک تبعتم فہذا علی خیر حاف و ناعل
وصی رسول اللہ من دون اہلہ وفارسہ اذ قیل ہل من منازل^(۱)

اور تو نے قسم کھائی کہ تو پورا سال اسے خط نہیں لکھے گا۔ اس ذریعہ سے تو نے جواب دینے سے گریز کیا ہے کیونکہ اس نے تجھے ایسا تیر مارا جو کہ صحیح نشانہ پر جا لگا۔ تو نے اس سے کہا کہ اگر دوسرے لوگ اس کی بیعت کر لیں تو تو بھی ان کی پیروی کرے گا۔ یہ علیؑ ہیں تمام جو تاپینے والوں اور ننگے پاؤں چلنے والوں سے بہتر ہیں۔ رسول خدا کے خاندان میں صرف علیؑ ہی وصی ہیں اور جب کوئی مقابلہ کی صدا دے تو علیؑ شاہسوار ہیں۔

حضرت مالک اشتر نے حضرت علیؑ کا مرثیہ کہا تھا جس کے چند شعر یہ ہیں۔

کل شیء سوی الامام صغیر و ہلالک الامام خطب کبیر
من رأی غرة الوصی علی انہ فی دجی الحنادس نور^(۲)

امام کے صدمہ کے علاوہ ہر صدمہ جھوٹا ہے اور امام کی موت
عظیم صدمہ ہے۔

۱۔ کتاب الفتوح ابن اعثم ۳/۲۵۲-۲۵۸۔ کتاب الصغین ۲۱۶۔ شرح نوح البلاغہ ابن ابی الحدید ۱/۲۸۳۔

۲۔ ابن اعثم فی الفتوح ۳/۲۲۶۔ مناقب خوارزمی۔ ۱۷۰۔

جس نے علیؑ کے چہرے کی چمک کو دیکھا تو اسے معلوم ہو گا کہ گھپ اندھیروں میں علیؑ کی چمک روشنی کا کام دیتی تھی۔

ایک اور شاعر نے کہا تھا:

تأس فكم لك من سلوة تنرج عنك غليل الحزن

بموت النبي و قتل الوصي و قتل الحسين و سم الحسن

میری جان تسلی حاصل کر تیرے پاس تسلی حاصل کرنے کا بہت سا سامان موجود ہے جو تیرے غم کو دور کر سکتا ہے۔ نبی کی موت، وصی کے قتل، حسینؑ کے قتل اور حسن کی زہر سے تجھے تسلی حاصل ہو سکتی ہے۔

حجر بن عدی کا عقیدہ

شام سے چند میل باہر مرج عذرا کے مقام پر حضرت حجر بن عدی اور ان کے مظلوم ساتھی قید میں رکھے گئے۔ معاویہ کی طرف سے ایک قاصد آیا اور اس نے ان سے کہا:

اے گمراہوں کے سردار، کفر و سرکشی کے سرچشمے اور ابوتراب سے الفت رکھنے والے! امیر المومنین نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں تجھے اور تیرے ساتھیوں کو قتل کروں۔ البتہ اگر تم لوگ اپنے کفر سے رجوع کر کے اپنے ساتھی (علیؑ) پر لعنت و تبرا کرو تو تمہاری جان بچ سکتی ہے۔ حجر اور اس کے ساتھیوں نے کہا۔ تلوار کی دھار کو برداشت کرنا آسان ہے۔ اور تیری بات پر عمل کرنا ہمارے لیے مشکل ہے اور ہمیں خدا، نبی اور وصی کے حضور جانا دوزخ میں جانے سے زیادہ عزیز ہے۔^(۱)

علی بن محمد بن جعفر علوی نے سامہ بن لوی بن غالب کی طرف منسوب

قبائل کے متعلق کہا تھا:

وسامة منا فاما بنوه
فامرهم عندنا مظلم
وقلنا لهم مثل قول الوصي
وكل اقاويله محكم
اذا ماسئلت فلم تدر ما
تقول فقل ربنا اعلم
سامہ کا تعلق ہم سے تھا لیکن اس کی اولاد کا معاملہ ہمارے ہاں
نامعلوم ہے۔ ہم نے ان کے سامنے وصی کا قول دہرایا اور وصی
کے تمام اقوال محکم ہیں جب تجھ سے کچھ پوچھا جائے اور تجھے
جواب معلوم نہ ہو تو ”ربنا اعلم“ کہہ دیا کرو۔ یعنی ہمارا رب بہتر
جانتا ہے۔

وصایتِ علیؑ بزبان مامون

گردشِ زمانہ نے مامون کو مجبور کیا کہ وہ امام علیؑ رضاعیہ السلام کو اپنا ولی
عہد مقرر کرے۔ چنانچہ مامون نے امام علیؑ رضاعیہ السلام کو اپنا جانشین مقرر کیا اور
تقدیر کرنے والوں کے جواب میں مامون نے کہا تھا:

الام علی حبی الوصي ابا الحسن
وذلك عندي من اعاجيب ذالزمان^(۱)

مجھے وصی ابو الحسن کی محبت پر ملامت کی جاتی ہے میرے نزدیک یہ اس
زمانہ کی نیرنگی ہے۔

مامون نے اپنے ایک اور شعر میں لفظ وصی کو استعمال کرتے ہوئے کہا تھا۔

ومن غاو بعض علی غیظا
اذا ادنیت اولاد الوصي^(۲)

۱۔ شرح نوح البلاغ ابن ابی الحدید ۲/۲۲۔

۲۔ المحاسن والسادئین بیہقی ۱/۱۰۵۔

کچھ ایسے گمراہ بھی ہیں کہ جب میں وصی کی اولاد کو اپنے قریب بٹھاتا ہوں۔

تو وہ غصہ کی وجہ سے انگلیوں کو کاٹنے لگتے ہیں۔

مولانا علیؒ کو ہر دور میں وصی کہا گیا

مرد اپنی کتاب اکامل میں لکھتے ہیں کہ کیت نے کہا تھا۔

والوصی الذی امال التجویبی

به عرش امة لانهدام^(۱)

تجوب سے تعلق رکھنے والے (ابن ملجم) نے وصی کو قتل کر کے

امت کی عزت کے عرش کو گرانا چاہا۔

مرد لکھتے ہیں: کیت کا حضرت علیؒ کو ”وصی“ کہنا بڑا متداول اور رائج رہا

ہے۔ لوگ مسلسل حضرت علیؒ کو لفظ وصی سے یاد کرتے رہتے ہیں۔ حضرت علیؒ کی

وصایت کو اس قدر شہرت ملی کہ یہ لفظ حضرت کا ایک لقب بن چکا ہے اور جب بھی

مطلق طور پر یہ لفظ استعمال ہو تو اس سے حضرت علیؒ ہی مراد لیے جاتے ہیں۔

۱۔ عبدالرحمن بن ملجم المرادی التمدوؤلی کو تجویبی بھی کہا جاتا ہے اور تجوب مصر کے ایک محلہ

کا نام ہے یہ لعین کوفہ آنے سے قبل اس محلہ میں رہتا تھا۔

مرد کا نام ابو العباس محمد بن زید ازدی الشہابی البصری ہے۔ خطیب بغدادی اس کے

متعلق لکھتے ہیں کہ وہ اہل نحو کے بزرگ اور علوم عربیہ کے حافظ تھے اس کی کتاب ”اکامل فی

اللغة“ کو بڑی پذیرائی نصیب ہوئی۔ اس کی وفات ۲۸۵ھ کو بغداد میں ہوئی۔

کیت: ابوالستعلیٰ ابن زید اسدی کوفہ کے رہنے والے تھے۔ قادر الکلام شاعر تھے اور

آل محمد کی مدح میں شعر کہتے تھے۔ ان کے ”ہاشمیات“ کا ترجمہ جرمنی زبان میں کیا گیا ہے۔

اعلام زر کلی ۹۲/۶

حضرت علیؑ جس طرح ابو تراب کی کنیت سے مشہور ہیں اسی طرح لفظ وصی کے لقب سے ملقب ہیں۔

بزرگانِ شعر و ادب نے آپ کو ہمیشہ لفظ وصی سے یاد کیا ہے جیسا کہ ابو الاسود^(۱) دؤلی نے حمزہ و عباس کے ساتھ لفظ وصی کا تذکرہ کیا ہے۔

احب محمد احبا شديدا و عباسا و حمزة و الوصيا
 ”میں محمدؐ اور عباس اور حمزہ اور وصی سے بے حد محبت کرتا ہوں۔“
 حمیری^(۲) نے کہا تھا:

انى ادين بما دان الوصى به يوم النخيلة من قتل لمحلينا
 ”میں اس چیز پر ایمان رکھتا ہوں جس پر محلین کے مقتولین کے متعلق جنگِ نخیلہ میں وصی ایمان رکھتے تھے۔“
 امام محمد بن ادریس شافعی التوفیٰ ۲۰۳ھ نے کہا تھا:

ان كان حب الوصى رفضا فاننى ارفض العباد
 ”اگر وصی کی محبت رفض ہے تو میں تمام بتگدانِ خدا میں سے سب سے بڑا رافضی ہوں۔“
 ابن درید نے کہا تھا:

اهوى النبى محمدا و وصيه وابنيه و ابنته البتول الطاهرة

۱۔ ابو الاسود: ان کا نام ظالم بن عمرو الدؤلی تھا اور آپ فقیہ اور علم لغت کے ماہر تھے اور علم نحو کے موسس تھے انہوں نے نحو کا علم حضرت علیؑ علیہ السلام سے سیکھا تھا۔ حجاج کے دور میں انہوں نے قرآن مجید پر اعراب اور نقطے لگائے تھے۔ حضرت علیؑ کے ساتھ جنگ صفین میں شامل ہوئے تھے ۶۹ھ کو بصرہ میں وفات پائی۔ العقد الفرید طبع مصر ۳/۳۳۔

۲۔ سید حمیری کا نام اسماعیل بن محمد تھا اور وہ مشہور مداح اہل بیت تھے اور عباسی خلفاء منصور اور مہدی کے مقربین میں سے تھے۔ ۱۷۳ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ الاعلام زرکلی ۲۰/۱۔

میں نبی کریم محمد مصطفیٰ اور انکی صاحبزادی بتولؑ طاہرہ اور وصی اور ان کے دونوں فرزندوں سے محبت کرتا ہوں۔

دیوان متنبتی میں ہے کہ متنبتی سے کہا گیا کہ تو امیر المؤمنین علی بن ابی طالب کی مدح کیوں نہیں کرتا؟
متنبتی نے اس کے جواب میں کہا:

و ترکت مدحی للوصی تعمدا اذکان نورا مستطیلا شاملا
واذا استقل الشئ قام بذاته وکذا ضیاء الشمس ینهب باطلا
میں نے جان بوجھ کر وصی کی مدح چھوڑ دی ہے کیونکہ وہ تو ایک ایسا نور ہے جو کہ تمام جہان پر پھیلا ہوا ہے۔

جب کوئی چیز مضبوط ہوتی ہے تو وہ اپنے سہارے پر کھڑی ہوتی ہے اور اسی طرح سے سورج کی روشنی باطل کو ختم کر دیتی ہے۔

مقصد یہ ہے کہ مضبوط چیز کو کسی سہارے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اسی طرح سے علی علیہ السلام کو بھی میری شاعری کے سہارے کی ضرورت نہیں ہے۔
آج متنبتی نے ابو القاسم طاہر بن حسین بن طاہر علوی کی مدح میں یہ شعر کہا تھا اور یہ شعر اس کے دیوان میں بھی موجود ہے۔

هو ابن رسول الله وابن وصيه وشبههما شبهت بعد التحارب^(۱)

وہ رسول خدا اور ان کے وصی کا فرزند ہے اور وہ ان دونوں کی شبیہ ہے۔ میں نے تجربات کے بعد اسے ان کی شبیہ کہا ہے۔

شیخ الاسلام حموی الجوینی التوفی ۷۲۲ھ نے کہا تھا:

اخو احمد المختار صفوة هاشم
ابو السادة الغرالميامين المؤمن

وصی امام المرسلین محمد
علی امیر المؤمنین ابو الحسن

آپ احمد مختار کے بھائی اور خاندان ہاشم میں سے چنے ہوئے ہیں اور
آپ روشن پیشانی رکھنے والے سرداروں کے والد اور امین ہیں۔
آپ امام الانبیاء محمد مصطفیٰ کے وصی ہیں اور آپ حسن کے والد اور امیر
المؤمنین ہیں۔

حمویٰ الجوینی نے یہ شعر بھی کہے تھے۔

اخی خاتم الرسل الکرام محمد رسول اله العالمین مطهر
علی وصی المصطفیٰ و وزیرہ ابی السادة الغرالبهالیل حیدر
حضرت علی خاتم الرسل اور رب العالمین کے پاکیزہ رسول کے بھائی ہیں۔
حضرت علی محمد مصطفیٰ کے وصی اور ان کے وزیر ہیں اور حیدر بزرگ
سرداروں کے والد ہیں۔

۱۹۲۰ھ میں برطانیہ نے عراق پر قبضہ کیا اور برطانیہ نے یہ دعویٰ کیا کہ
اسے عراق اور عراق کی عوام پر حق وصایت حاصل ہے۔ برطانیہ کے اس دعویٰ کی
تردید میں سید محمد حبیب عبیدی مفتی موصل نے یہ نظم لکھی تھی:

ایہا الغرب جنبت شینا فریاد ماعلمنا غیر الوصی وصیا
قسما بالقرآن والانجیل لیس نرضی وصایة لقبیل
اوتسیل الدماء مثل الیسول ابعده الوصی زوج البتول

نحن نرضی بالانکلیز وصیا؟

دون ملک العراق بین الطلول لابی عبد اللہ نجل البتول
قداریقت دماء خیر قتیل ابعده الحسین سبط الرسول

نحن نرضی بالانکلیز وصیا؟

يامحبی آل النبی الکرام ایكون العراق ملک اللثام
وهو میراث آل خیر الانام ابعده الائمة الاعلام

نحن نرضی بالانکلیز وصیا؟

اے مغرب! تو نے عجیب بات کہی ہے۔ ہمیں وحی کے بعد کسی دوسرے
وحی کا علم نہیں ہے۔

قرآن اور انجیل کی قسم! ہم کسی قبیلہ کی وصایت پر راضی نہیں ہیں۔
اس کے لیے سیلاب کی طرح سے ہم اپنا خون بہا دیں گے۔ کیا شوہر
بتول وحی کے بعد ہم انگریز کو وحی مان لیں گے؟

وہ ملک عراق جس کے ٹیلوں کے درمیان فرزند بتول کا خون بہا جہاں
افضل ترین شہید کا خون بہا ہے تو کیا سبط رسول حسینؑ کے بعد ہم
انگریز کو وحی مان لیں گے؟

اے نبی کی آل کرام سے محبت کرنے والو! کیا عراق کمینوں کی مملکت بن سکتا ہے؟
جب کہ عراق خیر الانام محمد مصطفیٰ کی آل کی میراث ہے۔ کیا آئمہ اعلام کے بعد ہم
انگریز کو وحی مان لیں گے؟

مفتی موصل نے درس حریت دیتے ہوئے اپنی دوسری نظم میں کہا:
اشهدوا یا اهل الثری والشریا قدأبت شیعة الوصی وصیا
زمین و آسمان کے رہنے والو گواہ رہو وحی کے شیعہ کسی دوسرے
کو وحی ماننے پر تیار نہیں ہیں۔

قد نکشنا عهد النبی لدینا واحتملنا الما و عارا و شینا
ان قبلنا وصایة و غوینا افلا یسخط الوصی علینا

ان رضینا بالانکلیز وصیا؟

ماعسی ان نقول يوم الجزاء لنبی الهدی ابی الزهراء
والشهید المقیم فی کربلاء وامام الهدی بسامراء

ان رضینا بالانکلیز وصیا؟

ہم نبی کے عہد کے عہد شکن قرار پائیں گے اور ہم گناہ اور عار اور مذمت
کے لائق ٹھہریں گے۔ اگر ہم نے انگریزوں کی وصایت کو قبول کیا تو گمراہ ہو جائیں
گے۔ اگر ہم نے انگریز کو وصی تسلیم کر لیا تو کیا وصی ہم پر ناراض نہ ہوگا؟

ہم قیامت کے دن زہراً کے والد نبی ہدیٰ کو کیا جواب دیں گے؟ اور کربلا
میں رہائش رکھنے والے شہید کو کیا جواب دیں گے اور سامرا کے امام ہدیٰ کو ہم کیا
جواب دیں گے۔ اگر ہم نے انگریز کو وصی تسلیم کر لیا؟

مفتی موصل مرحوم نے مزید درس آزادی دیتے ہوئے کہا۔

لست منا ولم نكن منك شيئا فلماذا تكون فينا وصيا
لم تكن يا ابن لندن علويا هاشيما ولم تكن قرشيا
لاولا مسلما ولا عربيا من نبى قومنا ولا شرقيا

فلماذا تكون فينا وصيا؟

لا نقل جعفرية حنفية لا نقل شافعية زيدية
جمعتنا الشريعة الاحمدية وهى تانى الوصاية الغربية

فلماذا تكون فينا وصيا؟

قدسمننا سياسة التفريق واهتدينا الى سواء الطريق
ياعدوانا بثوب صديق انت بين الوصى والصدیق
لست الامزورا اجنبيا فلماذا تكون فينا وصيا؟

ہمارا اور تیرا کوئی تعلق نہیں ہے پھر تو ہمارا وصی کیوں بنا چاہتا ہے؟ اے

فرزند لندن! تو نہ تو علوی ہے نہ ہاشمی ہے اور نہ ہی قرشی ہے۔ اور تو نہ تو مسلمان ہے

اور نہ ہی تو عربی ہے اور نہ تو ہماری قوم کا فرد ہے اور نہ ہی تو اہل مشرق میں سے

ہے۔ پھر تو ہمارا وحی کیوں بننا چاہتا ہے؟ تم جعفری اور حنفی شافعی اور زیدی کی بات نہ کرو۔ ہمیں احمد کی شریعت نے ایک مرکز پر جمع کر دیا ہے اور شریعت محمدی اہل مغرب کی وصایت کی منکر ہے۔ آخر تو ہمارا وحی کیوں بننا چاہتا ہے؟ ہم تفریق کی سیاست سے تنگ آ چکے ہیں اور ہم نے سیدھا راستہ دیکھ لیا ہے تو دوستی کے لباس میں ہمارا دشمن ہے۔ تیرا صدیق اور وحی سے کوئی تعلق نہیں ہے تو جھوٹا اور غیر ملکی ہے۔ آخر تو ہمارا وحی کیوں بننا چاہتا ہے؟

خلاصہ بحث

درج بالا بحث سے ثابت ہوتا ہے کہ پہلی صدی ہجری سے لے کر چودھویں صدی ہجری تک حضرت علیؑ کو وحی کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور امیر المؤمنین کے دشمن بھی اس بات کو مانتے تھے کہ حضرت علیؑ وحی کے لقب سے مشہور ہیں۔ جیسا کہ لشکر عائشہ کے ایک فوجی نے جنگ جمل میں کہا تھا۔

نحن بنو ضبة اعداء علی ذاک الذی يعرف قلدا بالوصی

ہم بنی ضبہ علیؑ کے دشمن ہیں جس علیؑ کو پہلے دن سے ہی وحی کہا جاتا ہے۔

حضرت علیؑ کو وحی کہا جاتا تھا اور آپ کی اولاد میں سے گیارہ آئمہ کو اوصیاء کہا جاتا تھا جیسا کہ ہارون الرشید نے اپنے بیٹوں کی خانہ جنگی کے متعلق کہا تھا کہ مجھے اوصیاء نے اس کی خبر دی ہے حضرت علیؑ پہلے دن ہی سے لفظ وحی کے نام سے جانے جاتے تھے اور ہر شخص بلا تامل انہیں وحی کہتا تھا لیکن جب متعصب افراد نے اس لفظ کے معانی پر توجہ دی تو انہیں یہ لفظ کھٹکنے لگا۔ اسی لیے انہوں نے کبھی تو اس کا انکار کیا اور کبھی اسے چھپانے کی ناکام کوشش کی اور کبھی اس لفظ کو اس کے سیاق و سباق سے جدا کرنے کی کوشش کی جیسا کہ اگلے صفحات میں آپ اس کی تفصیلی بحث پڑھیں گے۔

مکتبِ خلافت اور کتمانِ حق

حضرت علی علیہ السلام کی وصایت اظہر من الشمس ہے اور روز اول ہی سے آپ کا لقب وصی رہا ہے۔ اس الم نشرح حقیقت کے باوجود ہمیں یہ دیکھ کر انتہائی ملال ہوتا ہے کہ مکتبِ خلافت نے آپ کی وصایت کو چھپانے کی مقدور بھرکوششیں کیں اور کتمانِ حق کی ابتدا ام المومنین بی بی عائشہ سے ہوئی اور اس سلسلہ کی روایات کے اسلوب سے پتہ چلتا ہے اگرچہ ام المومنین نے وصایت علیؑ کا انکار کیا مگر ان کے دور میں حضرت علیؑ کو وصی کہا جاتا تھا اور اس کا ثبوت یہ ہے کہ صحیح مسلم میں مذکور ہے:

ذکروا عند عائشة ان علیا کان وصیا فقالت: متی
اوصنی الیہ فقد کنت مسندتہ الی صدری. اوقالت:
حجری فدعا بالطست فلقد انخث فی حجری وما
شعرت انه قدمات، فمتی اوصنی الیہ؟

بی بی عائشہ کے پاس بیان کیا گیا کہ علیؑ وصی تھے۔ یہ سن کر بی بی نے کہا نبی نے اسے کب وصیت کی تھی؟ آخری وقت میں نبی کریمؐ کو اپنے سینے سے لگا بیٹھی تھی۔ یا انہوں نے کہا کہ نبی کریمؐ میری گود میں سر رکھے لیٹے تھے۔ رسول کر نے تھال منگوایا اور میری گود ہی میں دوہرے ہو گئے اور مجھے آپ کی موت کا پتہ

۱۔ صحیح مسلم شرح النووی کتاب الوصیۃ: ۸۹/۱۱۔ صحیح بخاری کتاب المغازی باب مرۃ
النبی ۳/۶۵۔ وکتاب الوصیۃ باب الوصایا۔ فتح الباری ۶/۲۹۱۔ مسند احمد ۶/۳۲۔

تک نہ چل سکا۔ پس رسول خدا نے علیؑ کو وصیت کس وقت کی؟
ہم سمجھتے ہیں کہ بی بی کی طرف سے حضرت علیؑ کی وصایت کا انکار ان کے
ان دلی جذبات کی عکاسی کرتا ہے جو وہ حضرت علیؑ کے متعلق رکھتی تھیں اور ہمارا
خیال یہ ہے کہ بی بی کے سامنے وصایت علیؑ کا تذکرہ بھی جنگ جمل کے دنوں
میں کیا گیا ہوگا۔ اصل میں کہنے والوں کی نیت یہ تھی کہ حضرت علیؑ وصی رسولؐ ہیں
اور آپ زوجہ رسول ہیں۔ لہذا آپ کو علیؑ کی مخالفت زیب نہیں دیتی۔

یہ سن کر بی بی کو اپنی سیاسی ساکھ ختم ہوتے دکھائی دی اسی لیے انہوں نے
اپنی غلطی تسلیم کرنے کی بجائے الٹا وصایت علیؑ ہی کا انکار کر دیا اور یہ ان کے لیے
آسان راستہ تھا۔ بی بی عائشہ کے انکار کے باوجود روایات کے الفاظ میں لفظ
”ذَکْرُوْا“ موجود ہے یعنی لوگوں نے بی بی کے سامنے حضرت علیؑ کے وصی ہونے کا
ذکر کیا۔

لفظ ”ذَکْرُوْا“ جمع مذکر غائب کا صیغہ ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ علیؑ کی
وصیت کا ذکر کرنے والے ایک دو افراد نہیں تھے بلکہ ایک پوری جماعت تھی اور واضح
سی بات ہے کہ ایک پوری جماعت بے سروپا بات کی قائل نہیں ہو سکتی جب کہ اس
وقت صحابہ کرام بڑی تعداد میں زندہ تھے اور صحابہ کی موجودگی میں ایک پوری جماعت
اس طرح کی غلطی کی مرتکب نہیں ہو سکتی تھی۔ علاوہ ازیں اس جماعت کا نظریہ تھا کہ
حضرت علیؑ رسول خدا کے وصی ہیں۔ اگر وہ جماعت صحابہ پر مشتمل تھی تو اس کا مقصد
یہ ہوگا کہ انہوں نے رسول خدا کو وصی بناتے ہوئے دیکھا ہوگا اور اگر بالفرض وہ
جماعت صحابہ پر مشتمل نہ تھی تو وہ جماعت تابعین پر مشتمل ہوگی اور تابعین نے یہ
عقیدہ اپنی طرف سے ہرگز نہیں گھڑا ہوگا انہوں نے یہ عقیدہ صحابہ سے سن کر ہی قائم
کیا ہوگا۔

بی بی عائشہ کے انکار سے حضرت علیؑ کی وصایت پر کوئی اثر مرتب نہیں ہوتا

کیونکہ اس روایت سے کم از کم یہ حقیقت تو ضرور واضح ہوتی ہے کہ اس وقت حضرت علیؑ و صی کے لقب سے مشہور تھے۔

ویسے بھی اگر ہم کتب حدیث کا جائزہ لیں تو ہمیں بخوبی علم ہو سکتا ہے کہ بی بی عائشہ حضرت علیؑ کے لیے کوئی نرم گوشہ نہیں رکھتی تھیں اور ان کی عادت یہ تھی کہ جہاں حضرت علیؑ کا ذکر آتا تو وہ اسے چھپا دیتی تھیں اور لفظ ”رجل“ یعنی ایک آدمی کہہ کر گزر جاتی تھیں۔

کتب حدیث و سیرت بی بی عائشہ کے اس متعصبانہ رویہ کا پتہ دیتی ہیں اور اس کے لیے ہم چند مثالوں پر اکتفا کریں گے۔

۱۔ ابن سعد نے بی بی عائشہ سے مرض پیغمبر کی روایت ان الفاظ میں کی ہے:

فخرج بين رجلين تخط رجلاه في الارض بين ابن عباس. تعنى الفضل. وبين رجل اخر، قال عبید اللہ: فاخبرت ابن عباس بما قالت، قال: فهل تدری من الرجل الاخر الذی لم تسم عائشة؟ قال قلت: لا! قال ابن عباس: هو علی! ان عائشة لا تطیب له نفسا بخیر.^(۱)

۱۔ طبقات ابن سعد طبع بیروت ۲/۲۳۲۔

یہی روایت صحیح بخاری باب مرض النبی و وفاته ۳/۶۳ پر بھی موجود ہے وہاں یہ لفظ ہیں۔
قال ابن عباس هل تدری من الرجل الاخر الذی لم تسم عائشة؟ قال قلت: لا قال ابن عباس: هو علی بن ابی طالب: ابن عباس نے کہا۔ کیا تو جانتا ہے کہ وہ دوسرا شخص کون تھا جس کا نام عائشہ نے نہیں لیا؟ راوی نے کہا نہیں میں نہیں جانتا۔ ابن عباس نے کہا۔ وہ علی بن ابی طالب تھا۔

بخاری ابن عباس کا جملہ ”ان عائشة لا تطیب له نفسا بخیر“ عائشہ علی کا ذکر خیر کر کے خوش نہیں ہوتی، کو حذف کر دیا ہے۔ جو کہ کتمان حق کی بدترین مثال ہے۔

رسول خدا بیماری میں دو اشخاص کا سہارا لے کر گھر سے برآمد ہوئے۔ آپ کے قدم زمین پر لکیریں کھینچ رہے تھے۔ ان میں سے ایک عباس کا بیٹا (یعنی فضل) تھا اور ایک دوسرا شخص تھا۔ عبید اللہ نے کہا کہ میں نے ابن عباس کے سامنے بی بی کی روایت پیش کی تو ابن عباس نے کہا: کیا تجھے معلوم ہے کہ وہ دوسرا شخص کون تھا جس کا نام عائشہ نے نہیں لیا؟

راوی نے کہا: نہیں مجھے معلوم نہیں ہے۔ ابن عباس نے کہا: وہ علیؑ تھا۔
عائشہ علیؑ کا ذکر خیر کر کے خوش نہیں ہوتی۔

۲۔ مسند احمد ۶/۱۱۳ پر مرقوم ہے:

جاء رجل فوقع في علي و في عمار عند عائشة فقالت: اما علي فلست قانلة لك فيه شيئا و اما عمار فاني سمعت رسول الله يقول فيه "لا يخير بين امرين الا اختار ارشدهما"

ایک شخص بی بی عائشہ کے پاس آیا اور اس نے حضرت علیؑ اور عمار کے متعلق نازیبا گفتگو کی۔ بی بی نے اس سے کہا:

علیؑ کے متعلق تو میں تجھ سے کچھ نہ کہوں گی۔ البتہ عمار کے متعلق میں نے رسول خداؐ یہ کہتے ہوئے سنا:

جب بھی اسے دو معاملات کے چناؤ کا اختیار دیا جائے گا تو وہ بہتر راستہ کا چناؤ کرے گا۔

اس روایت میں ہم دیکھتے ہیں کہ بی بی عائشہ نے عمار کا دفاع کیا لیکن علیؑ کے متعلق ایک حرف تک کہنے سے گریز کیا۔

۳۔ صحیحین اور اس کے علاوہ دوسری کتب حدیث کی یہ روایت ملاحظہ

فرمائیں۔ بی بی عائشہ سے روایت ہے:

ان رسول اللہ بعث رجلا علی سریة وکان یقرألاً صحابہ فی صلاتہم (قل هو اللہ احد) فلما رجعوا ذکر لرسول اللہ (ص) فقال: سلوه لای شیء یصنع ذلک؟ فسألوه، فقال: لانها صفة الرحمن فانا احب ان اقرأبها. فقال رسول اللہ (ص): اخبروه ان اللہ یحبہ.

”رسول خدا نے ایک شخص کو ”سریہ“ کا سالار مقرر کر کے روانہ کیا اور وہ شخص جب بھی نماز پڑھاتا تو نماز میں سورہ قل ہو اللہ احد پڑھتا تھا۔ جب لوگ مہم سے واپس آئے تو رسول خدا کے سامنے یہ بات بیان کی گئی۔ آپ نے فرمایا۔ تم اس سے پوچھو وہ سورہ قل ہو اللہ احد کیوں پڑھتا تھا؟ لوگوں نے اس سے اس کا سبب پوچھا تو اس نے کہا کیونکہ اس سورت میں رحمان کی صفت بیان کی گئی ہے۔ اس لیے میں اسے پڑھنا پسند کرتا ہوں۔“

رسول خدا نے فرمایا: اسے بتا دو کہ اللہ بھی اسے پسند کرتا ہے۔

قارئین کرام! اس روایت میں جس شخص کا ذکر موجود ہے کیا آپ اس شخص کو پہنچانتے ہیں اور کیا آپ اس شخص کے نام سے واقف ہیں جس کا نام لینا بی بی کو پسند نہ تھا؟ ہمیں یقین ہے اگر وہ شخص حضرت ابو بکر یا حضرت عمر یا طلحہ و زبیر کی طرح بی بی کا کوئی رشتہ دار ہوتا تو بی بی اس کا نام کبھی نہ چھپاتیں۔ ہم نے مکتب خلافت کی کتابوں میں اس شخص کو ڈھونڈنے کی مقدور بھرکوشش کی لیکن ہم اس کا سراغ حاصل کرنے میں ناکام ہوئے۔ پھر مجبور ہو کر ہم نے مکتب امامت کی کتابوں کی طرف رجوع کیا تو تفسیر مجمع البیان اور تفسیر البرہان میں سورہ اخلاص کے ضمن میں

شیخ صدوق کی کتاب التوحید کی یہ روایت دکھائی دئی۔
تفسیر البرہان کے الفاظ یہ ہیں:

عن الصحابی عمران بن حصین:

ان النبی (ص) بعث سریة واستعمل علیہا علیا (ع)
فلما رجعوا سألہم فقالوا: کل خیر، غیر انہ قرأنا
فی کل صلاة (قل هو اللہ احد) فقال: لم فعلت
هذا؟ فقال لحبی ک (قل هو اللہ احد) فقال النبی
(ص): ما احببتہا حتی احبک اللہ عز و جل.

صحابی عمران بن حصین کا بیان ہے کہ نبی کریم نے ایک سریہ
روانہ کیا اور حضرت علی کو اس کا سالار مقرر فرمایا۔ جب وہ لوگ
واپس آئے تو آپ نے ان سے حالات دریافت کیے۔ انہوں
نے کہا۔ باقی تو سب خیریت ہے لیکن علی ہمیشہ ہمیں ہر نماز میں
قل هو اللہ احد پڑھاتے تھے۔

نبی کریم نے فرمایا: تو نے ایسا کیوں کیا؟

حضرت علی نے کہا۔ مجھے قل هو اللہ احد سے محبت ہے (اسی لیے میں ہر
نماز میں اسی کی تلاوت کرتا رہا)

نبی کریم نے فرمایا۔ پہلے خدا نے تجھ سے محبت کی پھر تو نے سورۃ قل ہو
اللہ احد سے محبت کی۔^(۱)

۱۔ تفسیر مجمع البیان شیخ فضل بن حسن طبری التوتنی ۵۶۸-۵۷۶/۱۰۔

تفسیر البرہان سید ہاشم بحرانی ۳/۵۲۱۔ توحید صدوق طبع تہران ص ۹۴ حدیث ۱۱۔
عمران بن حصین کی کنیت ابو یحییٰ تھی اور بنی خزاعہ سے تعلق رکھتے تھے۔ فتح خیبر کے
سال اسلام قبول کیا۔ حضرت عمر نے اپنے دور میں انھیں تعلیم دین کے لیے بصرہ بھیجا تھا۔ آپ
فضلاً صحابہ میں شمار ہوتے تھے اور مستجاب الدعوات تھے۔ آپ نے ۵۲ھ کو بصرہ میں وفات پائی۔

اس حدیث میں بی بی عائشہ نے جان بوجھ کر حضرت علیؑ کا نام نہیں لیا کیونکہ اس سے حضرت علیؑ کی فضیلت ثابت ہوتی تھی اور بی بی کسی قیمت پر فضیلت علیؑ بیان کرنے کی روادار نہ تھیں اس حدیث میں جس ”زُجَلُ“ کا ذکر کیا گیا اسے مراد علیؑ ہیں اور اس لفظ سے علیؑ مراد لینے کے لیے ہمارے پاس دو قرینے موجود ہیں۔

۱۔ صحیح بخاری کی حدیث میں بی بی صلیبہ نے حضرت علیؑ کو لفظ ”رجل“ سے یاد کیا اور اس روایت میں بھی وہی لفظ ”رجل“ استعمال ہوا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ دونوں روایات ایک ہی شخص کے متعلق ہیں۔

ب۔ دوسری روایت میں بی بی نے بیان کیا کہ ”اللہ اس سے محبت کرتا ہے“ ان الفاظ کا اشارہ حضرت علیؑ علیہ السلام کی طرف ہے کیونکہ صحیح بخاری کی ایک اور حدیث میں ہے کہ رسول خداؐ نے حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا تھا.....
يُحِبُّهُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ... اللہ اور اللہ کا رسول اس سے محبت کرتے ہیں۔

بی بی عائشہ کے دل میں حضرت علیؑ کے لیے جو محبت تھی وہ تو اس بات ہی سے ظاہر ہے کہ بی بی آپ کا نام لینا تک پسند نہ کرتی تھیں اور بی بی کی ”شفقت“ صرف بی بی تک محدود نہ تھی بلکہ حضرت علیؑ کی شہادت کی خبر سن کر بی بی خوش ہوئی تھیں۔ ملاحظہ فرمائیں:

ابو الفرج اپنی کتاب مقاتل الطالبین کے ص ۴۳ پر لکھتے ہیں:

لما ان جاء عائشة قتل الامام علي سجدت.

• جب بی بی عائشہ کو حضرت علیؑ کی شہادت کی اطلاع ملی تو اس نے سجدہ کیا۔

مقصود یہ ہے کہ بی بی نے اسے خبر مسرت سمجھ کر سجدہ شکر کیا۔

طبری، ابو الفرج، ابن سعد اور ابن اثیر نے لکھا۔

جب بی بی عائشہ کو حضرت علیؑ کی شہادت کی اطلاع ملی تو اس نے یہ شعر پڑھا۔

فالقت عصاها واستقربها النوى
كما قرعينا بالاياب المسافر

اس عورت نے اپنا عصا پھینک دیا اور اس کی دوری مسافت ختم ہو گئی اور جس طرح سے مسافر کی آنکھیں گھر پہنچ کر ٹھنڈک محسوس کرتی ہیں اسی طرح سے اس کی آنکھوں کو بھی ٹھنڈک نصیب ہوئی۔

پھر بی بی عائشہ نے پوچھا۔ اسے کس نے قتل کیا؟
بتایا گیا کہ قبیلہ مراد کے ایک شخص نے انہیں قتل کیا۔ بی بی نے کہا:
فان یک نائیا فلقد نعاہ غلام لیس فیہ التراب
”اگرچہ وہ دور تھا لیکن اس کی موت کی خبر ایک جوان نے دی
جس کے منہ میں کبھی خاک نہ ہو۔“

یہ شہادت بھرے الفاظ سن کر زینب بنت ام سلمہ نے کہا۔

العلی تقولین هذا؟

کیا تم یہ جملے علیؑ کے متعلق کہتی ہے؟

بی بی عائشہ نے کہا:

اذا نسیت فذکرونی.

ہاں جب میں کبھی بھول جاؤں تو تم مجھے یاد دلایا کرو۔^(۱)

پھر بی بی نے بطور تمثیل یہ شعر پڑھے:

ما زال اهداء القصائد بیننا باسم الصديق و كثرة الالقباب

حتى ترکت کانک قولک فیہم فی کل مجتمع طنین ذباب

۱۔ تاریخ طبری در ذکر شہادت علی در حالات ۴۰ھ طبع یورپ ۱/۳۲۶۔

ابن اثیر طبع یورپ ۳/۳۳۱۔ طبقات ابن سعد ۳/۲۷۔ مقاتل الطالیین ص ۴۲ مقاتل

میں ”بغاہ غلام“ جب کہ دوسری کتابوں میں ”بغاہ غلام“ کے الفاظ وارد ہیں۔

پہلے ہمارے درمیان قصائد کا تبادلہ ہوتا رہا اور ایک دوسرے کو درست اور زیادہ القاب سے یاد کرتے تھے۔ یہاں تک کہ میں نے قطع تعلق کر لیا تو تیری باتیں مجھے ہر جمع میں کھیلوں کی بھنبھناہٹ سی محسوس ہوتی ہیں۔^(۱)

بی بی عائشہ کی روایت کی حقیقت

بی بی عائشہ کا یہ کہنا کہ رسول خدا کی وفات کے وقت میں نے انہیں اپنے سینے کا سہارا دیا ہوا تھا۔ لہذا رسول خدا نے علی کو وصیت کس وقت کی تھی؟ دراصل بی بی اس روایت میں منفرد ہیں جب کہ دوسری روایات اس کی نفی کرتی ہیں اور ان روایات سے ثابت ہوتا ہے کہ رسول خدا کی وفات بی بی عائشہ کی آغوش اور ان کے سینے کے درمیان نہیں ہوئی بلکہ وفات کے وقت حضرت علیؑ آپ کو سہارا دیے ہوئے تھے جیسا کہ ابن سعد طبقات میں نقل کرتے ہیں:

باب من قال تو فی رسول اللہ (ص) فی حجر علی

بن ابی طالب:

عن الامام علی

قال قال رسول اللہ (ص) فی مرضہ: ادعوا الی اخی

قال فدعی لہ علی، فقال: اذن عنی فذنوت منه

فاستند الی فلم یزل مستندا الی وانه لیکلمنی حتی

ان بعض ریق النبی (ص) لیصیننی. ثم نزل برسول

اللہ (ص) و ثقّل فی حجری..... الحدیث.

باب۔ جس میں کہا گیا کہ رسول خدا کی وفات حضرت علیؑ کی

آغوش میں ہوئی۔

حضرت علی سے مروی ہے کہ رسول خدا نے اپنی بیماری میں فرمایا۔ میرے بھائی کو بلاؤ۔ علیؑ بلائے گئے۔ رسول خدا نے فرمایا۔ میرے قریب آ جاؤ۔ میں آپ کے قریب ہوا یہاں تک کہ آپ نے میرا سہارا لیا اور آپ میرا سہارا لیے ہوئے مجھ سے باتیں کرتے رہے یہاں تک کہ آپ کا کچھ لعاب دہن مجھے لگتا رہا۔

پھر آپ پر نزع کا وقت طاری ہوا تو آپ میری گود میں لپٹ گئے۔
 ۲۔ علی بن الحسین سے روایت ہے۔ انہوں نے کہا:

قبض رسول اللہ (ص) ورأسه فی حجر علی.
 جب رسول خدا کی وفات ہوئی تو ان کا سر اقدس علیؑ کی آغوش میں تھا۔

۳۔ شععی سے روایت ہے:

توفی رسول اللہ (ص) ورأسه فی حجر علی و غسله
 علی..... الحدیث.

رسول خدا کی وفات کے وقت ان کا سر علیؑ کی آغوش میں تھا اور علی نے انہیں غسل دیا.....

۴۔ روی عن ابی غطفان قال: سالت ابن عباس: ارأیت رسول اللہ (ص) توفی ورأسه فی حجر احد؟

قال: توفی وهو لمستند الی صدر علی. قلت فان عروة حدثنی عن عائشة انها قالت: توفی رسول اللہ (ص) بین سحری و نحری: فقال ابن عباس: اتعقل؟
 واللہ لتوفی رسول اللہ (ص) وانه لمستند الی صدر

علیٰ وهو الذی غسلہ..... الحدیث.

ابو غطفان کا بیان ہے کہ میں نے ابن عباس سے پوچھا: تو نے دیکھا ہوگا وفات کے وقت رسولِ خداؐ کا سر کس کی گود میں تھا؟ ابن عباس نے کہا۔ وفات کے وقت رسولِ خداؐ حضرت علیؑ کے سینے کا سہارا لیے ہوئے تھے۔ میں (راوی) نے کہا مگر عروہ نے بی بی عائشہ کی زبانی مجھ سے بیان کیا ہے کہ بی بی نے کہا کہ رسولِ خداؐ میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے فوت ہوئے؟ ابن عباس نے کہا:

کیا تیرے پاس عقل نام کی کوئی چیز موجود ہے؟
خدا کی قسم! رسولِ خداؐ علیؑ کے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے اور انہوں نے ہی آپ کو غسل دیا تھا الحدیث۔

۵۔ حضرت عمر کے زمانہ خلافت میں کعب الاحبار اٹھے اور اس وقت ہم بھی حضرت عمر کے پاس بیٹھے تھے۔ کعب الاحبار نے کہا:

رسول خدا نے کہا:

یہ بات علی سے پوچھو۔

اس نے کہا:

علی کہاں ہے؟

حضرت عمر نے کہا:

وہ یہاں موجود ہے۔

کعب الاحبار نے یہی سوال حضرت علیؑ سے کیا تو آپ نے کہا:

اسندتہ الی صدری فوضع رأسہ علی منکبہ فقال

الصلاة الصلاة!

میں نے آنحضرتؐ کو اپنے سینے کا سہارا دیا آپ نے اپنا سر
میرے کندھے پر رکھا اور فرمایا: نماز نماز
کعب الاحبار نے کہا:

انبیاء کی آئری وصیت یہی ہوتی ہے اور اس چیز کا انہیں حکم دیا گیا ہے اور
اسی پر ہی وہ مبعوث ہوں گے پھر کعب الاحبار نے حضرت عمر سے پوچھا۔
رسول خداؐ کو غسل کس نے دیا تھا؟
حضرت عمر نے کہا:
یہ بات علیؑ سے پوچھو۔

کعب الاحبار نے یہ مسئلہ حضرت علیؑ سے پوچھا تو آپ نے فرمایا:
كنت انا غسله وكان العباس جالسا وكان اسامة
وشقران يختلفان الى بالماء.

میں آنحضرتؐ کو غسل دیتا رہا اور عباس پاس بیٹھے رہے اور
اسامہ اور شقران پانی بھر کر لاتے رہے۔^(۱)

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر رسول خداؐ کی وفات بی بی عائشہ کی
آنغوش یا سینے پر ہوئی تھی تو جب کعب الاحبار نے حضرت عمر سے پوچھا کہ رسول خداؐ
نے آخری گفتگو کیا فرمائی تھی تو حضرت عمر اس سے کہتے کہ یہ بات ام المومنین عائشہ
سے دریافت کرو۔ مگر حضرت عمر نے انہیں بی بی عائشہ کے پاس نہ بھیجا اور کہا یہ
بات علیؑ سے پوچھو۔ آخر حضرت عمر کو ایسا کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

ان مذکورہ پانچوں روایات سے بھی زیادہ مضبوط روایت وہ ہے جو
ام المومنین بی بی ام سلمہ سے مروی ہے۔ اس نے کہا:

والذی احلف به ان كان علي لا قرب الناس عهدا

۱۔ طبقات ابن سعد باب من قال توفي رسول الله في حجر علي بن ابي طالب طبع يورپ ۲/ق ۲/۵۱۔

برسول اللہ (ص) عدناہ غداة وهو يقول: جاء علی؟
جاء علی؟ مرارا فقالت فاطمة کانک بعثته فی
حاجة قالت: فجاء بعد فظنت ان له الیه حاجة
فخرجنا من البيت فقعنا عند الباب، قالت ام سلمة:
و كنت من ادناهم الی الباب، فاکب علیه رسول اللہ
(ص) وجعل یساره و یناجیه. ثم قبض (ص) من
یومه ذلک، فكان اقرب الناس به عهدا. (۱)

اس ذات کی قسم جس کی میں قسم کھاتی ہوں۔ یقیناً علی آخری
لحمت تک تمام لوگوں کی بہ نسبت رسول خدا کے زیادہ قریب
رہے ہم نے صبح کے وقت رسول خدا کی عیادت کی۔ اس وقت
آپ فرما رہے تھے: علی آیا ہے؟ علی آیا ہے؟ آپ نے کئی بار
ان الفاظ کو دہرایا۔

حضرت فاطمہ نے کہا: گویا آپ نے اسے کسی کام کے لیے بھیجا ہوا ہے۔
پھر تھوڑی دیر بعد علی آئے۔ میں نے گمان کیا کہ رسول خدا کو علی سے کوئی
کام ہے اس لیے ہم سب کی سب گھر سے نکل آئیں اور دروازے کے پاس بیٹھ
گئیں۔ اور باقی ازواج کی بہ نسبت میں دروازہ کے زیادہ قریب تھی۔

۱۔ مستدرک حاکم ۳/۱۳۸۔ امام حاکم لکھتے ہیں یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرائط کے
مطابق ہے اور صحیح الاسناد ہے اور شیخین نے اسے نقل نہیں کیا۔ ذہبی نے تلخیص مستدرک میں
حدیث کی صحت کا اعتراف کیا ہے۔ ابن عساکر نے حضرت علی کے حالات میں اس حدیث کو جلد
سوم ص ۱۴۔ ۱۷ پر متعدد اسناد سے نقل کیا ہے۔

مصنف ابن شیبہ ۶/۳۴۸۔ مجمع الزوائد بیہقی ۹/۱۱۲۔ کنز العمال طبع دوم کتاب
الفصائل باب فضائل علی بن ابی طالب حدیث ۳۷۴، ۱۵/۱۲۸۔ تذکرۃ الخواص سبط بن جوزی
باب حدیث النجوى والوسیة بحوالہ کتاب الفصائل احمد بن حنبل۔

رسول خدا علیؑ پر جھک گئے اور ان سے راز و نیاز اور سرگوشی کرنے لگ گئے پھر اسی دن رسول خدا کی وفات ہو گئی۔ اسی لیے علیؑ باقی لوگوں کی بہ نسبت رسول خدا کے آخری لمحات تک ان کے زیادہ قریب تھے۔

عبداللہ بن عمرو کی روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

ان رسول اللہ (ص) قال فی مرضہ: ادعوا لی اخی الی
قوله فدعی له علی فستره بثوبه و اکب علیه.....
الحديث (۱)

رسول خدا نے اپنی بیماری میں فرمایا: میرے بھائی کو بلاؤ۔ علی کو
بلایا گیا تو رسول خدا نے اپنے کپڑے سے انہیں ڈھانپا اور اس
پر جھک گئے۔

وفاتِ نبیؐ بزبانِ وصیؑ

حضرت علیؑ علیہ السلام نے وفات رسول کا ذکر اپنے ان الفاظ سے کیا:
فلقد وسدتک فی ملحودۃ قبرک وفاضت بین
نحری و صدری نفسک فانا لله و انا الیہ راجعون.

(نسخ البلاغہ خطبہ ۲۰۰)

میں نے اپنے ہاتھوں سے آپ کو قبر کی لحد میں اتارا اور اس
عالم میں آپ کی روح نے پرواز کی کہ آپ کا سر میری گردن اور
سینے کے درمیان تھا۔
حضرت علیؑ نے فرمایا:

ولقد قبض رسول اللہ (ص) وان رأسه لعلی صدري
ولقد سالت نفسه فی کفی فامررتها علی وجہی

۱۔ کنز العمال طبع اول ۶/۳۹۲۔ تاریخ ابن کثیر ۷/۳۵۹۔ تاریخ ابن عساکر در حالات
امیر المومنین طبع بیروت ۲/۳۸۴۔

ولقد وليت غسله (ص) والملائكة اعوانى فوضحت
 الدار والافنية ملايهبط، وملا يعرج وما فارقت
 سمعى هينمة منهم يصلون عليه حتى واريناه فى
 ضريحه. (سج البلاغة خطبہ ۱۹۵)

”جب رسول خدا نے رحلت فرمائی تو ان کا سر اقدس میرے
 سینے پر تھا اور جب میرے ہاتھوں میں ان کی روح طیب نے
 مفارقت کی تو میں نے (تبرکاً) اپنے ہاتھ منہ پر پھیر لیے۔ میں
 نے آپ کے غسل کا فریضہ انجام دیا۔ اس عالم میں کہ ملائکہ
 میرا ہاتھ بنا رہے تھے (آپ کی رحلت سے) گھر اور اس کے
 اطراف و جوانب نالہ و فریاد سے گونج رہے تھے (فرشتوں کا
 تانتا بندھا ہوا تھا) ایک گروہ اترتا تھا اور ایک گروہ چڑھتا تھا وہ
 حضرت پر نماز پڑھتے تھے اور ان کی دھیمی آوازیں برابر میرے
 کانوں میں آ رہی تھیں۔ یہاں تک کہ ہم نے انہیں قبر میں
 چھپا دیا۔“

ام المومنین کی روایت پر مزید تبصرہ

بہت سی روایات کے حوالہ سے ہم نے ثابت کیا ہے کہ رسول خدا کے
 وفات حضرت علیؑ کے سینے پر ہوئی اور ام المومنینؑ کی روایت ان احادیث کے مقابلہ
 میں کوئی وزن نہیں رکھتی۔ ام المومنین اس روایت میں منفرد ہیں۔

اس روایت کے متعلق غالباً گمان یہی ہے کہ نبی نے یہ پہلے جنگ جمل
 کے موقع پر کہے ہوں گے۔ یا پھر انہوں نے یہ جملے دور معاویہ میں اس وقت کے
 ہوں گے جب معاویہ پوری ریاست کی طاقت سے فضائل علیؑ کو مٹانے کے درپے
 اور اس نے یہ حکم دے رکھا تھا کہ فضیلت علیؑ کو مشکوک بنانے کے لیے اس جملے

دوسری روایت تراشی جائے اور ام المومنین نے بھی یہ ”کارخیز“ اسی پالیسی کے تحت سرانجام دیا ہوگا۔

اور اگر تمام روایات سے قطع نظر ہم یہ تسلیم بھی کر لیں کہ رسول خدا کی وفات بی بی عائشہ کے سینے پر واقع ہوئی تھی، پھر بھی اس سے حضرت علیؑ کی وصایت میں کوئی فرق نہیں آئے گا۔ کیونکہ وصایت کے لیے یہ ضروری نہیں ہے کہ آخری وقت ہی میں وصیت کی جائے بلکہ زندگی کے کسی بھی لمحہ میں کوئی شخص کسی کو کسی کام کے سرانجام دینے کی وصیت کر سکتا ہے اور اس مفہوم کی بہت سی روایات موجود ہیں جنہیں اصحاب سنن و مسانید نے حضرت علیؑ سے روایت کیا ہے۔ آپ نے فرمایا۔

كان لى من رسول الله (ص) مدخلدن: مدخل
بالليل، ومدخل بالنهار فكنت اذا اتيته وهو يصلى
تنحنح. (1)

میں رسول خدا کی خدمت میں دو وقت حاضری دیتا تھا۔ رات کے وقت اور دن کے وقت اور جب آپ نماز میں مصروف ہوتے اور میں آپ کے پاس جاتا تو آپ کھانتے تھے۔
دوسری روایت میں ہے:

كانت لى من رسول الله منزلة لم تكن لاحد من
الخلائق انى كنت اتيه كل سحر فاسلم عليه حتى
يتحنح..... الحديث (2)

-
- ۱۔ سنن ابن ماجہ، کتاب الادب، باب الاستئذان حدیث ۳۷۰۸۔ مسند احمد ۸۰/۱۔
 - ۲۔ مسند احمد ۸۵/۱۔ ۱۰۷۔ اس حدیث کی مزید تشریح ”اہل بیت کی نظر میں اسلامی شریعت کے مصادر“ کے زیر عنوان بیان کی جائے گی۔

مجھے رسول خدا کے ہاں وہ منزلت حاصل تھی جو کسی دوسرے کو حاصل نہ تھی میں ہر سحر کے وقت آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر سلام کرتا تھا۔ اگر آپ مصروف ہوتے تو کھانتے تھے۔

تاریخ ابن عساکر میں جابر سے مروی ہے:

لما كان يوم الطائف ناجى رسول الله (ص) عليا فاطال
بخواه فقال بعض اصحابه: لقد اطال نجوى ابن عمه.
فبلغه ذلك فقال: ما انا انتجيته بل الله انتجاه.

جنگ طائف کے دن رسول خدا نے علی سے سرگوشی کی اور سرگوشی طول پکڑ گئی۔ اس پر کچھ صحابیوں نے کہا کہ انہوں نے اپنے ابن عم سے طویل سرگوشی کی۔ آنحضرت کو لوگوں کی اس بات کا پتہ چلا تو آپ نے فرمایا میں نے اس سے سرگوشی نہیں کی بلکہ اللہ نے اس سے سرگوشی کی۔

دوسری روایت کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں:

فناجاه طويلا و ابوبكر و عمر ينظر ان والناس قال:
ثم انصرف الينا فقال الناس قد طالت مناجاتك اليوم
يا رسول الله! فقال ما انا انتجيته ولكن الله انتجاه. (1)

۱۔ مذکورہ دونوں احادیث ابن عساکر نے اپنی تاریخ میں حضرت علیؑ کے حالات کے ضمن میں جلد دوم ص ۳۱۰-۳۱۱ پر نقل کی ہیں۔ ان احادیث کو ابن کثیر نے جلد ہفتم ص ۳۵۶ پر نقل کیا۔ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ جلد دوم ص ۷۸ پر لکھا جس کا خلاصہ یہ ہے۔
کہ بی بی عائشہ اپنے حجرے میں آئیں تو رسول خدا اور حضرت علی مرتضیٰ سرگوشی میں مصروف تھے بی بی عائشہ نے کہا:

اے علی! نودوں میں مجھے ایک دن ملتا ہے تو کیا تو یہ دن میرے لیے چھوڑنے پر

آمادہ نہیں ہے۔

رسول خدا نے حضرت علیؑ سے طویل سرگوشی کی اور ابو بکر و عمر اور باقی لوگ دیکھتے رہے۔ راوی کہتا ہے کہ پھر رسول خدا ہماری طرف واپس آئے تو لوگوں نے کہا: یا رسول اللہ! آج آپ کی سرگوشی بہت لمبی ہو گئی: آپ نے فرمایا: میں نے اس سے سرگوشی نہیں کی بلکہ اللہ نے اس سے سرگوشی کی۔

ہم نے ان روایات کو ”حاملین علم رسول“ اور ”اہل بیت کی نظر میں اسلامی شریعت کے مصادر“ کے زیر عنوان دوسرے حوالہ جات سے بھی نقل کیا ہے۔

دونوں روایات کا تقابلی جائزہ

ام المؤمنین کی روایت آپ نے پڑھی جس میں انہوں نے حیات رسول کے آخری لمحات کی تصویر کشی ان الفاظ میں کی:

رسول خدا نے زندگی کے آخری لمحہ میں پیشاب کرنے کے لیے تھال منگوایا لیکن آپ میری گود میں دوہرے ہو گئے اور آپ کی وفات ہو گئی اور آپ وفات کے وقت میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

اس روایت میں حضور اکرم کی زندگی کے آخری لمحات بیان کیے گئے ہیں بعثت اور نزول وحی کے متعلق بی بی صاحبہ اور دوسروں نے جو کچھ بیان کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے۔

جب غار حرا میں آپ پر پہلی وحی نازل ہوئی تو آپ کو جبریل کے متعلق شک ہوا کہ کہیں وہ شیطان نہ ہو اور وہ آپ کو اپنا کھلونا بنا رہا ہو اور آیات کریمہ کے متعلق بھی آپ کو یہ شک ہوا کہ یہ کاہنوں کی سی تک بندی نہ ہو۔ آخر کار آپ ایک نصرانی ورقہ بن نوفل کے پاس گئے تو اس نے آپ کو تسلی دلائی کہ یہ وحی کا فرشتہ جبریل تھا اور جو کلام آپ پر نازل ہوا ہے وہ کلام الہی ہے۔ اس کے بعد کہیں جا کر آپ کی ڈھارس بندھی۔

ان دونوں روایات کے پڑھنے سے انسان اس نتیجہ پر پہنچتا ہے کہ انبیاء و مرسلین کا مقام ایک عالم انسان سے بھی کہیں کم ہے اور یہ روایات ایک مخصوص طرز فکر کی ترجمانی کرتی ہے اور یقیناً ایسی ہی روایات کی وجہ سے ایک سعودی شخص نے بڑی ڈھنائی سے ہمیں کہا تھا:

”محمد کیا ہے؟ محمد مجھ جیسا انسان تھا اور اب وہ مر چکا ہے۔“

اس کے مقابلہ میں حضرت علیؑ کی روایت کو لیں جس میں آپ نے بیان فرمایا کہ آخری وقت میں رسول خداؐ نے مجھے اپنے قریب بلایا اور مجھ سے راز و نیاز کی باتیں کیں اور آپ کی روح مبارک نے میرے ہاتھوں پر پرواز کیا اور میں نے بطور تبرک اپنے ہاتھ اپنے چہرے پر پھیرے۔ پھر میں نے آپ کو غسل و کفن دیا اور اس کام میں فرشتے میرا ہاتھ بنا تے رہے۔ پھر ملائکہ کی فوجیں آپ کی نماز جنازہ کے لیے مسلسل آتی رہیں اور میں ان کی دھیمی آوازوں کو اپنے کانوں سے سنتا رہا۔ اور اسی طرح سے نزول وحی کے آغاز کے متعلق حضرت علیؑ کے خطبہ کا خلاصہ یہ ہے۔

اللہ نے آپ کی دودھ بڑھائی کے وقت ہی سے فرشتوں میں سے ایک عظیم المرتبت ملک کو آپ کے ساتھ لگا دیا تھا جو انہیں شب و روز اچھی نخلتوں اور پاکیزہ سیرتوں کی راہ پر لے چلتا تھا..... میں وحی و رسالت کا نور دیکھتا تھا اور نبوت کی خوشبو سونگھتا تھا۔ جب آپ پر پہلے پہل وحی نازل ہوئی تو میں نے شیطان کی ایک چیخ سنی جس پر میں نے پوچھا: یا رسول اللہ! یہ آواز کیسی ہے؟ آپ نے فرمایا کہ یہ شیطان ہے جو اپنے پوجے جانے سے مایوس ہو چکا ہے۔

اگر آپ ان دونوں روایات کا تقابلی جائزہ لیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ روایات اہل بیتؑ سے عظمت رسول جھلکتی ہے اور مکتب خلافت کی روایات سے توہین رسول ظاہر ہوتی ہے۔

ہماری نظر میں مسلمانوں میں حقیقی وحدت پیدا کرنے کا یہی ایک ذریعہ ہے کہ ان کے سامنے مکتب خلافت اور مکتب اہل بیت دونوں کی روایات رکھی جائیں اور وہ دونوں روایات کا تقابلی جائزہ سے خود فیصلہ کریں کہ ان میں سے عظمت رسول پر کون سی روایات دلالت کرتی ہیں اور توہین رسول کس مسلک کی روایات سے چھٹکتی ہے۔

ہم ایک بار پھر گزارش کریں گے کہ ہمیں سیرت رسولؐ اور زمانہ پیغمبر اور صحابہ کے دور کا تقابلی مطالعہ کرنا چاہیے اور اس تقابلی مطالعہ کے بعد ہم کوئی بہتر نتیجہ نکال سکیں گے۔

ام المؤمنین کے دو متضاد موقف

ابن عساکر لکھتے ہیں کہ دو عورتوں نے ام المؤمنین عائشہ سے کہا۔
یا ام المؤمنین اخبرینا عن علی، قالت: ای شیء
تسالن من رجل وضع یدہ من رسول اللہ (ص)
موضعا فسالت نفسه فی یدہ فمسح بها وجہہ، و
اختلفوا فی دفنہ فقیل، ان احب البقاع الی اللہ مکان
قبض فیہ نبیہ. قالتا: فلم خرجت علیہ؟ قالت؟
امر قضی لوددت ان افدیہ بما فی الارض. (۱)

ام المؤمنین! آپ ہمیں علیؑ کے متعلق کچھ بتائیں۔ بی بی نے کہا تم اس شخص کے متعلق کیا پوچھنا چاہتی ہو جس نے رسول اکرمؐ کو آخری وقت سہارا دیا اور حضور اکرمؐ کی روح مبارک نے اس کے ہاتھوں میں پرواز کی اور اس نے اپنے ہاتھ بطور تبرک منہ پر لے لیے۔ رسول خداؐ کے دفن کے متعلق اختلاف ہوا تو علیؑ کی طرف سے یہ کہا گیا۔ اللہ کو تمام روئے زمین میں سے وہ نکلا

زیادہ پسند ہے جہاں رسول خدا کی وفات ہوئی ہے۔

یہ سن کر ان دونوں عورتوں نے کہا۔ پھر آپ نے علیؑ کے خلاف لشکر کشی

کیوں کی؟

بی بی نے کہا: یہ فیصلہ تقدیر الہی میں ہو چکا تھا میں چاہتی ہوں کہ پوری

روئے زمین کی اشیاء فدیہ دے کر اس غلطی کی معافی مانگوں۔

ام المومنین کی یہ حدیث حضرت علیؑ کے اس فرمان سے مطابقت رکھتی ہے

جس میں آپ نے فرمایا:

قبض رسول اللہ (ص) و ان رأسه لعلی صدری و

لقد سألت نفسه في كفي و امررتها على وجهي.

جب رسول خدا کی وفات ہوئی تو اس وقت آپ کا سر میرے

سینے پر تھا اور آپ کی روح اطہر نے میرے ہاتھوں پہ پرواز کی

اور میں نے بطور تبرک وہ ہاتھ اپنے چہرے پر ملے۔

ام المومنین کی یہ روایت ان کی اس روایت کے متضاد ہے جس میں انہوں

نے کہا تھا کہ رسول خدا کی وفات میرے سینے اور میری گود میں ہوئی۔

ابن عساکر نے یہ دوسری روایت بھی ام المومنین سے نقل کی ہے۔ وہ کہتی

ہیں کہ رسول خدا نے اپنے آخری لمحات میں فرمایا:

میرے حبیب کو بلاؤ..... علی کو بلایا گیا۔ وہ آئے۔ فلما راه افرده الثوب

الذی کان علیہ ثم ادخله فیہ فلم یزل یحتضنه حتی قبض علیہ. (۱)

رسول خدا نے اپنا کپڑا پھیلایا اور علیؑ کو اس میں داخل کیا اور وقت وفات

تک اسے اپنی گود میں لیے رہے۔

۱۔ مذکورہ دونوں احادیث کو ابن عساکر نے حضرت علیؑ کے حالات کے ضمن میں اپنی

کتاب کی جلد سوم کے ص ۱۵ پر نقل کیا ہے۔

ام المؤمنین کی یہ حدیث عبداللہ بن عمر کی اس حدیث سے مطابقت رکھتی ہے جس میں اس نے کہا حضرت رسول خدا نے اپنی بیماری میں فرمایا: میرے لیے علیؑ کو بلاؤ۔

اور ام المؤمنین کی یہ حدیث ان کی اس روایت کے معارض ہے جس میں انہوں نے کہا تھا کہ رسول خدا وفات کے وقت میرے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے تھے۔

ام المؤمنین کے بیانات میں واضح تضاد پایا جاتا ہے اور ان روایات کے مطالعہ سے حضرت علیؑ کے متعلق ان کے دو علیحدہ علیحدہ موقف سامنے آتے ہیں۔

آئیے دیکھیں کہ ام المؤمنین کی زندگی میں یہ علیحدہ موقف کیوں قائم ہوئے اور اس کے اسباب و ملل کیا تھے اس کے لیے ہمیں ان کے تاریخی پس منظر کا جائزہ لینا ہوگا۔

حضرت علیؑ کے متعلق دو متضاد موقف کیوں؟

پیغمبر اکرم کی وفات کے بعد حضرت ابو بکر خلیفہ مقرر ہوئے اور بی بی عائشہ کی روایت کے مطابق حضرت علیؑ اور دوسرے بنی ہاشم نے چھ ماہ تک حضرت ابو بکر کی حکومت کو تسلیم نہ کیا اور جب حضرت فاطمہ زہرا دنیا سے رخصت ہوئیں تو حضرت علیؑ کو حکومت سے مصالحت کرنا پڑی۔ مگر اس مصالحت کے باوجود حضرت علیؑ دربار حکومت سے منقطع رہے اور حضرت عثمان کے قتل کے بعد جب لوگوں نے حضرت علیؑ کی بیعت کی تو حضرت عائشہ نے خون عثمان کا نعرہ بلند کیا اور اس نعرہ کی آڑ میں انہوں نے اپنے تمام پرانے حساب برابر کیے۔ مگر ام المؤمنین اپنے مقصد میں کامیاب نہ ہو سکیں اور وہ طلحہ یا زبیر کو حکومت دلانے میں ناکام ہوئیں اور شکست کھا کر واپس مدینہ آئیں۔

انہیں اپنی شکست کا پورا دکھ تھا اور وہ حضرت علیؑ سے ناراض تھیں اور حضرت علیؑ کے فضائل کا انکار کرتی رہیں اور بی بی کے دکھ کی انتہا یہ ہے کہ جب

انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کی شہادت کی خبر سنی تو سجدہ شکر بجالائیں اور اسے اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک کا سامان قرار دیا۔

بہر نوع حضرت علیؑ سے ان کی مخالفت کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں تھی۔ حضرت علیؑ کی شہادت کے بعد اقتدار پر معاویہ پوری طرح قابض ہو گیا بی بی اور معاویہ میں ملی کی دشمنی امر مشترک تھی اس لیے معاویہ نے بی بی کی خوب عزت افزائی کی لیکن یہ دوستانہ روابط زیادہ عرصہ تک قائم نہ رہ سکے۔ حضرت حجر بن عدی کی شہادت سے ان تعلقات میں دراڑیں پڑنی شروع ہوئیں اور یہ تعلقات اس وقت بالکل ختم ہو گئے جب معاویہ نے اپنے بیٹے یزید کی بیعت لینی شروع کی اور اس دوران ایک ایسا واقعہ پیش آیا کہ مدتوں کے تعلقات دشمنی میں تبدیل ہو گئے اور ۶۵۸ء واقعہ یہ تھا کہ ایک دن مروان نے جو کہ مدینہ کا گورنر تھا مسجد نبوی میں اعلان کیا کہ معاویہ نے تمہاری غیر خواہی کے لیے اپنے بیٹے یزید کو اپنا نائب نامزد کیا ہے۔

حاضرین میں بی بی عائشہ کے سگے بھائی عبدالرحمن بن ابی بکر بھی موجود تھے۔ وہ اس بات کو برداشت نہ کر سکے اور انہوں نے کھڑے ہو کر مروان سے کہا۔ مروان! خدا کی قسم تو جھوٹا ہے اور معاویہ بھی جھوٹا ہے۔ تم نے امت محمدیہ سے بھلائی نہیں کی بلکہ تم نے اسے قیصر و کسرئی کی طرح سے موروثی حکومت میں بدل دیا ہے۔ جب بھی ایک ہرقل ہوتا ہے تو اس کی جگہ پر اس کا بیٹا ہرقل بن جاتا ہے۔

مروان نے کہا۔ یہ وہی ہے جس کے متعلق اللہ تعالیٰ نے اپنی کتاب میں کہا: (وَالَّذِي قَالَ لِيُؤَدِّيهِ أَقْبَلُ لَكُمْ.....) اور جس نے اپنے والدین سے کہا تھا کہ تم پر اف ہے حضرت عائشہ نے مروان کی گستاخانہ گفتگو سنی تو مسجد نبوی کے دروازے کے پاس پردہ کے پیچھے آ کر کھڑی ہوئیں اور زور سے مروان کو آواز دی۔ لوگ خاموش ہو گئے اور مروان بی بی کی طرف متوجہ ہو ابی بی نے اس سے کہا:

تو نے عبدالرحمن سے یہ کیا کہہ دیا ہے کہ اللہ نے اس کی مذمت میں

قرآن کی آیت نازل کی تو جھوٹا ہے یہ آیت عبدالرحمن کے متعلق نہیں بلکہ فلاں بن فلاں کے متعلق نازل ہوئی البتہ تو خدا کی لعنت کا ایک ٹکڑا ہے۔

ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

كذب واللّٰه ما هو به، ولكن رسول اللّٰه (ص) لعن ابا مروان و مروان في صلبه فمروان فضض من لعنة اللّٰه عز و جل.

”وہ جھوٹ کہتا ہے۔ خدا کی قسم عبدالرحمن ایسا نہیں ہے۔ البتہ رسول خدا نے مروان کے باپ پر اس وقت لعنت کی تھی جب مروان اس کی پشت میں تھا۔ مروان لعنت خداوندی کا ایک ٹکڑا ہے۔“^(۱)

بخاری نے اس واقعہ کو اپنی صحیح میں نقل کیا ہے اور اس نے لکھا۔
كان مروان على الحجاز استعمله معاوية فخطب فجعل يذكر يزيد بن معاوية لكي يباع له بعد ابيه فقال له عبدالرحمن بن ابى بكر شينا، فقال: خذوه فدخل بيت عائشة فلم يقدروا عليه. فقال مروان:
ان هذا الذى انزل اليه فيه (وَالَّذِي قَالَ لَوْلَاِذِيهِ اُفِتْ لَكُمَا اَتَعَانِي))

فقالت عائشة من وراء الحجاب ما انزل اللّٰه فينا شينا من القرآن الا ان اللّٰه انزل عذرى. (۲)

مروان معاویہ کی طرف سے صوبہ حجاز کا گورنر تھا۔ اس نے ایک

۱- تاریخ ابن اثیر ۳/۱۹۹ در حالات ۵۶ھ۔

۲- صحیح بخاری ۳/۱۲۶۔ باب (والذی قال لوالدیہ) من تفسیر سورة الاحقاف۔

دن خطبہ دیا، جس میں اس نے لوگوں پر زور دیا کہ وہ معاویہ کے بعد یزید بن معاویہ کی بیعت کریں۔ عبدالرحمن بن ابی بکر نے اس سے کچھ کہا۔ مروان نے کہا۔ اسے پکڑو۔ وہ دوز کر بی بی عائشہ کے گھر میں داخل ہو گیا حکومتی اہل کار اسے نہ پکڑ سکے۔ مروان نے کہا۔ یہی وہ شخص ہے جس کے متعلق اللہ نے یہ آیت نازل کی ہے (وَالَّذِي قَالَ لِوَالِدَيْهِ افْتِ لَكُمْمَا اَعَدَدْتَنِي.....) اور جس نے اپنے والدین سے کہا تھا کہ تم پر افسوس تم مجھے ڈراتے ہو.....۔

بی بی عائشہ نے پردے کی اوٹ سے کہا۔ اللہ نے ہمارے متعلق قرآن کی کوئی آیت نہیں اتاری البتہ اس نے میری بے گناہی نازل کی ہے۔

تاریخ کرام! امام بخاری کی خیانت کی داد دیں۔ انہوں نے عبدالرحمن کا یہ جملہ نقل نہیں کیا ”تريدون ان تجعلوها هرقلية“ تم حکومت و خلافت کو ہرقل کا نظام بنانا چاہتے ہو۔

اور عبدالرحمن کے اس جملے کو حذف کر کے امام بخاری نے صرف یہ لکھا ”قَالَ شَيْئًا“ عبدالرحمن نے مروان سے کچھ کہا اور امام بخاری کی ”دیانت“ یہاں سے واضح ہوتی ہے کہ اس نے بی بی عائشہ کے وہ جملے حذف کر دیے جو انہوں نے مروان اور اس کے باپ کے متعلق کہے تھے۔

امام بخاری نے تو بنی امیہ کی خیر خواہی کی لیکن یہ بات پھر بھی کتابوں میں آگئی۔ ابن حجر نے بخاری کی شرح لکھی جس کا نام فتح الباری ہے۔ اس میں اس نے تفصیل سے یہ واقعات لکھے اور ابن حجر نے بی بی عائشہ کا یہ قول بھی نقل کیا۔
لكن رسول الله (ص) لعن ابا مروان و مروان في صلبه.

رسول خدا نے مروان کے باپ پر اس وقت لعنت کی جب مروان اس کی پشت میں تھا۔^(۱)

امام بخاری کی مجبوری یہ تھی کہ معاویہ اور یزید مسلمانوں کے خلیفہ تھے اسی لیے بخاری عوام مسلمین کو عبدالرحمن بن ابی بکر کے تاثرات سنانا نہیں چاہتے تھے اور یہ لکھنا پسند نہیں کرتے تھے کہ یہ نظام ہرقل اور قیصر و کسریٰ کا ہے اور اسلامی نظام میں اس کی گنجائش نہیں ہے۔

امام بخاری نے اپنی ”روایتی دیانت داری“ سے کام لیتے ہوئے بی بی عائشہ کے قول کو بھی نقل نہیں کیا۔ کیونکہ مروان بھی ایک قلیل عرصہ کے لیے خلیفہ المسلمین منتخب ہوا تھا اور بخاری کا قلم کسی بھی خلیفہ کی مخالفت میں نہیں اٹھ سکتا تھا۔

بخاری نے اپنی پوری کتاب میں ایسی ایک روایت بھی نقل نہیں کی جس کی وجہ سے خلفاء و حکام پر زد پڑتی ہو اور اس کی بجائے اس نے دانستہ طور پر ان کی غلطیوں پر پردہ ڈالنے کی کوشش کی ہے یا روایت کو ایسا گول مول کیا کہ حقیقت تک رسائی ممکن ہی نہ رہے۔

اور بخاری کی اسی ”خوبی“ کی وجہ سے مکتب خلافت کے پیروکاروں نے اسے ”امیر المؤمنین فی الحدیث“ کا لقب دیا اور اس کی کتاب کو ”اصح الکتب بعد کتاب الباری“ کا درجہ دیا۔

عبدالرحمن کی وفات

مروان مدینہ میں یزید کی بیعت لینے میں کامیاب نہ ہو سکا۔ تو معاویہ بن ابی سفیان حج کے بہانے مدینہ آیا اور اس کی تفصیل ابن عبدالبر نے یوں بیان کی:

۱۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری ۱۰/۱۹۷-۱۹۸۔ الاغانی ابو الفرج ۱۶/۹۰-۹۱۔ اسد الغابۃ الاصابۃ متدرک حاکم ۳/۳۸۱۔ تاریخ ابن کثیر ۸/۸۹۔ در حالات حکم بن ابی العاص و عبدالرحمن بن ابی بکر۔

قعد معاوية على المنبر يدعو الى بيعة يزيد، فكلمه الحسين بن علي، وابن الزبير و عبدالرحمن بن ابى بكر، فكان كلام ابن ابى بكر: أهر قلية؟! اذا مات كسرى كان كسرى مكانه؟ لا نفعل والله ابدا. وبعث اليه معاوية بمائة الف درهم بعد ان ابى البيعة يزيد، فردها عليه عبدالرحمن و ابى ان يأخذها وقال: ابيع دينى بدنياى؟! فخرج الى مائة فمات بها قبل ان تتم البيعة يزيد بن معاوية.

”معاویہ منبر پر آیا اور لوگوں کو بیعت یزید کی دعوت دی۔ حسین بن علی اور ابن زبیر اور عبدالرحمن بن ابی بکر نے اس سے گفتگو کی۔ عبدالرحمن نے کہا۔ کیا قیصر و کسریٰ کا نظام ہے؟ جب ایک کسریٰ مرتا ہے تو اس کی جگہ اس کا بیٹا کسریٰ بن کر بیٹھ جاتا ہے۔ خدا کی قسم ہم ایسا کبھی نہیں ہونے دیں گے۔“

بیعت یزید کے انکار کے بعد معاویہ نے اس کے پاس ایک لاکھ درہم روانہ کیے جسے عبدالرحمن نے قبول کرنے سے انکار کر دیا اور کہا کیا میں اپنا دین دنیا کے بدلے میں فروخت کر دوں؟

پھر عبدالرحمن مکہ کی طرف چلے گئے اور یزید کی بیعت مکمل ہونے سے پہلے وہ مکہ میں وفات پا گئے۔

پھر علامہ ابن عبدالبر اس کے بعد لکھتے ہیں:

ان عبدالرحمن مات فجأة بموضع يقال له: (الحبشي) على نحو عشرة اميال من مكة فدفن بها. ويقال: انه توفي في نومة نامها ولما اتصل خبر موته باخته عائشة

ام المومنین ظنعت من المدينة حاجة حتى وقفت على
قبره وكانت شقيقته فبكت عليه و تمثلت .

اكننا كندمانى جذيمة حقبه
من الدهر حتى قيل لن يتصدعا
فلما تفرقنا كانى ومالكا
لطول اجتماع لم بنت ليلة معا^(۱)

عبدالرحمن بن ابى بكر مکہ سے دس میل کے فاصلہ پر حبشی نامی جگہ پر اچانک
فوت ہوئے اور کہا جاتا ہے کہ اس کی سوتے میں موت واقع ہوئی۔ جب اس کی
موت کی خبر بی بی عائشہ کو پہنچی تو وہ حج کے قصد سے مدینہ سے نکلیں اور اپنے سگے
بھائی کی قبر پر آئیں اور وہاں گریہ کیا اور متم بن نویرہ کے یہ اشعار پڑھے۔

ہم دونوں بہن بھائی ایک طویل عرصہ تک جذیمہ کے دو ندیموں کی طرح سے
ساتھ رہے یہاں تک کہ کہنے والے کہنے لگے کہ یہ ایک دوسرے سے جدا نہ ہوں گے۔
اور جب ہمارے درمیان جدائی پڑی تو یوں دکھائی دیا جیسا کہ میں نے
اور مالک نے ایک رات بھی اکٹھے بسر نہ کی ہو۔

پھر بی بی نے کہا:

”خدا کی قسم! اگر میں تیری موت کے وقت تیرے پاس ہوتی تو تجھے اسی
جگہ دفن کرتی جہاں تو مرا تھا اور اگر میں موجود ہوتی تو تجھ پر گریہ نہ کرتی۔“
متدرک حاکم میں ہے:

رقدفی مقیل قاله: فذهبوا یوقظونه فوجدوه قد مات
فدخل فی نفس عائشة تهمة ان یكون صنع به شر
وعجل علیه فدفن وهو حی .

”عبدالرحمن دوپہر کے وقت سویا۔ لوگ اسے جگانے کے لیے آئے تو دیکھا کہ وہ مر چکا تھا۔ بی بی عائشہ کے ذہن میں یہ خیال جم گیا کہ اس کے ساتھ کوئی برائی کی گئی ہے اور یہ بھی ممکن ہے کہ وہ زندہ ہوا سے دفن کر دیا گیا ہو۔“^(۱)

ہم سمجھتے ہیں کہ اگر عبدالرحمن زندہ رہتے اور بھرپور طریقے سے یزید کی مخالفت کرتے اور بی بی عائشہ اس کی تائید کرتیں تو یزید کی حکومت قائم نہیں ہو سکتی تھی۔ لیکن سیاست اور حکومت کے بھی اپنے انداز ہوتے ہیں۔ اہل حکومت اپنے مخالفین کو خفیہ طریقوں سے راستے سے بنا دیتے ہیں جیسا کہ عبدالرحمن کو راستے سے ہٹایا گیا اور اسی طرح مالک اشتر کو مصر راستے میں جاتے ہوئے راستے میں اپنے ایک ایجنٹ کے ذریعہ سے زہر دلوا کر راستے سے ہٹایا گیا تھا۔

بیعت یزید کی راہ ہموار کرنے کے لیے عبدالرحمن کو راستے سے ہٹایا گیا اور اس سے قبل معاویہ نے امام حسن مجتبیٰ کو اپنا حریف سمجھ کر زہر دلوائی تھی کیونکہ وہ سمجھتا تھا کہ حسن کی موجودگی میں وہ کسی کو جانشین مقرر کرنے کا مجاز نہیں ہے اور یزید کا راستہ ہموار کرنے کے لیے سعد بن ابی وقاص اور عبدالرحمن بن خالد بن ولید کا پتہ صاف کیا گیا۔ یہ تمام حالات و واقعات بی بی عائشہ کی نگاہوں سے اوجھل نہیں تھے۔ اموی حکومت کی ظالمانہ پالیسیوں نے بی بی کو احتجاج کرنے پر مجبور کر دیا اور اس احتجاج کا آغاز انہوں نے مروان اور اس کے باپ کا کچا چھٹہ کھول کر کیا اور دوسری طرف سے معاویہ نے آل محمد کی کردار کشی کی مہم شروع کر رکھی تھی اور اس کے حکم سے مسلمانوں کے منبروں پر حضرت علی علیہ السلام پر سب شتم کیا جانے لگا تھا۔

اندیس حالات ام المومنین نے اموی حکومت سے اپنے تعلقات پر نظر ثانی کی اور حضرت علیؑ و جناب فاطمہؑ کے فضائل و مناقب بیان کرنے لگ گئیں۔ اور

یہ دو آخری احادیث بھی ان کے اسی دور سے تعلق رکھتی ہیں۔ جب کہ اس سے پہلے تو وہ یہ کہتی رہی تھیں کہ رسول خدا ان کے سینے سے ٹیک لگائے ہوئے فوت ہوئے تھے۔ لیکن جب سیاسی منظر نامہ تبدیل ہوا تو انہوں نے اپنے سابقہ موقف کی تردید کی اور کہا کہ رسول خدا کی وفات حضرت علیؑ کے سینے پر ہوئی۔

حضرت ام المومنین سے حضرت علیؑ اور جناب زہرا کے فضائل کی جتنی بھی احادیث مروی ہیں ان سب کا تعلق اسی دور سے ہے جب وہ معاویہ و مروان سے تعلقات پر نظر ثانی کر چکی تھیں اور ان کے مخالفہ کپ کی رکن بن چکی تھیں۔

ویسے یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ بی بی عائشہ نے اہل بیتؑ کو حکومت سے دور رکھنے میں کلیدی کردار ادا کیا تھا اور وہ قریش کی اس خواہش سے اتفاق کرتی تھیں کہ ایک ہی گھر میں نبوت و خلافت جمع نہیں ہونی چاہیے اور اب ہم قریش کی اس خواہش پر تفصیلی بحث کرنا چاہتے ہیں۔



فضائل علیؑ کو چھپانے اور ان پر سب و شتم کے اسباب و علل

فصل کے آغاز میں ہم اس کا سبب بیان کرنا چاہتے ہیں پھر ہم فضائل علیؑ کو چھپانے اور ان پر سب و شتم کے اسباب و علل کا جائزہ لیں گے۔
قریش کی خواہش

اصل بات یہ ہے کہ قریش یہ نہیں چاہتے تھے کہ نبوت اور خلافت بنی ہاشم میں جمع ہو جائے۔

طبری نے دو مکالمے رقم کیے ہیں جو کہ حضرت عمر اور حضرت ابن عباس کے درمیان ہوئے اور وہ مکالمے کچھ اس طرح سے ہیں۔

حضرت عمر نے ابن عباس سے کہا۔

حضرت عمر: تمہاری قوم قریش نے تمہیں حکومت سے کیوں محروم رکھا؟

ابن عباس: میں نہیں جانتا۔

حضرت عمر: میں جانتا ہوں۔ قریش تمہاری حکومت کو ناپسند کرتے ہیں۔

ابن عباس: مگر ہم نے تو قریش سے ہمیشہ بھلائی کی ہے (اس کے باوجود وہ تمہاری

حکومت کو ناپسند کیوں کرتے ہیں؟)

حضرت عمر: وہ نہیں چاہتے کہ نبوت و خلافت تم میں جمع ہو جائے اور تم فخر کرنے لگے

جاؤ اور اس مقام پر تم شاید یہ کہو گے کہ ابو بکر نے ابراہیمؑ کا تھا لیکن خدا گواہ

ہے کہ ابو بکر نے انتہائی محتاط رویہ اختیار کیا تھا۔

دوسرا مکالمہ

حضرت عمر: کیا تجھے معلوم ہے کہ محمد مصطفیٰ کے بعد تمہاری قوم نے تمہیں حکومت و خلافت سے علیحدہ کیوں رکھا؟

ابن عباس کہتے ہیں کہ میں نے اسے کوئی جواب دینے سے گریز کیا۔ پھر میں نے کہا اگر مجھے معلوم نہیں ہے تو امیر المؤمنین کو تو معلوم ہی ہے اور وہ مجھے وہ سب بتائیں گے جس کی وجہ سے ہماری قوم نے ہمیں حکومت سے دور رکھا۔

حضرت عمر: تمہاری قوم نبوت و خلافت کا تم میں اجتماع پسند نہیں کرتی اور یہ نہیں چاہتی کہ تم اپنی قوم پر فخر کرنے لگ جاؤ۔ اسی لیے قریش نے اپنے لیے ایک لائحہ عمل اختیار کیا اور انہوں نے درست لائحہ عمل اختیار کیا اور وہ کامیاب ہوئے۔

ابن عباس: اگر آپ ناراض نہ ہوں تو میں کچھ کہوں؟
حضرت عمر: ہاں ہاں کہو۔

ابن عباس: آپ کا یہ کہنا کہ ”قریش نے اپنے لیے ایک صحیح لائحہ عمل چنا اور وہ کامیاب ہو گئے۔ (مجھے اس بات سے اختلاف ہے) اگر اس کی بجائے قریش اسے چن لیتے جسے خدا نے چنا تھا تو ان کا عمل صحیح کہلاتا اور وہ حسد سے بچ سکتے تھے اور آپکا یہ کہنا کہ ”قریش ہمارے اندر خلافت و نبوت کا اجتماع پسند نہیں کرتے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسی ہی ایک قوم کی حاسدانہ روش کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ ذَلِكْ بِاَنْهُمْ كَرِهُوا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَخْبَطَ اَعْمَالَهُمْ۔ بات یہ ہے کہ انہوں نے خدا کے نازل کردہ حکم کو ناپسند کیا اللہ نے ان کے عمل ضائع کر دیے۔

حضرت عمر: ابن عباس ایسا ہرگز نہیں ہے۔ مجھے تیری طرف سے کچھ باتیں پہنچتی رہی

ہیں اور میں ان باتوں کا تذکرہ کر کے تیری قدر و منزلت کو کم نہیں کرنا چاہتا تھا۔

ابن عباس: وہ باتیں مجھے بھی بتائیں اگر وہ باتیں سچ ہیں تو سچی باتوں کی وجہ سے میری قدر و منزلت کم نہ ہوگی اور اگر وہ باتیں جھوٹی ہیں تو میں ان کی تردید کرنا بھی جانتا ہوں۔

حضرت عمر: مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگوں سے یہ کہتے ہو کہ لوگوں نے حسد و ظلم کی وجہ سے تمہیں خلافت سے محروم رکھا ہے؟

ابن عباس: جہاں تک ظلم کا تعلق ہے تو اس کے لیے جاہل و حلیم کو سب کچھ معلوم ہے اور جہاں تک حسد کا سوال ہے تو ابلیس نے آدم سے حسد کیا تھا اور ہم آدم کی اولاد ہیں اور ہم سے بھی حسد کیا جاتا ہے۔

حضرت عمر: بنی ہاشم تمہارے دلوں سے حسد اور دشمنی ختم نہیں ہوئی۔

ابن عباس: امیر المؤمنین! ٹھہریے! آپ ان لوگوں کی طرف حسد اور دشمنی منسوب نہیں کر سکتے جن سے اللہ نے ہر طرح کی ناپاکی کو دور رکھا ہے اور انہیں کامل پاکیزگی عنایت کی ہے اور رسول خدا کا دل بھی بنی ہاشم کے دلوں میں سے تھا۔

حضرت عمر: ابن عباس! میرے پاس سے اٹھ کر چلے جاؤ۔

ابن عباس: میں آپ کے حکم کی تعمیل کرتا ہوں۔

ابن عباس کہتے ہیں کہ جب میں اٹھ کر جانے لگا تو حضرت عمر نے مجھ سے کہا:

حضرت عمر: ابن عباس! ٹھہر جاؤ۔ میں تمہارے حق کا خیال رکھنے والا ہوں اور تمہاری خوشی کا خواہش مند ہوں۔

ابن عباس: امیر المؤمنین! میرا آپ پر اور ہر مسلمان پر حق ہے جو اس کے حق کی حفاظت

کرے گا وہ اپنا حصہ پائے گا اور جو اس حق کو ضائع کرے گا وہ اپنے حصہ کو ضائع کرے گا۔ پھر ابن عباس یہ کہہ کر اٹھے اور چلے گئے۔^(۱)

مذکورہ روایات کا تجزیہ

درج بالا دونوں مکالمات میں آپ نے دیکھا کہ پہلے مکالمہ میں حضرت عمر نے کہا کہ قریش اس بات کو پسند نہیں کرتے تھے کہ خلافت و نبوت ایک گھر میں جمع ہو جائے اور بنی ہاشم اس پر اترانے لگیں۔

دوسرے مکالمہ میں حضرت عمر نے کہا:

”قریش نے اپنے لیے ایک لاکھ عمل اختیار کیا اور انہوں نے درست لاکھ عمل کا انتخاب کیا اور وہ کامیاب ہو گئے۔“

اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قریش نے ایسا کر کے صرف اپنے منہی جذبات کو تسکین پہنچائی اور کاش اگر اس کے ساتھ حضرت عمر یہ وضاحت بھی کر دیتے کہ قریش سے ان کی کیا مراد ہے اور قریش کے کس قبیلہ کے افراد نے یہ اقدام کیا اور وہ کون لوگ تھے جنہوں نے ایسا کر کے اقتدار حاصل کیا؟

اگر حضرت عمر اس سوال کی مکمل وضاحت کر دیتے تو حقائق زیادہ واضح صورت میں دکھائی دیتے۔ جب کہ اس وضاحت کے بغیر بھی حقائق اتنے واضح ہیں کہ ہر عام و خاص کو اس کا جواب معلوم ہے۔

حضرت عمر یقیناً ایک ذہین انسان تھے انہوں نے یہ کہا کہ ”قریش نے اپنے لیے ایک لاکھ عمل چنا اور وہ اس میں کامیاب رہے“ مگر انہوں نے قریش کے اس عمل کی توجیہ کے لیے قرآن مجید اور سنت رسول کا کوئی حوالہ نہیں دیا۔

اور دوسری طرف ہم جس وقت ابن عباس کا جواب دیکھتے ہیں تو وہ ہمیں

۱۔ تاریخ طبری طبع مصر ۱/۳۰-۳۲۔ طبع یورپ ۱/۲۷۸-۲۷۷-۲۷۷۔ در ذکر سیرت عمر

حوادث ۲۳ھ۔ تاریخ ابن اثیر ۳/۲۳-۲۵۔

یہ کہتے ہوئے دکھائی دیتے ہیں:

”اگر اس کی بجائے قریش سے چن لیتے جسے خدا نے چنا تھا تو ان کا عمل

صحیح کہلاتا۔“

ابن عباس کے اس جواب سے دو باتیں ظاہر ہوتی ہیں:

۱۔ قریش نے خدا کے پنے ہوئے فرد کو مسترد کیا اور ان کا چناؤ خدا کے چناؤ کے خلاف تھا۔ مقصد یہ ہے کہ حضرت علی کی خلافت و امامت خدا کی طرف سے تھی جب کہ ان کے حریفوں کی خلافت خدا و رسول کی طرف سے ہرگز نہیں تھی۔

۲۔ قریش کو اپنی صوابدید کے تحت کسی کو منتخب کرنے کا حق حاصل نہیں ہے۔

کیونکہ اللہ تعالیٰ نے سورہ الاحزاب میں فرمایا۔

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا لِمُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ يَكُونَ لَهُمُ الْخِيَرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا. (الاحزاب ۳۶)

”اور کسی مومن مرد یا عورت کو اختیار نہیں ہے کہ جب خدا اور اس کا

رسول کسی امر کے بارے میں فیصلہ کر دیں تو وہ بھی اپنے امر

کے بارے میں صاحب اختیار بن جائے اور جو بھی خدا و رسول کی

نافرمانی کرے گا وہ بڑی کھلی ہوئی گمراہی میں مبتلا ہوگا۔“

علاوہ ازیں ابن عباس نے قریش کے اس حاسدانہ نظریہ کی بھی پورے طور

پر مذمت کی کہ خلافت و نبوت ایک گھر میں جمع نہیں ہونی چاہیے اور انہوں نے

قریش کے کردار کی مذمت میں قرآن مجید کی یہ آیت پڑھی۔

ذَلِكَ بِأَنَّهُمْ كَرِهُوا مَا أَنْزَلَ اللَّهُ فَأَخْبَطَ أَعْمَالَهُمْ.

(محمد : ۹)

”یہ اس لیے کہ انہوں نے خدا کے نازل کردہ احکام کو برا سمجھا تو خدا نے بھی ان کے اعمال ضائع کر دیے۔“

حبط اعمال کی تفصیلی بحث کے لیے ہماری کتاب عقائد الاسلام کے باب جزاء الاعمال کا مطالعہ فرمائیں۔

ابن عباس نے اپنے جواب میں یہ موقف اختیار کیا تھا کہ خلافت کے لیے خدا کا نامزد کردہ شخص اور ہے اور قریش کا نامزد کردہ فرد اور ہے۔ ابن عباس کے اس موقف کی حضرت عمر نے تردید نہیں کی اور انہوں نے سلسلہ کلام جاری رکھتے ہوئے کہا کہ مجھے معلوم ہوا ہے کہ تم لوگوں سے کہتے پھرتے ہوئے کہ ”ظلم و ستم سے تم سے خلافت لے لی گئی۔“

اس کے جواب میں ابن عباس نے اس کی تردید نہیں کی بلکہ یہ کہہ کر اپنی حجت کو مزید مستحکم کیا کہ ”جہاں تک ظلم کا سوال ہے تو ہر جاہل اور حلیم اس کے متعلق بخوبی جانتا ہے“ اس جملہ سے ابن عباس نے درحقیقت یہ واضح کیا کہ علیؑ یا صرف بنی ہاشم ہی اسے ظلم قرار نہیں دیتے بلکہ تمام لوگ خواہ وہ عالم ہوں یا جاہل سب ہی یہی کہہ رہے ہیں۔

لفظ ”حسد“ کے متعلق ابن عباس نے کہا:

”ابلیس نے آدمؑ سے حسد کیا تھا اور ہم اس کی محسود اولاد ہیں۔“

اس جواب سے ابن عباس غالباً سورہ آل عمران کی اس آیت کی طرف

اشارہ کرنا چاہتے تھے:

إِنَّ اللَّهَ اصْطَفَىٰ آدَمَ وَنُوحًا وَآلَ إِبْرَاهِيمَ وَآلَ عِمْرَانَ عَلَى الْعَالَمِينَ ۚ ذُرِّيَّةً بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ. (۳۳. ۳۴)

”یقیناً اللہ نے آدمؑ اور نوحؑ اور آل ابراہیمؑ اور آل عمرانؑ کو تمام جہانوں میں سے منتخب کر لیا ہے یہ ایک نسل ہے جس میں ایک

سلسلہ ہے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔“

ابن عباس نے اس آیت کے مفہوم کی طرف اشارہ کرتے ہوئے یہ نکتہ واضح کیا کہ ابلیس نے آدم سے حسد کیا تھا اور ہم بھی آدم کی اولاد ہیں اس لیے اگر کوئی ہم سے حسد کرتا ہے تو اس میں اچنبھے کی کوئی بات نہیں ہے۔

علاوہ ازیں ابن عباس نے سورہ نساء کی اس آیت مجیدہ کی طرف بھی

اشارہ کیا ہے۔

أَمْ يَحْسُدُونَ النَّاسَ عَلَىٰ مَا آتَاهُمُ اللَّهُ مِنْ فَضْلِهِ فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَهُمْ مُلْكًا عَظِيمًا. (النساء ۵۴)

”یا وہ ان لوگوں سے حسد کرتے ہیں جنہیں خدا نے اپنے فضل و کرم سے بہت کچھ عطا کیا ہے تو پھر ہم نے آل ابراہیم کو کتاب و حکمت اور ملک عظیم سب کچھ عطا کیا ہے۔“

روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ کتاب سے مراد قرآن، حکمت سے مراد نبوت اور ملک عظیم سے مراد امامت اور آل ابراہیم سے مراد آل محمد ہیں اور یہ بات بالکل واضح بھی ہے۔

ہم دوسرے مکالمہ میں دیکھتے ہیں کہ جب حضرت عمر ابن عباس کے استدلال سے عاجز آگئے تو انہوں نے کہا:

بنی ہاشم! خدا کی قسم آج تک تمہارے دلوں سے حسد نہ نکلا اور تمہارے دلوں سے دشمنی ختم نہ ہوئی۔

ابن عباس نے ترکی بہ ترکی جواب دیتے ہوئے کہا:

امیر المؤمنین! جلدی نہ کریں آپ ان دلوں کو حسد اور دشمنی سے معمور کیوں کر کہہ سکتے ہیں جن کے متعلق اللہ تعالیٰ نے یہ گواہی دی ہے کہ اس نے ان

سے ہر طرح کی ناپاکی کو دور رکھا ہے۔ علاوہ ازیں رسول کریمؐ کا دل بھی تو بنی ہاشم کے دلوں میں سے ایک تھا۔

ہم حضرت عمر کے جملہ کو ثقیل سمجھ کر اس کی تشریح نہیں کرنا چاہتے البتہ یہ ضرور کہنا چاہتے ہیں کہ ابن عباس نے اپنے جواب کی بنیاد آیت تطہیر پر رکھی ہے۔ جو کہ حسب ذیل ہے:

إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُذْهِبَ عَنْكُمُ الرِّجْسَ أَهْلَ الْبَيْتِ
وَيُطَهِّرَكُمْ تَطْهِيرًا. (الاحزاب ۳۳)

”اے اہل بیت! اللہ کا ارادہ بس یہ ہے کہ تم سے ہر قسم کی ناپاکی کو دور رکھے اور اس طرح پاک و پاکیزہ رکھے جیسا پاک و پاکیزہ رکھنے کا حق ہے۔“

آخر کار جب حضرت عمر ابن عباس کے دلائل کا کوئی تسلی بخش جواب نہ دے سکے تو انہوں نے ان سے کہا کہ تم یہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ۔

حضرت عمر کے لب و لہجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف قریش ہی بنی ہاشم میں خلافت و نبوت کے اجتماع کو ناپسند نہیں کرتے تھے بلکہ حضرت عمر بھی اس مسئلہ میں ان کے موید تھے۔ اور انہیں ہمیشہ یہ خوف دامن گیر رہتا تھا کہ ان کی وفات کے بعد کہیں بنی ہاشم خلافت کا مطالبہ نہ کریں اور ان کے خوف کا اظہار ان کی ایک دوسری گفتگو سے ہوتا ہے جو انہوں نے ابن عباس سے کی تھی۔

اس گفتگو کا پس منظر یہ ہے کہ ”حمص“ کے گورنر کی وفات ہوئی تو حضرت عمر نے ابن عباس سے کہا:

ابن عباس! حمص کا عامل مر گیا ہے اور وہ ایک اچھا انسان تھا اور اچھے انسان کم ہوتے ہیں اور میرا خیال ہے کہ تو بھی اچھے انسانوں میں سے ایک ہے۔ البتہ میرے دل میں تیرے متعلق ایک خلش موجود ہے جس کا مظاہرہ میں نے تیری

طرف سے نہیں دیکھا اور اس خلش نے مجھے عاجز کر دیا ہے۔ گورنر بننے کے متعلق تیری رائے کیا ہے؟

ابن عباس نے کہا۔ میں اس وقت تک کوئی سرکاری عہدہ قبول نہیں کروں گا جب آپ اپنے مافی الضمیر کا اظہار نہیں کریں گے۔
حضرت عمر نے کہا:

اس سے تو کیا چاہتا ہے؟

ابن عباس نے کہا۔ میں اس لیے جاننا چاہتا ہوں تاکہ مجھے معلوم ہو جائے کہ مجھ میں ایسی کون سی بات پائی جاتی ہے جس کی وجہ سے آپ میرے متعلق پریشان ہیں۔ اگر میں اس بات سے بے گناہ ہوا تو میں آپ کی طرف سے عہدہ قبول کروں گا ورنہ نہیں اور ویسے بھی آپ جلد باز نہیں ہیں۔

حضرت عمر نے کہا: بات یہ ہے کہ مجھے تیرے متعلق ہمیشہ یہ اندیشہ رہتا ہے کہ اگر میں نے تجھے عہدہ پر فائز کر دیا اور میں مر گیا تو تو لوگوں کو اپنی خلافت کی طرف دعوت دینے لگ جائے گا اور لوگوں کو کسی دوسری طرف نہیں جانے دے گا۔

(مروج الذهب مسعودی ۲/۳۲۱-۳۲۲)

حضرت عمرؓ کی اس گفتگو کے لب و لہجہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے یہ گفتگو زندگی کے آخری ایام میں کی ہوگی۔ اور اس سے یہ بات بھی کھل کر سامنے آتی ہے کہ آپ یہ بات ہرگز پسند نہیں کرتے تھے کہ ان کے بعد مسند خلافت پر بنی ہاشم متمکن ہو جائیں۔

صحیح بخاری میں ایک طویل روایت موجود ہے جس کا خلاصہ یہ ہے کہ حضرت عمر حج پر گئے ہوئے تھے انہیں معلوم ہوا کہ ایک شخص نے لوگوں سے کہا کہ اگر عمر کی وفات ہوئی تو میں فلاں کی بیعت کر لوں گا کیونکہ سقیفہ میں عمر نے ابوبکر کی بیعت کی تھی اور اگر ایک فرد کی بیعت سے حضرت ابوبکر کی خلافت قائم ہو سکتی ہے تو

پھر میری بیعت سے فلاں شخص کی خلافت قائم کیوں نہیں ہو سکتی؟

یہ بات حضرت عمر کو معلوم ہوئی تو انہیں سخت غصہ آیا اور انہوں نے کہا کہ میں اس مسئلہ کے متعلق مکہ میں ہی اجتماعِ مسلمین سے خطاب کرنا چاہتا ہوں۔ عبدالرحمن بن عوف نے انہیں ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا کہ آپ اس طرح کا اہم اعلان مکہ کی بجائے مدینہ میں کریں۔

بالآخر ایامِ حج تمام ہوئے اور تمام مسلمان مکہ سے اپنے اپنے گھروں کو روانہ ہو گئے اور حضرت عمر بھی مدینہ پہنچے۔ تو وہ جمعہ کے دن منبر نشین ہوئے اور انہوں نے کہا مجھے معلوم ہوا ہے کہ ایک شخص یہ کہتا پھر رہا ہے کہ میں عمر کے بعد فلاں شخص کی بیعت کر لوں گا۔ تمہیں ایسا نہیں کہنا چاہیے البتہ یہ صحیح ہے کہ ابوبکر کی بیعت اچانک ہوئی تھی لیکن اللہ نے اس کے شر سے بچا لیا تھا لیکن آج تمہارے معاشرے میں کوئی شخص ابوبکر جیسا نہیں ہے جس کی طرف لوگوں کی گردنیں اٹھتی ہوں۔

خبردار! جس نے بھی مشورہ کے بغیر کسی کی بیعت کی تو بیعت کرنے والے اور بیعت لینے والے دونوں افراد کو قتل کر دیا جائے۔^(۱)

قارئینِ کرام! آئیے چند لحظات کے لیے ہمارے ساتھ لیں اور مل کر تلاش کریں کہ حج کے موقع پر یہ الفاظ کس نے کہے تھے اور اس نے کسی کی بیعت کرنے کا کہا تھا؟ ابن ابی الحدید نے شرح صحیح البلاغہ می ہمیں اس کا سراغ دیا ہے۔ اس نے کہا یہ بات کہنے والا عمار بن یاسر تھا اور اس نے کہا تھا کہ اگر عمر مر گیا تو میں علی بن ابی طالب کی بیعت کروں گا۔

چنانچہ عمار کے اس قول کو سن کر حضرت عمر کو یہ خطبہ دینا پڑا۔^(۲)

۱- صحیح بخاری ۳/۱۱۹-۱۲۰۔ کتاب الحدود باب رجم الجلی من الزنا۔

۲- شرح صحیح البلاغہ ابن ابی الحدید در شرح خطبہ ۲۶۔

حضرت عمر کی گفتگو کا تجزیہ

حضرت عمر کے خطبہ سے یہ حقیقت پوری طرح عیاں ہوتی ہے کہ انہیں اس بات کا سخت اندیشہ تھا کہ اقتدار قریش سے کہیں نکل نہ جائے اور ان کے بعد صحابہ و تابعین کسی ایسے فرد کا انتخاب نہ کر لیں جو ان کی پسندیدہ شخصیت نہ ہو۔ چنانچہ اس ”غیر پسندیدہ“ شخص کو اقتدار سے باہر رکھنے کے لئے حضرت عمر نے بڑے جتن کئے۔ جیسا کہ انہوں نے مسجد نبوی میں اعلان کیا کہ جو شخص مسلمانوں کے مشورہ کے بغیر کسی کی بیعت کرے گا تو بیعت کرنے والے اور بیعت لینے والے دونوں کو قتل کر دیا جائے گا۔

ہم اس مقام پر بڑے ادب سے یہ پوچھنا چاہیں گے کہ اگر مشورہ مسلمین کے بغیر بیعت کرنے والا اور بیعت لینے والا دونوں واجب القتل ہیں تو آپ خود اپنے اور اپنے پیش رو کے متعلق کیا فرمائیں گے جسے آپ مشورہ مسلمین کے بغیر متعلق کیا فرمائیں گے؟

حضرت عمر ”غیر پسندیدہ شخص“ کو ہر قیمت پر اقتدار خلافت سے محروم دیکھنا چاہتے تھے۔ چنانچہ انہوں نے اپنی زندگی کے آخری ایام میں ایک شوریٰ تشکیل دیا تھا جس میں انتخاب کا تمام تر اختیار عبد الرحمن بن عوف کو منتقل کیا تھا، کیونکہ آپ جانتے تھے کہ عبد الرحمن بن عوف قریش کے اس اشرافیہ طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں: خلافت و نبوت کو ایک گھرانے میں نہیں دیکھ سکتا۔

عبد الرحمن بن عوف بھی اپنی فیصلہ کن حیثیت سے بخوبی واقف تھے اور جانتے تھے کہ اگر انہوں نے اپنے بچوں کو صحیح استعمال نہ کیا تو اقتدار قریش

اشرافیہ طبقہ سے نکل جائے گا اور نبوت و خلافت ایک ہی خاندان میں جمع ہو جائے گی۔ اس لئے عبدالرحمن نے گہری سوچ بچار کے بعد سیرت شیخین کی نئی شرط وضع کی اور وہ اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ حضرت علی قرآن و سنت کے علاوہ کسی بھی تیسری شرط کو ماننے پر آمادہ نہیں ہوں گے اور یوں علیؑ کو بڑی آسانی کے ساتھ خلافت و اقتدار پر سے علیحدہ رکھنا ممکن ہو جائے گا۔

شورئی دراصل ایک دکھاوے کی کارروائی تھی جب کہ حضرت عثمان کی خلافت کا فیصلہ ایوان خلافت میں پہلے سے کیا جا چکا تھا شورئی ایک رسمی کارروائی تھی کہ ہم کتاب ہذا میں پہلے ہی یہ روایت نقل کر چکے ہیں کہ حضرت عمر نے سعید بن عاص اموی کو بتا دیا تھا کہ ان کے بعد اقتدار ان کے قریبی رشتہ دار کو منتقل ہونے والا ہے۔ چنانچہ وہی ہوا جو انہوں نے کہا تھا۔ حضرت عمر کی وفات کے بعد حضرت عثمان منبر خلافت پر آئے جو کہ سعید بن العاص اموی کے قریبی عزیز تھے۔ واقعات کی ترتیب سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عثمان غیر متوقع طور پر اقتدار میں نہیں آئے تھے بلکہ ان کے لئے مدت سے منصوبہ بندی کی جا رہی تھی۔

من ترا حاجی بگویم تو مرا قاضی بگو

تاریخی واقعات کے گہرے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ صدر اسلام کی یہ شخصیات اس ایک نکتہ پر متفق تھیں کہ اقتدار بنی ہاشم کے ہاتھ میں نہیں جانا چاہئے اور اقتدار کی چکی ان کے گرد گردش کرتی رہے۔ ہماری یہ معروضات خدا نخواستہ کسی غلط فہمی یا دشمنی پر مبنی نہیں ہیں بلکہ تاریخی حقائق ہی کچھ اس طرح سے ہیں کہ سقیفہ بنی ساعدہ میں حضرت عمر ایڑی چوٹی کا زور صرف کر کے حضرت ابوبکر کو مسند خلافت پر

تھے۔ اور اس احسان کا فطری تقاضا یہ تھا کہ حضرت ابو بکر اپنے بعد حضرت عمر کو منتخب کریں۔ چنانچہ ایسا ہی ہوا جس کی توقع پہلے سے کی جا رہی تھی۔

حضرت ابو بکر کے زندگی کے آخری لمحات تھے، انہوں نے حضرت عثمان کو حکم دیا کہ تم میری طرف سے ایک وصیت نامہ تیار کرو، ابھی حضرت حضرت ابو بکر نے صرف یہ الفاظ لکھوائے تھے:

”هذا ما عهد ابو بكر الى المسلمين، اما بعد“

”یہ وہ دستاویز ہے جو ابو بکر نے مسلمانوں کے نام تحریر کی ہے۔“ یہ جملے لکھاتے ہی حضرت ابو بکر بے ہوش ہو گئے۔ اور حضرت عثمان نے یہ جملے لکھے۔

”فانی استخلفت علیکم عمر بن الخطاب“

”میں نے عمر بن خطاب کو تمہارا خلیفہ مقرر کیا ہے۔“

کچھ دیر بعد حضرت ابو بکر کو ہوش آیا تو انہوں نے حضرت عثمان سے پوچھا کہ تم نے کیا لکھا ہے؟ انہوں نے اپنے لکھے ہوئے جملے سنائے تو حضرت ابو بکر نے کہا تم نے میرے جذبات کی صحیح ترجمانی کی ہے۔

اب واقعات کا تسلسل کچھ یوں ہے کہ حضرت عمر نے حضرت ابو بکر کے اقتدار کے لئے اہم کردار ادا کیا تھا اسی لئے حضرت ابو بکر نے حضرت عمر کو اپنا جانشین مقرر کیا اور آخری وصیت لکھنے میں حضرت عثمان نے کلیدی کردار ادا کیا اور اپنے جذبات کا کھل کر وصیت نامہ میں اظہار کیا۔ حضرت عمر، حضرت عثمان کے اس احسان کو چکانا چاہتے تھے چنانچہ انہوں نے اس کے لیے بڑی ماہرانہ منصوبہ بندی (Planning) کی تھی اور اس منصوبہ بندی میں عبد الرحمن بن عوف نے کلیدی کردار ادا کیا تھا۔ حضرت عثمان، عبد الرحمن بن عوف کے ممنون احسان

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ اندرون خانہ یہ فیصلہ ہو چکا تھا کہ حضرت عثمان کے بعد عبد الرحمن بن عوف کی خدمات کا صلہ انہیں خلافت کی صورت میں دیا جائے۔ مگر کاتب تقدیر نے ساتھ نہ دیا عبد الرحمن اور حضرت عثمان میں سخت جھگڑا ہو گیا جس کے بعد عبد الرحمن، حضرت عثمان کی شکل دیکھنے تک کا روادار نہ رہا اور ۳۱ھ یا ۳۲ھ میں عبد الرحمن کی وفات ہوئی اور خلافت کی رسی کے بل آہستہ آہستہ کھلنے شروع ہوئے اور برسر اقتدار بنی امیہ اور قریش کی دوسری شاخوں میں تنازعات نے جنم لیا اور حضرت عائشہ نے بنی تمیم کی قیادت سنبھالی اور طلحہ وزیر بی بی کے پس پشت تھے اور حضرت عثمان مدینہ میں مہاجرین و انصار کی موجودگی میں قتل ہو گئے۔

(مزید تفصیل کے لئے ہماری کتاب احادیث ام المومنین عائشہ کا مطالعہ

فرمائیں)

حق دار کو حق مل گیا

حضرت عثمان کی وفات سے امت اسلامیہ بیعت سے آزاد ہو گئی اور انہوں نے حضرت علی علیہ السلام کے نام کا نعرہ بلند کیا اور یہ نعرہ بلند کرنے میں صحابہ کرام سب سے پیش پیش تھے۔ جب حضرت علیؑ کی بیعت ہو گئی اور آپ نے تمام اختیارات اپنے ہاتھ میں لے لئے تو آپ نے قریش کی وہ تمام جاگیریں ضبط کر لیں جو انہیں سابقہ ادوار میں عطا ہوئی تھیں اور آپ نے وظائف کے لئے قریش اور غیہ قریش کا فرق ختم کر دیا اور تمام مسلمانوں کو مساوی طور پر وظیفہ دینے کا اعلان کیا۔ جب قریش نے اپنی مراعات کو یوں ختم ہوتے ہوئے اور اپنا

جاگیروں کو بحق سرکار ضبط ہوتے اور امت کے غربا و مساکین میں تقسیم ہوتے دیکھا تو انہوں نے آپ کے خلاف علم بغاوت بلند کر دیا اور چار ماہ بعد جنگ جمل برپا رہی۔ جس کے لئے رقم مروان اور دیگر بنی امیہ نے فراہم کی تھی اور طلحہ وزبیر اور ام المومنین نے اس جنگ کی قیادت کی تھی۔ اور تاریخ کا یہ عجیب ستم ہے کہ جنگ جمل خون عثمان کے نام پر لڑی گئی اور اس جنگ کے سربراہ اور محرک وہی تھے جو قتل عثمان کے محرک تھے۔

ابھی جنگ جمل کے شعلے بجھے ہی تھی کہ قریش نے حضرت علیؑ کے خلاف جنگ صفین مسلط کر دی اور جنگ صفین میں تحکیم کے بعد گروہ خواج نمودار ہوا۔ جن سے آپ کو نہروان کے مقام پر جنگ کرنا پڑی۔

الغرض قریش نے پورے پچیس سال تک باقاعدہ منصوبہ بندی کے تحت حضرت علیؑ کو اقتدار سے محروم رکھا اور اگر آپ کسی طرح سے مسند خلافت پر فائز بھی ہو گئے تو آپ کو چین سے نہ بیٹھنے دیا گیا اور آپ پر خون ریز جنگیں مسلط کر دی گئیں۔ یہ سب کچھ اس لئے ہوا کہ قریش کو یہ بات پسند نہ تھی کہ نبوت و خلافت ایک ہی گھرانے میں جمع ہو جائے۔

امیر المومنینؑ نے قریش کے مظالم کا بار بار تذکرہ کیا اور آپ نے اپنے بھائی عقیل کے نام ایک خط میں تحریر کیا:

فدع عنک قریشا التبہفی الضلال وتجوالمہم فی
الشقاق وجماحہم فی التسیہ فانہم قد اجمعوا علی
حربی کما جماعہم علی حرب رسول اللہ () قبلی
فجزت قریشا عنی الجوازی فقد قطعوا رحمی

(نسخ البلاغ، مکتوب ۳۶)

”تم قریش کے گمراہی میں دوڑ لگانے، سرکشی میں جولانیاں کرنے اور ضلالت میں منہ زوری دکھانے کی باتیں چھوڑ دو۔ انہوں نے مجھ سے جنگ کرنے میں اسی طرح ایسا کیا ہے جس طرح وہ مجھ سے پہلے رسول خدا سے لڑنے کے لئے ایسا کئے ہوئے تھے۔ خدا کرے ان کی کرنی ان کے سامنے آئے انہوں نے میرے رشتے کا کوئی لحاظ نہ کیا اور میرے ماں جائے کی حکومت مجھ سے چھین لی۔۔۔۔“

ایک قریش سے ایک بار حضرت کا تلخ مباحثہ ہوا، جس کا حال آپ نے اپنے ایک خطبہ میں ان الفاظ میں بیان کیا:

وقد قال قائل : انك على هذا الامر لحريص . فقلت :
 بن انتم وانلثه لا حرص وابعث وانا احرص واقرب وانما
 طلعت حقالي وانتم تحولون بيني وبينه وتضربون
 وجهي دونه فلما قرعته بالحجة في الملاء الحاضرين
 هب كانه (بہت) لا يدري مايجيبني به . اللهم اني
 استعينك على قریش ومن اعانهم فانهم قطعوا رحمتي
 وصغروا واعظيهم منزلتي واجمعوا على منازعتي
 (امرا) هولی، ثم قالوا : الا ان (فی) الحق ان تاخذہ
 وفي الحق ان تتركه .

(سُج البلاغہ خطبہ ۱۷۰)

”مجھ سے ایک کہنے والے نے کہا کہ اے ابن ابی

طالب آپ تو اس خلافت پر لپچائے ہوئے ہیں تو میں نے کہا
 ”خدا کی قسم تم اس پر کہیں زیادہ حریص اور (اس منصب کی
 اہلیت سے) دور ہو۔ اور میں اس کا اہل اور (پیغمبر سے)
 نزدیک تر ہوں۔ میں نے تو اپنا حق طلب کیا ہے اور تم میرے
 اور میرے حق کے درمیان حائل ہو جاتے ہو اور جب اسے
 حاصل کرنا چاہتا ہوں تو تم میرا رخ موڑ دیتے ہو چنانچہ جب
 بھری محفل میں میں نے اس دلیل سے اس (کے کان کے
 پردوں) کو کھولا تو وہ چونکا ہوا اور اس طرح مبہوت ہو کر رہ گیا
 کہ اسے کوئی جواب نہ سوجھتا تھا خدایا! میں قریش اور ان کے
 مددگاروں کے خلاف تجھ سے مدد چاہتا ہوں، کیونکہ انہوں نے
 قطع رحمی کی اور میرے مرتبہ کی بلندی کو پست سمجھا اور اس
 (خلافت) پر کہ جو میرے لئے مخصوص تھی نکرانے کے لئے ایکا
 کر لیا ہے۔ پھر کہتے ہیں کہ حق تو یہ ہے کہ آپ اسے لیں اور
 یہ بھی حق ہے کہ آپ اس سے دست بردار ہو جائیں۔“

حضرتؑ نے ایک اور خطبہ میں ارشاد فرمایا:

اللهم انى استعدادك على قریش ومن اعانهم فانهم
 قطعوا رحمى واكفوا انانى واجمعوا على منازعتى
 حقا كنت اولى به من غيرى وقالوا الان فى الحق ان
 تاخذہ وفى الحق ان تمنعه فاصبر مغموما وامت
 متاسفا. فنظرت فاذايس لى روافد ولاذباب وه مساعد

الاعلى الداهل بىسى فضنتت بهم عن المنية فاغضيت
على القذى وجرعت ريقى على الشجى وصبرت من كظم
الغيظ على امر من العلقم والم للقلب من حزا لشفار.

(نسخ البلاغہ خطبہ ۲۱۵)

”خدايا! میں قریش سے انتقام لینے پر تجھ سے مدد کا
خواستگار ہوں، کیونکہ انہوں نے میری قرابت اور عزیز داری
کے بندھن توڑ دیئے اور میرے طرف (عزت و حرمت) کو
اندھا کر دیا اور اس حق میں جس کا میں سب سے زیادہ اہل
ہوں جھگڑا کرنے کے لئے ایسا کر لیا اور یہ کہنے لگے کہ یہ بھی حق
ہے کہ آپ اسے لے لیں اور یہ بھی حق ہے کہ آپ کو اس سے
روک دیا جائے، یا تم غم و حزن کی حالت میں صبر کیجئے یا رنج و
اندوہ سے مر جائیے۔ میں نے نگاہ دوڑائی تو مجھے اپنے اہل
بیت کے سوانہ کوئی معاون نظر آیا اور نہ ہی کوئی سینہ سپر اور معین
دکھائی دیا تو میں نے انہیں موت کے منہ میں دینے سے بخل
کیا۔ آنکھوں میں خس و خاشاک تھا مگر میں نے چشم پوشی کی،
حلق میں (غم و رنج کے) پھندے تھے مگر میں لعاب دہن نگلتا
رہا اور غم و غصہ پی لینے کی وجہ سے ایسے حالات پر صبر کیا جو حنظل
(اندراٹن) سے زیادہ تلخ اور دل کے لئے چھریوں کے کچوکوں
سے زیادہ المناک تھے۔“

آخر کار آپ ایک خارجی کے ہاتھوں مسجد کوفہ میں شہید ہوئے اور آپ

کی شہادت کے بعد معاویہ بن ابی سفیان اسلامی دنیا کے سیاہ و سفید کا مالک بن گیا اور سن ۴۰ ہجری کو معاویہ کا اقتدار مکمل ہوا۔ اسی لئے معاویہ کے ہی خواہوں نے اس سال کا نام ”عامۃ الجماعۃ“ رکھا۔ جب کہ وہ سال قریش کے لئے یقیناً جماعت و اجتماع کا سال تھا لیکن امت اسلامیہ کے لئے تاریک ترین سال تھا۔ معاویہ نے بلا شرکت غیرے پورے بیس تک حکومت کی اور ۶۰ھ میں اس کی موت واقع ہوئی۔

حدیث رسولؐ لکھنے کی ممانعت

قریش حضرت علیؑ سے شدید عداوت رکھتے تھے اور وہ کسی قیمت پر حضرت علیؑ کی خلافت کو برداشت کرنے پر آمادہ نہ تھے۔ انہوں نے اپنے مقصد کے حصول کے لئے حدیث پیغمبر کی نشر و اشاعت کو ممنوع قرار دیا تھا، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ اگر احادیث رسول پر قدغن نہ لگائی گئی تو حضرت علیؑ کے فضائل لوگوں تک پہنچیں گے اور پھر لوگ حضرت علیؑ کی حمایت کریں گے، جس سے ان کے منصوبے خاک میں مل جائیں گے۔ اس مقصد کے حصول کے لئے انہوں نے احادیث پیغمبر کی اشاعت کو روکنے کی ہر ممکن کوشش کی، اور اس کے ثبوت کے لئے حسب ذیل روایت پڑھیں، عبداللہ بن عمرو بن العاص کا بیان ہے:

كنت اكتب كل شئى اسمه من رسول الله (ص)
 فنمسنى قريش وقالوا: تكتب كل شئى تسمعه من
 رسول الله ورسول الله بشر يتكلم فى الغضب والرضا
 فامسكت عن الكتابة فذكرت ذلك لرسول الله
 فامباصبه الى فيه وقال اكتب: فوالذى نفسى بيده

ماخروج منه الاحق.

”میں رسول خدا سے جو کچھ بھی سنتا تو اسے لکھ لیتا تھا۔ قریش نے مجھے منع کیا اور کہا تو رسول اللہ سے سن کر ہر چیز لکھ لیتا ہے جب کہ رسول خدا ایک انسان ہیں غصہ اور رضا میں گفتگو کرتے ہیں۔ یہ بات سن کر میں نے احادیث کو لکھنا چھوڑ دیا۔ پھر میں نے اس بات کا تذکرہ رسول خدا سے کیا تو آپ نے اپنی انگلی کے ذریعہ اپنے منہ کی طرف اشارہ کر کے فرمایا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس منہ سے حق کے علاوہ اور کچھ نہیں نکلتا۔“

قریش نے عبد اللہ بن عمرو کو دو وجوہات کی بنیاد پر احادیث لکھنے سے منع کیا۔

- (۱) ہو سکتا ہے کہ آنحضرت غصہ میں ہوں اور کسی کی خواہ مخواہ مذمت کر دیں۔
- (۲) یا یہ بھی ممکن ہے کہ رسول خدا کسی سے خوش ہو کر اس کے حق میں کچھ زیادہ ہی فضائل بیان کر دیں۔

قریش نے اپنے اس نظریہ سے احادیث رسول کی اہمیت کو ہی ختم کر دیا۔ کیونکہ پہلی صورت میں رسول خدا کی توہین لازم آتی ہے کہ آپ ایک انسان ہر اور یہ بات بعید نہیں ہے کہ غصہ کی حالت میں کسی کی خواہ مخواہ مذمت کر دیں۔ قریش کا اصل مقصد یہ تھا کہ رسول خدا نے وقتاً فوقتاً ان کی جو مذمت کی ہے اسے بے اثر بنا دیا جائے اور اپنے آپ کو قابل مذمت قرار دلوانے کی بجائے اسے رسول خدا کی حالت غضب کے نام سے تعبیر کیا جائے۔

(۳) اور اگر رسول خدا کسی کی تعریف و توصیف میں کچھ کہیں تو اسے آنحضرت کی حالت رضا سے تعبیر کیا جائے۔ قریش جانتے تھے کہ رسول خدا وقتاً فوقتاً ان کی مذمت کرتے رہتے ہیں اور ہر موقع پر علیؑ کی تعریف کرتے ہیں۔ لہذا انہوں نے آنحضرت کو ایک عام انسان قرار دے کر اپنی مذمت کی احادیث کو بے اثر اور علیؑ کی فضائل کی احادیث کو نعوذ باللہ لغو قرار دیا۔ قریش کی نظر میں رسول خدا کی احادیث کی کوئی اہمیت نہیں تھی۔ یہی وجہ تھی کہ جب رسول خدا نے زندگی کے آخری ایام میں قلم دوات طلب کی تو آپ کو قلم دوات دینے سے نہ صرف روکا گیا بلکہ آنحضرت کے دماغ پر بھی حملہ کیا گیا اور کہا گیا کہ (نعوذ باللہ) آپ ہذیان کہہ رہے ہیں۔

احادیث پیغمبر کے متعلق یہ ساری پیش بندی اس لئے کی گئی کہ اگر کل کلاں رسول کسی کی خلافت کا اعلان بھی کر دیں اور اگر نبی خلافت و نبوت کو ایک گھر میں جمع کرنا چاہیں تو ہمارے لئے انکار کا دروازہ کھلا رہے اور حضور اکرم کو قلم دوات سے بھی اس لئے محروم کیا گیا کہ بعض ذہین اشخاص نے یہ جان لیا تھا کہ رسول خدا آخری وقت میں علیؑ کی خلافت و امامت کے متعلق دستاویز لکھنا چاہتے ہیں اسی لئے انہوں نے قلم دوات دینے سے انکار کیا اور پھر انہوں نے سوچا کہ اگر کسی نے قلم دوات حوالے بھی کر دی اور رسولؐ نے لکھ بھی دیا تو ہم کیا کریں گے؟

اس کا حل انہوں نے یہ نکالا کہ رسول خدا پر ہذیان کی تہمت لگائی گئی مقصد یہ تھا کہ اگر اس طرح کی کوئی دستاویز منظر عام پر آگئی تو ہم یہ کہہ کر اسے ٹھکرا دیں گے کہ یہ بیماری اور ہذیان کی حالت میں تحریر کی گئی ہے لہذا اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

اسی خدشہ کی پیش نظر حضرت عمر نے اپنے دور خلافت میں حدیث پیغمبر کی کتابت پر پابندی عائد کر دی تھی اور صحابہ کے پاس حدیث کے جتنے بھی لکھے ہوئے نسخے موجود تھے ان تمام نسخوں کو نذر آتش کر دیا تھا اور یہ پابندی عمر بن عبد العزیز کے دور تک جاری رہی۔

اس موضوع کی تفصیلی بحث کتاب ہذا کی جلد دوم میں ملاحظہ فرمائیں۔

قریش و اموی سیاست

(۱) معاویہ کے دور میں

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں رقم طراز ہیں کہ ابو عثمان جاحظ نے کہا: معاویہ نے شام، عراق اور دیگر صوبوں کے رہنے والوں کو حکم دیا کہ وہ حضرت علیؓ پر سب و شتم کریں اور ان سے بیزاری اختیار کریں۔ معاویہ کے اس فرمان کی تمام منابر اسلام پر تعمیل کی گئی اور بنی امیہ کے عہد حکومت میں اسے سنت کا درجہ دیا گیا۔ جب عمر بن عبد العزیز خلیفہ بنے تو انہوں نے اس رسم بد کا خاتمہ کیا۔ ہمارے شیخ ابو عثمان جاحظ نے بیان کیا کہ معاویہ اپنے خطبہ کے آخر میں یہ جملہ کہتا تھا۔

اللهم ان ابتراب الحد في دينك وصد عن سبيلك

فالعنه لعنا وبيلا وعذبه عذابا الیما.

”خدا یا! ابتراب نے تیرے دن میں الحاد کیا اور تیرے راستے

سے روکا تو اس پر سخت گرفت والی لعنت نازل کر اور اسے سخت

عذاب دے۔“ (نعوذ باللہ)

دربار معاویہ سے یہ الفاظ لکھ کر تمام اطراف میں بھیجے جاتے تھے اور جمعہ

وعیدین کے خطابات میں یہ کلمات باقاعدگی سے ادا کیئے جاتے تھے۔ عمر بن عبدالعزیز نے اس رسم کو بند کیا (۱) طبری لکھتے ہیں:-

۳۱ھ میں معاویہ نے مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ کا گورنر مقرر کیا اور اس سے کہا میں تجھے بہت سی نصیحتیں اور وصیتیں کرنا چاہتا تھا لیکن تیری بصیرت پر بھروسہ کرتے ہوئے میں وہ وصیتیں تجھے نہیں کروں گا البتہ ایک بات کی نصیحت تجھے ضرور کرتا ہوں علیٰ کو سب دشمن کرتے رہنا اور اس کی مذمت کرتے رہنا۔ عثمان پر رحمت بھیجنا اور اس کے لئے استغفار طلب کرنا۔ صحابہ علیؑ کی ہمیشہ عیب جوئی کرنا اور انہیں اپنے دربار سے دور رکھنا اور عثمان کے پیروکاروں کی حوصلہ افزائی کرنا اور انہیں اپنے قریب کرنا۔

مغیرہ بن شعبہ نے کہا۔ میں تجربہ کار شخص ہوں اور تیرے پیش رو حکمرانوں کے ساتھ کام کر چکا ہوں۔ آج تک کسی حاکم نے میری مذمت نہیں کی اور تو بھی آزما کر دیکھ۔ اس کے بعد چاہے تو میری تعریف کرنا اور چاہے تو مذمت کرنا۔ معاویہ نے کہا۔ ہم ان شاء اللہ تیری تعریف کریں گے۔

ابن ابی الحدید، مدائنی کی کتاب الاحداث کے حوالہ سے لکھتے ہیں۔

عام الجماعت کے بعد معاویہ نے تمام سرکاری حکام کے نام فرمان جاری کیا کہ میں اس سے بری الذمہ ہوں جس نے ابوتراب کی فضیلت میں کوئی چیز بیان کی..... اس دور میں اہل کوفہ کو بہت زیادہ پریشانیوں کا سامنا کرنا پڑا۔

(تاریخ طبری در ذکر حوادث ۵۷ھ طبع یورپ ۱۱۲/۲-۱۱۳- ابن اثیر ۳/۳۰۲)

(شرح ابن ابی الحدید طبع مصر ۱۵/۳)

۱- شرح سچ البلاغہ در ضمن خطبہ ۵۷، فصل فیما روی من سب معاویہ و تزئین لعلیٰ ۳۵۶/۱- ابو عثمان جاحظ کا پورا نام عمرو بن بحر لیشی بصری ہے۔ وہ لغت اور نحو کا ماہر تصور کیا جاتا تھا ۲۵۵ھ میں بصرہ فوت ہوا اور وہ نامیت کی طرف رجحان رکھتا تھا اور اس نے "العشائریہ" نامی ایک کتاب لکھی تھی جس کی تردید میں ابو جعفر اسکافی محمد بن عبد اللہ اور شیخ مفید نے کتابیں لکھی تھیں۔

مدائنی لکھتے ہیں کہ معاویہ نے اپنے تمام حکام کو لکھا کہ وہ علیؑ اور اس کے اہل بیت کے شیعوں کی گواہی قبول نہ کریں۔ عثمان کے ماننے والوں اور اس کے فضائل و مناقب بیان کرنے والوں کو اپنے ہاں دربار میں جگہ دیں۔ انہیں قریب کریں اور ان کا احترام کریں اور جو بھی عثمان کی فضیلت کے متعلق کوئی روایت بیان کرے تو تم اس کا اور اس کے باپ اور خاندان کا نام لکھ کر مجھے بھیجو۔

معاویہ کے حکام نے اس پر عمل کیا اور معاویہ کی طرف سے فضائل عثمان بیان کرنے والوں کو نوازشات ہونے لگیں، انہیں جائیدادیں اور پوشاکیں دی جاتی تھیں اور ان کی پوری حوصلہ افزائی کی جاتی تھی۔ جس کی وجہ سے عثمان کے مناقب و فضائل بہت زیادہ ہو گئے۔ لوگ دولت و شہرت اور جاگیر کے حصول کے لئے دن رات فضائل عثمان کی روایات تخلیق کرنے میں مصروف ہو گئے اور جتنا بھی بے اعتبار شخص حکام کے پاس جا کر فضیلت عثمان کی روایت بیان کرتا تو اس کا نام خصوصی رجسٹر میں لکھا جاتا تھا اور اسے دربار میں مقرب بنایا جاتا تھا۔

طویل عرصہ تک روایت سازی کا یہ عمل جاری رہا۔ پھر معاویہ نے اپنے عمال کو خط لکھا کہ عثمان کے فضائل و مناقب بہت زیادہ ہو گئے ہیں اور ہر شہر و قریہ میں پہنچ گئے ہیں اور جب تمہیں میرا یہ خط ملے تو لوگوں سے کہو کہ وہ خلفائے اولین اور صحابہ کے فضائل میں ایسی ہی روایات بیان کریں اور ابو تراب کے متعلق فضائل کی جیسی بھی حدیث مروی ہو یا اس جیسی حدیث صحابہ کے متعلق بھی تخلیق کی جائے۔ یہ بات مجھے پسند ہے اور میری آنکھوں کی ٹھنڈک کا ذریعہ ہے اور ابو تراب اور اس کے شیعوں کے دلائل کو توڑنے والی ہے اور اس طرح کی روایات شیعیان علیؑ کے لئے مناقب عثمان کی روایات سے بھی زیادہ سخت ثابت ہوں گی۔

(شرح نہج البلاغہ ابن ابی الحدید ۱۵/۳۔ فجر الاسلام احمد امین مصری ۲۰۳)

معاویہ کا یہ خط حکام نے لوگوں کو سنایا جس کے نتیجہ میں مناقب صحابہ کے متعلق جھوٹی اور بے حقیقت روایات پھیل گئیں۔ پھر ان روایات کی ممبروں پر خوب نشر و اشاعت کی گئی اور مدارس میں معلمین نے بچوں کو یہ روایات پڑھائیں اور قرآن مجید کی طرح سے ان روایات کو پڑھایا جانے لگا اور لوگوں نے یہ روایت اپنی اولاد، بیویوں اور نوکروں کو تعلم کیں۔ اور ایک طویل عرصہ تک ایسا ہوتا رہا۔۔۔۔۔ جس کی وجہ سے بہت سی خود ساختہ روایات پھیل گئیں اور بہتان تراشیوں کا دور دورہ ہوا اور فقہاء، قاضیوں اور احکام نے مل کر ان روایات کی سرپرستی کی۔

ابن عرفہ المعروف بہ نفظویہ ایک مشہور محدث و مورخ گذرے ہیں، وہ اپنی تاریخ میں رقم طراز ہیں۔

ان اکثر الاحادیث (الموضوعة) فی فضائل الصحابة
الفتعلت فی ایام بنی امیة تقربا الیہم بما یظنون انہم
یرغمون بہ انوف بنی ہاشم۔

”صحابہ کی شان کی اکثر خود ساختہ احادیث بنی امیہ کے دور میں گھڑی گئی ہیں۔ لوگ ان خود ساختہ روایات سے بنی امیہ کا قرب حاصل کرتے تھے اور بنی امیہ کے سلاطین یہ سمجھتے تھے کہ اس سے بنی ہاشم کی ناک کو رگڑا جاسکتا ہے۔“
ابن ابی الحدید نے ابو جعفر اسکانی کے حوالہ سے نقل کیا:

ان معاویة وضع قوما من الصحابة وقوما من التابعین علی
روایة اخبار قبیحة فی علی تقتضی الطعن فیہ والبراءة منه
وجعل لهم علی ذالک جعلاً یرغب فی مثله۔

”معاویہ نے صحابہ اور تابعین کی ایک جماعت کو اس بات پر مقرر کیا تھا کہ وہ

ایسی روایات تیار کریں جن سے علیؑ کی توہین ہوتی ہو اور ان کے لئے بہترین انعام مقرر کیا تھا۔“

دور معاویہ کی اس طرح کی خود ساختہ روایت بخاری و مسلم میں موجود ہے۔ اور اس روایت کو بخاری اور مسلم نے مسند متصل کے ساتھ عمرو بن العاص سے روایت کیا ہے کہ عمرو بن العاص نے کہا ہے:

سمعت رسول الله يقول جهارا غير سر "ان ال ابى طالب ليسوا لى باولياء انماولى الله وصالح المومنين"

(۱)

”میں نے رسول خدا کو بلند آواز سے یہ کہتے ہوئے سنا۔ آل ابی طالب میرے دوست نہیں ہیں، میرا دوست تو اللہ اور ایک مومن ہیں۔“

ابن ابی الحدید کے دور تک بخاری اور مسلم میں یہ روایت درج بالا الفاظ سے ہی مرقوم تھی، البتہ آج کل بخاری و مسلم کے نسخوں میں ”آل ابی طالب“ کی بجائے ”آل ابی فلاں“ لکھا ہوا ہے جو کہ قطع و برید کی بدترین مثال ہے۔

مغیرہ بن شعبہ کا طرز عمل

طبری لکھتے ہیں:

مغیرہ بن شعبہ معاویہ کی طرف سے سات سال اور چندہ ماہ تک کوفہ کا گورنر رہا اور وہ ہمیشہ حضرت علیؑ پر سب و شتم کرتا تھا اور آپ کا شکوہ کرتا تھا اور عثمان

(۱) صحیح بخاری ۴/۴۳۴، کتاب الادب، باب میل الرحم بئلا لها، صحیح مسلم ۱/۱۳۶ کتاب

الایمان، باب موالدة المؤمنین ومقاطعة غیرہم۔

کے قاتلوں کی عیب جوئی کرتا اور ان پر لعنت کرتا تھا اور عثمان کے لئے دعائے خیر کرتا اور اس کے ساتھیوں کی تعریف و توصیف کرتا تھا مگر اس کے باوجود وہ کچھ نہ کچھ مدارات سے بھی کام لیتا تھا کبھی سخت ہو جاتا تھا اور کبھی نرم پڑ جاتا تھا۔

(طبری طبع یورپ ۱۱۲/۲)

طبری رقم طراز ہیں:

مغیرہ نے مصعبہ بن صوحان عبدی سے کہا اور اس وقت وہ معاویہ کی طرف سے کوفہ کا گورنر تھا۔ خبردار مجھے تیری طرف سے یہ رپورٹ نہیں ملنی چاہئے کہ تو کسی کے سامنے عثمان کا شکوہ کرتا ہے اور اسی طرح سے مجھے یہ اطلاع بھی نہیں ملنی چاہئے کہ تو نے کھل کر علیؑ کے فضائل بیان کئے ہیں۔ تجھے معلوم ہونا چاہئے جتنے فضائل علیؑ تجھے یاد ہیں وہ سب کے سب مجھے بھی یاد ہیں بلکہ میں تجھ سے زیادہ جانتا ہوں مگر بات یہ ہے کہ جس شخص کے ہاتھ میں اقتدار ہے وہ ہم سے تقاضا کرتا ہے کہ ہم علیؑ کے عیب لوگوں کے سامنے بیان کریں۔ جتنا وہ چاہتا ہے ہم اس کے مطابق پورا عمل نہیں کر رہے اور ہم اپنی جان بچانے کے لئے جتنا ضروری سمجھتے ہیں اتنا ہی علیؑ کا شکوہ کرتے ہیں۔ اگر تجھے علیؑ کے فضائل یاد ہیں تو اپنے گھروں میں اپنے دوستوں کے سامنے چھپ کر بیان کرو مسجد میں کھل کر علیؑ کے فضائل کو ہمارا حاکم برداشت نہیں کرتا اور وہ ہمارے کسی عذر پر کان نہیں دھرے گا۔

(طبری طبع یورپ ۳۸/۲)

یعقوبی کے بیان کا خلاصہ یہ ہے:

مغیرہ بن شعبہ اور معاویہ کے دوسرے ساتھی منبر پر بیٹھ کر حضرت علیؑ پر لعنت (نعوذ باللہ) کرتے تھے۔ جس کے جواب میں حجر بن عدی اور عمرو بن لُحَمَق

الخزاعی اور ان کے دوسرے ساتھی اٹھ کر ان کی باتوں کی تردید کرتے تھے اور ان سے جھگڑتے تھے۔

حجر بن عدی کا واقعہ

مغیرہ کے بعد زیاد بن ابیہ کوفہ کا گورنر مقرر کیا گیا۔ اس نے آتے ہی حضرت علیؑ کے ساتھیوں کو گرفتار کیا اور ان میں سے ایک گروہ کو قتل کیا۔ عمرو بن لُحَمْنِ الخزاعی چند ساتھیوں سمیت کوفہ سے بھاگ کر موصل چلے گئے۔ زیاد نے حجر بن عدی اور ان کے تیرہ ساتھیوں کو گرفتار کیا اور اس نے قیدیوں کو معاویہ کے پاس روانہ کیا اور اپنے قاصد کے ہاتھ ایک دستاویز لکھ کر بھیجی جس میں تحریر کیا کہ یہ لوگ ابو تراب پر لعنت کرتے ہیں اور حکام کو برا بھلا کہتے ہیں اور یہ اطاعت سے نکل چکے ہیں۔ زیاد نے اس دستاویز پر معاویہ کے چند چہیتوں کے دستخط کرائے۔

یہ قیدی شام سے چند میل کے فاصلہ پر مرج عذرا نامی مقام پر پہنچے۔ معاویہ کی طرف سے حکم جاری ہوا کہ انہیں وہاں رکھا جائے۔ پھر معاویہ نے ان کو قتل کرنے کے لئے جلاذ بھیجا۔ معاویہ کے چند درباریوں نے کچھ قیدیوں کے متعلق سفارش کی۔ معاویہ نے چھ قیدیوں کو رہا کر دیا اور باقیوں کے متعلق جلاذ سے کہا کہ انہیں ابو تراب پر لعنت کے لئے کہنا اگر وہ ابو تراب پر لعنت کریں تو انہیں چھوڑ دینا اور اگر وہ انکار کریں تو ان کی گردنیں جدا کر دینا۔

جلاذ چند فوجیوں کے ساتھ مرج عذرا پہنچا جہاں حجر بن عدی اپنے ساتھیوں سمیت قید تھے۔ اس نے انہیں معاویہ کا پیغام پہنچایا۔ مگر حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں نے معاویہ کی پیش کش کو ٹھکرا دیا۔

پھر قیدیوں کے سامنے ان کی قبریں بنائی گئیں اور انہیں کفن پہنائے گئے
 قیدی تمام رات عبادت میں مصروف رہے۔ صبح ہوئی تو انہیں پھر معاویہ کی پیش کش
 کی اطلاع دی گئی اور ان سے کہا گیا کہ اگر وہ علیؑ سے اظہار برائت کریں تو ان کی
 جان بخشی کر دی جائے گی۔

حجر بن عدی اور اس کے ساتھیوں نے کہا: ہم علیؑ سے محبت کرتے ہیں اور
 ان کے دشمنوں سے بیزاری کرتے ہیں۔ اتنے میں معاویہ کی طرف سے بہت سے
 جلاد وہاں پہنچ گئے اور ہر ایک جلاد نے ایک ایک شخص کو قتل کے لئے پکڑا۔ حجر بن
 عدی نے کہا، مجھے چند لمحات کے لئے اجازت دو میں وضو کر کے نماز پڑھنا چاہتا
 ہوں۔ حجر بن عدی نے نماز مکمل کی تو انہیں قتل کر دیا گیا اور ان کے ساتھ ان کے
 چھ ساتھیوں کو بھی قتل کر دیا گیا۔ جب جلاد عبد الرحمن بن حسان غفیری اور کریم بن
 عقیف نخعی کو قتل کرنے کے لئے آگے بڑھا تو ان دونوں نے کہا: ہمیں معاویہ کے
 پاس لے چلو ہم اس سے براہ راست گفتگو کریں گے۔ ان دونوں قیدیوں کو معاویہ
 کے پاس لے جایا گیا معاویہ نے نخعی سے کہا:

تو علیؑ کے متعلق کیا کہتا ہے؟

اس نے کہا: میں اس کے متعلق وہی کچھ کہتا ہوں جو تو اس کے متعلق کہتا

ہے۔

معاویہ نے کہا: کیا تو علیؑ کے دین سے بیزاری کا اقرار کرتا ہے؟

یہ سن کر وہ خاموش ہو گیا۔ دربار معاویہ میں اس کا چچا زاد بھائی موجود تھا
 اس نے معاویہ سے اس کی جان بخشی کی درخواست کی تو معاویہ نے اسے ایک ماہ قید
 کی سزا دی اور جب اس کی قید کی میعاد پوری ہوئی تو معاویہ نے اسے رہا کر دیا اور

رہائی کے لئے یہ شرط رکھی کہ یہ کوفہ نہیں جائے گا۔ پھر عبد الرحمن بن حسان عنزی کو معاویہ کے سامنے پیش کیا گیا تو معاویہ نے اس سے کہا: اے قبیلہ ربیعہ کے فرد! علیؑ کے متعلق کیا کہتے ہو؟

اس نے کہا: میں گواہی دیتا ہوں کہ علیؑ خدا کا بہ کثرت ذکر کرنے والوں میں سے تھے اور علیؑ حق کا حکم دینے اور انصاف پر قائم رہنے والے اور لوگوں کو معاف کرنے والے گروہ سے تعلق رکھتے تھے۔

معاویہ نے کہا: عثمان کے متعلق تمہارا نظریہ کیا ہے؟
اس نے کہا: وہ پہلا شخص ہے جس نے ظلم کا دروازہ کھولا اور حق کا دروازہ بند کیا۔

معاویہ نے کہا: تو نے اپنے آپ کو ہلاک کر دیا۔

اس نے کہا: میں نے اپنے آپ کو نہیں بلکہ تجھے ہلاک کیا ہے۔

معاویہ نے اسے دوبارہ زیاد کے پاس بھیجا اور اس کے متعلق لکھا کہ تو نے

جن قیدیوں کو میرے پاس بھیجا تھا یہ ان میں سب سے بڑا ہے۔ اسے ایسی سزا دے

جس کا یہ حق دار ہے اور اسے بہت بڑے انداز سے قتل کر دے۔

جب عنزی کو زیاد کے پاس لایا گیا تو اس نے انہیں زندہ دفن کرادیا۔ (۱)

انہیں شہدائے حق میں صفی بن صفیٰ بن فسیل بھی شامل تھے۔ زیاد نے انہیں طلب

کیا۔

وہ زیاد کے پاس آئے۔

زیاد نے ان سے کہا: دشمن خدا! تو ابو تراب کے متعلق کیا کہتا ہے۔

اس نے کہا: میں ابو تراب کو نہیں جانتا۔

زیاد نے کہا: تو کیا تو علیؑ کو بھی نہیں جانتا؟

اس نے کہا: جی ہاں میں انہیں جانتا ہوں۔

زیاد نے کہا: ابو تراب بھی وہی ہے۔

زیاد اور صفیٰ میں کافی تیز و تند جملوں کا تبادلہ ہوا۔ آخر میں زیاد نے کہا:

میرا عصا سیرے پاس لاؤ اور پھر اس سے کہا کہ تو علیؑ کے متعلق کیا کہتا ہے؟

صفیٰ بن فیصل نے کہا۔ میں خدا کے کسی نیک بندے کے متعلق جو بھی اچھا

قول کہہ سکتا ہوں میں وہی قول امیر المؤمنین کے متعلق کہوں گا۔

زیاد نے حکم دیا کہ اس کی گردن پر لٹھیوں کے اتنے وار کئے جائیں کہ

اس کی گردن زمین سے لگ جائے۔

جلاد نے انہیں اتنا مارا کہ ان کی گردن زمین سے پیوست ہو گئی۔ پھر زیاد

نے جلاد کو روک دیا اور صفیٰ بن فیصل سے پوچھا: اب تم علیؑ کے متعلق کیا کہتے ہو؟

صفیٰ نے کہا: اگر تم اُستروں اور چھریوں سے بھی میرے وجود کے ٹکڑے

کردے تو بھی میں علیؑ کے متعلق وہی کچھ کہوں گا جو پہلے کہہ چکا ہوں۔

زیاد نے کہا: تجھے علیؑ پر لعنت کرنا ہوگی ورنہ تیری گردن اڑادی جائے گی۔

صفیٰ بن فیصل نے کہا: اگر تو نے ایسا کیا تو مجھے شہادت کی سعادت نصیب

ہوگی اور تجھے آخرت کی بدبختی نصیب ہوگی۔

(1) اس واقعہ کی تفصیل کے لئے ہماری کتاب عبد اللہ بن سبا جلد دوم کا مطالعہ کریں۔ یہ

واقعہ تمام تاریخوں میں مذکور ہے بطور نمونہ چند حوالہ جات یہ ہیں۔ تاریخ دمشق ابن عساکر در

حالات حجر۔ طبری ۶/۱۰۸-۱۳۹۔ ابن اثیر ۳/۳۰۳ تا ۱۶/۱۶

زیاد نے حکم دیا کہ انہیں بیڑیاں پہنا کر زندان میں ڈال دیا جائے۔
 صفیٰ کچھ عرصہ زندان میں رہے، پھر انہیں حجر بن عدی کے قافلہ کے ساتھ
 شام روانہ کیا گیا، جہاں وہ شہید ہوئے۔ (ابن عساکر ۶/۳۵۹)

دو حضری افراد کے متعلق معاویہ کو لکھا گیا کہ وہ علیؑ کے دین کو سچا تسلیم
 کرتے ہیں۔ معاویہ نے ان کے متعلق لکھا۔ جو بھی علیؑ کے دین اور نظریہ کو سچا تسلیم
 کرے، اسے قتل کر کے اس کی لاش کا حلیہ بدل ڈالو۔ چنانچہ ان دو افراد کو ان کے
 گھروں کے سامنے کوفہ میں صلیب پر لٹکایا گیا۔

زیاد کے انجام کے متعلق سعودی اور ابن عساکر نے یوں بیان کیا:
 اس نے اہل کوفہ کو جمع ہونے کا حکم دیا۔ اہل کوفہ کے اجتماع سے مسجد جنبہ اور
 قصر امار بھر گیا۔ اس نے یہ اجتماع حضرت علیؑ سے بیزاری کے لئے طلب کیا تھا۔
 سعودی لکھتے ہیں:

زیاد نے اپنے محل کے دروازہ پر لوگوں کو جمع کیا اور انہیں حضرت علیؑ پر
 لعنت کرنے کی ترغیب دی۔ جس نے بھی ذرا انکار کیا اسے قتل کر دیا۔ ابھی وہ اس
 کام میں مصروف تھا کہ طاعون میں مبتلا ہوا اور اس طرح اہل کوفہ کی جان چھوٹی۔
 عمرو بن اٹحق الخزاعی بھی حضرت علیؑ کے وفادار ساتھیوں میں سے تھے۔
 وہ زیاد کے خوف سے بھاگ کر موصل گئے اور وہاں ایک غار میں جا کر پناہ حاصل
 کی۔ جہاں انہیں مانپ نے ڈس لیا اور ان کی وفات ہو گئی۔ حکومت کے کارندے ان
 کی تلاش میں اس غار میں داخل ہوئے تو انہیں مردہ حالت میں پایا۔ ان کا سر تن
 سے جدا کر کے معاویہ کے پاس شام بھیجا گیا۔ معاویہ نے وہی سر ان کی قیدی بیوی
 کے پاس بطور تحفہ روانہ کیا۔^(۱)

(۱) (العارف ابن قتیہ ۷/۳۲۰۔ الاستیعاب ۲/۵۱۷۔ الاصابہ ۳/۵۲۱۔ تاریخ ابن کثیر ۸/۳۸۸۔ المبرص ۳۹۰)

معاویہ اور بنی امیہ کے دور میں شیعانِ علیؑ پر قیامت ڈھائی گئی۔ معاویہ نے سر بن ارطاة کو شیعانِ علیؑ کے قتل پر مقرر کیا، جس نے ہزاروں شیعانِ علیؑ کو بڑی بے دردی سے شہید کیا۔ ابن شہاب نے رقبہ میں شیعوں پر قیامت ڈھائی۔

بنی امیہ کے مظالم کوئی ڈھکی چھپی بات نہیں ہے بلکہ ان کی خون آشامیوں سے اوراقِ تاریخ بھرے ہوئے ہیں۔ دورِ معاویہ میں حضرت علیؑ پر سب و شتم کو جاری کیا گیا اور یہ سلسلہ معاویہ کے بعد بھی جاری رہا، جسے عمر بن عبد العزیز نے ختم کیا۔

بنی امیہ کے عہدِ حکومت میں ہزاروں مساجد تھیں اور ہزاروں ممبر تھے اور ہر خطبہ جمعہ و عیدین میں حضرت علیؑ پر سب و شتم کیا جاتا تھا۔ اوراقِ تاریخ میں صرف بھستان ایسا علاقہ دکھائی دیتا ہے جنہوں نے اپنے حکام کو سب و شتم کرنے سے منع کر دیا تھا اور انہوں نے حکام کے سامنے اپنی اطاعت کی یہ شرط رکھی تھی کہ ان کے ممبر سے کسی پر لعنت نہیں کی جائے گی اور کسی پر سب و شتم نہیں کیا جائے گا۔

ہم اہل بھستان کی بہادری پر انہیں آفرین کہتے ہیں کہ انہوں نے اس پر آشوب دور میں بھی حضرت علیؑ پر سب و شتم نہ ہونے دیا جب کہ مکہ و مدینہ کے ستارے پر سب و شتم جاری تھا۔ (۱)

بنی امیہ کی خباثت کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ اولادِ علیؑ کے سامنے بھی حضرت علیؑ کو سب و شتم کرتے تھے اور امیر المومنین پر لعنت کرتے تھے (نعوذ باللہ) اور اس طرح کے واقعات سے تاریخ کے اوراق بھرے پڑے ہیں۔ اس مقام

(۱) تلخیص از مہم البلدان ۳۸/۵۔ طبع معر در ذکر بھستان ہمارا خیال ہے کہ ایران کے

پر ہم صرف ایک ہی واقعہ پر اکتفا کرتے ہیں اور اپنے قارئین کو یہ بتانا چاہتے ہیں کہ اس واقعہ کو ابن حجر کی نے جو کہ معاویہ کا وکیل صفائی تھا، اپنی کتاب تطہیر اللسان میں نقل کیا ہے اور کتاب بھی معاویہ کی صفائی میں لکھی گئی ہے۔

ایک مرتبہ کا ذکر ہے کہ عمرو بن العاص ممبر پر آیا اور حضرت علیؑ کی توہین کی، پھر مغیرہ بن شعبہ نے بھی ایسا ہی کیا۔ اس محفل میں حضرت حسنؑ موجود تھے۔ لوگوں نے ان سے تقاضا کیا کہ وہ بھی ممبر پر آئیں اور اپنے مخالفین کی تردید کریں۔ امام حسنؑ نے کہا: میں اس شرط پر منبر پر آؤں گا کہ اگر میں نے سچ کہا تو یہ لوگ میری تصدیق کریں اور اگر میں نے جھوٹ کہا تو یہ میری تکذیب کریں۔ معاویہ اور عمرو بن العاص اور مغیرہ بن شعبہ نے آپ سے وعدہ کیا۔ اس کے بعد امام حسنؑ ممبر پر چڑھے اور آپ نے فرمایا:

اے عمرو اور مغیرہ! تم دونوں کو خدا کی قسم دے کر پوچھنا چاہتا ہوں کہ کیا تمہیں معلوم ہے کہ رسول خدا نے اونٹ کے ہانکنے والے اور اونٹ کی مہار پکڑنے والے پر لعنت کی تھی جن میں ایک ”فلاں“ تھا۔ دونوں نے بیک زبان ہو کر کہا: ہاں! پھر آپ نے معاویہ اور مغیرہ کو مخاطب کر کے کہا:

کیا تم دونوں کو معلوم نہیں ہے کہ عمرو بن العاص نے رسول خدا کی بجو میں نظم لکھی تھی اور رسول خدا نے کہا تھا: پروردگار! اس نظم کے ہر قافیہ کے بدلے اس پر لعنت فرما؟ دونوں نے کہا: جی ہاں یہ سچ ہے۔۔۔۔۔ الحدیث (۱)

(۱)۔ تطہیر اللسان ص ۵۵۔ اس روایت کے راوی ثقہ اور قابل قبول ہیں البتہ بعض لوگوں

نے اس روایت کے ایک راوی پر جرح کی ہے مگر ذہنی نے اس کی تعدیل کی ہے اور کہا ہے کہ وہ ثقہ ہے اس پر جرح صحیح نہیں ہے۔

عیدین کا خطبہ نماز سے پہلے کیوں پڑھا گیا

عامۃ المسلمین بن امیہ کی اس پالیسی سے بیزار تھے اور عید کے دن جیسے ہی نماز ختم ہوتی تو لوگ اٹھ کر چلے جاتے اور ان کا خطبہ سننے والا کوئی نہیں ہوتا تھا۔
ابن حزم المکلی میں لکھتے ہیں:

بنی امیہ نے ایک بدعت یہ کی کہ نماز سے پہلے خطبہ دینا شروع کیا اور انہوں نے اس کا سبب یہ بتایا کہ لوگ نماز پڑھ کر چلے جاتے ہیں اور ان کا خطبہ نہیں سنتے۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ بنی امیہ علی ابن ابی طالب پر لعنت کرتے تھے اور مسلمان بھاگ جاتے تھے اور انہیں ایسا ہی کرنا چاہئے تھا۔

(المکلی ابن حزم ۵/۸۵-۸۶ کتاب الام شافعی ۱/۲۰۸)

یعقوبی اپنی تاریخ میں لکھتے ہیں:

اور اس سال یعنی ۴۳ھ میں معاویہ نے مسجد میں حجرہ بنایا اور تمام ممبر عید گاہ میں منتقل کر دیئے اور نماز سے پہلے خطبہ پڑھا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ لوگ نماز پڑھ کر چلے جاتے تھے تاکہ انہیں علیؑ پر لعنت نہ سننی پڑے۔ اسی لئے معاویہ نے نماز سے پہلے خطبہ دیا اور آل رسول کا دل جلانے کے لئے مروان بن الحکم کو فدک کی جاگیر بخشی۔ (تاریخ یعقوبی، ۲/۲۲۳)

صحیحین اور دیگر معتبر کتابوں میں مرقوم ہے۔

ابوسعید خدری کا بیان ہے:

جب مروان مدینہ کا گورنر تھا تو میں نماز عید ادا کرنے کے لیے اس کے ساتھ روانہ ہوا۔ جب ہم عید گاہ پہنچے تو وہاں ممبر نصب تھا، جسے کثیر بن عباد نے بنایا تھا۔ مروان نماز سے پہلے ممبر پر چڑھنے لگا۔ میں نے اس کے کپڑے سے پکڑا۔ اس

نے مجھ سے اپنا کپڑا چھڑایا اور ممبر پر بیٹھ گیا اور نماز سے پہلے خطبہ دیا۔ میں نے اس سے کہا: تم نے خدا کی قسم دین میں تبدیلی کر دی۔

مروان نے کہا: ابوسعید! جو کچھ تو جانتا ہے وہ چیزیں چلی گئی ہیں۔ میں نے کہا: میں جو کچھ جانتا ہوں وہ اس سے کہیں بہتر ہے جسے میں نہیں جانتا۔

پھر مروان نے کہا۔ لوگ نماز کے بعد نہیں بیٹھتے تھے اسی لئے میں نے نماز سے پہلے خطبہ پڑھا۔ (۱)
صحابہ کو سب و شتم کا حکم

بنی امیہ نے صرف اسی پر قناعت نہیں کی تھی وہ صحابہ کو بھی حکم دیتے تھے کہ وہ بھی ان کی طرح حضرت علیؑ پر سب و شتم کریں اور ان پر لعنت کریں (نعوذ باللہ) جیسا کہ امام مسلم نے سہل بن سعد کی زبانی اپنی صحیح میں لکھا:

استعمل علی المدینة رجل من آل مروان فدعا سهل

بن سعد فامرہ ان یشتم علیا فابی سهل، فقال له اما اذا

ابیت فقل لعن الله ابا التراب.....

”خاندان مروان کا ایک شخص مدینہ کا والی مقرر ہوا، اس نے سہل بن سعد کو بلایا اور اسے حکم دیا کہ وہ حضرت علیؑ کو گالیاں دے۔“ سہل نے ایسا کرنے سے انکار کر دیا تو اس نے کہا اگر تو علیؑ کا نام نہیں لینا چاہتا تو کوئی حرج نہیں تو یہ کہہ دے کہ ”خدا ابو تراب پر لعنت کرے۔“ (نعوذ باللہ)

(۱) صحیح بخاری ۱۱/۲، صحیح مسلم ۲۰/۳۔ سنن ابی داؤد ۱/۱۷۸۔ ابن ماجہ ۳۸۶/۱ بیہقی

۳/۲۹۷۔ مسند احمد ۳/۱۰۰۔ ۲۰۔ ۵۳۔ ۹۲۔ اعتراض کرنے والے کا نام مسند احمد میں مذکور ہے۔

سہل نے کہا: علیؑ کو ابو تراب کا لقب بہت پیارا لگتا تھا۔ جب اسے ابو تراب کہہ کر پکارا جاتا تو وہ بے حد خوش ہوتے تھے۔

مدینہ کے والی نے کہا: ہمیں یہ بتاؤ کہ علیؑ کا نام ابو تراب کیسے پڑا؟

سہل نے کہا: رسول خدا حضرت فاطمہؑ کے گھر تشریف لے گئے، وہاں علیؑ موجود نہ تھے۔ آپ نے بیٹی سے پوچھا: تیرا ابن عم کہاں ہے؟..... رسول خدا علیؑ کو تلاش کرتے ہوئے مسجد میں تشریف لائے تو دیکھا کہ علیؑ فرش مسجد پر سوئے ہوئے ہیں اور ان کی چادر ایک طرف سے ہٹی ہوئی ہے۔ رسول خدا نے اپنے ہاتھوں سے علیؑ کا غبار صاف کیا اور فرمایا اے ابو تراب! اٹھو، ابو تراب اٹھو۔ (۱)

عامر بن سعد بن ابی وقاص کا بیان ہے:

امر معاوية سعدرا فقال مامنعك ان تسب ابا التراب؟
فقال اماما ذكرت ثلاثا قالهن له رسول الله (ص) فلن
(أ سبه) لان تكون لى واحدة منهن احب الى من حمر
النعيم سمعت رسول الله يقول له قد خلفه من بعض
مغازيه فقال له على: يا رسول الله خلفتنى مع النساء
والصبيان؟ فقال له رسول الله: اما ترضى ان تكون منى
بمنزلة هارون من موسى الا انه لانى بعدى. وسمعته
يقول يوم خبير: لا عطين الراية (جلا) يحب الله
ورسوله ويحبه الله ورسوله، قال فتطاو لنا لها، فقال:

(ادعوا) لى عليا فاتى بهارمذ فيعق فى

(۱) تلخیص از صحیح مسلم ۱۲۳/۷۔ باب مناقب علی۔ بخاری نے اپنی عادت کے مطابق اس روایت کو محرف صورت میں نقل کیا۔ واضح رہے کہ یہ حاکم آل مروان میں سے نہیں تھا بلکہ خود مروان بن حکم تھا جیسا کہ بیہقی ۲/۴۳۶ پر اس کی وضاحت موجود ہے۔

عينه و دفع الراية اليه ففتح الله عليه. ولما نزلت
 هذه الاية (فقل تعالوا ندع ابنانا و ابنائكم) دعا
 رسول الله عليا و فاطمة و حسنا و حسينا، فقال
 اللهم هولاء اهلتي. (۱)

”معاویہ نے سعد کو حکم دیتے ہوئے کہا: تجھے ابو ترابؓ پر سب و شتم کرنے سے کس چیز نے روکا ہے؟ سعد نے کہا جب تک علیؑ کے تین فضائل مجھے یاد ہیں اس وقت تک میں کبھی بھی علیؑ کو سب نہیں کروں گا۔ اور اگر ان فضیلتوں میں سے مجھے ایک بھی فضیلت حاصل ہوتی تو مجھے سرخ اونٹوں سے زیادہ محبوب ہوتی۔ رسول خدا نے علیؑ کو ایک جنگ کے موقع پر مدینہ میں ٹھہرایا تو علیؑ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ پیچھے ٹھہرا رہے ہیں؟

رسول خدا نے علیؑ کو ایک جنگ کے موقع پر مدینہ میں ٹھہرایا تو علیؑ نے عرض کیا: یا رسول اللہ! آپ مجھے عورتوں اور بچوں کے ساتھ پیچھے ٹھہرا رہے ہیں؟ رسول خدا نے فرمایا:

”کیا تو اس بات پر راضی نہیں کہ تجھے مجھ سے وہی منزلت حاصل ہو جو ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی مگر میرے بعد نبوت نہیں ہے۔“
 اور خیبر کے دن رسول خدا نے فرمایا:

”میں ضرور بالضرور علم ایسے مرد کو دوں گا جو اللہ اور اس کے رسولؐ سے محبت کرتا ہوگا اور اللہ اور اس کا رسولؐ اس سے محبت کرتے ہوں گے۔“

(۱) مسلم ۱۲۰/۷، ترمذی ۱۳/۱۷۱، مستدرک حاکم ۳/۱۰۸-۱۰۹، امام حاکم نے مزید لکھا کہ پھر معاویہ

نے مدینہ میں رہ کر ایک حرف بھی علیؑ کے بارے میں نہ کہا۔ (الاصابہ ۲/۵۰۹، خصائص نسائی- ۱۹)

ہم سب نے علم ملنے کی خواہش ظاہر کی۔ آپؐ نے فرمایا۔ علیؑ کو میرے پاس لاؤ۔ علیؑ کو آپ کے پاس لایا گیا تو انہیں آشوب چشم لاحق تھا۔ رسول خدا نے ان کی آنکھوں پہ لعاب دہن لگایا اور اسے علم عطا کیا اور خدا نے خیبر اس کے ہاتھ پر فتح کیا۔ اور جب (فقل تعالوا ندع ابننا ونا وابنا نکم) ”آپ کہہ دیں کہ آؤ تم اپنے بیٹوں کو بلاؤ اور ہم اپنے بیٹوں کو بلائیں“ کی آیت مجیدہ نازل ہوئی تو رسول خدا نے علیؑ، فاطمہؑ، حسنؑ اور حسینؑ کو بلایا اور کہا: خدایا! یہ ہیں میرے اہل بیت۔“ مسعودی نے یہ واقعہ طبری سے نقل کیا اور اس کا پس منظر یوں بیان کیا کہ معاویہ حج پر گیا اور اس نے بیت اللہ کا طواف کیا اور سعد اس کے ہمراہ تھا۔ جب طواف سے فارغ ہوا تو معاویہ دار الندوہ میں گیا اور سعد کو اپنے ساتھ اپنی چارپائی پر بٹھایا اور حضرت علیؑ کی توہین کرنے لگا اور انہیں سب کرنے لگا۔ سعد اس کی چارپائی سے اٹھ کر جانے لگے اور معاویہ سے کہا۔

مجھے اپنے ساتھ چارپائی پر بٹھا کر علیؑ کو سب کرتا ہے؟ خدا کی قسم اگر علیؑ کے خصائل میں سے مجھے ایک خصلت بھی حاصل ہوتی تو مجھے بہت محبوب ہوتی۔ پھر اس نے حضرت علیؑ کی مذکورہ تین خصلتیں بیان کیں۔ اور آخر میں کہا: خدا کی قسم! میں جب تک زندہ رہوں گا تیرے کسی گھر میں داخل نہیں ہوں گا۔ اس کے بعد سعد اٹھ کر چل دیئے۔ (مروج الذهب مسعودی ۳/۳۲)

ابن عبد ربیہ نے اختصار کے ساتھ اس مکالمہ کو اپنی کتاب العقد الفرید میں حالات معاویہ کے ضمن میں بیان کیا، اور کہا:

حسن بن علیؑ کی وفات کے بعد معاویہ نے حج کیا اور مدینہ میں داخل ہوا۔ اس نے چاہا کہ منبر رسول پر بیٹھ کر حضرت علیؑ پر لعنت کرے (نعوذ باللہ) کسی

نے اس سے کہا: یہاں مدینہ میں سعد بن ابی وقاص رہتا ہے اور وہ اس حرکت پر کبھی راضی نہیں ہوگا۔ لہذا تم پہلے سعد کو بلاؤ اور اس کی رائے معلوم کرو۔ معاویہ نے سعد کو بلایا اور اپنی خواہش کا اس سے اظہار کیا۔ سعد نے کہا: اگر تو نے ایسا کیا تو میں مسجد سے اٹھ کر چلا جاؤں گا۔ پھر واپس نہیں آؤں گا۔ معاویہ اپنے ارادہ سے باز آ گیا اور جب تک سعد زندہ رہا۔ منبر رسولؐ پر کسی نے علیؑ پر لعنت نہ کی اور جب سعد کی وفات ہوگئی تو منبر رسولؐ پر لعنت کا اجراء کیا گیا۔ معاویہ نے اپنے تمام حکام کو خط لکھا کہ وہ منابر پر کھڑے ہو کر علیؑ پر لعنت بھیجیں۔ حکام نے معاویہ کے حکم کی تعمیل کی۔

حضرت ام سلمہ نے معاویہ کو خط لکھا جس میں انہوں نے تحریر کیا۔

”تم لوگ اپنے منبروں پر خدا اور اس کے رسولؐ کو گالیاں سکتے ہو۔

کیونکہ تم علی بن ابی طالبؑ اور ان سے محبت رکھنے والوں پر لعنت کرتے ہو اور میں خدا کو گواہ بنا کر کہتی ہوں کہ علیؑ خدا اور اس کے رسولؐ کے محبوب تھے۔“

معاویہ نے بی بی کے خط پر کوئی توجہ نہ دی (العقد الفرید ۱۲۷/۳)

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں رقم طراز ہیں:

ابو عثمان جاحظ نے بیان کیا کہ بنی امیہ کے چند افراد نے معاویہ سے کہا:

تو نے اپنا مقصد حاصل کر لیا ہے اگر تو اس شخص پر لعنت کرنا چھوڑ دے تو یہ تیرے حق میں مناسب ہے۔

معاویہ نے کہا: نہیں، خدا کی قسم میں علیؑ پر لعنت کرنا نہیں چھوڑوں گا،

یہاں تک کہ بچے جوان ہو جائیں اور جوان بوڑھے ہو جائیں اور دنیا میں علیؑ کی

فضیلت کا ذکر کرنے والا کوئی شخص باقی نہ رہے۔ (شرح نہج البلاغہ در ضمن خطبہ ۵۷)

دشمنی علیؑ کی تربیت

ثقفی کتاب الغارات میں لکھتے ہیں:

دور معاویہ میں عمر بن ثابت ملک شام کے قصبوں اور دیہاتوں کا دورہ کرتا تھا اور لوگوں کو جمع کر کے ان سے کہتا تھا کہ (نعوذ باللہ) علیؑ منافق تھا اور اس نے شب عقبہ رسول خدا کو قتل کرنے کی سازش تیار کی تھی۔ لہذا تم اس پر لعنت کرو۔ لوگ اس کی یہ بات سن کر حضرت علیؑ پر لعنت کرتے۔ پھر وہ دوسرے شہر کا رخ کرتا اور وہاں بھی یہی تبلیغ کرتا تھا۔ (کتاب الغارات شامی ص ۳۹۷)

جب کہ شب عقبہ کے واقعہ کی اصل حقیقت یہ ہے کہ رسول خدا غزوہ تبوک سے واپس آرہے تھے اور آپ کے راستے میں پہاڑ کی ایک ڈھلوان تھی جہاں سے آپ نے گذرنا تھا۔ اس ڈھلوان کے نیچے وادی تھی۔ منافقین نے اس محل وقوع کو اپنے لئے غنیمت جانا اور وہاں چھپ کر بیٹھ گئے۔ جب رسول خدا کی ناقہ وہاں سے گذری تو انہوں نے ناقہ کو ڈرانے کی کوشش کی۔ عمار بن یاسر اور حذیفہ یمانی نے منافقین کو وہاں سے بھگایا۔ مگر معاویہ کا ایجنٹ اس واقعہ کو امیر المومنین کی طرف منسوب کرتا تھا۔ (امتاع الاسماع مقریزی، ص ۴۷۷)

خاندان عصمت سے دشمنی کی انتہا

قبیلہ قریش نبوت و امامت کو ایک خاندان میں نہیں دیکھ سکتا تھا۔ باقی قریش کی طرح معاویہ کے بھی یہی جذبات تھے۔ حقیقت یہ ہے کہ معاویہ کو صرف آل محمدؑ سے یہ دشمنی نہیں تھی بلکہ اسے خود حضرت محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی ذات بابرکات سے بھی عداوت تھی۔ حسب ذیل روایت اس کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔

زبیر بن بکار لکھتے ہیں:

مطرف بن مغیرہ بن شعبہ نے کہا: میرا والد روزانہ معاویہ کے پاس جاتا تھا اور اس سے گفتگو کرتا تھا اور جب وہ معاویہ کے دربار سے واپس آتا تو میرے سامنے معاویہ کی دانش مندی کی مثالیں پیش کیا کرتا تھا۔ اور ایک رات میرا والد وہاں سے آیا تو انتہائی مغموم تھا اور غم و غصہ کی وجہ سے اس نے کھانا تک نہ کھایا۔ والد کو غمگین دیکھ کر میرا ماتھا ٹھکا کہ ہونہ ہو معاویہ ہمارے خاندان پر ناراض ہو چکا ہے پھر میں نے حقیقت حال معلوم کرنے کے لئے اپنے والد سے پوچھا، کیا بات ہے میں شام سے ہی آپ کو مغموم دیکھ رہا ہوں؟

میرے والد نے کہا: بیٹا! میں دنیا کے سب سے بڑے کافر اور انتہائی خبیث شخص کے پاس سے آیا ہوں۔
میں نے کہا: وہ کیسے؟

میرے باپ نے مجھے بتایا: میں نے تنہائی میں معاویہ سے کہا۔ آپ بوڑھے ہو چکے ہیں اگر آپ عدل و انصاف شروع کر دیں اور بنی ہاشم سے نرم رویہ اختیار کر لیں تو اس میں آپ کی بہتری ہے۔ اس وقت بنی ہاشم میں آپ سے لکر لینے کی جرأت نہیں ہے اور اس کا ذکر اور ثواب ہمیشہ باقی رہے گا۔ میری بات سن کر معاویہ نے کہا:

ایسا ناممکن ہے۔ میں اپنے لئے کس ذکر کی بقا کی توقع کر سکتا ہوں۔ ایک نبی شخص (حضرت ابوبکر) حاکم بنا تو اس نے عدل کیا اور جو کچھ اس نے کرنا تھا وہ کیا۔ اس کے مرنے کے ساتھ اس کا ذکر بھی مر گیا اب زیادہ سے زیادہ کوئی کہنے والا ابوبکر کا نام لے لیتا ہے۔ پھر بنی عدی کا شخص (حضرت عمر) برسر اقتدار آیا اس

نے بڑی محنت کی اور پورے دس سال تک جانفشانی سے کام کیا اور جب وہ مرا تو اس کا ذکر بھی مر گیا۔ آج حالت یہ ہے کہ کبھی کبھی کوئی شخص اس کا نام لے لیتا ہے اور اس کے برعکس حالت یہ ہے کہ ”ابن ابی کبیتہ“ (حضرت محمدؐ) کا نام روزانہ پانچ مرتبہ پکار کر اذان میں لیا جاتا ہے اور کہا جاتا ہے۔

اشھد ان محمدا رسول اللہ۔ اب مجھے بتاؤ کہ ہمارا کون سا عمل باقی رہے گا اور ہمارے ذکر کو کیا بقا حاصل ہوگی؟ خدا کی قسم، ہم اس ذکر کو فہم کر کے رہیں گے۔ (الموفقیات ص ۵۷۶-۵۷۷ مروج الذهب ۲/۳۵۴-۳۵۳ ابن ابی الحدید ۱/۳۶۳) ہم نے اپنی کتاب ”احادیث ام المؤمنین عائشہ“ کے ایک باب (فخ معاویہ) یعنی معاویہ کے ساتھ، میں یہ الفاظ لکھے ہیں۔

محمد و آل محمدؐ کی دشمنی معاویہ کو والدین سے بطور میراث منتقل ہوئی تھی۔ کیونکہ معاویہ کا باپ ابوسفیان تھا جس نے رسولؐ خدا سے متعدد جنگیں کیں اور معاویہ کی ماں ہند تھی جس نے رسولؐ خدا کے چچا اور احد کے سید الشہداء حضرت حمزہ کا کلیجہ چبایا تھا اور جس نے امیر حمزہ کے اعضاء بدن کو کاٹ کر ہار بنایا تھا۔ لہذا ایسے باپ اور ایسی ماں کے بیٹے کو ایسا ہی ہونا چاہئے تھا۔

جی ہاں! معاویہ کی زندگی کی آخری خواہش یہی تھی کہ محمد و آل محمدؐ کا ذکر تک باقی نہ رہے مگر اللہ نے ان ذوات عالیہ کے ذکر خیر کو قیامت تک باقی رکھنا تھا لہذا باقی رہ گیا۔ اور اگر معاویہ کے دل میں کوئی حسرت رہ گئی تھی تو اس کے بیٹے یزید نے امام حسینؑ کو شہید کر کے اور خاندان رسالت کو قید کر کے پوری کی تھی۔

یزید کی موت سے بنی امیہ کی سفیانی شاخ سے اقتدار ختم ہو گیا اور مروانی شاخ میں منتقل ہو گیا اور آل مروان نے آل رسولؐ سے کیا سلوک کیا؟ اس کے

جواب سے قبل ہم ابن زبیر کے متعلق کچھ بتانا چاہتے ہیں کہ اسے آل محمد سے کس قدر عداوت تھی۔

ابن زبیر اور عداوت آل محمد

ابن ابی الحدید نے ابن زبیر کے متعلق یہ کلمات تحریر کئے کہ
 عمر بن شہبہ، ابن کلبی اور واقدی اور دیگر روایاں سیرت لکھتے ہیں:
 ابن زبیر جن دنوں خلافت کا دعویدار تھا۔ اس نے مسلسل چالیس جمعہ کی
 نمازوں میں رسول خدا پر درود نہیں پڑھا تھا اور وہ اپنے عمل کی توجیہ یہ کرتا تھا۔
 میں رسول خدا پر درود نہیں پڑھتا کیونکہ درود پڑھنے سے آنحضرت کے
 خاندان کے لوگوں کی ناک بلند ہو جاتی ہے۔

قریش بطور استہزا رسول کریم کو ابن ابی کبشہ کے نام سے پکارتے تھے۔
 محمد بن حبیب اور ابی عبیدہ عمر بن شیبہ نے ابن زبیر کا یہ قول نقل کیا ہے۔
 محمد کے افراد خاندان بڑے ہیں جب کہ محمد پر درود پڑھا جاتی ہے تو ان
 کے سر بلند ہو جاتے ہیں۔ سعد ابن جبیر کا بیان ہے کہ ابن زبیر نے عبد اللہ بن
 عباس سے کہا تھا۔

یہ کیسی حدیث ہے جو میں تجھ سے سن رہا ہوں؟

ابن عباس نے کہا: تیرا اشارہ کس حدیث کی طرف ہے؟

اس نے کہا ”میرا اشارہ اس حدیث کی طرف سے ہے جس سے تو میری
 مذمت کرتا ہے، ابن عباس نے کہا، خوب، سن لے میں نے رسول خدا کو یہ کہتے
 ہوئے سنا۔“

نے علیؑ سے اس کا حق چھینا، کچھ لوگوں نے علیؑ کے قتل کی منصوبہ بندی کی، کچھ لوگوں نے علیؑ کو سب و شتم کر کے اپنی دشمنی کا اظہار کیا۔ اگر خدا نے اولاد علیؑ کو کبھی حکومت دی تو ان لوگوں کی ہڈیاں تک قبروں سے نکال کر پھینک دی جائیں گئیں اور ان کے بوسیدہ اجسام کو باہر نکال پھینکا جائے گا اور ان کے زندہ افراد کو قتل کیا جائے گا اور ان کی گردنوں کو جھکا دیا جائے گا اور یوں خدا ہمارے دشمنوں کو ہمارے ہاتھوں سے عذاب دے گا اور انہیں رسوا کرے گا اور ہمیں ان پر فتح و نصرت عطا کرے گا اور ہمارے سینوں کو ٹھنڈک پہنچائے گا۔

خدا کی قسم! علیؑ کو گالیاں صرف وہ کافر ہی دے سکتا ہے جو دراصل رسولؐ خدا کو گالیاں دینا چاہتا ہے۔ لیکن جب وہ رسولؐ خدا کا نام لے کر گالی دینے سے اپنے آپ کو قاصر سمجھتا ہے تو وہ اپنے دل کی بھڑاس نکالنے کے لئے علیؑ کو گالیاں دینے لگ جاتا ہے اور ابھی تک وہ افراد زندہ ہیں جنہوں نے رسولؐ خدا سے یہ جملے سنے تھے:

يا علي لا يحبك الا مومن ولا يبغضك الا منافق

”اے علیؑ! تجھ سے مومن کے علاوہ کوئی محبت نہیں کرے گا اور منافق کے علاوہ تجھ سے کوئی بغض نہیں رکھے گا۔“

اور ظلم کرنے والوں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ ان کا انجام کیا ہونے

والا ہے۔ (تاریخ یعقوبی ۲/۲۶۲)

ابن ابی الحدید شرح نہج البلاغہ میں لکھتے ہیں:

عبد اللہ بن زبیر علی علیہ السلام سے بغض رکھتا تھا اور ان کی توہین کرتا تھا

اور انہیں گالیاں بکتا تھا۔ (شرح نہج البلاغہ، ۱، ۳۵۸)

یعقوبی لکھتے ہیں :

ابن زبیر کو بنی ہاشم سے سخت عداوت تھی اور اسی عداوت کی وجہ سے اس نے خطبہ میں محمد مصطفیٰ پر درود پڑھنا چھوڑ دیا تھا۔ جب اس سے کہا گیا کہ تو نبی کریم پر درود کیوں نہیں پڑھتا؟ تو اس نے جواب میں کہا، محمدؐ کے خاندان کے افراد انتہائی بڑے ہیں، جو محمدؐ کے ذکر کی وجہ سے تکبر میں مبتلا ہو جاتے ہیں اور محمدؐ کا نام سن کر اپنی گردنوں کو بلند کر لیتے ہیں۔

ابن زبیر کا بنی ہاشم سے سلوک

ابن زبیر نے محمد بن حنفیہ، عبد اللہ بن عباس اور دیگر چوبیس بنی ہاشم کو گرفتار کر کے ان سے بیعت کا مطالبہ کیا۔ بنی ہاشم کے افراد نے بیعت سے انکار کیا۔ ابن زبیر نے انہیں حجرہ زمزم میں قید کر دیا اور خدا کی قسم کھا کر کہا کہ اگر انہوں نے بیعت نہ کی تو وہ انہیں زندہ جلا دے گا۔

حضرت محمد بن حنفیہ نے زندان سے مختار بن ابی عبیدہ اور اس کے ساتھیوں کے نام خط لکھا جس میں انہوں نے تحریر کیا۔

تمہیں معلوم ہونا چاہئے کہ عبد اللہ بن زبیر نے ہمیں گرفتار کر کے حجرہ زمزم میں قید کر دیا ہے اور وہ خدائے واحد کی قسم کھا چکا ہے کہ یا تو ہم اس کی بیعت کریں گے یا پھر وہ ہمیں زندہ جلا دے گا تم ہماری مدد کرو۔

جیسے ہی یہ خط مختار بن ابی عبیدہ کو ملا تو اس نے ابو عبد اللہ جدلی کو چار ہزار گھڑ سواروں کے ساتھ مکہ روانہ کیا۔ اس نے مکہ پہنچ کر حجرہ کے دروازوں کو توڑا اور مظلوم بنی ہاشم کو اس کی قید سے نجات دلائی اور اس نے محمد بن حنفیہ سے درخواست کی کہ اسے ابن زبیر سے دو دو ہاتھ کر لینے دیں مگر محمد بن حنفیہ نے کہا: میں اپنے

قاطع رحم سے وہ سلوک نہیں کرنا چاہتا جو اس نے مجھ سے کیا ہے۔

(تاریخ یعقوبی ۲/۲۰۶۱)

ابن زبیر کے قتل کے بعد فضا بنی امیہ کے لئے ہموار ہوگئی اور اولاد مروان نے ایک طویل عرصہ تک حکومت کی۔ ہم آل مروان کے تمام مظالم پر بحث نہیں کرنا چاہتے، ہم صرف یہ بتانا چاہتے ہیں کہ آل مروان کا حضرت علیؑ کے متعلق کیا نظریہ تھا۔ اس کی ابتدا ہم دور عبد الملک سے کرنا چاہتے ہیں۔

عبد الملک اور ولید کا عہد حکومت

ابن ابی الحدید نے جاظ کا یہ قول نقل کیا ہے:

عبد الملک بڑا فاضل اور قابل شخص تھا اور وہ حضرت علیؑ کے فضائل کو جانتا تھا مگر اس کے باوجود وہ اپنے خطبات میں سرعام حضرت علیؑ پر لعنت کرتا تھا اور اس کے عہد حکومت میں تمام مساجد کے منبروں پر حضرت پر سب و شتم کیا جاتا رہا۔ عبد الملک کے اس کردار سے اس کی کمزوری ثابت ہوتی ہے۔ مگر عبد الملک یہ سب کچھ اس لئے کرتا تھا کہ بنی ہاشم کی سطوت کو ختم کیا جائے اور انہیں یہ باور کرایا جائے کہ جب ان کا جد علیؑ ایسا تھا تو ان کی تو کوئی حیثیت ہی نہیں ہے اور وہ اولاد علیؑ کو اس ذریعہ سے یہ پیغام دینا چاہتا تھا کہ وہ جس علیؑ پر فخر کرتے ہیں جب وہ سب و شتم کے قابل ہے تو اس کی اولاد کا کیا مقام ہو سکتا ہے؟

جاظ مزید بیان کرتے ہیں کہ ولید بن عبد الملک نے اپنے عہد حکومت

میں خطبہ دیا اور اس نے خطبہ کے دوران حضرت علیؑ کا ذکر کیا تو اس نے کہا:

اس پر خدا کی لعنت ہو، وہ چور تھا اور چور کا بیٹا تھا۔ (نعوذ باللہ)

(شرح نوح البلاغ ابن ابی الحدید ۱/۳۵۶-۳۵۷/۵۸-۵۷)

حجاج کا کردار

حجاج بن یوسف ثقفی عبد الملک بن مروان کا گورنر اور اس کا ضمیمہ تھا۔
 حجاج لعین حضرت علیؑ پر لعنت کرتا تھا اور لوگوں کو بھی اس کا حکم دیتا تھا۔
 ایک دن حجاج سوار ہو کر کہیں جا رہا تھا کہ راستے میں ایک شخص نے اسے روک کر کہا:
 اے امیر! میرے خاندان نے مجھ پر بڑا ظلم کیا اور انہوں نے میرا نام علیؑ
 رکھ دیا۔ آپ میرا نام تبدیل کریں اور میری مدد بھی کریں کیونکہ میں انتہائی مفلس ہوں۔
 حجاج نے کہا: تو نے اچھا بہانہ تراشا میں نے تیرا نام فلاں رکھ دیا ہے اور
 تجھے فلاں علاقہ کا حاکم مقرر کیا ہے، تو اپنی ملامت پر چلا جا۔

(شرح ابن ابی الحدید ۱/۵۷۳-۵۸)

سعودی لکھتے ہیں:

عبد اللہ بن ہانی کا تعلق یمن کے قبیلہ اود سے تھا اور وہ اپنی قوم قبیلہ کا
 معزز شخص تھا۔ وہ حجاج کا ساتھی تھا اور تمام جنگوں میں وہ حجاج کے ساتھ شامل رہا تھا
 جب حجاج نے بیت اللہ کو نذر آتش کیا تھا تو وہ بھی اس واقعہ میں حجاج کے ساتھ تھا۔
 ایک دن اس نے حجاج سے کہا کہ تو نے میری خدمات کا صلہ پوری طرح سے نہیں
 دیا۔

حجاج نے کہا: میں ابھی تیری خدمات کا صلہ تجھے دیتا ہوں۔

پھر حجاج نے بنی فرازہ کے سردار اسماء بن خارجہ کو دربار میں طلب کیا اور
 اس سے کہا کہ تو اپنی بیٹی کا نکاح عبد اللہ بن ہانی سے کر دے اس نے کہا: یہ میری
 بے عزتی ہے۔ حجاج نے جلاد کو طلب کیا جب وہ کوڑا لے کر آیا تو اس نے کہا: ٹھیک
 ہے میں اپنی بیٹی کا رشتہ اسے دیتا ہوں۔ پھر اس نے شادی کر دی۔

اس کے بعد حجاج نے اہل یمن کے رئیس سعید بن قیس ہمدانی کو طلب کیا اور اس سے کہا کہ تو اپنی بیٹی کا رشتہ عبد اللہ بن ہانی سے کر۔ اس نے کہا۔ وہی جو قبیلہ ”اود“ سے تعلق رکھتا ہے؟

حجاج نے کہا: ”ہاں“ وہی ہے۔

اس نے کہا: اسے رشتہ دینا میری تو بہن ہے۔

حجاج نے کہا: تلوار لے آؤ۔

سعید بن قیس نے جیسے ہی تلوار کو دیکھا تو حجاج سے کہا: مجھے مشورہ کی

مہلت دو۔

حجاج نے اسے مشورہ کے لئے جانے دیا۔ اس نے اپنے اہل خاندان سے

مشورہ کیا تو انہوں نے اس سے کہا کوئی بات نہیں تم رشتہ دے دو، ورنہ وہ فاسق تمہیں قتل کر دے گا۔

الغرض سعید بن قیس نے اپنی بیٹی اس سے بیاہ دی۔ جب حجاج نے اس

کی دو شادیاں کرا دیں تو اس سے کہا:

عبد اللہ! دیکھو، میں نے تیرے احسانات کا بدلہ چکا دیا ہے۔ میں نے بنی

فرازہ اور بنی ہمدان کے سرداروں کی صاحبزادیوں سے تیرا نکاح کیا ہے۔ اس سے

زیادہ تجھے اور صلہ کیا دیا جاسکتا ہے؟

عبد اللہ بن ہانی نے کہا: امیر! ہمارے قبیلہ کو اتنی فضیلتیں حاصل ہیں جو

اہل عرب میں سے کسی کو بھی حاصل نہیں ہیں۔

حجاج نے کہا: تمہارے قبیلہ کو کون سی فضیلتیں حاصل ہیں؟

اس نے کہا: آج تک ہماری کسی محفل میں امیر المؤمنین عثمان کا شکوہ نہیں ہوا۔

حجاج نے کہا: واقعی یہ ایک فضیلت ہے۔

اس نے کہا: جنگ صفین میں ہمارے قبیلہ کے ستر افراد معاویہ کے ساتھ تھے اور ابو تراب کے ساتھ صرف ایک آدمی تھا اور وہ بھی انتہائی بڑا شخص تھا۔

حجاج نے کہا: خدا کی قسم! واقعی یہ فضیلت ہے۔

اس نے کہا: ہمارے قبیلہ کے کسی بھی مرد نے ایسی عورت سے نکاح نہیں کیا جو علی سے محبت کرتی ہو۔

حجاج نے کہا: خدا کی قسم! یہ واقعی ایک فضیلت ہے۔

اس نے کہا: ہمارے قبیلہ کی ہر عورت نے منت مانی تھی کہ اگر حسین قتل ہو گیا تو وہ دس اونٹ قربان کرے گی اور جب حسین قتل ہوا تو ہماری تمام عورتوں نے اپنی منت ادا کی۔

حجاج نے کہا: خدا کی قسم! یہ واقعی ایک فضیلت ہے۔

اس نے کہا: ہمیں جب بھی ابو تراب کو سب و شتم کرنے کے لئے کہا گیا تو ہم نے فوراً اس پر عمل کیا۔

حجاج نے کہا: خدا کی قسم! یہ واقعی ایک فضیلت ہے۔

اس نے کہا: میں سب و شتم کو علیٰ تنک ہی محدود نہیں رکھتا بلکہ اس میں اس کے دونوں بیٹوں حسن اور حسین اور اس کی زوجہ فاطمہ کو بھی شامل کرتا ہوں۔

(نعوذ باللہ)

حجاج نے کہا: خدا کی قسم! واقعی یہ ایک فضیلت ہے۔

پھر اس نے کہا:

خدا نے ہمیں جس حسن و جمال سے نوازا ہے وہ کسی دوسرے کو نصیب نہیں ہوا۔ حجاج یہ سن کر ہنسنے لگا اور کہا ابو ہانی یہ بات رہنے دو کیونکہ۔
عبداللہ انتہائی بد شکل اور گنجا اور بد ہیئت شخص تھا۔

(مروج الذهب ۳/۱۳۳۔ ابن ابی الحدید ۱/۳۵۷)

ابن سعد نے عطیہ بن جنادہ عوفی کے حالات میں لکھا ہے۔

حجاج نے محمد بن قاسم ثقفی کو لکھا کہ عطیہ کو اپنے دربار میں طلب کر کے اسے علی بن ابی طالب پر لعنت کرنے کا حکم دے اور اگر وہ تیرے حکم کی تعمیل کرے تو بہتر ورنہ اسے چار سو کوڑے مارو اور اس کے سر اور داڑھی کے بالوں کو صاف کر دو۔ محمد بن قاسم ثقفی نے عطیہ کو طلب کیا اور اس کے سامنے حجاج کا خط پڑھا؟

عطیہ نے حجاج کا حکم ماننے سے انکار کر دیا۔ محمد بن قاسم نے اسے چار سو کوڑے مروائے اور اس کے سر اور داڑھی کے بال منڈوا دیئے۔ (۱)

حجاج کا بھائی محمد بن یوسف والی یمن بھی حجاج کی طرح دشمن آل محمد تھا۔ ذہبی نے حجر المدری سے روایت کی جس کا خلاصہ حسب ذیل ہے۔

حضرت علیؑ نے حجر المدری سے کہا تھا:

اس وقت تیری کیا حالت ہوگی جب تجھے مجھ پر لعنت کرنے کا حکم دیا جائے گا؟

میں نے (حجر المدری) کہا: کیا ایسا بھی ہوگا؟

حضرت علیؑ نے فرمایا۔ جی ہاں، ایسا ہوگا۔

میں نے کہا: آپ بتائیں مجھے کیا کرنا چاہئے؟

۱۔ طبقات ابن سعد طبع یوری ۶/۳۲۱-۲۱۳۔ طبری طبع یورپ ۲/۲۳۹۴ تہذیب المعجم ۷/۲۲۳-۲۲۶۔

تقریب المعجم۔ عطیہ سے بخاری، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے حدیث روایت کی۔ عطیہ نے علیؑ

میں وفات پائی۔ محمد بن قاسم ثقفی بلاد فارس میں حجاج کی طرف سے افواج کا سربراہ تھا۔ ۹۲ھ میں حجاج

نے اسے سندھ کی فتح پر مامور کیا تھا۔ اس نے سندھ اور ملتان کو فتح کیا۔ ولید کی موت کے بعد حجاج۔

گھرانے پر زوال آیا۔ سلیمان نے اسے حکومت سندھ سے معزول کیا اور وسط کی جیل میں قید کر دیا

جہاں وہ ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گیا۔

حضرت علیؑ نے فرمایا: مجھ پر لعنت کرنا لیکن مجھ سے بیزاری اختیار نہ کرنا۔
 حضرت علیؑ کی پیش گوئی حرف بحرف پوری ہوئی اور حجاج کے بھائی محمد بن
 یوسف ثقفی نے اسے حکم دیا کہ وہ علیؑ پر لعنت کرے۔ اس نے کہا: امیر نے مجھے حکم
 دیا ہے کہ میں علیؑ پر لعنت کروں۔ تم اس پر لعنت کرو۔ خدا اس پر لعنت کرے،
 حجر المدری کے دو معنی جملے کا مقصد ایک شخص کے علاوہ اور کسی کی سمجھ میں نہ آیا۔
 عمر بن عبد العزیز کے عہد حکومت تک مملکت اسلامیہ کے تمام مناہر پر بنی
 امیہ کے حکم سے حضرت علیؑ پر سب و شتم کا سلسلہ جاری رہا اور جب عمر بن عبد العزیز
 مسند خلافت پر بیٹھا تو اس نے اس منحوس رسم کا خاتمہ کیا۔
 عمر بن عبد العزیز کا کارنامہ

عمر بن عبد العزیز نے اموی سیاست کو خیر باد کہا اور حضرت علیؑ پر سب
 و شتم کا سلسلہ موقوف کیا اور اس کا سبب بیان کرتے ہوئے ابن ابی الحدید نے لکھا
 عمر بن عبد العزیز نے کہا:

میں اپنے بچپن میں عتبہ بن مسعود کے ایک بیٹے سے قرآن مجید کی تعلیم
 حاصل کرتا تھا، ایک دن میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اور ہمارے استاد کا وہاں
 سے گذر ہوا، اس وقت ہم تمہارے بچے علیؑ پر لعنت کر رہے تھے۔ میرے استاد نے
 میرے منہ سے لعنت سنی تو انہوں نے بڑا محسوس کیا اور چپکے سے مسجد میں چلے گئے
 میں اپنا سبق دہرانے کے لئے مسجد میں گیا۔ جب انہوں نے مجھے دیکھا تو وہ نماز
 میں مصروف ہو گئے۔ میں نے سمجھ لیا کہ آج استاد مجھ پر ناراض ہیں۔ جب وہ نماز
 سے فارغ ہوئے تو انہوں نے مجھے ناراضگی سے دیکھا میں نے کہا: استاد محترم! آپ

ناراض کیوں ہیں؟

انہوں نے کہا: تو آج علیؑ پر لعنت کر رہا تھا؟

میں نے کہا: جی ہاں،

میرے استاد نے کہا۔ تجھے کب سے معلوم ہوا کہ اہل بدر پر رضا مند

ہونے کے بعد ناراض ہوا؟

میں نے کہا: تو کیا علیؑ ابھی اہل بدر میں سے تھا؟

میرے استاد نے کہا: علیؑ صرف اہل بدر میں سے ہی نہیں تھا بلکہ وہ تو بدر

کا فاتح تھا۔

میں نے کہا: میں آئندہ ایسی حرکت نہیں کروں گا۔

میرے استاد نے کہا: تجھے خدا کا واسطہ آئندہ ایسا نہ کرنا۔

پھر اس کے بعد میں نے کبھی علیؑ پر لعنت نہیں کی۔ میں نماز جمعہ کے لئے

مسجد نبویؐ میں جاتا تھا، جہاں میرے والد جمعہ کا خطبہ دیتے تھے اور اس وقت وہ

مدینہ کے گورنر تھے۔ میں منبر کے نیچے بیٹھ کر اپنے والد کی تقریر سنا کرتا تھا۔ میرے

والد اپنی تقریر میں فصاحت و بلاغت کے دریا بہا دیتے تھے لیکن جب وہ علیؑ پر لعنت

کرتے تو ان کی زبان میں ایسی لکنت پیدا ہو جاتی تھی جسے خدا ہی بہتر جانتا تھا۔

مجھے اس سے بڑا تعجب ہوتا تھا۔ چنانچہ میں نے ایک دن اپنے والد سے کہا، ابا جان!

آپ بہت بڑے فصیح و بلیغ خطیب ہیں لیکن جب آپ علیؑ پر لعنت کرتے ہیں تو

آپ کی فصاحت و بلاغت رخصت ہو جاتی ہے، آخر اس کی کیا وجہ ہے؟

میرے والد نے کہا: بیٹا! اگر میرے ممبر کے نیچے بیٹھے ہوئے افراد کو ان

حقائق کا علم ہو جائے جن کا علم تیرے والد کو ہے تو ان میں سے کوئی بھی ہماری

پیروی نہ کرے۔ میں نے اپنے والد کے الفاظ کو اپنے سینے میں محفوظ رکھا اور میرے استاد کے الفاظ بھی میرے ذہن میں موجود تھے اسی لئے میں نے خدا سے یہ عہد کیا کہ اگر اس نے مجھے خلافت میں حصہ دار بنایا تو میں اس رسم کو ختم کر دوں گا۔ جب اللہ نے مجھ پر اپنا فضل کیا تو میں نے اسے ختم کر دیا اور اس کی جگہ یہ آیت خطبہ میں داخل کی:

إِنَّ اللَّهَ بِأَمْرٍ بِالْعَدْلِ وَالْإِحْسَانِ وَإِيتَاءِ ذِي الْقُرْبَىٰ وَيَنْهَىٰ
عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُونَ.

(النحل۔ ۹۰)

”بے شک اللہ عدل، احسان اور قرابت داروں کے حقوق کی ادائیگی کا حکم دیتا ہے اور بدکاری، ناشائستہ حرکات اور ظلم سے منع کرتا ہے کہ شاید تم اس طرح نصیحت حاصل کر لو“

پھر میں نے سرکاری قرآن جاری کر کے تمام اطراف میں بھیج دیا اور اس پر عمل ہونے لگا۔ (شرح نوح البلاغ ابن ابی الحدید در ضمن خطبہ ۵۵ھ تاریخ یعقوبی ۱/۳۰۵)

اس دور کے ایک شاعر کثیر بن عبد الرحمن نے عمر بن عبد العزیز کو خراج تحسین پیش کرتے ہوئے کہا تھا۔

وَلَيْتَ فَلِمَ تَشْتَمُ عَلَيَّ وَلِمَ تَخْفُ
بِرِيَّ وَلِمَ تَقْبَلُ إِسَاءَةَ قَدِّمِ جَرْمِ
وَكُفْرَتِ بِالْعَفْوِ وَالذُّنُوبِ مَعَ الَّذِي
أَتَيْتَ فَاضْحَىٰ رَاضِيًا كُلِّ مُسْلِمِ

(الآغانی ۹/۳۵۰ مع اختلاف فی الروایۃ)

”تو حاکم بنا تو نے علیٰ کو سب و شتم نہ کیا اور تو نے کسی بے گناہ کو خوفزدہ نہیں کیا اور تو نے کسی مجرم کے گناہ کو قبول نہیں کیا، تو نے اپنے غنہ و درگزر سے لوگوں کے گناہ مٹائے اور تو نے اپنے کردار سے ہر مسلمان کو خوش کر دیا۔“
سید رضی ابو الحسن نے کہا تھا:

یا ابن عبد العزیز لو بکت العین فتی من امیة لبکتک
غیر انی قول انک قد طبت وان لم یطب ولم یزک بیتک
انت نزهتنا عن السب والقذف فلو (امکن) الجزاء جزیتک
”اے فرزند عبد العزیز! اگر بنی امیہ کے کسی جوان پر میری آنکھ روتی تو
میں تجھے ضرور روتا۔“

تیرے متعلق میں اتنا ہی کہہ سکتا ہوں کہ تو پاک و پاکیزہ فرد ہے اگرچہ تیرا
گھر پاک و پاکیزہ نہیں ہے۔ تو نے ہمیں سب و شتم اور بہتان طرازی سے محفوظ کیا،
اگر بدلہ دینا ممکن ہوتا تو میں تجھے اس کا بدلہ دیتا۔“
عمر بن عبد العزیز کی کوششیں دو وجوہات کی بناء پر کامیاب نہ ہو سکیں۔

(۱) امت اسلامیہ کے افراد ساہا سال سے اس رسم بد میں مبتلا تھے اور یہ
بڑائی ان کے رگ و ریشہ میں داخل ہو چکی تھی اور ان کے ہاں سنت کا درجہ اختیار
کر چکی تھی۔ عمر بن عبد العزیز کی ممانعت کے باوجود ”اہل حران“ کی طرح بہت سے
لوگوں نے اس رسم کو نہ چھوڑا۔ جیسا کہ حموی اور مسعودی لکھتے ہیں:

جب حضرت علیٰ کی سب و شتم ممنوع قرار پائی تو ”اہل حران“ نے اس عادت کو نہ
چھوڑا اور کہا: ابو تراب پر لعنت کے بغیر نماز جائز نہیں ہے لہذا ایک عرصہ تک یہ فعل قبیح ان میں
رائج رہا، یہاں تک کہ بنی عباس کی حکومت قائم ہوئی۔ (مروج الذهب ۳/۲۲۵)

(۲) عمر بن عبد العزیز کے بعد کے اموی حکام نے اس قبیح رسم کو دوبارہ جاری کیا۔ جسے ہم آئندہ صفحات میں بیان کریں گے۔

ہشام بن عبد الملک کا عہد حکومت

ابن عساکر جنادة بن عمرو بن جنید بن عبد الرحمن الحری بن امیہ کے آزاد کردہ غلام کے حالات کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ اس نے اپنے دادا جنید سے روایت کی کہ اس نے کہا کہ میں اپنا وظیفہ لینے کے لئے حوران سے دمشق آیا۔ میں نے نماز جمعہ ادا کی، اس کے بعد باب الدرج سے باہر نکلا تو وہاں ایک بوڑھا قصہ گو بیٹھا تھا، جس کا نام ”ابوشیبہ“ تھا۔ وہ لوگوں کو قصے کہانیاں سناتا تھا اور لوگوں کو نیک کاموں کی ترغیب دیتا اور بُرے کاموں سے ڈراتا تھا۔

اس نے ہمیں ترغیب دی تو ہمیں رغبت پیدا ہوئی اور اس نے ہمیں خوفزدہ کیا تو ہم رونے لگے۔ جب اس نے اپنی گفتگو مکمل کی تو اس نے آخر میں کہا۔ اب ہم اپنی مجلس کا اختتام ابو تراب پر لعنت سے کرتے ہیں۔ اس کے کہنے پر تمام حاضرین نے حضرت پر لعنت کی میں نے اپنے دائیں طرف بیٹھے ہوئے شخص سے پوچھا کہ ابو تراب کون ہے؟ اس نے مجھے بتایا وہ علی بن ابی طالب ہے، جو رسول خدا کا چچا زاد اور آنحضرت کا داماد اور اول المسلمین اور حسن و حسین کا والد ہے میں نے کہا اس قصہ گو کو ان پر لعنت کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ یہ کہہ کر میں اٹھا اور قصہ گو کے بالوں سے پکڑا اور میں نے اس کے چہرے پر طمانچے مارے اور اس کے سر کو دیوار سے ٹکرایا۔ وہ قصہ گو چیخنے چلانے لگ گیا۔ اتنے میں مسجد سے بہت سے لوگ آگئے اور وہ میری چادر میرے گلے میں ڈال کر مجھے ہشام بن عبد الملک

کے پاس لے آئے۔ میرے آگے وہی قصہ گو ابو شیبہ چل رہا تھا۔ جونہی ہشام کے پاس پہنچے تو قصہ گو نے چیخ کر کہا۔

اے امیر المؤمنین! آج آپ کے اور آپ کے آباؤ اجداد کے قصہ گو پر بڑا ظلم ہوا ہے۔

ہشام نے کہا: تجھ پر کس نے ظلم کیا ہے؟

جنید کہتے ہیں کہ اس وقت ہشام کے پاس معززین شہر بڑی تعداد میں جمع تھے۔ اس نے مجھے دیکھا تو کہا: اویچی! تم کب آئے؟

میں نے کہا: میں کل آیا تھا اور آج نماز کے بعد آپ کے پاس آ رہا تھا، تو یہ شخص قصہ گوئی کر رہا تھا۔ اس نے ہمیں خوف دلایا تو ہم ڈر گئے اور اس نے دعا مانگی تو ہم نے آمین کہی، اس نے آخر میں کہا کہ اب ہم اپنی مجلس کا اختتام ابوتراب پر لعنت سے کرتے ہیں۔

میں نے پوچھا کہ ابوتراب کون ہے؟ تو مجھے بتایا گیا کہ وہ اول المسلمین اور رسول خدا کے چچا زاد اور حسن و حسین کے والد اور بنت پیغمبر کے شوہر علی بن ابی طالب ہیں۔ سیدھی سی بات ہے کہ اگر ایک شخص آپ کا قریبی رشتہ دار ہوتا اور کوئی شخص اس پر یوں لعنت کرتا تو میں اسے کبھی بھی معاف نہ کرتا جب کہ یہ بدنصیب داماد پیغمبر پر لعنت کر رہا تھا تو میں یہ کیسے برداشت کر سکتا تھا؟

ہشام نے کہا: اس نے بہت بڑا کیا۔ پھر ہشام نے مجھے سندھ کی حکومت کا پر دانہ لکھ دیا اور اپنے کچھ ساتھیوں سے کہا: ایسا شخص میرے پاس نہیں رہ سکتا اگر یہ میرے پاس رہا تو میرے معاملات الجھا دے گا اسی لئے میں نے اسے سندھ کی طرف روانہ کیا ہے۔

جنید حکومت کا پروانہ لے کر سندھ آیا اور سندھ میں ہی اس نے وفات پائی۔
کسی شاعر نے اس کے متعلق کہا تھا:

ذهب الجود والجنید جمیعا

فعلى الجود والجنید السلام

”سخاوت اور جنید دونوں چلے گئے۔ سخاوت اور جنید دونوں پر ہمارا سلام ہو۔“

یہ ہشام بن عبد الملک اموی کا کردار تھا۔ اب ذرا اس کے ایک گورنر کا
حال بھی ملاحظہ فرمائیں۔

خالد بن عبد اللہ القسری کا کردار

مبرد اپنی کتاب ”اکامل“ میں لکھتے ہیں:

خالد بن عبد اللہ القسری دور ہشام میں عراق کا گورنر تھا۔ وہ منبر پر حضرت

علیؑ پر لعنت کرتے ہوئے یہ الفاظ کہا کرتا تھا:

خدایا! علی بن ابی طالب بن عبد المطلب بن ہاشم، داماد رسولؐ، والد حسینؑ

پر لعنت کر (نعوذ باللہ و لعن اللہ قائلہ)

پھر وہ لوگوں سے کہتا تھا کہ بتاؤ میں نے علیؑ کا حسب نسب پورا بیان کیا

ہے یا نہیں (اکامل ۳۱۳ طبع یورپ۔ ابن ابی الحدید ۱/۳۵۶)

آئیے دیکھیں یہ خالد بن عبد اللہ کون تھا؟

اس کی ماں نصرانیہ تھی۔ یہ شخص اپنی ذاتی جاہ و نمود کے لیے بیت المال کی

۱۔ تہذیب تاریخ دمشق ابن بدران ۳/۳۱۰ درحالات جنادہ بن عمرو بن جنید

خلاصہ تاریخ دمشق ابن منظور ۶/۱۱۷-۱۱۸

دولت خرچ کرتا تھا۔ نہ ولید، سلیمان اور ہشام کا مقرب تھا اور ہشام نے اسے عراق کا گورنر مقرر کیا تھا۔ ابن عساکر اس کے حالات میں لکھتے ہیں:

خالد نے مکہ تک پانی پہنچایا اس نے زمزم کے قریب ایک تھال نصب کیا پھر اس نے خطبہ دیا اور خطبہ میں کہا: میں تمہارے لئے باہر سے پانی لایا ہوں جو گھٹیا پانی (آب زمزم) کی طرح کا نہیں ہے۔ وہ حضرت علیؑ کی عیب جوئی کرتا تھا۔ ابن عساکر کہتے ہیں: اس نے علیؑ کے متعلق ایسے نازیبا الفاظ کہے جن کا بیان کرنا جائز نہیں۔

مزید لکھتے ہیں کہ خالد بن عبد اللہ القسری نے کہا تھا۔

خدا کی قسم! اگر امیر المؤمنین مجھے حکم دیں تو میں کعبہ کو توڑا کر اس کا ایک ایک پتھر علیحدہ کر کے رکھ دوں گا۔

اس کا انجام یہ ہوا کہ ہشام نے اسے والی عراق یوسف بن عمر کے سپرد کیا۔ اس نے اسے قید خانہ میں ڈال دیا، جہاں سے روزانہ بدترین سزا دی جاتی تھی اور آخر کار ۱۲۱ھ میں زندان میں ہی مر گیا۔ (مختصر تاریخ دمشق ابن منظور ۷/۳۶۹-۳۸۴) (۱)

خالد نے اپنے گھر میں اپنی ماں کے لئے ایک کلیسا بنوایا تھا۔

(۲) (ابن کثیر ۱۰/۲۱- مروج الذهب ۳/۱۲۰- ابن خلکان ۲/۷)

بنی امیہ نے پوری ریاستی قوت کے ساتھ مسلمانوں کو ذکر علیؑ سے دور رکھنے کی کوشش کی۔ اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ بنی امیہ نے اعلان کر دیا کہ لوگ اپنے بچوں کا نام علی نہ رکھیں۔

علی نامی اشخاص کو قتل کیا جاتا تھا

ابن حجر، علی بن رباح کے حالات میں لکھتے ہیں:

جب بنی امیہ کو پتہ چلا کہ کسی شخص نے اپنے بیٹے کا نام ”علی“ رکھا ہے تو وہ اس بچے کو قتل کر دیتے تھے۔ یہی خبر رباح نے سنی تو اس نے کہا کہ میرے بیٹے کا نام ”علی“ ہے۔ اور اگر کوئی اس کے بیٹے کو ”علی“ کہہ کر پکارتا تو وہ ناراض ہو جاتا تھا۔

علی بن رباح کہتا تھا میں کسی کو یہ اجازت نہیں دیتا کہ وہ مجھے ”علی“ کہہ کر پکارے۔ میرا نام ”علی“ ہے۔ (تہذیب الحدیث در حالات علی بن رباح طمی ۱/۳۱۹)

عمر بن عبد العزیز اور ہشام کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بنی امیہ کو حضرت علیؑ کے مقام و منزلت کی پوری خبر تھی۔ ابن ابی الحدید لکھتے ہیں:

ہشام بن عبد الملک حج پر گیا اور وہاں پر خطبہ دیا۔ اختتام خطبہ پر ایک شخص نے اٹھ کر کہا،

اے امیر المومنین! آج کے دن ہمارے خلفاء ابو تراب پر لعنت کرنے کو مستحب سمجھتے تھے۔

ہشام نے کہا: خاموش ہو جا۔ ہم اس کام کے لئے یہاں نہیں آئے۔

(شرح ابن ابی الحدید ۱/۳۵۶)

اصل بات یہ ہے کہ عرفہ کے خطبہ میں ہشام نے امیر المومنین پر تمترار کرنے کی اس لئے جرأت نہ کی کہ اسے حضرت کے مقام کا علم تھا اور اس علم کی وجہ سے مدینہ میں عبد العزیز کی زبان کا پھنپھن لگ جاتی تھی اور جب اس سے اس کے فرزند نے وجہ پوچھی تو اس نے کہا:

جان پدر! اگر اہل شام اور میرے ممبر کے نیچے بیٹھے ہوئے افراد کو اس کی فضیلت کا علم ہو جائے تو کوئی بھی ہماری پیروی نہ کرے۔

پیغمبر اکرم کی رحلت کے بعد قریش نے جو پالیسی اپنائی تھی وہ آل محمدؐ کی شہادت اور آل محمدؐ پر سب و شتم پر منتج ہوئی اور عداوت آل محمدؐ کا سلسلہ بنی امیہ تک ہی محدود نہ رہا بلکہ عہد عباس میں بھی جاری رہا اور اس دور کے سلاطین، حکام، علماء اور واعظین کی اکثریت عداوت آل محمدؐ کی بیماری میں مبتلا تھی۔ آئیے ذیل میں عہد عباسی کا ایک سرسری جائزہ لیں۔

۱۔ طبقہ علماء اور عداوت آل محمدؐ

ابن حجر، ابو عثمان حریر بن عثمان الحمصی کے متعلق لکھتے ہیں:-

وہ علیؑ کی توہین کرتا تھا اور ان کا شکوہ کرتا تھا۔ اسماعیل بن عیاش نے کہا:

میں نے مصر سے مکہ تک حریر بن عثمان کے ساتھ سفر کیا وہ سارا راستہ علیؑ

پر سب اور لعنت کرتا رہا۔ اسماعیل بن عیاش نے کہا کہ حریر بن عثمان کہا کرتا تھا کہ

لوگ نبی کریم سے یہ حدیث اور روایت ہے کہ آنحضرت نے علیؑ سے کہا تھا: ہمت سنی

بمنزلة ہارون من موسیٰ“ تجھے مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ

سے تھی۔ اصل بات یہ ہے کہ لوگوں کو یہ حدیث سننے میں غلطی ہوئی۔

میں نے کہا تو تم بتاؤ حدیث کے اصل الفاظ کیا تھے؟

اس نے کہا: اصل میں یہ حدیث یوں ہے:

”انت منیٰ بمنزلة قارون من موسیٰ“

”تجھے مجھ سے وہی مقام حاصل ہے جو قارون کو موسیٰ سے حاصل تھا۔“ (نعوذ باللہ)

ازدی بیان کرتے ہیں کہ حریر بن عثمان نے کہا کہ ایک بار نبی کریمؐ خچر پر

سوار ہوئے تو علیؑ نے زین کی تھک کھول دی تاکہ راستے میں نبیؐ گر جائیں۔

بیچا بن صالح سے پوچھا گیا کہ تو حریر کی روایت نقل کیوں نہیں کرتا؟ تو اس نے کہا کہ میں ایسے شخص کی روایت کیسے لکھوں جس کے ساتھ میں نے سات سال تک نماز فجر پڑھی اور جب تک وہ مسجد میں بیٹھ کر ستر بار علیؑ پر لعنت نہ کرتا مسجد سے باہر نہیں آتا تھا۔

ابن حبان نے کہا: حریر روزانہ صبح کے وقت ستر مرتبہ اور شام کے وقت ستر مرتبہ حضرت علیؑ پر لعنت کرتا تھا۔ (۱)

۲۔ طبقہ احکام اور عداوت آل محمدؐ

ابن حجر نے نصر بن علیؑ کے حالات میں لکھا:

علی بن ابی طالب سے مروی یہ حدیث نقل کی کہ رسول خدا نے حسنؑ و حسینؑ کے ہاتھ سے پکڑ کر فرمایا۔ ”من احبنا و احب ہذین و ابائہما و اہمہما کان فی درجی یوم القیامۃ“۔

”جس نے مجھ سے محبت کی اور ان دو سے محبت کی اور ان کے والد اور

ان کی والدہ سے محبت کی تو وہ قیامت کے دن میرے درجہ میں ہوگا۔“

متوکل عباسی نے اسے ایک ہزار کوڑے مارنے کا حکم دیا۔ جعفر بن

عبدالواحد نے اس کے متعلق سفارش کی کہ یہ اہل سنت سے تعلق رکھتا ہے۔ آخر کار

بڑی مشکل سے خلاصی نصیب ہوئی۔

(۱) حریر بن عثمان، مہدی عباسی کے دور حکومت میں بغداد آیا۔ ابن حجر تہذیب الجہذیب

۲/۲۳۷-۲۳۸ اور تقریب الجہذیب ۱۵۹/۱ پر لکھا ہے مہذب ثبت ری بالصب اخرج حدیث البخاری وغیرہ

عدا مسلم وہ ثقہ اور مضبوط راوی ہے اس پر مصیبت کا الزام ہے۔ بخاری اور دیگر محدثین نے اس کی

روایات اپنی کتابوں میں نقل کی ہیں۔ البتہ مسلم نے اس سے کوئی روایت نہیں لی۔

۳۔ عوام الناس کا کردار

ذہبی تذکرۃ الحفاظ میں ابن السقا کے متعلق لکھتے ہیں:

الحافظ الامام محدث واسط ابو محمد عبد اللہ بن محمد بن عثمان الواسطی..... ابو محمد

عبد اللہ بن محمد بن عثمان واسطی حدیث کے حافظ اور امام تھے اور آپ واسط کے محدث تھے۔ ایک مرتبہ انہوں نے حدیث طائر بیان کی۔ لوگوں کے نفوس اس حدیث کو برداشت نہ کر سکے اور ان پر حملہ کر دیا اور انہیں مسجد سے نکال دیا گیا اور جہاں وہ بیٹھے تھے اس جگہ کو دھویا گیا۔ اس کے بعد وہ اہل واسط کے سامنے حدیث بیان نہیں کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ ان کی بیان کردہ احادیث بہت کم ہیں۔

(تذکرۃ الحفاظ ص ۹۶۵-۹۶۶)

امت اسلامیہ کے برسر اقتدار گروہ نے صرف آل محمدؐ پر تبرا کرنے پر اکتفا نہیں کیا بلکہ پوری ریاستی قوت سے پیغمبر اسلام کی ان احادیث کو بھی مخفی رکھنے کی کوشش کی جو ان کی مدح میں وارد ہوئی تھیں۔ آل محمدؐ کو صرف بے وقعت بنانے تک ہی معاملات محدود نہ رہے بلکہ انہیں قتل کیا گیا، ان سے زندان بھر دیئے گئے، اور آل محمدؐ کے متعلق بنی امیہ اور بنی عباس کی پالیسی یکساں تھی۔ اگر بنی امیہ نے کربلا میں امام حسینؑ کو شہید کیا تو بنی عباس نے بھی امام حسینؑ کی قبر کے نشان کو مٹانے کی بھرپور کوشش کی۔ آل محمدؑ کی نہادوں کی داستاں پڑھنے کے لیے ابو الفرج کی کتاب ”مقاتل الطالین“ کا مطالعہ کریں۔

ذیل میں ہم بنی عباس کے دور حکومت کی چند مثالیں پیش کرتے ہیں اور اس سے ہمارے قارئین کو معلوم ہو سکے گا کہ آل محمدؑ کی دشمنی میں بنی امیہ اور بنی عباس میں کوئی فرق نہیں تھا۔

حدیث طائر یہ ہے کہ رسول خدا کی خدمت میں ایک بھنا ہوا پرندہ پیش کیا گیا۔ آپ نے دعا مانگی کہ خدایا! اپنی مخلوق میں سے جو مجھے سب سے زیادہ پیارا ہو، اسے یہاں میرے پاس بھیج جو میرے ساتھ اس پرندے کا گوشت کھائے۔ اللہ تعالیٰ نے آنحضرت کی دعا قبول فرمائی اور حضرت علیؓ دعا کا شمر بن کر خدمت نبوی میں حاضر ہوئے اور آپ کے ساتھ پرندے کا گوشت تناول فرمایا۔ اس روایت کی اسناد کے لیے ابن عساکر کی تاریخ دمشق سیرت علیؓ کے باب کا مطالعہ فرمائیں جو کہ جلد دوم کے صفحہ ۱۰۵ سے ۱۵۵ تک پھیلا ہوا ہے۔

آل محمدؐ اور عہد منصور

ابو الفرج لکھتے ہیں کہ منصور نے محمد بن ابراہیم بن حسن مجتبیٰ بن علی بن ابی طالب سے کہا: کیا دیباج اصفر تو ہے؟
اس نے کہا: جی ہاں میں ہی ہوں۔

منصور نے کہا: میں تجھے ایسی موت ماروں گا کہ آج تک کوئی ایسی موت نہ مرا ہوگا۔

پھر منصور نے حکم دیا کہ ایک ستون کو خالی کیا جائے۔ جب ستون خالی ہو گیا تو اس میں دیباج اصفر کو داخل کر کے اس پر دیوار چن دی گئی۔

(مقاتل الطالبین ۲۰۰۔ طبری ۹/۱۹۸)

دور متوکل کے چند مظالم

طبری ۲۳۶ھ کے واقعات کے ضمن میں لکھتے ہیں:

اس سال متوکل نے حسین بن علیؓ کی قبر منہدم کرنے کا حکم جاری کیا اور

اس نے کہا کہ قبر حسینؑ کے ساتھ جتنے بھی مکانات ہیں انہیں بھی گرا دیا جائے اور وہاں کھیتی باڑی کی جائے اور قبر کے مقام پر پانی بہا دیا جائے اور لوگوں کو کربلا جانے سے روک دیا جائے۔

متوکل کے حکم کے بعد پولیس کے سربراہ نے اعلان کیا کہ تین دن بعد ہم نے جسے بھی قبر حسینؑ کے پاس دیکھا تو ہم اسے زندان بھیج دیں گے۔

یہ اعلان سن کر لوگ خوف زدہ ہو گئے۔ کربلا کو ویران کر دیا گیا اور قبر حسینؑ کے گرد کھیتی باڑی ہونے لگی۔ (طبری ۳/ ۱۴۰۷)

ابن اثیر ۲۳۶ھ کے واقعات کے ضمن میں لکھتے ہیں:

اس سال متوکل نے قبر حسینؑ اور اس کے ساتھ والے مکانات کو منہدم کرنے کا حکم جاری کیا اور اس نے اپنے حکم میں کہا کہ کربلا کو ویران کر دیا جائے اور وہاں پانی چھوڑ کر کھیتی باڑی کی جائے اور لوگوں کو وہاں جانے سے روک دیا جائے۔ اس حکم کے بعد منادی نے ندا دی کہ تین دن بعد ہم نے جسے قبر حسینؑ کے پاس دیکھا تو اسے گرفتار کر کے زندان بھیج دیں گے۔ لوگ کربلا چھوڑ کر بھاگ گئے اور زیارت متروک ہو گئی اور کربلا میں کھیتی باڑی ہونے لگی متوکل حضرت علیؑ اور ان کے خاندان سے شدید عداوت رکھتا تھا اور اسے جس کے متعلق معلوم ہوتا کہ وہ علیؑ اور ان کے خاندان سے محبت کرتا ہے تو وہ اس کا مال لوٹ لیتا اور اسے قتل کرا دیتا تھا۔

متوکل کی آل محمدؑ سے دشمنی کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے درباریوں میں ایک شخص کا نام عبادہ تھا اور وہ عنایت تھا اور وہ سر سے گنجا تھا۔ وہی لعین اپنے پیٹ پر ایک سر بانہ باندھ کر پیٹ کو بڑا کر لیتا تھا اور متوکل کے سامنے

قص کرتا تھا۔ دوسرے معنی تالیاں بجا کر کہتے تھے ”اصلع ولبطین (گنجا اور بڑے پیٹ والا) خلیفۃ المسلمین آگیا“

اس طرح سے وہ حضرت علیؑ کی نقل اتارتے تھے۔ اور متوکل یہ نقل دیکھ کر ہنستا تھا اور شراب پیتا تھا۔

ایک دن متوکل کا بیٹا مختصر دربار میں آیا اور اس نے عبادہ کو دھمکی دی۔ اس کی دھمکی سے عبادہ خوش ہو گیا۔

اس کو خاموش دیکھ کر متوکل نے اس سے کہا: تو خاموش کیوں ہے؟

عبادہ نے جواب دیا کہ آپ کے بیٹے نے مجھے دھمکی دی ہے۔

مختصر نے اپنے باپ متوکل سے کہا: امیر المؤمنین! جس کی نقل یہ کتا کرتا ہے اور لوگوں کو ہنساتا ہے وہ بزرگوار آپ کے ابن عم اور آپ کے خاندان کے بزرگ تھے اور آپ کے لئے ذریعہ افتخار تھے۔ آپ نے اگر اس مظلوم کا گوشت کھانا بھی ہے تو اکیلے کھائیں لیکن ان جیسے کتوں کو اس میں شامل نہ کریں۔ متوکل نے اپنے گویوں سے کہا کہ تم مل کر یہ شعر گاؤ۔

غار الفتی لابن عمہ راس الفتی فی حوامہ

”نوجوان اپنے ابن عم کی وجہ سے ناراض ہوا ہے، نوجوان کا سر اس کی ماں

کی گود میں ہے“

متوکل کی انہی حرکات سے جھگ آ کر مختصر نے اسے قتل کر دیا۔

(تاریخ کامل ابن اثیر طبع مصر ۱۸/۷)

ابوالفرج مقاتل الطالین میں لکھتے ہیں:

متوکل نے ایک نو مسلم یہودی ”دیزج“ کو کر بلا روانہ کیا اور اسے حکم دیا

کہ قبر حسینؑ اور اس کے ارد گرد کی تمام عمارتوں کو منہدم کر دے۔ اس نے کربلا پہنچ کر کربلا کی عمارت کو گرا دیا۔ جب قبر مطہر مسمار کرنے کا وقت آیا تو تمام مسلمان پیچھے ہٹ گئے اور انہوں نے قبر حسینؑ مسمار کرنے سے انکار کر دیا۔ دیزج اس کام کے لئے یہودیوں کو لے کر آیا جنہوں نے قبر کو مسمار کیا اور اس کے ارد گرد پانی بہایا اور کربلا کے گرد چوکیاں قائم کی گئیں۔ جو بھی امام حسینؑ کی زیارت کے لیے آتا تو اسے گرفتار کر لیا جاتا اور زندان میں بھیج دیا جاتا تھا۔ (مقاتل الطالین ۵۹۸-۵۹۹)

محمد بن حسین اشثانی کا بیان ہے:

دور متوکل میں میں اور میرا ایک عطار دوست امام حسینؑ کی قبر کی زیارت کے لئے روانہ ہوئے ہم دن کو چھپ جاتے تھے اور رات کو سفر کرتے تھے یہاں تک کہ ہم غاضریہ کے نواح میں پہنچے۔ پھر وہاں سے آدھی رات کے وقت ہم پولیس چوکیوں کے پاس سے گذرے خدا کا کرم ہوا کہ تمام چوکیدار سوئے ہوئے تھے ہم وہاں سے گذر کر قبر مبارک کی زیارت کے لئے آگے بڑھے ہمیں پہلے تو قبر کا نشان دکھائی نہ دیا، پھر ہم نے خوشبو محسوس کی اور اس خوشبو کی سمت میں چلتے گئے حتیٰ کہ ہم مقام قبر پر پہنچ گئے۔ قبر مبارک کھودی جا چکی تھی اور حضرت کے جسم کا تابوت باہر پڑا ہوا تھا جو کہ آدھا جلا ہوا تھا اور قبر حسینؑ کچھ گہرائی میں واقع تھی۔ ہم اس پر جھکے تو ہمیں ایک عجیب سی خوشبو محسوس ہوئی اور ایسی خوشبو ہم نے اپنی زندگی میں کبھی نہیں سونگھی تھی۔ میں نے اپنے عطر فروش ساتھی سے کہا: یہ کون سی خوشبو ہے؟

اس نے کہا: میں نے زندگی بھر ایسی خوشبو کبھی نہیں سونگھی معلوم ہوتا ہے

کہ یہ جنت کی خوشبو ہے یا امام حسینؑ کے جسم اطہر کی خوشبو ہے پھر ہم نے قبر مطہر

کے ارد گرد کچھ علامتیں نصب کر دیں اور کربلا سے چلے آئے۔
 کچھ عرصہ بعد متوکل قتل ہوا اور زیارت حسین پر سے پابندی اٹھ گئی تو وہاں
 آئے اور علامات کی بنیاد پر اس پر قبر مطہر کا تعویذ بنایا۔

ابو الفرج متوکل کی سادات دشمنی کے متعلق لکھتے ہیں:
 متوکل نے عمر بن فرج رنجی کو مکہ و مدینہ کا گورنر مقرر کیا۔ اس نے آتے
 ہی اعلان کیا کہ کوئی شخص آل ابی طالب کی مدد نہ کرے اور اگر اسے معلوم ہوا کہ کسی
 نے ان سے بھلائی کی ہے یا ان کی امداد کی ہے تو وہ اسے سخت سزا دے گا اور اس پر
 بھاری جرمانہ عائد کرے گا۔

چنانچہ اس نے اپنے اعلان کو کئی بار عملی شکل بھی دی۔ جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ
 آل ابی طالب کی خواتین کے کپڑے تک پھٹ گئے اور نماز پڑھنے کے لئے وہ ایک
 ہی دوپٹہ کو باری باری سر پر رکھ کر نماز پڑھتی تھیں اور اس کے بعد سر ننگے بیٹھ کر
 گھروں میں چرخہ کاتتی تھیں متوکل کے قتل تک یہی حالت قائم رہی۔ متوکل کے قتل
 کے بعد اس کے بیٹے مختصر نے آل ابی طالب کی مالی مدد کی اور وہ اپنے باپ کے
 ہر قول و فعل کے خلاف عمل کرنے کو اپنے لئے عبادت سمجھتا تھا۔

(مقاتل الطالبین۔ ۵۹۹)

الغرض وفات پیغمبر کے ساتھ ہی آل محمد کی مخالفت شروع ہوئی اور وہ
 سلسلہ صدیوں تک جاری رہا ہم اس دشمنی کے مزید آثار کو بحث کے نتیجہ کے بعد
 بیان کریں گے۔

نتیجہ بحث

قریش نہیں چاہتے تھے کہ خلافت و نبوت ایک ہی گھر میں جمع ہو جائے۔

اسی لئے انہوں نے لوگوں کو حیاتِ رسولؐ میں احادیثِ رسولؐ لکھنے سے منع کر دیا تھا اور انہوں نے حدیث لکھنے کی ممانعت اس وجہ سے کی تھی کہ مبادا رسولؐ خدا اپنے خاندان کی امامت و خلافت پر نص کر دیں یا ان کے کسی بزرگ کی مذمت کر دیں اسی لئے انہوں نے حضرت علیؑ کی امامت اور اپنی خلافت سے محفوظ رہنے کے لئے کتابتِ حدیث کی حوصلہ شکنی کی۔

اور اسی مقصد کے پیش نظر قریش نے رسولؐ خدا کو آخری وقت میں وصیت تحریر کرنے نہ دی اور شور مچایا تا کہ رسولؐ اپنے جانشین کے متعلق کچھ تحریر نہ کر سکیں۔ بنی ہاشم کو خلافت سے دور رکھنے کے لئے حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کی خلافت کے لئے کلیدی کردار ادا کیا اور حضرت ابوبکر نے اس احسان کا بدلہ یوں چکایا کہ انہوں نے حضرت عمر کو اپنا خلیفہ نامزد کیا۔ حضرت عمر نے اپنے دورِ حکومت میں احادیثِ رسولؐ کی کتابت کو ممنوع قرار دیا تھا اور جن صحابہ کے پاس کچھ احادیث کے مجموعے تھے تو آپ نے انہیں تلف کرنے کے لئے نذر آتش کر دیا اور جن صحابہ نے اس حکم کی خلاف دی کی تو انہیں زندان بھیج دیا گیا اور صحابہ پر سخت پابندی عائد کر دی گئی کہ وہ مدینہ سے باہر احادیثِ رسولؐ کو بیان نہیں کر سکتے۔

حضرت عمر جب کسی کو بھی کسی علاقہ کا حاکم مقرر کرتے تو مدینہ سے باہر تک اس کی مشالیت کرتے تھے اور اس سے کہتے تھے۔۔۔۔۔ قرآن کو علیحدہ رہنے دینا اور محمدؐ کی روایات کم سے کم بیان کرنا اور اس عمل میں بھی تمہارے ساتھ شریک ہوں۔ (تاریخ طبری ۱۹/۵۔ ہیرت حضرت عمر واقعات ۳۰ھ)

بنی ہاشم کو اقتدار سے علیحدہ رکھنے کے لئے شیخین نے کسی بھی ہاشمی کو نہ تو سالار

لشکر بنایا اور نہ ہی کسی مفتوحہ علاقہ کا حاکم مقرر کیا۔ (مروج الذهب مسعودی ۲/۳۲۱-۳۲۲)

حضرت عثمان سے پہلے صحابہ کرام کے پاس قرآن مجید کے بہت سے نسخے تھے اور ان نسخوں میں تفسیری حواشی موجود تھی اور تفسیری حواشی میں اہل بیت کی عظمت اور چند دیگر افراد کی مذمت بزبان حدیث مرقوم تھی۔ حضرت عثمان نے سرکاری سرپرستی میں قرآن مجید کا ایک نسخہ تدوین کرایا اور اس میں اس بات کا خاص خیال رکھا کہ تفسیری حاشیہ جات اس میں ہرگز موجود نہیں ہونے چاہیں۔ انہوں نے قرآن مجید کا ایک نسخہ مدون کر کے اس کی نقول تیار کرائیں اور اسے مملکت اسلامیہ کے اہم شہروں میں پھیلا دیا اور سرکاری نسخہ کے علاوہ صحابہ کرام سے تمام نسخے لے لئے گئے اور انہیں نذر آتش کر دیا گیا جب کہ قرآن مجید ایک تھا صرف فرق یہ تھا کہ ان نسخوں میں تفسیری احادیث موجود تھیں اور انہی احادیث کو ختم کرنا وقت کی ضرورت تھی۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ رسول خدا کے مشہور صحابی اور مشہور معلم قرآن عبد اللہ بن مسعود نے اپنا نسخہ دینے پر آمادگی ظاہر نہ کی تو انہیں کوفہ سے مدینہ طلب کیا گیا اور انہیں شدید زردو کوب کیا گیا اور بیت المال سے ان کا وظیفہ روک دیا گیا۔ (۱)

پیغمبر خدا کے جلیل القدر صحابی حضرت ابو ذر کا جرم یہ تھا کہ وہ حکام کو ان کی استحصالی پالیسیوں پر ٹوکتے تھے اور احادیث رسول بیان کرتے تھے، اسی لئے انہیں شام اور مدینہ سے جلا وطن کر کے صحرائے ربذہ میں بھیج دیا گیا۔ جہاں وہ بھوک پیاس کی شدت سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر مر گئے۔

۱۔ قرآن مجید کی جمع و تدوین کی تفصیلی بحث کے لئے ہماری کتاب ”القرآن الکریم و روایات المدرستین“ کا مطالعہ فرمائیں اور ابن مسعود کی روایت کے لئے ہماری کتاب ”احادیث ام المؤمنین عائشہ“ کا مطالعہ فرمائیں۔

حضرت عثمان، عبد الرحمن بن عوف کی خدمات کے تمدان تھے اسی لئے انہوں نے ایک دفعہ اپنی بیماری کے ایام میں عبد الرحمن کو اپنا جانشین نامزد کیا تھا لیکن یہ بات کچھ آگے نہ بڑھ سکی اور سانچے کی ہنڈیا چوراہے کے بیچ ٹوٹ گئی۔

عبد الرحمن حضرت عثمان کی زندگی میں ہی دنیا سے چل بسے اسی لئے حضرت عثمان کسی کو اپنا جانشین نامزد نہ کر سکے اور ان کی وفات سے امت اسلامیہ سقیفائی حکومت کے اثرات سے آزاد ہوگئی اور امت اسلامیہ کے افراد کے گلے میں کسی کی اطاعت کا جوا نہیں نہ رہا۔ اسی لئے امت اسلامیہ کی ایک عظیم اکثریت نے کسی طمع و لالچ اور کسی دھسکی کے بغیر حضرت علی کی بیعت کی مگر قریش کی اتانیت یہاں بھی پوری قوت سے ظاہر ہوئی۔ اب کی بار قریش نے رسول خدا کی زوجہ کو اپنے ساتھ ملایا اور انہیں آنحضرت کے گھر سے نکال کر میدان جنگ کارزار میں لاکھڑا کیا۔ جب جمل میں قریش کو بدترین شکست ہوئی تو انہوں نے اپنی ہار تسلیم کرنے کی بجائے حضرت علی کے خلاف جنگِ صفین برپا کی اور دونوں جنگوں میں یہی پروپیگنڈا کیا گیا کہ علی نے عثمان کو قتل کرایا ہے، اسی لئے اس سے انتقام لینا ضروری ہے۔

اور ادھر دوسری طرف امت اسلامیہ کے اکثر افراد کی حالت یہ تھی کہ خلفائے ثلاثہ کے دور میں نہ تو کسی ہاشمی کو کوئی کلیدی عہدہ ملا تھا اور نہ ہی ہاشمی افراد لوگوں سے براہ راست رابطہ رکھتے تھے اور نو مسلم عرب انہی باتوں کو حقیقی اسلام تصور کیے ہوئے تھے جو انہوں نے عرب فوج اور اس کے سالاروں سے سن رکھی تھیں۔ وہ پیغمبر کی احادیث سے ناواقف تھے اور انہیں ہرگز معلوم نہ تھا کہ رسول خدا نے علیؑ کے متعلق کیا کچھ کہا ہے اور وہ علیؑ کو اس آئینہ سے دیکھتے تھے جو کہ انہیں

پکڑایا گیا تھا۔

یہی وجہ ہے کہ جب معاویہ نے یقینی شکست سے بچنے کے لئے قرآن مجید کے نسخوں کو نیزوں پر بلند کیا تو حضرت علیؑ کی فوج کی اکثریت نے لڑنے سے انکار کر دیا تھا۔ اگر حضرت علیؑ کے فوجی مقام علیؑ سے صحیح طور پر واقف ہوتے تو وہ معاویہ کے دھوکے میں کبھی نہ آتے اور حضرت کے فرمان کو تسلیم کرتے ہوئے جنگ جاری رکھتے۔

اگر حضرت علیؑ کی فوج کے افراد عظمت علی سے کما حقہ آگاہ ہوتے تو وہ ”ان الحكم الا للہ“ کا نعرہ بلند کر کے حضرت کے خلاف صف بندی نہ کرتے۔ اس کی اصل وجہ یہی تھی کہ لوگوں کے سامنے علی علیہ السلام کی حقیقت اور عظمت پوری طرح سے عیاں نہ تھی اور عیاں بھی ہوتی تو کیسے جب کہ احادیث پیغمبر کی نشر و اشاعت پر سخت پابندیاں تھیں اور کوئی شخص ”قال رسول اللہ“ کہنے کی جرأت نہ کر سکتا تھا۔

آخر کار نہروان کی جنگ کا ثمرہ حضرت علیؑ کی شہادت کی شکل میں نمودار ہوا۔

خلاصہ بحث یہ ہے کہ قریش کی یہ خواہش کہ خلافت و نبوت ایک گھرانے میں جمع نہ ہو جس کا مرکز و محور علی علیہ السلام کی ذات تھی۔ کیونکہ بنی ہاشم میں حضرت علیؑ کے علاوہ کوئی دوسری قابل ذکر شخصیت موجود ہی نہیں تھی پہلے تین ادوار تک تو قریش کی خواہش پوری ہوتی رہی لیکن جب عنان اقتدار اتفاق سے حضرت علیؑ کے ہاتھ آگئی تو قریش نے ان پر دو بھاری جنگیں مسلط کیں جس میں ہزاروں انسان کام آئے۔ اور یوں چنی پسندیدگی نے ترقی کر کے عداوت و کینہ کی شکل اختیار کر لی اور یہ کینہ دور بنی امیہ میں کھل کر سامنے آ گیا۔

بغضِ حیدرؑ یا خلافتِ اموی کا امتیاز

عہدِ معاویہ کا جائزہ:

جب معاویہ کا اقتدار مستحکم ہوا تو اس نے اپنی سیاست کی بنیاد دو امور پر

رکھی:

(۱)۔ اپنے بعد یزید کو برسرِ اقتدار لانا۔ کیونکہ معاویہ مردم شناس شخص تھا وہ جانتا تھا کہ دشمنی آلِ محمدؐ کی پالیسی کے تسلسل کے لئے یزید کا برسرِ اقتدار آنا انتہائی ضروری ہے۔ اس سے پہلے قریش کی پالیسی یہ رہی تھی کہ خلافت کو قریش کے مختلف قبیلوں میں گردش دی جائے اور اس سلسلہ میں ان کا نعرہ تھا ”وسعوہانی قریش تتع“ ”خلافت کو قریش میں وسیع کرو تا کہ خلافت میں وسعت پیدا ہو۔“

(قریش کا یہ نعرہ ابن ابی الحدید نے شرح نہج البلاغہ ۱/۲ پر نقل کیا ہے۔ سے بالخصوص عداوت رکھنا تھی۔)

(۲)۔ معاویہ کے دورِ اقتدار کی دوسری ترجیح آلِ رسولؐ سے بالعموم اور حضرت علیؑ کی عداوت میں معاویہ اپنی مثال آپ تھا۔ اس نے شدتِ عداوت میں آ کر آلِ محمدؐ کی مذمت میں دینِ فروش افراد سے جھوٹی احادیث وضع کرائیں اور اپنے ممدوح افراد کے حق میں احادیثِ سازی کروائی اور پوری زندگی احادیثِ سازی کی سرپرستی میں مصروف رہا۔ معاویہ نے اسلامی قلمرو میں حضرت علیؑ پر لعنت اور سب و شتم کو رواج دیا اور ایک طویل عرصہ تک یہ قبیح رسم جاری رہی اور کئی نسلوں تک یہ سلسلہ قائم رہا معاویہ کے مشن کو یزید نے کربلا میں تکمیل تک پہنچایا۔ یزید نے نونو اسہؑ پیغمبر کو بے دردی سے شہید کرایا اور محض راتِ عصمت کو در بدر پھرایا۔

اگر یزید کے کردار کا صحیح تجزیہ کیا جائے تو اس میں یزید کا کوئی خاص قصور دکھائی نہیں دیتا کیونکہ یزید ایک نوجیز جوان تھا۔ اس نے رسول کریم کی زیارت نہیں کی تھی۔ وہ معاویہ کے قصر حکومت میں پیدا ہوا اور وہاں ہی جوان ہوا۔ اس نے جو کچھ اپنے والد سے سنا اسی کو اس نے دین سمجھ لیا تھا۔

یزید کا تمام کردار معاویہ کی تربیت کا ثمر ہے۔ یزید کے بعد خلافت سفیانی شاخ سے نکل کر مروانی شاخ میں داخل ہوگئی۔

آل مروان کی روش

آل مروان کے عہد حکومت میں معاویہ کی وضع کردہ پالیسی پر عمل ہوتا رہا اور دور معاویہ کی طرح ان کے عہد حکومت میں بھی امیر المومنین پر سب و شتم ہوتا رہا ہر جمعہ اور عید کے خطبہ میں علی علیہ السلام پر لعنت کی جاتی رہی۔

عمر بن عبد العزیز پر خدا کی رحمت ہو، اس نے اس رسم بد کو ختم کیا مگر جو رسم ایک طویل عرصہ سے جاری تھی اور لوگوں کے دلوں میں گھر کر چکی تھی اسے یکدم ختم کرنا ایک مشکل امر تھا۔ یہی وجہ ہے کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عمر بن عبد العزیز کی طرف سے ممانعت کے باوجود اہل حران نے اس فتنہ کو ترک کرنا گوارا نہیں کیا تھا اور انہوں نے یہ نعرہ بلند کیا:

لا صلاة دون لعن ابی تراب ”حضرت علیؑ پر لعنت کے بغیر نماز قبول

نہیں ہوتی“ (نعوذ باللہ)

علاوہ ازیں عمر بن عبد العزیز کا عرصہ اقتدار انتہائی محدود تھا۔ اس بے

چارے نے صرف دو سال اور چند ماہ حکومت کی، پھر بنی امیہ نے اسے زہر دے کر

اس کی زندگی کا چراغ گل کر دیا۔ اور اس کی وفات کے بعد بنی امیہ نے اپنی سابقہ روش جاری رکھی اور یہ سلسلہ بنی عباس کے برسر اقتدار آنے تک پورے زور و شور سے چلتا رہا۔

دور بنی عباس

عباسیہ دور میں کچھ خلفاء ایسے بھی گذرے ہیں جو عداوت آل محمدؐ میں بنی امیہ سے کسی طور بھی کم نہیں تھے اور عداوت آل محمد کے لئے ابو جعفر منصور، ہارون رشید اور متوکل کو بطور نمونہ پیش کیا جاسکتا ہے۔ بنی عباس میں کچھ اچھے اور رحمدل اور آل محمدؐ سے دوستی رکھنے والے افراد بھی دکھائی دیتے ہیں اس کے لئے الناصر لدین اللہ کو بطور مثال پیش کیا جاسکتا ہے۔ (۱)

نظریات کا طویل سفر راتوں رات ختم نہیں ہو جاتا جہاں پر نوے یا سو سال تک لوگوں کی تربیت ہی عداوت علیؑ پر کی گئی ہو تو اس کے اثرات یکدم ختم نہیں ہو سکتے تھے اسی لئے ہم دیکھتے ہیں کہ عداوت علیؑ کے جراثیم عباسی عہد میں بھی لوگوں میں پائے جاتے تھے۔ اور اس دور کے علماء و محدثین میں حریر بن عثمان المتوفی ۱۶۲ھ جیسا محدث بھی دکھائی دیتا ہے جو صبح و شام ستر مرتبہ امیر المؤمنین پر لعنت کرنا اپنا دینی اور مذہبی فریضہ سمجھتا تھا اور جو حضرت علیؑ کی مخالفت میں احادیث سازی کو حلال سمجھ کر بغداد کے گلی کوچوں میں اس کی تبلیغ کرتا تھا۔

۱۔ الناصر لدین اللہ مکتب اہل بیت کا پیروکار تھا۔ سامرا کے سرداب غیبت میں اس کی طرف سے چوبی کتابت کرائی گئی جو کہ آج بھی موجود ہے اور اس میں بارہ آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کے نام کندہ ہیں اور یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ سرداب غیبت کو الناصر الدین اللہ کے فرمان پر مستحکم کیا گیا۔

عداوت آل محمدؐ نے ایک طولانی سفر کیا ہے جیسا کہ ہم یہ دیکھتے ہیں کہ عبداللہ بن محمد بن عثمان جیسے محدث نے شہر واسط میں ”حدیث طائر“ بیان کی تو لوگوں نے اسے مسجد سے باہر نکال دیا اور جہاں وہ بیٹھا ہوا تھا اس جگہ کو دھویا گیا جس کے نتیجہ میں اس نے حدیث بیان کرنا ہی چھوڑ دی تھی۔

عداوت آل محمدؐ کو صرف تاریخ کے بوسیدہ اوراق میں تلاش کرنے کی ضرورت نہیں ہے بلکہ یہ چیز آج بھی پوری شدومد سے موجود ہے اور قریش، اموی، عباسی اور غیر عباسی حکومتوں میں یہ خوب چنپتی رہی اور آج بھی اسے بعض مقامات پر سرکاری سرپرستی حاصل ہے۔

مخالفین آل محمدؐ نے دیانت کو ایک عرصہ سے خیر باد کہا ہوا ہے اور انہوں نے حق چھپانے اور تحریف شدہ روایات کو اپنا دطرہ بنایا ہوا ہے۔ جس کی مثالیں آپ اگلے باب میں ملاحظہ کر سکتے ہیں۔





توضیحِ خفائے حق
سیرت اہل بیت
اور
اصحاب کی روایات



مکتب خلفاء بمقابلہ سنتِ رسولؐ

مکتب خلافت نے فضائلِ علی کی احادیث کو چھپانے یا غیر موثر ثابت کرنے کے لیے انکار، کتمان اور تحریف کے ریکارڈ قائم کیے ہیں۔ اس کے لئے نمونہ کے طور پر ہم لفظ وصی کو پیش کرتے ہیں۔

صحابہ کرام سے متعدد، موثق و معتبر روایات موجود ہیں کہ رسولُ خدا نے

فرمایا تھا:

علی وصی و وزیر و وارثی

”علیؑ میرا وصی میرا وزیر اور میرا وارث ہے۔“

بعض روایات میں ”خلفیتی“ کے الفاظ بھی مروی ہیں۔ یعنی علیؑ میرا

جانشین ہے۔

رسولُ خدا نے اتنی بار حضرت علیؑ کو اپنا وصی کہا کہ آپ کا لقب ہی وصی

بن گیا اور لفظ وصی کا جب بھی اطلاق ہوتا ہے تو اس سے حضرت کی ذاتِ گرامی مراد

لی جاتی ہے۔

اس طرح سے لفظ ابو تراب بھی حضرت کی کنیت مصدق بنی ہے۔ اور

جب بھی لفظ وصی اور ابو تراب بولا جاتا ہے تو ہر سننے والے کے ذہن میں حضرت

امیر المومنین کا تصور پیدا ہوتا ہے۔ صحابہ کرام، تابعین، تبع تابعین اور شعراء نے ہر

دور میں حضرت علیؑ کو لفظ وصی سے یاد کیا ہے۔ اب دیکھیں کہ مکتب خلفاء نے

وصیت کا انکار کرنے کے لئے کس طرح کے ہتھکنڈے استعمال کئے ہیں۔

یہ ایک حقیقت ہے کہ لفظ وصی مکتب خلفاء کی نفی کرتا ہے اور اس لفظ کی موجودگی میں سقیفائی خلافت پنپ نہیں سکتی۔ اسی لئے مکتب خلفاء نے اس کا انکار کیا اور نصوص نبوی کو چھپانے کی ہر ممکن کوشش کی۔ اس کی ابتداء ام المومنین بی بی عائشہ سے ہوئی، انہوں نے سرے سے ہی حضرت علیؑ کی وصایت کا یہ کہہ کر انکار کر دیا کہ رسول خدا کی وفات میرے سینے پر ہوئی، انہوں نے علیؑ کو وصیت کس وقت کی تھی؟

اس انکار کے بعد مکتب خلفاء نے وصیت کی نصوص قطعاً کو مختلف انداز سے چھپانے کی کوششیں کیں اور اگر ہم کتمان حق اور اخفائے حقیقت کے لئے مکتب خلفاء کا جائزہ لیں تو ہمیں دس طرح کی قسمیں دکھائی دیتی ہیں جن سے حقیقت کو چھپانے کی مذموم کوششیں کی گئیں اور ہم ان دس طریقوں کا اہمیت کے مطابق جائزہ لیں گے اور وہ دس طریقے درج ذیل ہیں:

(۱) سنت رسولؐ میں سے حدیث کے کچھ حصہ کو حذف کر کے اس کی جگہ مبہم الفاظ داخل کرنا۔

(۲) سیرت صحابہ میں سے پوری روایت کو حذف کر کے اس کی طرف ایک معمول سا اشارہ کر دینا۔

(۳) سنت رسولؐ میں سے کسی حدیث کی من مانی تاویل کرنا۔

(۴) صحابہ کے بعض اقوال کو اشارہ کے بغیر حذف کرنا۔

(۵) سنت رسولؐ کی تمام روایت کو اشارہ کے بغیر حذف کرنا۔

(۶) سنت رسولؐ کو لکھنے سے روکنا۔

(۷) ایسی تمام احادیث و روایات کی تضعیف کرنا جو ان کے مسلک کے خلاف ہوں۔

(۸) کتابوں اور کتب خانوں کو نذر آتش کرنا۔

(۹) سیرت صحابہ میں سے کچھ روایت کا حذف کرنا اور اس میں تحریف کرنا۔

(۱۰) روایات صحیحہ کی جگہ خود ساختہ روایات وضع کرنا۔

اب ہم کتمانِ حق کے ان تمام طریقوں کی مثالیں پیش کرنا چاہتے ہیں تاکہ ہمارے قارئین کو معلوم ہو سکے کہ مکتب خلفاء کے پیروکاری میں دیانت کا کتنا فقدان ہے۔

۱۔ سنتِ رسولؐ میں سے حدیث کے کچھ حصہ کو حذف کر کے مبہم الفاظ داخل کرنا

مکتب خلفاء میں ہم یہ دیکھتے ہیں کہ ان کے علماء نے دیانت کے تقاضوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے حدیث کے کچھ حصہ کو حذف کر کے اس کی جگہ مبہم الفاظ داخل کئے ہیں اور اس روش کی چند مثالیں یہاں پیش کی جاتیں ہیں:

(۱) اس سلسلہ کے لئے طبری اور ابن کثیر کی اس روش کو ملاحظہ فرمائیں:

جب (وانذر عشیرتک الاقربین) اور آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو تبلیغ فرمائیں کی آیت نازل ہوئی تو رسولؐ خدا نے اولاد عبدالمطلب کو جمع کیا اور ان کے سامنے دین کا پیغام پیش کیا پھر فرمایا: تم میں سے کون ہے جو اس معاملہ میں میری مدد کرے کوئی کھڑا نہ ہوا تو حضرت علیؑ اٹھے اور کہا، یا رسول اللہ! میں آپ کی مدد کروں گا۔ تو نبی کریم نے فرمایا:

(”ان هذا انى ووزبرى و وصى و خليفتى فيكم“

”بے شک یہ (علیؑ) میرا بھائی میرا وزیر اور میرا وصی اور تمہارے درمیان

میرا جانشین ہے۔“

اب اگر طبری و ابن اثیر یہاں ” و وصى و خليفتى“ لکھتے تو سقیفائی

خلافت ثابت نہیں ہو سکتی تھی۔ لہذا انہوں نے یہاں بددیانتی کا ثبوت دیتے ہوئے

” ووصى و خليفتى“ کے الفاظ حذف کر دیئے اور اس جگہ ”و کذا و کذا“ کے مبہم الفاظ

داخل کر دیئے۔ اور اس صورت میں حدیث پیغمبر سرے سے بے معنی ہو کر رہ گئی۔ اور

مفہوم کچھ یوں بن گیا۔ یہ میرا بھائی اور وزیر اور ”ایسا ایسا ہے“ یقیناً یہ خیانت اور

تحریف کی بدترین قسم ہے۔

(۲) اور اسی طرح کی خیانت بخاری نے صحیح بخاری میں کی ہے۔ جہاں اس

نے مروان اور عبدالرحمن کے اختلاف کا ذکر کیا ہے۔

اصل روایت یہ ہے کہ عبدالرحمن نے مروان سے کہا ”معاویہ یزید کو خلیفہ

نامزد کر کے قیصر و کسرئى کا نظام لانا چاہتا ہے۔ اس کے بدلے میں مروان نے

عبدالرحمن سے کہا کہ یہ وہی ہے جس کے متعلق اللہ نے قرآن میں کہا ”والذی قال

لو الندیہ اف لکما“ اور جس نے اپنے والدین سے کہا کہ تم پر افسوس ہے۔۔۔،

پھر مروان نے حکم دیا کہ عبدالرحمن کو پکڑو۔ عبدالرحمن دوڑ کر بی بی عائشہ کے حجرہ میں

گھس گیا۔ بی بی عائشہ دروازہ پر آئیں اور کہا اللہ نے ہمارے متعلق قرآن میں کچھ

نازل نہیں کیا البتہ اللہ نے قرآن میں میری پاکدامنی کی آیات نازل کیں اور رسولؐ

خدا نے تیرے باپ حکم پر لعنت کی تھی جب کہ تو اس وقت اس کے صلب میں تھا۔

اب اس اصل واقعہ کے بعد آئیے امام الحدیث اور امیر المؤمنین امام بخاری کی

”دیانت داری“ ملاحظہ فرمائیں۔

انہوں نے عبد الرحمن کے قول کو بیان نہیں کیا کیونکہ اس سے معاویہ کی مخالفت ثابت ہوتی تھی۔ انہوں نے اپنی کتاب میں صرف یہ لکھا ”فقال عبد الرحمن شیاء“ عبد الرحمن نے اس وقت ”کچھ“ کہا۔ اور وہ ”کچھ“ کہا تھا یہ ایک ایسا معمر ہے جسے نہ تو سمجھا جاسکتا ہے اور نہ ہی سمجھایا جاسکتا ہے۔ اگر امام بخاری ”کچھ“ کی بجائے سب کچھ لکھ دیتے تو اس سے معاویہ کی توہین ہوتی تھی جب کہ امام صاحب اس کی توہین پر آمادہ نہیں تھے۔

علاوہ ازیں انہوں نے جہاں اس واقعہ کی طرف ہلکا سا اشارہ کیا وہاں بددیانتی کی تمام حدود پھیلا گتے ہوئے بی بی عائشہ کے جواب کو سرے سے نقل ہی نہیں کیا اور ام المومنین کا جواب نقل کرنے سے مروان اور نسل مروان کے خلفاء پر زد پڑتی تھی اسی لئے انہوں نے عمداً ایسا نہیں کیا۔

(۳) غزوہ بدر کے وقت رسول خدا نے ایک مجلس مشاورت طلب کی تھی جس میں صحابہ نے اپنے اپنے مشورے پیش کئے تھے۔ اس سلسلہ میں طبری اور ابن ہشام کی خیانت ملاحظہ فرمائیں۔ طبری اور ابن ہشام دونوں لکھتے ہیں:

رسول خدا کو قریش کے تجارتی قافلہ کی اطلاع ملی تو آپ نے ان کے قافلہ کو روکنے کے لئے لوگوں سے مشورہ کیا۔ ”فقام ابو بکر الصديق فقال واحسن ثم قام عمر بن الخطاب مقام واحسن“ پھر ابو بکر صدیق اٹھے اور انہوں نے ”اچھی گفتگو“ کی۔ پھر عمر بن الخطاب اٹھے اور انہوں نے ”اچھی گفتگو“ کی۔ پھر مقداد بن عمرو نے اٹھ کر کہا یا رسول اللہ! اللہ نے آپ کو جہاد کا حکم دیا ہے آپ ہمیں وہاں لے چلیں، ہم آپ سے وہ بات نہیں کریں گے جو بنی اسرائیل نے موسیٰ

سے کی تھی۔

”فاذهب انت وربک فقاتلا انا هاهنا قاعلون“

تو اور تیرا رب چلے جاؤ اور جا کر جنگ کرو ہم یہاں بیٹھے ہوئے ہیں۔
اس کی جگہ ہم آپ سے یہ کہیں گے۔ آپ اور آپ کا رب جا کر جنگ
کرو، ہم بھی آپ کے ساتھ مل کر جنگ کریں گے۔۔۔۔۔ رسول خدا نے اسے
دعا دی، پھر سعد بن معاذ انصاری نے عرض کیا:

یا رسول اللہ! آپ جہاں چاہیں ہمیں آپ ساتھ لے جائیں۔ ہم آپ
کے ساتھ رہیں گے۔ اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق کے ساتھ مبعوث کیا ہے
اگر آپ ہمیں حکم دیں تو ہم سمندر میں بھی کودنے کے لئے تیار ہیں اور ہمارا کوئی بھی
مخض آپ سے پیچھے نہیں رہے گا۔۔۔۔۔ رسول خدا یہ جواب سن کر خوش ہوئے۔

قارئین کرام! آئیے ذرا دیکھیں کہ شیخین نے مجلس مشاورت میں حصہ لیا
تھا اور وہاں اپنے خیالات کا کھل کر اظہار کیا تھا جن کے متعلق طبری اور ابن ہشام
نے صرف یہی کہا کہ انہوں نے ”اچھی گفتگو“ کی۔ اس مقام پر سوال یہ ہے کہ اگر
بزرگوں کی گفتگو واقعاً اچھی گفتگو تھی تو طبری اور ابن ہشام نے اسے نقل کیوں نہیں
کیا اور اپنے قارئین کو ان کی اچھی گفتگو سے محروم کیوں رکھا؟ جب کہ ان دونوں
مورخین نے مقداد بن عمرو اور سعد بن معاذ انصاری کی گفتگو تو حرف بحرف نقل کی۔
آخر ان مورخین کو وہ کون سی مجبوری تھی جس کی وجہ سے انہوں نے ”اچھی گفتگو“ کو
نقل کرنے سے گریز کیا؟

جب ہم اس واقعہ کی مزید تحقیق کرتے ہیں تو ہمیں مسلم میں کچھ اور ہی
منظر دکھائی دیتا ہے۔ مسلم کے یہ جملے ملاحظہ فرمائیں:

ان رسولِ اللہ شاور اصحابہ حین بلغہ اقبال ابی سفیان
قال: (فتکلم ابوبکر، فاعرض عنه. ثم تکلم عمر

فاعرض عنه..... الحديث)

”جب رسولؐ خدا کو ابوسفیان کی آمد کا علم ہوا تو آپ نے اپنے صحابہ سے
مشورہ کیا۔ حضرت ابوبکر نے گفتگو کی تو رسولؐ خدا نے منہ پھیر لیا۔ پھر عمر نے گفتگو کی
تو رسولؐ خدا نے منہ پھیر لیا۔۔۔۔۔ الحدیث“

اگر شیخین نے ”اچھی گفتگو“ کی تھی تو رسولؐ خدا نے منہ کیوں پھیر لیا تھا؟
اب اس بات پہ آتے ہیں کہ شیخین کی وہ ”اچھی گفتگو“ کیا تھی جس کی وجہ
سے رسولؐ خدا نے منہ پھیر لیا تھا۔ واقدی اور مقریزی رقم طراز ہیں۔ واقدی کے
الفاظ یہ ہیں:

قال عمر: يا رسولِ الله انها والله قريش وعزها، والله
ما ذلت منذ عزت والله ما امنت منذ كفرت، والله
لاتسلم عزها ابدًا، ولتقاتلنك، فاتهب لذلك اهبتہ
واعد لذلك عدته.....

”حضرت عمر نے کہا، یا رسولِ اللہ! یہ قریش ہیں اور یہ ان کی
عزت کا مسئلہ ہے۔ خدا کی قسم، قریش نے جب سے عزت
حاصل کی ہے تب سے بے عزت نہیں ہوئے اور انہوں نے
جب سے کفر کیا ہے وہ ایمان نہیں لائیں گے اور وہ اپنی عزت
سے کبھی بھی دست کش ہونے پر آمادہ نہیں ہوں گے اور وہ
آپ سے یقیناً جنگ کریں گے، آپ اس کی تیاری کریں اور

اپنا ساز و سامان جمع کریں۔“

ابن ہشام، طبری اور مسلم کی روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عمر نے حضرت ابوبکر کے بعد گفتگو کی تھی اور طبری اور ابن ہشام نے دونوں کی تقاریر کو ”اچھی گفتگو“ سے تعبیر کیا۔ اور مسلم نے لکھا ہے کہ رسول خدا نے ابوبکر کی گفتگو سن کر منہ پھیر لیا اور بعد ازاں عمر کی گفتگو سن کر بھی منہ پھیر لیا۔

تاریخ میں حضرت ابوبکر کی تقریر کا کوئی حوالہ نہیں ہے البتہ حضرت عمر کی ”اچھی گفتگو“ کی تفصیل موجود ہے۔ اور امام مسلم نے دونوں تقاریر کے متعلق یہ لکھا کہ رسول خدا نے دونوں کی باتیں سن کر منہ پھیر لیا تھا۔ ان تمام کڑیوں کو ملایا جائے تو یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ دونوں کی گفتگو ایک ہی تھی۔

خدارا ہمیں بتایا جائے کہ کیا ایسی حوصلہ شکن اور اعصاب شکن تقریر کو ”اچھی گفتگو“ کہا جاسکتا ہے۔ فامحبتبر وایا الاحباب !

طبری اور ابن ہشام نے دونوں بزرگواروں کی اعصاب شکن گفتگو کو ”اچھی گفتگو“ کہہ کر اس کا تذکرہ کرنا مناسب نہیں سمجھا اور مسلم نے مذکورہ شخصیات کی گفتگو کو نقل کرنے سے گریز کیا مگر صرف اتنا اشارہ کیا کہ آنحضرتؐ کو ان کی گفتگو پسند نہ آئی اور حضرت نے ان سے منہ موڑ لیا۔

اور بخاری کے تعصب کی انتہا یہ ہے کہ اس نے اس کے متعلق ایک حرف تک لکھنا بھی گوارا نہ کیا۔ غالباً یہی وجہ ہے کہ بخاری کو مسلک خلفاء کا اہم ترین ماخذ قرار دیا گیا اور اس کی اسی ”خوبی“ کی وجہ سے اسے صحیح الکتب بعد کلام الباری کے لقب سے ملقب کیا گیا۔

طبری اور ابن کثیر کی ”دیانت“ بھی آپ نے ملاحظہ فرمائی کہ انہوں نے

”ووصی و خلیفتی“ کے الفاظ کو حذف کر کے اس کی جگہ پر ”کذا و کذا کے مبہم الفاظ تحریر کر دیے، جس سے حدیث پیغمبر بے معنی ہو کر رہ گئی۔

امام بخاری کی دیانت بھی آپ نے ملاحظہ فرمائی کہ اس نے عبد الرحمن بن ابی بکر کے الفاظ کو اپنی کتاب میں لکھنا پسند نہیں کیا اور اس کی بجائے ”فقال عبد الرحمن شیاء“ کہہ کر معاملہ کو ختم کر دیا۔

امام بخاری نے یہ حرکت جان بوجھ کر کی کیونکہ اگر وہ عبد الرحمن کی گفتگو نقل کرتے تو اس سے معاویہ پر الزام آتا تھا، اس طرح سے اس نے ام المومنین بی بی عائشہ کے ان الفاظ کو بھی مکمل طور پر حذف کر دیا جو انہوں نے مردان کے متعلق کہے تھے۔ کیونکہ اگر وہ ام المومنین کے الفاظ نقل کرتے تو اس سے آل مروان کے خلفاء کی قلعی کھلتی تھی جب کہ امام بخاری ایسا کرنا پسند نہیں کرتے تھے۔

مکتب خلفاء میں اس طرح کی تحریف کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

۲۔ ایک اشارہ کر کے سیرت صحابہ میں سے پورے واقعہ کو حذف کرنا

مکتب خلفاء سے وابستہ محدثین و مورخین نے جہاں احادیث پیغمبر میں تحریف کی ہے وہاں صحابہ و تابعین کی سیرت پر بھی ہاتھ صاف کئے ہیں اگر آپ اس کی مثال دیکھنا چاہیں تو ان خطوط پر توجہ کریں جو محمد بن ابی بکر نے معاویہ بن ابی سفیان کے نام پر تحریر کئے تھے اور معاویہ بن ابی سفیان نے اس کا جو جواب دیا تھا وہ بھی قابل توجہ ہے۔

فریقین کے خطوط کی تفصیل نصر بن مزاحم المتونی ۲۱۲ھ کی ”کتاب

الصغین“ اور مسعودی المتونی ۳۴۶ھ کی مروج الذهب میں موجود ہے۔

خط لکھنے کی ابتدا محمد بن ابی بکر کی طرف سے ہوئی تھی، اس نے معاویہ کو ایک تفصیلی خط تحریر کیا تھا جس میں حضرت علیؑ کے فضائل و مناقب تحریر کئے تھے اور اس کے ساتھ یہ بھی لکھا تھا کہ حضرت علیؑ، رسول خدا کے وصی ہیں اور اس نے خط میں معاویہ کو حضرت کی مخالفت ترک کرنے کا مشورہ دیا تھا۔

معاویہ نے اپنے جواب میں حضرت علیؑ کے فضائل و مناقب اور وصیت کا اعتراف کیا تھا اور کہا تھا کہ علیؑ کی مخالفت کے لئے مجھے مطعون کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی ابتداء شیخین سے ہوئی تھی اور میں بھی ان کا پیروکار ہوں۔

طبری نے فریقین کے خطوط کا اشارہ کیا لیکن یہ کہہ کر انہیں نقل کرنے سے گریز کیا کہ لوگ ان خطوط کے متحمل نہیں ہیں۔ طبری کے بعد ابن اثیر نے بھی یہی روش اپنائی اور خطوط نقل نہ کرنے کی وجہ یہ بتائی کہ یہ خطوط عوام الناس کے لئے ناقابل برداشت ہیں۔

مذکورہ مورخین کے بعد ابن کثیر نے اپنی کتاب البدایہ والنہایہ ۷/۳۱۳ میں محمد بن ابی بکر کے خط کی طرف اشارہ کیا مگر نقل نہ کرنے کی یہ وجہ بتائی کہ ”اس میں سختی ہے“ طبری اور ابن اثیر اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ محمد بن ابی بکر کا خط لوگوں کے عقائد کو متزلزل کر سکتا ہے۔ اس طرح کی خیانت اور تحریف کی مثالیں نسبتاً کم ہیں۔

۳۔ حدیث کی من مانی تاویل

ملکب خلفاء کے پیروکاروں نے اپنی ”مثالی دیانت“ کا اظہار بعض اوقات

اپنی من مانی تاویل کے ذریعہ سے کیا ہے۔

اس کے لئے ہم ڈھسی کی کتاب تذکرۃ الحفاظ، ص ۶۹۸، ۷۰۱ کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ مذکورہ صفحات پر ڈھسی نے امام نسائی کے حالات میں لکھا ہے:

سنل النسائی ان یخرج فضائل معاویة، قال : ای سنی

اخرج؟ حدیث : اللهم لا تشیع بطنه؟

”نسائی سے کہا گیا کہ وہ فضائل معاویہ بیان کریں تو انہوں نے کہا میں اس کے کون سے فضائل بیان کروں؟ اس کے متعلق ”اللهم لا تشیع بطنه“ خدایا اس کا پیٹ کبھی نہ بھرنا، کی حدیث مروی ہے۔“

اب ذرا ذہبی کی ”دیانت“ ملاحظہ فرمائیں۔ اس نے ان جملوں کے بعد ابنی من مانی تاویل شروع کی جو کہ کچھ اس طرح سے ہے۔

قلت : لعل هذه منقبة لمعاوية لقول النبي اللهم من لعنته او شتبهه فاجعل ذلك زكاة ورحمة.

”میں کہتا ہے کہ شاید یہ حدیث (خدایا معاویہ کا پیٹ کبھی نہ بھرنا) معاویہ کی فضیلت ہے۔ کیونکہ نبی کریم نے فرمایا تھا۔

پروردگار! میں جس پر لعنت کروں یا جسے گالی دوں تو اس لعنت اور گالی کو اس شخص کے لئے پاکیزگی اور رحمت کا ذریعہ بنایا،

ڈھسی نے اپنے ”خیالات عالیہ“ کا اظہار تو لفظ ”شاید“ سے کیا ہے اور اس کے بعد جب ابن کثیر المتونی ۴۷۷ھ کی باری آئی تو اس نے معاویہ کی مذمت پر مبنی اس حدیث کو فضیلت معاویہ کی بہترین سند بنا کر دکھایا اور کہا کہ ”اس حدیث سے

معاویہ کی دنیا اور آخرت سدھر گئی“

ان کی من مانی تاویل کے لئے ان کی کتاب البدایہ والنہایہ ۱۱۹/۸ کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں۔ فضیلت معاویہ کی حدیث تلاش کرنی ہو تو صحیح مسلم کے باب (من لعنہ النبی اوسبہ پہلہ اللہ لہ زکاة و طہورا) جس پر نبی نے لعنت کی یا گالیاں دی ہوں تو اللہ اس لعنت اور گالی کو اس کے لئے پاکیزگی اور طہارت کا ذریعہ بنا دیتا ہے، کا مطالعہ کریں۔ اور اب صحیح مسلم کی کتاب البر والصلۃ کا مطالعہ فرمائیں۔ ابن عباس سے مروی ہے۔

رسولؐ خدا تشریف لائے۔ میں اس وقت بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا اور میں دروازہ کے پیچھے چھپ کر کھڑا ہو گیا۔ آپ نے مجھے پکڑ کر فرمایا ”جا اور معاویہ کو بلا کر لے آ“ میں اس کو بلانے گیا تو وہ کھانا کھا رہا تھا۔ میں نے رسولؐ خدا سے عرض کیا کہ وہ کھانا کھا رہا ہے پھر آپ نے فرمایا ”جا اور معاویہ کو بلا کر میرے پاس لے آ“

اب کی بار میں گیا تو وہ کھانا کھانے میں مصروف تھا۔ میں نے آنحضرت سے عرض کیا: وہ کھانا کھا رہا ہے۔ رسولؐ خدا نے فرمایا۔ (لا اشبع اللہ بطنہ) خدا اس کا کبھی پیٹ نہ بھرے، (یہاں تک مسلم کی روایت ہے)

اب یہاں ابن کثیر کے ہاتھ کی صفائی بھی ملاحظہ فرمائیں، اس نے مسلم کے یہ الفاظ نقل کئے ”اذہب و ادع لی معاویہ“ پھر اس نے اپنی طرف سے ان جملوں کا اضافہ کیا ”وکان یکتب الوحی“ اور وحی لکھتا تھا۔

اب آپ ابن کثیر کی نقل کردہ روایت اور اس کی من مانی تاویل کو توجہ سے پڑھیں:

عن ابن عباس قال : كنت العب مع الغلمان فاذا رسول

اللہ الا الی فافتیات علی با بفجاء نی فحتانی قد جاء فقلت : ماجاء الی رائی ، فاختبات علی باب (فحطانی) حطاة او حطاتین ، ثم قال : اذهب فادع لی معاویة . وكان یکتب الوحی . قال : فذهبت فدعوتہ له فقیل : انه یاکل . فاتیت رسول اللہ فقلت : انه یاکل ، فقال : اذهب فادعه فاتیتہ الثانية فقیل : انه یاکل فاخبرته ، فقال فی الثالثة لا شبع اللہ بطنه ، قال : فما شبع بعدها . وقد انتفع معاویة بهذه الدعوة فی دنیا و اخرہا . اما فی دنیاہ فانه لما صار الی الشام امیراء کان یاکل فی الیوم سبع مرات یجاء بقصعة فیها لحم کثیر و بصل فیاکل منها ویاکل فی الیوم سبع اکلات بلحم ومن الحلوی والفاکھة . شیاء کثیرا ویقول : واللہ ما اشبع وانما اعیا . وهذه نعمة ومعدة یرغب فیها کل الملوک واما فی الاخرة فقد اتبع مسلم هذا الحدیث بالحدیث الذی رواه البخاری وغیرهما من غیر وجه عن جماعة من الصحابة ان رسول اللہ قال اللهم انما انا بشر فایما عبد سبیتہ او جلدتہ او دعوت علیہ و لیس لذلك اهلاء فاجعل ذلك کفارة وقریة تقربلی عندک یوم القیامة فركب مسلم من الحدیث الاول وهذا الحدیث فضیلة لمعاویة ولم یورد له غیر ذلك .

”ابن عباس بیان کرتے ہیں کہ میں بچوں کے ساتھ کھیل رہا تھا کہ رسول خدا آئے۔ میں نے سوچا کہ آپ میرے لئے ہی آئے ہیں۔ چنانچہ میں ایک دروازہ کی اوٹ میں چھپ گیا۔ آنحضرت نے مجھے ایک یا دو ہلکی سی چپت رسید کی۔ پھر فرمایا جا اور معاویہ کو بلا کر میرے پاس لے آ۔ اور معاویہ وحی لکھا کرتا تھا۔ ابن

عباس نے کہا: میں گیا اور میں نے اسے بلایا، کہا گیا کہ وہ کھانا کھا رہا ہے، میں رسول خدا کے پاس آیا اور کہا وہ کھانا کھا رہا ہے۔ آپ نے فرمایا۔ ”جا اور اسے بلا کر لے آیا“۔ میں اس کے پاس دوسری بار گیا تو کہا گیا وہ کھانا کھا رہا ہے۔ میں نے واپس آ کر رسول خدا کو اطلاع کی۔ اور تیسری مرتبہ آپ نے فرمایا:

”خدا اس کا پیٹ کبھی نہ بھرے۔“

راوی کا بیان ہے کہ اس کے بعد معاویہ کا پیٹ کبھی نہ بھرا۔

حقیقت یہ ہے کہ آنحضرت کے ان الفاظ سے معاویہ نے دنیا اور آخرت میں فائدہ حاصل کیا۔ اس نے دنیا میں ان الفاظ سے یہ فائدہ حاصل کیا کہ جب وہ شام کا حکمران بنا تو سات بار گوشت اور پیاز کے ڈونگے بھر کر اس کے پاس لائے جاتے تھے اور وہ کھاتا تھا۔ چنانچہ معاویہ ایک دن میں گوشت سے بھرے ہوئے سات ڈونگے کھاتا تھا اور اس کے علاوہ حلوہ اور موسم کے پھل علیحدہ کھاتا تھا۔ اور وہ یہ کہا کرتا تھا کہ میں کھانے سے سیر نہیں ہوتا بلکہ کھاتے کھاتے تھک جاتا ہوں۔ ایسا معدہ خدا کی نعمت ہے اور ہر بادشاہ ایسے ہی معدہ کا خواہش مند ہوتا ہے۔ اور آنحضرت کے اس فرمان سے معاویہ کی آخرت سنورنے کی تفصیل اس حدیث میں مذکور ہے جسے امام مسلم اور بخاری نے کئی اسناد سے بہت سے صحابہ سے یہ روایت نقل کی ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی تھی۔

پروردگار! میں بھی ایک انسان ہوں لہذا اگر میں کسی شخص کا گالی دوں یا کوڑے ماروں یا بددعا کروں اور وہ اس کے لائق نہ ہو تو اس لعنت، گالی اور کوڑوں اور بددعا کو اس کے لئے کفارہ اور قربت بنا دے اور اس کے ذریعہ سے اسے بہشت میں اپنا مقرب بنا۔ یہی وجہ ہے کہ مسلم نے اس حدیث کو فضیلت معاویہ کے عنوان سے نقل کیا ہے اور اس نے اس کے علاوہ فضیلت معاویہ کی کوئی اور حدیث

روایت نہیں کی۔

ذہبی کی من مانی تاویل پر اسے داد دینی چاہئے کہ اس نے رسولؐ خدا کی بددعا کو دعا بنا کر دکھا دیا اور رسولؐ خدا کی بددعا کو سعادت دارین کا ذریعہ قرار دیا۔ انسانی عقل حیران ہے اور نااطقہ سر بہ گریبان ہے کہ اس اندھی عقیدت کو کیا نام دیا جائے کہ اپنے کسی ممدوح کو بچانے کے لئے رسولؐ خدا پر یہ تہمت عائد کر دی جائے کہ آپؐ نعوذ باللہ اہل ایمان پر بددعا کیا کرتے تھے اور آپؐ اتنے مغلوب الغضب تھے کہ آپؐ ناجائز طور پر اہل ایمان پر لعنتیں کرنے لگ جاتے تھے۔ (نعوذ باللہ)

جب کہ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی شفقت کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ الفاظ فرمائے ہیں:

لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ
حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَحِيمٌ . (التوبہ :
۱۲۸)

”تمہارے پاس تم میں سے ہی ایک پیغمبر آئے ہیں۔ تمہاری تکلیف ان کو گراں معلوم ہوتی ہے اور وہ تمہاری بھلائی کے بہت خواہش مند ہیں اور مومنوں پر نہایت شفقت کرنے والے اور مہربان ہیں۔“

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کو مومنین کے لئے شفیق اور مہربان کہا ہے مگر کتب خلافت کے علماء نے اپنے ممدوح افراد کو بچانے کے لئے یہ لکھ دیا ہے کہ رسولؐ کریم ناقح مومنین کو گالیاں دیتے تھے اور انہیں بددعا کرتے تھے اور انہیں جسمانی سزا بھی دیتے تھے۔ اب کلام خدا صحیح ہے یا کتب خلافت کے علماء کی یہ تحریر صحیح ہے، اس کا فیصلہ ہم اپنے قارئین کے دل و دماغ کی عدالت پر چھوڑتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے حبیب کے متعلق ارشاد فرمایا:

وانک لعلی خلق عظیم ”آپ خلق عظیم کے مالک ہیں“
خدارا ہمیں بتایا جائے جسے خدا قرآن کے الفاظ میں خلق عظیم کا مالک کہتا
ہو کیا وہ مومن پر لعنت یا بدعا کر بھی سکتا ہے؟

اصل بات یہ ہے کہ مکتب خلافت سے وابستہ افراد کی مجبوری تھی کہ
ام المؤمنین نے کہہ دیا تھا کہ رسول اللہ نے مروان کے والد پر اس وقت لعنت کی تھی
جب وہ اپنے باب کی صلب میں تھا۔ اب اگر یہ علماء اس لعنت کی تاویل نہ کرتے تو
خلفائے آل مروان شجرہ ملعونہ کے برگ و بار دکھائی دیتے۔

اور اس طرح سے رسول خدا نے معاویہ کو پیٹ نہ بھرنے کی بددعا دی تھی۔ مکتب
خلفاء سے وابستہ افراد اسے کیسے برداست کر سکتے تھے۔ لہذا انہوں نے اپنے مددوچ افراد کو
بچانے کے لئے الٹا رسول خدا پر یہ الزام لگا دیا کہ آنحضرت ناجائز طور پر مومنین پر لعنت
اور بددعا کر دیا کرتے تھے مگر وہ لعنت اور بددعا دعا میں بدل جاتی تھی۔ (۱)

ان احادیث کے متعلق ہم اپنی کتاب (احادیث ام المؤمنین عائشہ) اور (قیام
الائمة باحیاء السنہ) میں تفصیلی بحث کر چکے ہیں جسے یہاں دہرانا پسند نہیں کرتے۔

۱۔ ایسے ہی افراد کے متعلق علامہ اقبال نے کہا تھا:

خود بدلتے نہیں قرآن بدل دیتے ہیں ہوئے فقیمان حرم کس قدر بے توفیق
مرحوم نے اس روش کا شکوہ کرتے ہوئے کہا تھا:

احکام تیرے حق ہیں مگر اپنے مفسر تاویل سے قرآن کو بنا سکتے ہیں پاژند
اس طرح سے انہوں نے اپنے فارسی کلام میں کہا تھا:

ازما بر صوفی و ملا سلامی کہ پیغام خدا گفتند مارا
ولے تاویل شان در حیرت انداخت خدا و جبرئیل و مصطفی را
”ہماری طرف سے صوفی و ملا کو سلام پہنچے کہ انہوں نے ہم تک خدا کا پیغام پہنچایا۔

لیکن ان کی تاویل نے خدا، جبرئیل اور مصطفیٰ کو حیرت میں ڈال دیا۔“ (من البحر جم)

مکتب خلفاء کی پریشانیاں

مکتب خلافت کے علماء کی تاریخ یہ بتاتی ہے کہ انہوں نے ہر دور میں حق کو پوشیدہ رکھنے کی ہر ممکن کوشش کی اور اس کے لئے انہوں نے اپنی من مانی تاویلات کو بطور ہتھیار استعمال کیا اور ہمارے پاس ان کی من مانی تاویلات کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔

اس کے لئے نمونہ کے طور پر اس واقعہ کو دیکھیں کہ سعد بن ابی وقاص نے ابوحنیفہ سے کہا تھا ”واللہ لا نجلدک علی النحمر“ خدا کی قسم ہم تجھے شراب نوشی کی وجہ سے کوڑے نہیں ماریں گے۔

سعد بن ابی وقاص کا یہ جملہ مکتب خلافت کے شیدائیوں کے لئے ایک ”سٹیٹ کیس“ بن گیا اور انہوں نے اپنی خود ساختہ تاویلات کا دریا بہا دیا اس سلسلہ میں ابن فتحون اور ابن حجر کی مساعی خصوصی طور پر قابل ذکر ہیں۔

اس واقعہ کی تفصیل ہم عنقریب بیان کریں گے۔ حضرت خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ والہ وسلم نے فرمایا:

”میرے جانشین نقبائے بنی اسرائیل کی تعداد کے مطابق بارہ ہوں گے“

اس حدیث شریف نے مکتب خلافت کے وکلاء کو انتہائی پریشان کر دیا۔ کیونکہ یہ حدیث بارہ آئمہ ہدیٰ علیہم السلام کے علاوہ کسی دوسرے پر صادق نہیں آتی اور بارہ آئمہ کو تسلیم کرنا مسلک خلافت کے مزاج کے موافق نہیں ہے۔ لہذا انہوں نے بارہ افراد کی تعیین میں عجیب و غریب باتیں کیں اور ایک کی تاویل دوسرے سے

مختلف تھی۔

اسی طرح کی ایک اور حدیث کے حقیقی مفہوم کو چھپانے کے لئے طبرانی نے اپنی تاویل کا پھندا لگایا ہے۔ یہ حدیث مجمع الزوائد میں ان الفاظ سے وارد ہے:

عن سلمان . قال : قلت يا رسول الله ان الكل نبي وصيا
فمن وصيك؟ فسكت عني، فلما كان بعد راني فقال :
يا سلمان فاسرعت اليه قلت: لييك، قال ”تعلم من
وصي موسى؟“ قلت: نعم: يوشع بن نون، قال ”لم؟“
قلت : لانه كان اعلمهم يومئذ، قال : ان وصي وموضع
سرى وخير من اترك بعدى وينجز عدتي ويقضى
ديني علي بن ابي طالب. رواه الطبراني وقال : وصي :
انه اوصاه باهله لا بالخلافة.

(مجمع الزوائد ۹/۱۱۳-۱۱۴)

”سلمان کا بیان ہے کہ میں نے کہا یا رسول اللہ! ہر نبی کا وصی ہوتا ہے
آپ کا وصی کون ہے؟ آپ یہ سن کر خاموش ہو گئے۔ پھر کچھ وقت کے بعد آپ نے
مجھے دیکھ کر بلایا تو میں تیزی سے آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور لہیک کہی فرمایا۔

آپ نے فرمایا: جانتے ہو کہ موسیٰ کا وصی کون تھا؟

میں نے کہا: جی ہاں! وہ یوشع بن نون تھے۔

آپ نے فرمایا: وہ کیوں؟

میں نے عرض کیا: وہ اس وقت کے سب سے بڑے عالم تھے۔

اس وقت آپ نے فرمایا: میرا وصی اور میرے رازوں کا مقام اور میرے بعد

کے تمام لوگوں سے بہتر اور میرے وعدوں کو پورا کرنے والا اور میرے قرض اتارنے والا علی بن ابی طالب ہے۔

طبرانی نے اس کی روایت کی اور کہا ”میرے وصی“ سے مراد یہ ہے کہ حضور اکرمؐ نے حضرت علیؑ کو اپنے اہل و عیال کے متعلق وصیت فرمائی تھی، خلافت کے متعلق وصیت نہیں کی تھی“

طبرانی کی تاویلِ علیؑ کا جواب

ہمیں طبرانی کی خود ساختہ تاویل کا جواب دینے سے پہلے حدیث کے تین اطراف یعنی سائل، سوال اور جواب میں نبیؐ کی حکومت کا جائزہ لینا ہوگا۔ سائل مسلمان تھے جو نسب کے اعتبار سے فارسی تھے۔ ان کا تعلق رسولؐ خدا کے خاندان سے نہیں تھا اور نہ ہی وہ رسولؐ خدا کے سر یا سالے تھے اسی لئے انہیں رسولؐ خدا سے یہ پوچھنے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ آپؐ اپنے اہل خانہ کے لئے کسی کو وصی مقرر کر رہے ہیں، کیونکہ اس میں ان کی دلچسپی کا پہلو موجود نہیں تھا۔ حضرت سلمانؓ رسولؐ خدا کے ہاتھوں پر ایمان لانے سے قبل علمائے نصاریٰ کے پاس رہ چکے تھے اور وہ علمائے نصاریٰ سے سابقہ امتوں اور انبیاء و اوصیاء کے حالات سن چکے تھے۔ اسی لئے انہوں نے رسولؐ خدا سے پوچھا تھا کہ ہر نبی کا وصی ہوتا ہے اور آپ کا وصی کون ہے؟

حضرت سلمانؓ یہ سوال اہل خانہ کے وصی کے متعلق نہیں کر رہے تھے بلکہ وہ اس ذریعہ سے رسولؐ خدا سے یہ پوچھ رہے تھے کہ آپ کی شریعت کے نفاذ کے لئے آپ کا وصی اور آپ کا وئی عہد کون ہے؟

حضرت سلمانؓ کو خاندان کے متعلق وحی کے پوچھنے کی کوئی ضرورت ہی نہیں تھی۔ رسولؐ خدا نے سلمانؓ کے سوال کا اس وقت جواب نہیں دیا اور اس کی وجہ یہ تھی کہ آپ اہم معاملات کے لئے وحی کا انتظار کرتے تھے اور علم کے باوجود بھی کوئی فیصلہ صادر نہیں کرتے تھے۔ اس کی بہترین مثال تحویل قبلہ ہے۔ آپ اگرچہ جانتے تھے کہ کعبہ ہی آپ کا قبلہ قرار پانے ہی والا ہے مگر آپ نے وحی کا انتظار کیا اور اتنا بڑا فیصلہ اپنی طرف سے کسی پر مسلط نہ کیا۔ آپ فرمان خداوندی کے منتظر رہے اور جب تحویل قبلہ کی آیت مجیدہ نازل ہوئی تو آپ نے حالت نماز میں ہی اپنا رخ خانہ کعبہ کی طرف کر لیا۔

اسی طرح اس وقت کے عربی معاشرہ میں ہر شخص کی یہ خواہش تھی کہ رسولؐ اکرم کے بعد حکومت و ولایت اسے نصیب ہو اور ادھر آپ مدینہ میں اسلامی حکومت کی بنیاد قائم کرنے میں مصروف تھے۔ اسی لئے مصلحت نبوت کی وجہ سے آپ نے خاموشی اختیار کی اور معلوم ہوتا ہے کہ رسولؐ کریمؐ جو اب کے لئے حکم خداوندی کے منتظر رہے اور جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو اس سوال کا جواب دینے کا حکم دیا، تو آپ نے حضرت سلمانؓ کو اس کا جواب دیا۔ رسولؐ خدا نے سلمانؓ کو جواب یوں ہی نہیں دیا بلکہ جواب کی اہمیت کی پیش نظر آپ نے خود اس سے وحی موسیٰ کے متعلق پوچھا۔

جب سلمانؓ نے کہا کہ موسیٰ کے وحی یوشع بن نونؑ تھے تو آپ نے پھر دوسرا سوال یہ کیا کہ آخر یوشع میں کون سی خوبی تھی جس کی وجہ سے وہ موسیٰ کے وحی قرار پائے؟ سلمانؓ نے جواب میں کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ یوشع اس دور کے سب سے بڑے عالم تھے۔ اس کے بعد آنحضرت نے فرمایا:

”میرا وصی اور میرے رازوں کا مقام اور میرے بعد تمام لوگوں سے افضل اور میرا وعدہ پورے کرنے والا اور میرے قرض اتارنے والا علی بن ابی طالب ہے۔“
جواب پیغمبر سے یہ حکمت ظاہر ہوتی ہے۔

۱- نبی کریم نے حضرت علیؑ کو یوشع بن نون سے تشبیہ دی کیونکہ وہ تمام اوصیاء سے زیادہ مشہور تھے اور حضرت موسیٰ نے انہیں اپنا جانشین مقرر کیا تھا اور انہوں نے موسیٰ کے دور کی غزوات میں قائدانہ کردار ادا کیا تھا اس طرح سے حضرت علیؑ نے بھی دور نبوت کی غزوات میں قائدانہ کردار ادا کیا تھا۔

۲- رسول خدا اگرچہ خود بھی جانتے تھے لیکن آپ نے مسئلہ کی وضاحت کے لئے سلمان سے پوچھا کہ یوشع کی وصایت کی بنیاد کیا تھی تو انہوں نے کہا کہ وہ اپنے دور کے سب سے بڑے عالم تھے۔ رسول خدا نے بھی حضرت علیؑ کو اپنا وصی اس لئے قرار دیا کہ حضرت علیؑ بھی امت اسلامیہ کے سب سے بڑے عالم تھے۔

رسول خدا نے سوال و جواب کے اس خصوصی اسلوب سے یہ مسئلہ ذہن نشین کر دیا کہ علیؑ کی وصایت کی بنیاد ان کی رشتہ داری پر نہیں ہے بلکہ ان کی جنگی خدمات اور ان کے علم کی وسعت پر ہے اور ان حقائق کی موجودگی میں طبرانی نے جو تاویل کی ہے وہ ہٹ دھرمی اور بے جا ضد اور مذہبی تعصب کے علاوہ اور کچھ نہیں ہے۔

طبرانی جو کہ تاویل پر قسم کھائے بیٹھا تھا اس نے حدیث کے جملے ”خیر

من اترک بعدی“ کی تاویل کرتے ہوئے ”من اهل بیتی“ کا لاحقہ لگایا ہے۔
یعنی رسول خدا فرمانا یہ چاہتے تھے کہ میں اپنے بعد جن اہل بیت کو چھوڑ کر جا رہا
ہوں، علیٰ ان میں سب سے بہتر ہے۔

وصایت کے معنی میں ایک اور عالم کی پریشانی

نہج البلاغہ میں حضرت علیؑ کے ایک خطبہ میں یہ الفاظ وارد ہیں:

لا یقاس بال محمد (ص) من هذه الامة احد ولا یسوی

بهم من جرت نعمتهم علیه ابدا. هم اساس الدین

وعماد الیقین الیہم لیفینی العالی وبہم یلحق التالی

ولہم خصائص حق الولاية وفيہم الوصیة والوراثة الان

ادرجع الحق الی اہله ونقل الی منتقلہ. (نہج البلاغہ خطبہ ۲)

”اس امت میں کسی کو آل محمدؐ پر قیاس نہیں کیا جاسکتا۔ جن لوگوں پر ان

کے احسانات ہمیشہ جاری رہے ہوں وہ ان کے برابر نہیں ہو سکتے وہ دین کی بنیاد اور

یقین کے ستون ہیں۔ آگے بڑھ جانے والے کو ان کی طرف پلٹ کر آنا ہے اور

پیچھے رہ جانے والے کو ان سے آکر ملنا ہے۔ حق ولایت کی خصوصیات انہی کے لئے

ہیں اور انہی کے بارے میں پیغمبر کی وصیت اور انہی کے لئے (بنی کی) وراثت ہے۔

اب یہ وہ وقت ہے کہ حق اپنے اہل کی طرف پلٹ آیا اور اپنی صحیح جگہ پر منتقل ہو گیا۔“

حضرت کے خطبے کے اس حصہ میں حضرت نے اپنی وصیت کا اثبات کیا

ہے۔ ابن ابی الحدید شارح نہج البلاغہ کے لئے مسئلہ پیدا ہو گیا کہ وہ ”وصیت“ سے

کیسے انکار کرے۔ جب اسے وصیت کے انکار کا کوئی جواز نہ مل سکا تو اس نے اپنے

لئے تاویل کا دروازہ کھولا اور لکھا:

جہاں تک وصیت کا تعلق ہے تو ہمارے ہاں اس بات میں کوئی شک و شبہ نہیں ہے کہ حضرت علیؑ، رسول خدا کے وصی تھے اور جو شخص حضرت کے وصی ہونے کا انکار کرتا ہے تو وہ ہماری نظر میں حضرت علیؑ کا دشمن ہے اور ہم وصیت سے خلافت کی نص مراد نہیں لیتے۔ اس سے مراد نص خلافت کی بجائے دوسرے امور ہیں اور شاید جب وہ ظاہر ہوں تو وہ امور چمکنے دکنے لگیں گے۔

(اتھی کلام ابن ابی الحدید)

اس کے جواب میں ہم یہ گزارش کریں گے کہ حضرت علیؑ نے اپنے خطبہ میں یہ نہیں کہا ”لی حق الولاية والوصة والوراثة“ مجھے ولایت، وصیت اور وراثت کا حق حاصل ہے۔ بالفاظ دیگر آپ نے یہ بھی نہیں فرمایا کہ رسول خدا نے مجھے اپنے اہل بیت کی وصیت کی ہے اور میں حضور اکرم کی طرف سے اہل بیت پر وصی ہوں۔

آپ نے تو یہ فرمایا کہ آل محمد دین کی بنیاد ہیں۔۔۔ انہی کے بارے میں پیغمبر کی وصیت ہے۔

حضرت نے مذکورہ الفاظ تمام آل محمد کے متعلق فرمائے ہیں جو ان کے بارے میں پیغمبر کی وصیت ہے۔ اب اگر ابن ابی الحدید کی تاویل کو مان لیا جائے تو مفہوم یہ بنے گا کہ آل رسول کو آل رسول کی وصیت کی گئی ہے اور یہ مفہوم کسی طور بھی صحیح نہیں ہے۔

چنانچہ یہی وجہ ہے کہ علامہ ابن ابی الحدید یہاں آ کر چکرا گئے اور وہ موقع و محل کے تحت طبرانی کی تاویل بیان نہیں کر سکے کیونکہ اس کی تاویل کسی طور پر اس مقام پر درست دکھائی نہیں دیتی۔

ابن ابی الحدید سے جب کچھ نہ بن سکا تو اس نے لکھا کہ وصیت سے خلافت کی نص مراد نہیں بلکہ دوسرے امور مراد ہیں۔ لیکن انہیں خود یہ توفیق حاصل نہ ہوئی کہ بتاتے کہ وہ ”دوسرے امور“ کون سے ہیں۔ اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ مکتب خلافت کے علماء جب حدیث رسول، قول اہل بیت، قول صحابہ کو اپنے خود ساختہ نظریات کے خلاف دیکھتے ہیں تو حق کو تسلیم کرنے کی بجائے اس کی من مانی تاویلیں گڑھنے لگتے ہیں اور یہ سلسلہ روز ازل سے اب تک جاری ہے۔

۴۔ اشارہ کئے بغیر صحابہ کے کچھ اقوال کو حذف کرنا

مکتب خلافت سے وابستہ علماء نے ہر دور میں کتمان حق کی مثالیں قائم کی ہیں اور کتمان حق کے سلسلہ کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ کسی صحابی کے کچھ اقوال کو اشارہ کے بغیر حذف کر دیا جائے اور ہم بڑے ہی دکھ سے یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ مکتب خلافت سے وابستہ علماء نے اس طرح کی دیدہ دلیری کی ہے اور اس کی مثال کے لئے ہم نعمان بن عجلان انصاری صحابی کے اس قصیدہ کو پیش کر سکتے ہیں، جس میں انہوں نے انصار کے ایثار اور خلافت کے اختلاف اور حضرت علیؑ کے وصی ہونے کا تذکرہ کیا ہے۔ ان کے قصیدہ میں سے جن دو اشعار کا تعلق وصیت اور وصی سے ہے وہ ہم پہلے بھی نقل کر چکے ہیں۔ اس قصیدہ سے انہوں نے عمرو بن العاص کے موقف کی نفی کی ہے اور اپنا موقف واضح کیا ہے۔ چنانچہ وہ کہتے ہیں:-

وقلتم : حرام نصب سعد ونصکم

عتیق بن عثمان حلال ابابکر

واہل ابوبکر لها خیر قائم

وان علیا کان اخلاق بالامر

وكان هوانا في علي وانه
 لاهل لها يا عمرو عن حيث لا تدري
 فذاك بعون الله يدعو الى الهدى
 وينهى عن الفحشاء والبغى والمنكر
 وصي النبي المصطفى وابن عمه
 وقاتل فرسان الضلالة والكفر
 وهذا بحمد الله يهدي من العمى
 ويفتح اذانا ثقلن من الوقور
 نجى رسول الله في الغار وحده
 وصاحبه الصديق في سالف الدهر

”اور تم نے کہا کہ سعد کا خلیفہ مقرر کرنا حرام ہے جب کہ (حضرت) ابوبکر عتیق بن عثمان کا خلیفہ بنانا حلال ہے اور ابوبکر کا خاندان دین کا محافظ ہے۔ جب کہ علیؑ امر خلافت کے لئے سب سے زیادہ حقدار ہے، ہماری خواہش علیؑ کے متعلق تھی اور وہ اس کام کے لئے اہل بھی ہے جب کہ اے عمرو! تجھے کچھ بھی پتہ نہیں ہے۔ علیؑ اللہ کی مدد سے سرشار ہو کر ہدایت کی طرف دعوت دیتا ہے اور برائی بے حیائی اور سرکشی سے منع کرتا ہے۔

علیؑ، محمد مصطفیٰؐ کے بھائی اور ان کے ابن عم ہیں اور کفر و گمراہی کے شاہسواری کے قاتل ہیں۔ علیؑ خدا کی مہربانی سے اندھے پن سے نجات دیتا ہے اور جو کان بہرے پن کی وجہ سے بند ہو چکے ہیں علیؑ ان کانوں کی سماعت کو کھول دیتا

ہے۔ رسول خدا کا یار غار اور ان کا سچا ساتھی صرف ابوبکر ہے جو کہ پچھلے زمانہ سے ان کے پرانے دوست چلے آ رہے ہیں۔“

قارئین کرام! آپ نے صحابی رسول نعمان بن عجلان انصاری کا قصیدہ پڑھا اور اس قصیدہ میں حضرت علیؑ کے وصی ہونے کا بھی تذکرہ موجود ہے جو کہ مسلک خلفاء کے مزاج سے کسی طرح بھی ہم آہنگ نہیں ہے۔ اسی لئے مسلک خلفاء سے وابستہ علماء نے اس میں حسب عادت کتر بیونت سے کام لیا اور خیانت مجرمانہ کرتے ہوئے اس قصیدہ کے ان اشعار کا ذکر تک نہ کیا جن میں وصایت علیؑ کا ذکر موجود تھا۔

ابن عبد البر نے الاستیعاب فی معرفۃ الاصحاب میں نعمان بن عجلان کے حالات کے ضمن میں اس کا مذکورہ قصیدہ نقل کیا لیکن اس نے اس کے حسب ذیل یہ دو اشعار نقل کرنے سے گریز کیا:

فذلک بعون اللہ يدعو الی الهدی وینہی عن الفحشاء والبغی والنکر
وصی النبی المصطفیٰ وابن عمہ وقاتل فرسان الضلالة والکفر
”وہ (علیؑ) اللہ کی مدد سے ہدایت کی طرف بلاتا ہے اور بُرائی، سرکشی اور بے حیائی سے منع کرتا ہے۔ وہ بنی مصطفیٰ کا وصی اور ان کا ابن عم ہے اور کفر و گمراہی کے شاہسواروں کا قاتل ہے۔“

ابن عبد البر کی دیدہ دلیری کی انتہا یہ ہے کہ اس نے اس قصیدہ میں سے ان اشعار کو حذف کر دیا جو حضرت علیؑ کے متعلق تھے اور ان اشعار کو باقی رہنے دیا جو حضرت ابوبکر کی مدح و توصیف میں تھے۔ مسلک خلفاء میں ایک سے بڑھ کر ایک پایا جاتا ہے۔ ابن عبد البر کی دیانت آپ نے ملاحظہ کی۔ اس کے بعد ابن اثیر آیا تو

اس نے اپنی کتاب اسد الغابہ میں نعمان بن عجلان انصاری کے حالات بیان کرتے ہوئے یہ جملے لکھے:

نعمان نے کچھ اشعار کہے تھے جس میں اس نے انصار کی تعریف و توصیف کی تھی اور پیغمبر کے بعد خلافت کا بھی تذکرہ کیا تھا۔ ابن اشیر کی ”دیانت“ کا یہ عالم ہے کہ اس نے نعمان کے قصیدہ کے دو اشعار نقل کئے جن میں انصار کی خدمات بیان کی گئی تھیں اور جن اشعار میں سقیفائی خلافت اور حضرت علیؓ کی وصایت کا تذکرہ تھا، انہیں سرے سے بیان ہی نہیں کیا۔ اس کے بعد ابن حجر آیا تو اس نے نعمان کے حالات میں لکھا:

یہ وہی ہے جس نے اپنے اشعار میں انصار کی فداکاری اور جاں نثاری کا ذکر کیا تھا۔

پھر ابن حجر نے انصار کی مدح پر مبنی اشعار نقل کئے اور اپنے پیش رو کی طرح خلافت و وصایت کے اشعار کا ذکر تک نہ کیا اور جوں جوں وقت گزرتا گیا تعصب و عناد کے بادل مزید گہرے ہوتے گئے اور اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ حقیقت کے متلاشی افراد کے لئے ہدایت کے راستے بند ہو گئے اور صداقت کی راہیں تاریک بنا دی گئیں۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ زبیر بن بکار المتوفی ۲۵۶ھ نے نعمان بن عجلان انصاری کا پورا قصیدہ نقل کیا اور اس میں وصیت علیؓ کا ذکر موجود تھا۔ بعد میں ابن عبد البر المتوفی ۴۶۳ھ نے دو اشعار کو حذف کر دیا اور اس کے بعد ابن اشیر المتوفی ۶۳۸ھ نے مزید پھرتی دکھائی اور اس نے وصایت علیؓ کے اشعار کے ساتھ ان اشعار کو بھی حذف کر دیا جن میں خلافت کے اختلاف کا ذکر کیا گیا تھا۔ اور

صرف یہی کہا کہ اس نے خلافت کا ذکر بھی کیا تھا۔ اور اس کے بعد جب ابن حجر المتوفی ۸۵۲ھ کی باری آئی تو اس نے وصایت و خلافت کے اشعار کو حذف کر دیا اور یہاں تک لکھنے کی زحمت بھی برداشت نہ کی کہ ”اس نے اپنے اشعار میں وصایت علیؑ اور اختلاف خلافت کا ذکر کیا“ اور اس ترتیب سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ مسلک خلفاء سے وابستہ علماء میں دیانت کا فقدان رہا ہے اور ان کے درمیان حقائق چھپانے کا باہمی مقابلہ مدت سے جاری ہے۔

کتب خلافت سے وابستہ علماء نے ہر دور میں حقائق کو پوشیدہ رکھنے اور صدقاتوں کا چہرہ مسخ کرنے کی، پوری کوشش کی ہے اور انہیں احادیث پیغمبر میں جہاں بھی حضرت علیؑ کی وصایت کا ذکر دکھائی دیا تو انہوں نے اسے اپنے عقیدہ سے متصادم سمجھا اور اسے حذف کرنے میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ ہونے دیا اور خفائے حق کی بدترین مثالیں قائم کیں۔ اگر ہم اس کی مزید مثالیں پیش کرنا چاہیں تو کتاب کا حجم کئی گنا بڑھ جائے گا۔

۵۔ کسی اشارہ کے بغیر پوری حدیث کو حذف کرنا

ابن ہشام نے تمام تر روایات سیرت ابن اسحاق سے اخذ کیں اور اس نے اپنے طریق کار کے متعلق یہ الفاظ لکھے:

ابن ہشام نے تمام تر روایات سیرت ابن اسحاق سے اخذ کیں اور اس نے اپنے طریق کار کے متعلق یہ الفاظ لکھے:

میں نے اپنی اس کتاب میں سیرت ابن اسحاق کی بعض روایات نقل نہیں کی ہیں۔۔۔ اور میں نے ایسے واقعات کو نقل کرنے سے گزیر کیا ہے جن کا بیان کرنا

نامناسب تھا اور ایسے تمام واقعات کو میں نے حذف کر دیا ہے جسے عوام سننا پسند نہیں کرتے تھے۔۔۔۔۔

سیرت ابن اسحاق میں دعوت ذوالعشیرہ کا ذکر موجود ہے اور طبری نے ابن اسحاق کے حوالہ سے لکھا ہے کہ رسول کریم نے اولاد عبدالمطلب سے فرمایا: تم میں سے کون ہے جو اس کام میں میری مدد کرے وہ میرا بھائی اور میرا وصی اور تم میں میرا خلیفہ ہوگا؟

تمام لوگ یہ سن کر خاموش رہے۔ اس وقت علی بن ابی طالب نے کہا۔ اے اللہ کے نبی! میں آپ کی مدد کروں گا (حضرت علیؑ کہتے ہیں کہ) آپ نے میری گردن سے پکڑ کر فرمایا:

ان هذا افی ووصی و خلیفتی فیکم فاسمعوا له واطیعوا۔

”بے شک یہ میرا بھائی اور میرا وصی اور تم میں میرا جانشین ہے

تم اس کا فرمان سنو اور اطاعت کرو۔“

یہ اعلان سن کر لوگ ہنستے ہوئے کھڑے ہوئے اور ابو طالب سے کہنے

لگے۔

”محمد نے تجھے اپنے بیٹے کا فرمان سننے اور اس کی اطاعت

کرنے کا حکم دیا ہے۔“

ابن ہشام نے جب اپنی سیرت کا مواد ابن اسحاق کی کتاب سے لیا تو اس

نے دیکھا کہ دعوت ذوالعشیرہ اور حضرت علیؑ کی وصایت و خلافت کا ذکر عوام کے

مزاج کے مطابق نہیں ہے اسی لئے اس نے اس روایت کو حذف کر دیا۔ اور یوں

سیرت ابن ہشام عوام الناس کے مزاج کے مطابق قرار پائی اور پھر اسی وجہ سے

سیرت ابن ہشام کو خوب شہرت دی گئی اور سیرت ابن اسحاق متروک ہو گئی اور آج کل وہ نایاب ہو چکی ہے۔

طبری نے اپنی تاریخ میں دعوت ذوالعشیرہ اور حضرت علیؑ کی وصایت و خلافت کا ذکر کیا ہے لیکن اس نے محسوس کیا کہ اسے ایسا نہیں کرنا چاہیے تھا کیونکہ اس روایت کی موجودگی میں سفینائی خلافت کا جواز تک ختم ہو جاتا ہے اسی لئے اس نے اس کی تلافی اپنی تفسیر میں کر دی اور آیت ”وانذر عشیرتک الاقربین“ آپ اپنے قریبی رشتہ داروں کو تبلیغ کریں“ کے ضمن میں یہ الفاظ لکھے۔

رسول خدا نے اس دعوت میں فرمایا:

فایکم یوازرنی علیٰ هذا الامر علیٰ ان یکون اخی وکذا

وکذا.....

”تم میں سے کوئی ہے جو اس امر میں میری مدد کرے اور وہ

میرا بھائی اور ”یہ اور یہ“ ہو“

حضرت علیؑ نے کھڑے ہو کر اپنی نصرت کا یقین دلایا تو رسول خدا نے فرمایا:

ان هذا اخی وکذا وکذا فاسمعوا له واطیعوا.

”بے شک یہ میرا بھائی اور ”یہ اور یہ“ ہے۔ تم اس کی باتیں

سنو اور اطاعت کرو۔“

یہ اعلان سن کر لوگ اٹھ کھڑے ہوئے اور ابو طالبؓ سے کہنے لگے۔ تم

اپنے بیٹے کی بات سنو اور اس کی اطاعت کرو۔

(تفسیر طبری ۱۹/۷۲-۷۵ طبع اول بولاق سن طباعت ۱۳۲۳ھ)

ابن کثیر نے اپنی تاریخ البدایہ والنہایہ اور اپنی تفسیر میں بھی یہی کچھ کہا۔

خیانتوں اور تحریفات کا یہ ذہنی سفر ابھی تک جاری ہے اور مصری معاصر محمد حسین بیگل نے اس روایت کو اپنی کتاب حیات محمد کے ص ۱۰۴ پر نقل کیا اور اس میں یہ الفاظ لکھے:

فایکم یوازرنی علی هذا الامر ان یکون افی ووصی
 وخیلیتی فیکم“

”تم میں سے ایسا کون ہے جو اس کام میں میری مدد کرے اور

وہ میرا بھائی اور میرا وصی اور تم میں میرا جانشین قرار پائے۔“

لیکن ہمیں یہ دیکھ کر انتہائی تعجب ہوتا ہے کہ جب یہی کتاب ۱۳۵۴ھ میں دوسری بار طبع ہوئی تو اس میں اس روایت کا کوئی نام و نشان تک نہیں تھا۔

مکتب خلافت سے وابستہ علماء میں خیانت کی یہ قسم قدیم الایام سے رائج

ہے۔

۶۔ احادیث رسولؐ لکھنے سے منع کرنا

مکتب خلافت میں ایک طویل عرصہ تک خلفاء کی طرف سے حدیث کا لکھنا ممنوع تھا اور اس کی ابتداء عہد نبویؐ میں اس وقت ہوئی جب قریش نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص کو کتابت حدیث سے یہ کہہ کر منع کیا کہ تو رسولؐ خدا کی ہر بات لکھتا ہے جب کہ رسولؐ خدا بھی ایک انسان ہیں اور وہ بھی رضا اور غضب کے تحت بات کرتے ہیں۔

واضح سی بات ہے کہ یہاں قریش سے مراد مکہ میں رہنے والے قریش نہیں تھے بلکہ قریش کے وہ افراد تھے جو کہ صحابی پیغمبر اور مہاجر کہلاتے تھے۔ دوسروں کے

لئے تو کتابت حدیث بہت دور کی بات ہے۔ قریش کے اس گروہ نے رسولِ خدا کی زندگی کے آخری لمحات میں خود انہیں حدیث لکھنے سے روک دیا تھا۔

عمر بن عبدالعزیز کے عہد حکومت تک کتابت حدیث ممنوع رہی اور جب حدیث کے خطرات ختم ہو گئے تو اس دور میں حدیث کی تدوین کی اجازت ملی۔ اس امر کی تفصیلی بحث انشاء اللہ آپ کتاب ہذا کی دوسری جلد میں پڑھیں گے۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ کتابت حدیث کی ممانعت کی وجہ سے رسولِ خدا کی کتنی احادیث رقم ہونے سے رہ گئی ہوں گی اور خاص کر وصایت و خلافت کے متعلق حضرت کے کتنے فرمان ایسے ہوں گے جو آج ہمیں کتب میں دکھائی نہیں دیتے۔

اخفائے سنت کی دو مزید مثالیں

اخفائے سنت کی مسلسل جدوجہد میں ان دو مثالوں کو بھی شامل کیا جاسکتا

ہے:

۱۔ صاحب آغانی لکھتے ہیں جس کا ما حاصل یہ ہے:

انصار مدینہ کے وفود معاویہ بن ابی سفیان کے دروازے پر آئے اور انہوں نے معاویہ کے حاجب سعد ابو درہ سے کہا کہ معاویہ سے کہو کہ انصار تم سے ملاقات کرنا چاہتے ہیں۔ حاجب نے یہ پیغام معاویہ کو دیا، اس وقت وہاں عمرو بن العاص بھی بیٹھا تھا۔ عمرو بن العاص نے کہا۔ ان لوگوں نے اپنے نسب کو فراموش کر کے اپنا لقب انصار رکھ لیا ہے جو کہ کسی طور بہتر نہیں ہے۔ آپ ان لوگوں کو ان کے نسب کی طرف لوٹادیں تو یہ بہتر ہوگا۔

معاویہ نے کہا۔ کہیں ایسا نہ ہو کہ اس سے ہماری توہین لازم آئے۔

عمرو بن العاص نے کہا: آپ ایک کوشش تو کریں اگر یہ کوشش کامیاب ہوگئی تو بہتر ورنہ ان کے پاس اپنی پہچان کے لئے ایک لقب تو موجود ہی ہے۔ معاویہ نے حاجب سے کہا: تم پکار کر کہو عمرو بن عامر کی اولاد داخل ہو جائے۔

جب حاجب نے یہ آواز دی تو انصار کے علاوہ عمرو بن عامر کی اولاد دربار میں داخل ہوگئی۔ معاویہ نے نگاہ تعجب سے عمرو کی طرف دیکھا اور کہا تیری کوشش ناکام ہوگئی۔

پھر اس نے حاجب سے کہا: تم آواز دے کر کہو کہ اوس و خزرج کے افراد کو داخل ہونے کی اجازت ہے۔

حاجب نے یہ صدا دی، تو انصار میں سے ایک شخص بھی دربار میں نہ گیا۔ معاویہ نے حاجب سے کہا: اب آواز دے کر کہو کہ انصار کو داخلہ کی اجازت دی جاتی ہے۔ جیسے ہی یہ اعلان ہوا تو تمام انصار نعمان بن بشیر کی قیادت میں داخل ہوئے اور نعمان نے دربار میں کھڑے ہو کر یہ اشعار پڑھے۔

يسعد لا تعد الدعاء فماننا نسب نجيب به
سوى الانصار
نسب تخيره الاله لقومنا اثقل به
نسبا على الكفار
ان الذين ثورا بيدر منكم
يوم القلب هم وقود النار

”اے سعید! دعا نہ ماننا، ہمیں دوبارہ اس طرح سے مت پکارنا،

لفظ انصار سے بڑھ کر ہمارے لئے کوئی بہتر نسب نہیں ہے۔ یہ

ایک ایسا نسب ہے جسے خدا نے ہماری قوم کے لئے منتخب کیا

ہے اور یہ نسب کافروں کے لئے انتہائی گراں ہے۔ جو لوگ

بدر میں قتل ہوئے اور جن کی لاشوں کو کنوئیں میں ڈالا گیا وہ
دوزخی تم میں سے تھے۔“

یہ اشعار پڑھ کر وہ ناراض ہو کر واپس لوٹا۔ معاویہ نے بڑی مشکل سے
اسے راضی کیا، اور ان کی ضروریات پوری کیں، پھر معاویہ نے عمر سے کہا۔ ہم اس
چیز سے بے نیاز تھے۔ (ابن شہاب کا نام محمد بن مسعود قرشی الازیری ہے۔ (کا) اصحاب صحاح نے
اس سے احادیث نقل کی ہیں (تہذیب التہذیب ۲/۲۰۷) غانی طبع سیاسی ۱۲۰/۱۳-۱۲۲- طبع بیروت
۱۳/۱۶-۱۷)

اس واقعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ برسر اقتدار اگر وہ لفظ ”انصار“ کو بھی ختم
کرنے کے درپے تھا اور وہ اہل مدینہ کی اس پہچان کو ختم کرنا چاہتا تھا کیونکہ انصار کا
تعلق حکمران طبقہ سے نہیں تھا اور حکمران طبقہ ان کے اس نام کے شرف کو بھی
برداشت کرنے پر آمادہ نہ تھا۔

۲- ابو الفرج نے اپنی سند سے ابن شہاب سے روایت نقل کی کہ خالد بن
عبداللہ القسری نے مجھے حکم دیا کہ میں انساب پر کتاب لکھوں۔
میں نے کتاب کی ابتداء قبیلہ حضر کے نسب سے شروع کی اور مجھے لکھتے
ہوئے چند دن گزرے تو خالد نے مجھ سے پوچھا۔ کیا لکھ رہے ہو میں نے کہا: میں
قبیلہ حضر کے انساب لکھ رہا ہوں اور ابھی تک اس کی تکمیل نہیں کر سکا۔

خالد نے کہا: اسے ختم کرو، خدا! انہیں ان کی جزا سمیت ختم کرے، تم اس
کی بجائے میرے لئے سیرت نبوی تحریر کرو۔ میں نے کہا: میں سیرت تو لکھوں گا
لیکن سیرت نبوی میں علی بن ابی طالب کا بار بار تذکرہ ہوگا تو کیا میں علیؑ کا ذکر بھی
کرتا جاؤں؟ خالد نے کہا: ہرگز نہیں، ہاں اگر علیؑ تجھے بیخ کنی شہرانی نیر
دکھائی دے تو پھر ذکر لکھنے میں کراہت نہیں ہے۔ (نعوذ باللہ و لعنة اللہ علی قاتلہ)

(ابن غانی طبع سیاسی ۱۹/۵۹- طبع بیروت ۲۲/۲۳)

اس واقعہ سے حکمران طبقہ کی یہ پالیسی عیاں ہوتی ہے کہ وہ سیرت نبوی کے ضمن میں حضرت علیؑ کے نام لکھنے کے روادار نہیں تھے۔ اور وہ اپنے دور کے محدثین سے یہ کہتے تھے کہ اگر علیؑ کی مذمت میں کوئی روایت ہو تو اسے نقل کرو۔ علیؑ کی مدح کی کوئی روایت نقل نہ کرو۔ ان روح فرسا حالات میں یہ توقع کیسے کی جاسکتی ہے کہ محدثین نے حضرت علیؑ کی خلافت کی نصوص کو کھل کر نقل کیا ہوگا؟ خلفائے اسلام نے سنت نبویؐ کی نشر و اشاعت کو ممنوع قرار دیا تھا اور جس نے بھی سنت رسولؐ کی اشاعت کی تو اسے ذلیل کیا گیا اور بعض اوقات اسے قتل کر دیا گیا۔

تضعیفِ روایات اور قتلِ علماء کی روش

مکتبِ خلفاء سے وابستہ علماء کی ہر دور میں یہ روش رہی ہے کہ جس بھی راوی نے آل محمد کی مدح کی ہے یا جس نے بھی برسرِ اقتدار طبقہ کی مذمت میں کوئی جملہ کہا ہے تو ایسے راوی کو ہمیشہ ضعیف کہہ کر اس کی کردار کشی کی گئی اور اس کی تمام روایات کو ضعیف کہہ کر ٹھکرا دیا گیا اور کبھی ایسا بھی ہوا کہ عوام الناس نے اپنے نظریات کی مخالفت کرنے والے علماء کو قتل بھی کر دیا۔ ہم بحث کو طوالت سے بچانے کے لئے چار مثالوں پر اکتفا کرتے ہیں:

۱۔ وصایتِ علیؑ کا ذکر کرنے والوں کی توہین و تضعیف

البدایہ والنہایہ کا مولف ابن کثیر انتہائی متعصب شخص تھا اور اس کے تعصب کے ثبوت کے لئے اس کے یہ الفاظ ہی کافی ہیں:

بہت سے جاہل شیعہ اور کند ذہن قصہ گو اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں کہ رسولؐ

خدا نے حضرت علیؑ کی خلافت کے لئے وصیت کی تھی۔ ایسا سمجھنا جھوٹ، بہتان اور افترا ہے اور اس سے صحابہ کی خیانت ثابت ہوتی ہے کہ انہوں نے حضرت علیؑ کو خلافت سے علیحدہ کر کے حکم پیغمبر کی خلاف ورزی کی ہے۔۔۔۔۔ بعض بازاری داستان گو حضرت علیؑ کی وصیت کی روایات پڑھتے رہتے ہیں۔ یہ سب کچھ ہذیان ہے اور یہ بعض کم ظرف جاہلوں کی تراشی ہوئی بات ہے اس کا پھر روسہ نہیں کیا جاسکتا اور کسی کند ذہن اور در ماندہ شخص کے علاوہ ان باتوں پر کوئی اعتماد نہیں کر سکتا۔

(البدایہ والنہایہ ۷/۲۲۳)

ابن کثیر کی زبان کا لب و لہجہ آپ نے ملاحظہ کیا، جس سے اس کے ”حسن اخلاق“ کا بخوبی پتہ چلتا ہے۔ اب آئیے ہم ذرا ان قصہ گو لوگوں کی ایک ہلکی سے فہرست بیان کرنا چاہتے ہیں جنہوں نے وصایت علیؑ کی داستان بیان کی ہے اور اس فہرست میں یہ نام سرفہرست ہیں:

طبقہ صحابہ میں سے وصیت کے راوی

۱۔ حضرت علی بن ابی طالب علیہ السلام

۲۔ سلمان محمدی (فارسی)

۳۔ ابو ایوب انصاری

۴۔ ابو سعید خدری انصاری

۵۔ انس بن مالک انصاری

۶۔ بریدہ بن حصیب سلمی

۷۔ عمرو بن العاص قرشی

۸۔ ابو ذر غفاری

- ۹۔ امام حسن مجتبیٰ علیہ السلام
 ۱۰۔ امام حسین علیہ السلام
 ۱۱۔ حسان بن ثابت
 ۱۲۔ فضل بن عباس بن عبدالمطلب
 ۱۳۔ نعمان بن عجلان انصاری
 ۱۴۔ سعید بن قیس انصاری
 ۱۵۔ حجر بن عدی الکندی
 ۱۶۔ خزیمہ بن ثابت
 ۱۷۔ عمرو بن الحمق الخزاعی
 ۱۸۔ عبد اللہ بن عباس
 ۱۹۔ مغیرہ بن حارث بن عبدالمطلب
 ۲۰۔ اشعث بن قیس الکندی (ایک مشہور دشمن علی)

طبقہ تابعین میں سے روایت کے راوی

- ۱۔ جریر بن عبد اللہ بکلی
 ۲۔ نجاشی شاعر قیس بن عمرو
 ۳۔ محمد بن ابی بکر بن ابی قحافہ
 ۴۔ منذر بن حمیفہ الوداعی
 ۵۔ عبد الرحمن بن یحییٰ
 ۶۔ نضر بن عجلان

- ۷۔ مالک اشتر
- ۸۔ عمر بن حارثہ انصاری
- ۹۔ عبد الرحمن بن ذویب سلمی
- مکتب خلفاء کے حکام و آئمہ
- ۱۔ پہلے عباسی خلیفہ سفاح کا چچا علی بن عبد اللہ
- ۲۔ ہارون الرشید عباسی
- ۳۔ مامون الرشید عباسی
- ۴۔ امام شافعیہ محمد بن ادریس شافعی
- مولفین میں سے وصیت کی احادیث لکھنے والے علماء
- مندرجہ ذیل علماء نے وصیت کے متعلق رسول خدا کی احادیث کو اپنی تالیفات میں جگہ دی۔
- ۱۔ امام الحنابلہ احمد بن حنبل المتوفی ۲۴۱ھ در کتاب مناقب علی
- ۲۔ دینوری المتوفی ۲۸۲ھ در الاخبار الطوال
- ۳۔ امام المورخین طبری المتوفی ۳۲۰ھ در تاریخ طبری
- ۴۔ امام بیہقی در کتاب الحاسن والمساوی
- ۵۔ مسند الدیناء طبرانی المتوفی ۳۶۰ھ در معاجم
- ۶۔ ابو نعیم اصفہانی المتوفی ۴۳۰ھ در حلیۃ الاولیاء
- ۷۔ حافظ ابن عساکر شافعی المتوفی ۵۷۵ھ در تاریخ شہر دمشق
- ۸۔ ابن اثیر در تاریخ کامل
- ۹۔ ابن ابی الحدید شافعی المتوفی ۶۵۶ھ در شرح نہج البلاغہ
- ۱۰۔ متقی ہندی المتوفی ۹۷۵ھ در کنز العمال

یہ ہیں وہ حضرات جنہیں ابن کثیر نے اپنے تعصب سے جاہل اور داستان گو کہا ہے۔ ان کے علاوہ بہت سے صحابہ و تابعین نے بھی ابن کثیر کے قول کے مطابق بازاری داستان گو افراد سے متاثر ہو کر اپنے اشعار اور خطبات میں حضرت علیؑ کی وصیت کا ذکر کیا ہے جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں۔

زبیر بن بکار نے الموفقیات میں، طبری اور ابن اثیر نے اپنی اپنی تاریخ میں، خطیب بغدادی نے تاریخ بغداد میں، سعودی شافعی نے مروج الذهب میں اور امام المحدثین حاکم نے المستدرک میں اور ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں وصیت علیؑ کی احادیث نقل کی ہیں۔

آج ہم ابن کثیر کی روح سے یہ سوال کرتے ہیں کہ کیا تمام مذکورہ افراد بازاری داستان گو تھے اور ان سے متاثر ہونے والے افراد کذب و عجز و عجز و عجز تھے۔ اور اگر ایسا نہیں ہے اور ہرگز ایسا نہیں ہے تو اس سے صرف یہی ثابت ہوتا ہے کہ ابن کثیر کے مذکورہ الفاظ صرف تعصب اور آل محمدؑ کی دشمنی پر مبنی ہیں، ورنہ علمی دنیا میں اس کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔

۲۔ رواۃ حدیث پر طعن و تشنیع کرنا

ابن عبدالبر نے شعبی سے نقل کیا اور اس نے حارث ہمدانی کے متعلق کہا تھا:
 حدثنی الحارث وکان احد الکذابین ”مجھ سے حارث نے بیان کیا اور وہ کذابوں میں سے ایک کذاب تھا۔“
 ابن عبدالبر نے کہا:-

لم بین من معنی الحارث کذب وانما نقم علیہ افراطہ
 فی حب علی وتفضیلہ لہ علی غیرہ ومن ہینا واللہ
 اعلم کذبہ الشعبی لان الشعبی یذهب الی تفضیل ابی

بکر والی انه اول من اسلم. (۱)

”حارث کا آج تک کوئی جھوٹ ثابت نہیں ہوا۔ شععی اس پر اس لئے ناراض ہوا کہ وہ حضرت علیؑ سے زیادہ محبت کرتا تھا اور حضرت کو غیروں سے افضل سمجھتا تھا اسی لئے شعبی نے اسے کاذب کہا ہے اور شععی حضرت ابو بکر کی تفضیل کا قائل تھا اور وہ یہ نظریہ رکھتا تھا کہ سب سے پہلے ابو بکر نے اسلام قبول کیا۔“

۳۔ آئمہ حدیث پر طعن و تشنیع کرنا

مکتب خلفاء کا پرانا دستور رہا ہے کہ جس بھی امام حدیث نے ایسی حدیث نقل کی جو عوام کے مزاج کے مطابق نہیں تھی تو انہوں نے فوراً امام حدیث پر ہی طعن و تشنیع کا دروازہ کھول دیا۔ اس کے لئے امام حاکم کو بطور نمونہ پیش کیا جاسکتا ہے۔ جیسا کہ ذہبی حاکم کے حالات میں لکھتے ہیں جس کا ماحصل یہ ہے:

ابو عبد اللہ محمد بن عبد اللہ بن محمد حمدویہ نیشاپوری المعروف ابن السنیج ایک عظیم حافظ الحدیث اور امام الحدیث تھے۔ ۳۱۲ھ کو پیدا ہوئے اور ۴۰۵ھ میں وفات پائی۔ انہوں نے بچپن سے ہی حدیث کو تلاش کیا اور طلب حدیث کے لئے انہوں نے عراق، خراسان اور ماوراء النہر کا سفر کیا اور دو ہزار محدثین سے احادیث نقل کیں۔ انہوں نے چھوٹی بڑی پانچ سو کتابیں لکھیں اور ان کی تالیفات میں سے ایک کتاب فضائل الشافعی بھی ہے۔ ان کے دور کے تمام آئمہ حدیث انہیں اپنے پر مقدم جانتے تھے اور ان کی فضیلت کے معترف تھے اور دل و جان سے ان کا احترام کرتے تھے۔

ذہبی کہتے ہیں۔ ایک دفعہ امام حاکم سے ”حدیث طیر“ کے متعلق پوچھا گیا: تو انہوں نے کہا: یہ حدیث صحیح نہیں ہے کیونکہ اگر یہ حدیث صحیح ہوتی تو نبی کے بعد علیؑ ہی تمام صحابہ سے افضل قرار پاتے۔ مگر کچھ عرصہ بعد امام حاکم کی رائے بدل گئی اور انہوں نے اسی ”حدیث طیر“ کو اپنی مستدرک میں لکھ دیا۔ ذہبی نے علماء سے نقل کیا ہے کہ انہوں نے مستدرک حاکم کے متعلق کہا، حاکم نے اس کتاب میں

ایسی احادیث جمع کی ہیں جن کے متعلق وہ سمجھتے تھے کہ یہ بخاری و مسلم کی شرائط پر پوری اترتی ہیں مگر یہ حدیثیں ان سے رہ گئیں۔ مستدرک میں حاکم نے ”حدیث طیر“ اور ”من کنت مولاہ فعلی مولاہ“ جیسی احادیث بھی نقل کی ہیں۔ اسی لئے اصحاب حدیث نے حاکم کا انکار کیا اور اس کے قول کی طرف کوئی توجہ نہ دی۔

ذہبی کہتے ہیں: ”حدیث طیر“ بہت سی اسناد سے مروی ہے۔ میں نے ”حدیث طیر“ کے اثبات کے لئے ایک رسالہ لکھا ہے جس میں اس حدیث کے تمام طرق و اسناد کو جمع کیا ہے۔ اور اسی طرح سے ”من کنت مولاہ فعلی مولاہ“ کے اسناد بہترین ہیں اور میں نے اس حدیث کے اثبات کے لئے ایک مستقل رسالہ لکھا ہے۔
(تذکرۃ الحفاظ ص ۳۹-۱۰۳۵)

مؤلف کتاب ہذا عرض کرتا ہے کہ ہم رسول خدا سے مروی نصوص کے باب میں حدیث ”من کنت مولاہ فعلی مولاہ“ پر بحث کریں گے۔ ”حدیث طیر“ کا حاصل یہ ہے کہ انس بیان کرتے ہیں کہ رسول خدا کے پاس بھنا ہوا ایک پرندہ بھیجا گیا۔ آپ نے دعا مانگی کہ اللہ تعالیٰ ایسے شخص کو بھیجے جو اسے اپنی تمام مخلوق میں سے زیادہ محبوب ہو اور وہ آپ کے ساتھ مل کر پرندہ کا گوشت کھائے۔ اس دعا کے بعد حضرت علیؑ آئے اور رسول خدا کے ساتھ پرندے کا گوشت کھایا۔

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ پیغمبر خدا کے بعد تمام مخلوق میں سے حضرت علیؑ خدا کو زیادہ پیارے تھے۔ اور اس سے علیؑ کی تمام صحابہ پر فضیلت ثابت ہوتی ہے۔ اسی لئے مکتب خلفاء کے علماء نے امام حاکم پر اعتراض کیا کہ اس نے یہ حدیث کیوں لکھ دی۔

ہم نے حدیث طیر کو نصوص کے باب میں نہیں لکھا ہے کیونکہ ہم باب النصوص میں فضائل علیؑ کی احادیث کو جمع نہیں کرنا چاہتے تھے۔ اس باب میں ہم نے صرف ایسی احادیث کا تذکرہ کیا ہے جن کا تعلق براہ راست مسئلہ خلافت و

امامت سے ہے۔

امام حاکم نے حدیث طبر لکھ کر حضرت علیؑ کی فضیلت کا اقرار کیا ہے اور امام حاکم معاویہ کو بھی ناپسند کرتے تھے۔ اسی لئے کتب خلفائے کے علماء کی نظر میں ناپسندیدہ شخصیت قرار پائے اور مذکورہ علماء کے اقوال کی ترجمانی کرتے ہوئے ذہبی نے لکھا: ثقة فی الحدیث۔ رافضی خبیث

”حاکم حدیث میں ثقہ تھا لیکن وہ رافضی خبیث تھا۔“

كان يظهر التسنن في التقديم والخلافة وكان منحرفا عن معاوية واله. يعني يزيد. متظاهر بذك ولا يعتذر منه. ”وہ خلافت کی ترتیب کے لئے عقیدہ تسنن کا اظہار کرتا تھا اور وہ معاویہ اور اس کے خاندان یعنی یزید سے منحرف تھا اور اس عقیدہ کو کھل کر بیان کرتا تھا اور اس عقیدہ سے معذرت نہیں کرتا تھا۔“

ذہبی مزید لکھتے ہیں:

قلت: اما انحرافه عن خصوم علي فظاهر واما امر الشيخين فمعظم لهما بكل حال فهو شيعي لارافضى، وليته لم يصف المستلوك فانه غض من فضائله بسوء تصرفه

”میں (ذہبی) کہتا ہوں کہ علیؑ کے مخالفین سے اس کا انحراف تو ظاہر ہے اور جہاں تک شیخین کا معاملہ ہے تو وہ ہر حالت میں قابل احترام ہیں بہر حال امام حاکم شیعہ ضرور ہے لیکن رافضی نہیں ہے۔ کاش حاکم نے مستدرک نہ لکھی ہوتی تو بہتر تھا کیونکہ یہ کتاب ان کے فضائل سے انکار کا سبب ثابت ہوئی ہے“

مؤلف کتاب ہذا کہتا ہے کہ امام حاکم کی توہین و تذلیل صرف اس لئے کی گئی کہ وہ حضرت علیؑ سے محبت کرتے تھے اور دشمنان علیؑ سے منحرف تھے۔ اس سلسلہ میں امام شافعی، امام حاکم کے لئے اسوہ حسنہ کا درجہ رکھتے تھے۔ محبت آل محمدؐ کی وجہ سے لوگوں نے امام شافعی پر رخص کے فتوے عائد کئے تھے۔ جس کے جواب میں امام شافعی نے یہ اشعار پڑھے تھے:

قالوا . ترفضت قلت كلا ما الرفض ديني ولا اعتقادي

لكن توليت غير شك خير امام وخير هادي

ان كان حب الوصي رفضا فاني ارفض العباد

”لوگوں نے کہا کہ تو رافضی ہو گیا ہے، میں نے کہا ہرگز نہیں،

رفض نہ تو میرا دین ہے اور نہ ہی میرا اعتقاد ہے۔ البتہ میں نے

بخیر شک کے بہتر امام اور بہتر ہادی سے محبت کی ہے۔ اگر وصی

کی محبت رفض ہے تو میں تمام بندگان خدا سے بڑا رافضی ہوں“

امام شافعی نے اپنی ایک اور نظم میں یہ مصرعہ ارشاد فرمایا تھا:

ان كان رفضا حب آل محمد

فليشهد الثقلان اني رافضي

”اگر آل محمدؐ کی محبت رفض ہے تو جن وانس گواہی دیں کہ میں رافضی ہوں۔“

(۱) دیوان شافعی طبع بیروت اور النصاب الكافي عن يتولى معاوية میں ”الوصی“ کا لفظ مرقوم

ہے جب کہ ابن حجر نے صواعق محرقة میں ”الوصی“ کی بجائے ”الولی“ لکھا ہے۔ اور ہم سمجھتے ہیں

کہ ”الولی“ لکھنا یہ ان کے کتمان حقیقت کا ایک حصہ ہے۔

اولیائے برصغیر میں سے ایک بزرگ نے کہا تھا:

من علي را دوست دارم خلق گوید رافضی

پس خدا و مصطفیٰ جبریل باہم رافضی

(من المزجم)

محبت کو پوشیدہ رکھنے پر مجبور ہو جاتے تھے جیسا کہ انہوں نے اپنے ان اشعار میں خود فرمایا ہے:

مازال	کتما	منک	حتی	کاننی
برد	جواب	السائلین	لاعجم	
واکتم	ودی	مع	صفاء	مودتی
لتسلم	من	قول	الوشاة	وانسلم

”میں اپنی محبت چھپانے پر مجبور ہو جاتا ہوں اور سوال کرنے والوں کے جواب میں خاموشی اختیار کر کے گونگا بن جاتا ہوں، میں اپنی صاف مودت کے باوجود بھی اپنی محبت کو چھپاتا ہوں تاکہ چٹل خوروں کی باتوں سے محفوظ رہ سکوں۔“

اس تمام تر احتیاط و خاموشی نے امام شافعی کو کوئی فائدہ نہ دیا اور لوگوں نے ان پر فرض کا فتویٰ لگا دیا اور فرض کا فتویٰ صرف امام شافعی تک ہی محدود نہ رہا بلکہ اسے محبت آل محمدؐ کا لقب دیا گیا۔

مکتب خلفاء سے وابستہ علماء کا یہ پرانا و طیرہ رہا ہے کہ جن روایۃ نے بھی آل محمدؐ کی مدح میں کوئی حدیث بیان کی تو ان پر تشیع اور فرض کا گھسا پٹا الزام لگا کر عوام الناس کی نظروں میں بے وقعت بنانے کی کوشش کی گئی اور انہوں نے مدح آل محمدؐ کی ہر حدیث کو ضعیف کہہ کر رد کیا اور جس نے بھی ان کے سامنے ایسی حدیث سے استدلال کیا تو فوراً اس حدیث کو ضعیف کہہ کر ٹھکرا دیا، اور یوں راویان حدیث کو معنوی طور پر قتل کیا گیا، اور تاریخ میں ایسے واقعات بھی موجود ہیں جب کسی عالم دین کو صرف معنوی طور پر ہی نہیں بلکہ جسمانی طور پر بھی قتل کیا گیا۔ اور

اس فضل عشق کو بہت سے علماء نے اپنے خون سے رنگین کیا ہم یہاں نمونہ کے لئے صرف ایک عالم دین کی شہادت کا واقعہ بیان کرتے ہیں۔

امام نسائی کی شہادت

ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ کے ص ۶۸۹ اور ابن خیات نے ونیات الاعیان

۵۹/۱ پر لکھا جس کا ماہصل یہ ہے:

حافظ، امام، شیخ الاسلام ابو عبد الرحمن احمد بن شعیب نسائی اپنے دور کے امام حدیث تھے اور انہوں نے کتاب السنین تالیف کی۔ آپ حدیث کی مکمل پہچان رکھتے تھے اور آپ نے بلند اسناد سے احادیث کی روایت کی۔ آپ نے مصر میں رہائش اختیار کی۔ آپ ایک دن روزہ رکھتے تھے اور ایک دن افطار کرتے تھے اور آپ کی راتیں عبادت الہی میں بسر ہوتی تھیں۔ آپ نے امیر مصر کے ساتھ غزوات میں شرکت کی اور امیر مصر کے ساتھ خورد و نوش سے پرہیز کرتے تھے۔

آپ زندگی کے آخری ایام میں حج کے لئے روانہ ہوئے اور دمشق پہنچے۔ آپ نے دمشق میں رہ کر فضائل امیر المومنین پر ایک کتاب لکھی جس کا نام خصائص نسائی ہے۔

اس کتاب میں انہوں نے زیادہ روایات احمد بن حنبل سے نقل کیں۔ اہل

شام کو ان کی یہ کتاب پسند نہ آئی۔ اس کتاب کے متعلق امام نسائی خود لکھتے ہیں:

”میں دمشق میں داخل ہو اور وہاں حضرت علیؑ سے انحراف کرنے والوں کی

تعداد زیادہ تھی۔ اس چیز کو مد نظر رکھ کر میں نے یہ کتاب لکھی اور امید کرتا ہوں کہ خدا

اس کتاب کے ذریعہ ان کو ہدایت دے گا۔“

امام نسائی نے دمشق میں خطبہ دیا، جس میں انہوں نے حضرت علیؑ کے فضائل کی احادیث بیان کیں اہل شام فضائل علیؑ کو برداشت نہ کر سکے اور امام نسائی سے کہا:

”کیا تم فضائل معاویہ کی احادیث بیان نہیں کرو گے؟“

امام نسائی نے جواب میں کہا:

میں معاویہ کی فضیلت میں کون سی حدیث بیان کروں؟ کیا میں یہ حدیث

بیان کروں:

”اللهم لا تشیع بطنه“ اللہ! معاویہ کے پیٹ کو کبھی نہ بھرنانا۔“

امام نسائی کا یہ جواب سن کر سوال کرنے والے خاموش ہو گئے۔ پھر انہوں

نے کہا۔ کیا معاویہ کے فضائل میں کوئی احادیث مروی نہیں ہیں؟

امام نسائی نے کہا۔ اگر معاویہ خدا کے عذاب سے بچ جائے تو یہی اس کے

لئے کافی ہے اس کی فضیلت کا تو کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

لوگوں نے یہ سن کر امام نسائی پر حملہ کر دیا اور اس کے خصیتین پر شدید

چوٹیں آئیں امام نسائی بے ہوش ہو گئے اور انہیں اٹھا کر مسجد سے باہر پھینک دیا گیا۔

ایام نسائی کو وہاں سے ”رملہ“ لے جایا گیا۔ جہاں وہ چوٹوں کی تاب نہ لاتے ہوئے

شہید ہو گئے۔

حافظ ابو نعیم کہتے ہیں: انہیں چوٹوں کی وجہ سے امام نسائی کی وفات ہوئی۔

دار فطنی کہتے ہیں: امام نسائی کی دمشق میں آزمائش ہوئی اور انہوں نے

شہادت پائی اور یہ واقعہ سن ۳۲ھ میں پیش آیا۔

چوں نام حق بلند شود داری شود

شہدائے راہ حق کی ایک طویل فہرست ہے۔ سنت رسول کی نشر و اشاعت کے لئے صرف امام نسائی ہی شہید نہیں ہوئے بلکہ نبی اکرم کے فداکار اور جانثار صحابی حضرت ابوذر کو بھی اسی جرم میں ربذہ کے لقمہ و دق صحرا میں جلا وطن کر دیا گیا تھا، جہاں انہوں نے تڑپ تڑپ کر جان دے دی۔

اگر شہدائے راہ حق کی داستانیں ملاحظہ کرنی ہوں تو علامہ امینی کی کتاب ”شهداء الفضیلة“ کا مطالعہ فرمائیں۔

جب فضائل علیؑ بیان کرنے پر زبانیں کنتی ہوں اور فضائل آل محمدؑ لکھنے پر ہاتھ قلم ہوتے ہوں تو ان روح فرسا حالات میں آل محمدؑ کے فضائل لکھنے اور بیان کرنے کی کس میں جرأت ہو سکتی تھی؟ مگر یہ صداقت آل محمدؑ کا زندہ معجزہ ہے کہ ایسے حالات کے باوجود بھی ان کے فضائل سے کتابیں چھلک رہی ہیں اور معاویہ کے ماننے والے اگرچہ اس کے لیے حدیث سازی کرتے رہے مگر آج ان کے دامن میں ایک حدیث میں دکھائی نہیں دیتی اور اگر معاویہ کی فضیلت میں احادیث دکھائی دیتیں تو ابن کثیر کو یہ ضرورت کبھی محسوس نہ ہوتی کہ مذمت معاویہ کی حدیث کو کھینچ تان کر اس سے فضیلت معاویہ کو ثابت کرتا پھرے۔

جب زمینی حقائق یہ ہوں اور حق کہنے پر پابندی ہو اور علیؑ نام رکھنا تک جہاں جرم قرار دیا جا چکا ہو اور جہاں اسی (۸۰) ہزار مساجد و منبر سے حضرت علیؑ پر سب و شتم کیا جاتا ہو، وہاں سنی رسول کی نشر و اشاعت کیسے ممکن ہو سکتی ہے؟

کتاب اور کتاب خانوں کو نذر آتش کرنا

مسک خلافت نے اپنی علم دشمنی کا ہر سطح پر مظاہرہ کیا اور انہوں نے پوری کوشش کی کہ کوئی ایسی حدیث عوام الناس کے گوش گزار نہ ہونے پائے جس میں حضرت علیؑ اور ان کے خاندان کی تعریف و توصیف کی گئی ہو۔ اور انہوں نے تفصیلی ذکر آپ کتاب ہذا کے مصادر شریعت اسلامیہ کے ابواب میں ملاحظہ کریں گے۔ یہاں صرف اتنا لکھنا ہی کافی سمجھتے ہیں۔

طبقات ابن سعد میں مرقوم ہے:

ان الاحادیث کثرت علی عهد عمر فانشد

الناس ان یاتوه بها، فلما اتوه بها، امر بتحریقها.

”حضرت عمرؓ کے عہد میں احادیث کی کثرت ہوگئی۔ انہوں نے حکم دیا کہ لوگ احادیث کے مجموعے لے کر ان کے پاس آئیں۔ لوگ اپنے اپنے خیالات کے مجموعے لے کر پہنچے تو حضرت عمرؓ نے ان کے جلا دینے کا حکم دیا۔“

زبیر بن بکار لکھتے ہیں:

سلیمان بن عبد الملک اپنی ولی عہدی کے دور میں حج کرنے کی غرض سے مدینہ سے گزرا۔ اس نے حضرت عثمانؓ کے فرزند ابان کو حکم دیا کہ وہ اس کے لئے نبی کریمؐ کی سیرت و غزوات کے واقعات قلم بند کرے۔

ابان نے کہا۔ اس کے لکھنے کی چنداں ضرورت نہیں ہے کیونکہ میرے پاس پہلے ہی سے سیرت و غزوات نبویؐ کا مواد لکھا ہوا موجود ہے اور میں نے یہ مواد باوثوق افراد سے جمع کیا ہے۔

سیمانؑ نے اس نسخے کو نقل کرنے کے لئے دس کاتب مقرر کئے۔ جب نسخہ مکمل ہو گیا تو سلیمانؑ نے اسے سرسری نظر سے دیکھا، اس میں انصار کی بیعت عقبہ اولیٰ و ثانیہ کا ذکر موجود تھا اور بدر کے حوالہ سے انصار کا ذکر موجود تھا۔ سلیمانؑ نے انصار کی فداکاری کے واقعات پڑھنے کے بعد کہا:

میں تو انصار کی کسی ایسی فضیلت سے واقف نہیں تھا معلوم ہوتا ہے کہ میرے خاندان والوں نے یا تو ان پر ظلم کر کے انہیں دبایا ہے یا پھر ان کی فضیلت کی یہ داستانیں جھوٹ پر مبنی ہیں۔

ابان بن عثمان نے کہا:

امیر! یہ سچ ہے کہ انصار نے میرے والد خلیفہ مظلوم کی کوئی مدد نہیں کی تھی لیکن اس کے باوجود ہمیں حق کو چھپانا نہیں چاہئے اور اس مکتب میں اس کی جو خدمات درج ہیں وہ حقائق پر مبنی ہیں۔

سلیمانؑ نے کہا: ہمیں ایسی کتاب کی ضرورت ہی نہیں ہے جس میں ہمارے خاندان کی تعریف کی بجائے انصار کی تعریف ہو پھر اس نے اس کتاب کو نذر آتش کرنے کا حکم صادر کیا: اور اس کے حکم کی تعمیل ہوئی اور کتاب جلا دی گئی۔ حج سے واپسی پر سلیمان نے اس واقعہ کا ذکر اپنے والد عبد الملک سے کیا تو اس نے کہا: ہمیں ایسی کتاب کی ضرورت ہی کیا ہے جس میں ہماری کوئی فضیلت نہ ہو اور ہم اہل شام کو دوسرے امور سے مطلع کرنا پسند نہیں کرتے۔ لہذا تم نے کتاب نذر آتش کر کے بہت اچھا کیا ہے۔

سلیمان نے کہا: مجھے بھی آپ سے اس بات کی توقع تھی۔

بغداد کے اسلامی کتاب خانہ کی تباہی

ابن کثیر نے البدایہ والنہایہ ۱۲/۱۹ پر ۳۱۶ھ کے واقعات کے تحت
ساہور بن اردشیر کے متعلق تحریر کیا:

ساہور بن اردشیر ایک مخیر اور سلیم الطبع شخص تھا اور جب وہ آذان سنتا تو
دنیا کے تمام کاروبار چھوڑ دیتا تھا۔ اس نے ۳۱۸ھ میں ایک لائبریری قائم کی تھی اور
اس میں اس نے نفیس کتابیں جمع کیں اور لائبریری کے لئے اس نے غلہ کی ایک کثیر
مقدار وقف کی تھی۔ یہ مکتبہ ستر سال تک قائم رہا اور ۳۵۰ھ میں طغرل کی آمد کے
ساتھ اس مکتبہ کو نذر آتش کر دیا گیا۔ یہ مکتبہ 'محلہ بین السورین' میں واقع تھا۔
حموی نے معجم البلدان میں 'بین السورین' کے متعلق لکھا:

"بین السورین" کے کرخ کے ایک بڑے محلہ کا نام ہے یہاں ایک عظیم
الشان لائبریری تھی جسے وزیر بہاء الدولہ نے وقف کیا تھا۔ اس وقت پوری روئے
زمین پر اس مکتبہ کی کوئی نظیر نہیں تھی۔ اور اس میں ہر فن کے آئمہ کے ہاتھوں کی لکھی
ہوئی کتابیں موجود تھیں۔ نبی سلجوق کے پہلے سلطان طغرل بیگ کی آمد کے وقت یہ
عظیم الشان کتب خانہ جلا دیا گیا۔

ابن کثیر نے شیخ ابو جعفر طوسی کے حالات زندگی کے ضمن میں ۳۶۰ھ کے
واقعات میں لکھا:

اس سال کرخ میں شیخ طوسی کا کتب خانہ جلا دیا گیا۔ مصر میں فاطمی خلفاء
کے کتب خانوں کو بڑی بے دردی سے تباہ کیا گیا۔ چنانچہ مقریزی التوتنی ۸۴۸ھ
نے فاطمی خلفاء کے کتب خانوں کا ذکر کرتے ہوئے ایک کتب خانہ کے متعلق لکھا۔

یہ کتب خانہ دنیا کے عجائبات میں سے ایک عجوبہ تھا اور اس وقت پوری اسلامی قلمرو میں اس سے بہتر کتب خانہ کہیں موجود نہیں تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ اس کتب خانہ میں چھ لاکھ ایک ہزار کتابیں تھیں۔ اس کی جلدوں کے چمڑوں سے ایوبی فوج کے جوتے تیار کرائے گئے اور اس کتب خانہ کو جلانے کی وجہ یہ ہے کہ فاتح افواج نے یہ محسوس کیا کہ اس کتب خانہ میں ایسی کتابیں رکھی گئی ہیں جو ان کے نظریات سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ اسی لئے بہت سی کتابیں دریا میں بہائی گئیں اور باقی کتابوں کو نذر آتش کیا گیا اور اس کتب خانہ کی راکھ کا ڈھیر آج بھی ایک بہت بڑے ٹیلے کی شکل میں موجود ہے اور اسے کتابوں کا ٹیلہ کہا جاتا ہے۔

(نقطہ المقریزی ۲/۲۵۳-۲۵۵)

قارئین کرام! جب مذہبی تعصب یہاں تک پہنچ جائے کہ مخالفین کے نفیس اور بے نظیر کتب خانے نذر آتش ہونے لگیں تو وہاں پوری سنتِ رسولؐ کے ذخیرہ ملنے کی توقع کرنا غلطی ہوگی اور ان کتب خانوں کے جلنے سے رسولؐ خدا کی بہت سی احادیث بھی نذر آتش ہوئی ہوں گی۔ اگر آج وہ عظیم الشان کتب خانے دنیا میں موجود ہوتے تو ممکن ہے کہ آل رسولؐ کے حق میں ہمیں بہت زیادہ احادیث دکھائی دیتیں۔

انھائے سنت کی اقسام میں سے تحریفِ سنتِ رسولؐ اور تحریفِ سیرت صحابہ اہم ترین قسم ہے۔ ہم ان دونوں کی کچھ وضاحت کرنا چاہتے ہیں۔

۹- سیرت صحابہ میں تحریف

ملکب خلفاء سے وابستہ علماء نے سیرت صحابہ میں تحریف اور ردوبدل کی ہے اس کے لئے ہم حضرت امام حسین علیہ السلام کے اس خطبہ کو بطور نمونہ پیش

کرتے ہیں۔

طبری اور ابن اثیر نے اپنی تاریخوں میں لکھا کہ امام حسین علیہ السلام نے

روز عاشور اپنے خطبہ میں ارشاد فرمایا:

اما بعدا فانسبونى ، فانظروا من انا ثم ارجعوا الى
انفسكم وعا تبوها هل يجوز لكم قتلى وانتهاك
حرمتى؟ الست ابن بنت بنىكم وبن وصيه وابن عمه
اول الموثومين بالله والمصدق لرسوله بما جاء من
عند ربه؟ اوليس حمزة سيد الشهداء عم ابى اويس
جعفر الطيار ذوالجناحين عمى (۲)

(تاریخ طبری طبع یورپ ۳۲۹/۲ تاریخ ابن اثیر طبع یورپ ۵۲/۳۔ طبع مصر ۲۵/۳)

”اما بعد! تم میرا نسب بیان کرو اور غور کرو کہ میں کون ہوں، پھر تم اپنے
دلوں میں فیصلہ کرو اور اپنے آپ کو ملامت کرو اور سوچو کیا تمہارے لئے میرا قتل اور
میری بے حرمتی جائز ہے؟ اور کیا میں تمہارے نبی کی بیٹی کا فرزند نہیں ہوں؟ اور کیا
میں رسول خدا کے وصی اور ان کے ابن عم اور خدا پر سب سے پہلے ایمان لانے
والے اور رسول کی خدائی احکام کے متعلق تصدیق کرنے والے کا بیٹا نہیں ہوں؟
اور کیا سید الشہد احمدزہ میرے والد کا چچا نہیں ہے اور کیا دو پروں سے پرواز کرنے
والا جعفر میرا چچا نہیں ہے۔“

اس خطبہ میں حضرت امام حسین علیہ السلام نے اپنے والد کو وصی رسول اور
اول المؤمنین کہا ہے اور یہ دونوں باتیں مکتب خلفاء کے لئے قابل قبول نہیں ہیں۔
اس لئے ابن کثیر نے اس خطبہ میں اپنی طرف سے تحریف کی اور اس نے خطبہ کو اس

شکل میں ڈھالا:

راجعوا انفسکم وحا سبواہا هل یصلح لکم قتال مثلی
وانا ابن بنت نبیکم ولیس علی وجہ الارض ابن بنت
بنی غیری وعلی ابی وجعفر ذوالجناحین عمی وحمزہ
سید الشهداء عم ابی.

”تم اپنے دلوں میں خوب سوچ سمجھ کر فیصلہ کرو۔ کیا مجھ جیسے
انسان سے تمہاری جنگ درست ہے جب کہ میں تمہارے نبی کی
بٹی کا فرزند ہوں اور اس وقت پوری روئے زمین پر میرے علاوہ
بنی کا کوئی نواسہ موجود نہیں ہے۔ اور علیؑ میرا باپ ہے اور دو پروں
والا جعفر میرا چچا ہے اور سید الشہداء حمزہ میرے والد کا چچا ہے۔“

ابن کثیر نے اپنے مذہبی تعصب کی وجہ سے امام حسین علیہ السلام کے خطبہ
میں سے وصایت علیؑ کے الفاظ کو حذف کر دیا کیونکہ حضرت علیؑ کی وصایت کا عقیدہ
اس کے اصول مذہب کے منافی تھا۔ لہذا اس نے اس کا آسان طریقہ یہی نکالا کہ
خطبہ میں سے ان الفاظ کو ہی حذف کر دیا۔ اس نے اپنے مسلک کو بہت سے سوالیہ
نشانات سے بچانے کے لئے امام مظلوم کے سارے خطبہ میں تحریف کر دی۔

حق چھپانے کی یہ قسم مکتب خلافت میں قدیم الایام سے رائج ہے اور
کسمان حق کی یہی روش سیرت پیغمبر کے ساتھ روا رکھی گئی ہے جسے ہم کسمان حق کی
دسویں قسم کے ضمن میں بیان کریں گے۔

۱۰۔ صحیح روایات کے بدلے خود ساختہ روایات کو رائج کرنا

مکتب خلافت سے وابستہ علماء نے دانستہ طور پر صحیح روایات کو چھوڑ کر خود

مدینہ بھجوانے کا واقعہ پیش آیا۔ اس طرز عمل کی توجیہ کے سلسلے میں بہت سی باتیں لکھی گئی ہیں اور ان میں سے ایک یہ ہے کہ معاویہ نے انہیں برا بھلا کہا اور قتل کر دینے کی دھمکی دی۔ پھر انہیں بے کجا وہ اونٹ پر سوار کر کے شام سے مدینہ بھیج دیا اور ان کی مدینہ سے جلا وطنی ایسی ناگوار اور تکلیف دہ حالت میں انجام پائی کہ اس کا بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔

آئیے دیکھیں یہ ”سیف“ کون ہے جس سے طبری نے یہ واقعہ نقل کیا ہے اور معاویہ کے وہ خواہوں نے اس واقعہ کو اپنے لیے سند بنالیا ہے۔ اسی لئے ضروری ہے کہ ہم سیف کی شخصیت اور اس کی روایات کا ہلکا سا جائزہ لیں۔

اس کا نام سیف بن عمر تسمی تھا اور اس کی وفات ۶۷ھ کے لگ بھگ واقع ہوئی۔ اس نے عہد پیغمبر اور سقیفہ و بیعت ابی بکر اور مرتدین سے غزوات اور فتوحات مسلمین اور جنگ جمل کے متعلق روایات بیان کی ہیں:-

علمائے رجال نے اس کے لئے متفقہ فیصلہ صادر کرتے ہوئے لکھا ہے:-

ضعیف مستروک الحدیث لیس بشنی کذاب ، کان

یضع الاحادیث واتهم بالزندقة.

”سیف ضعیف اور متروک الحدیث ہے، وہ کچھ بھی نہیں ہے، وہ بدترین

جھوٹا ہے، وہ اپنی طرف سے احادیث بنایا کرتا تھا اور اس پر زندقہ ہونے کا الزام

لگایا گیا۔“ (۱)

(۱) یحییٰ بن معین التونی ۲۳۳ھ، ابوداؤد التونی ۲۵۵ھ امام نسائی التونی ۳۰۳ھ ابن ابی حاتم

الرازی التونی ۳۲۷ھ، ابن حبان ۳۵۴ھ اور حاکم التونی ۴۰۵ھ نے سیف کو ضعیف اور کذاب قرار

دیا۔ اس کی مزید تفصیل کے لئے ہماری کتاب ”عبداللہ بن سبا“ جلد اول کا مطالعہ کریں۔

سیف کی روایات کی نوعیت

سیف دنیا کا بدترین کذاب تھا۔ اس نے ایک سو پچاس خود ساختہ صحابی تراشے جن میں سے ترانوے خود ساختہ صحابیوں کی بحث ہماری کتاب ”ایک سو پچاس خود ساختہ صحابی“ میں ملاحظہ کی جاسکتی ہے۔ سیف نے اپنے قبیلہ تمیم میں سے انتیس (۲۹) صحابی تراشے اور ان کی زبانی فتوحات، معجزات اور اشعار و واقعات بیان کیے!

سیف کا کرشمہ یہ ہے کہ اس نے ایسے افراد سے روایات حاصل کی تھیں جنہیں خدا نے پیدا ہی نہیں کیا تھا۔ زمین پر تو ان کا کوئی وجود نہیں تھا البتہ سیف کے ذہن میں ان کے خاکے موجود تھے۔

سیف نے اپنے خود ساختہ صحابیوں سے بہت سی روایات حاصل کی تھیں مگر اس نے روایات میں بھی فرق روا رکھا تھا۔ چنانچہ اس نے اپنے ہی ایک خود ساختہ راوی محمد بن مسعود بن فوریہ سے دو سو سالہ احادیث روایت کیں اور کچھ اور خود ساختہ صحابہ سے اس سے کچھ کم روایات نقل کیں اور اپنے تخلیق کردہ ایک کردار سے ایک روایت بھی نقل کی تھی۔

سیف نے شعر بھی تراشے اور اسے عرب و روم کے مشاہیر کے نام سے منسوب کیا اور اس نے تاریخی واقعات کے سن و سال تبدیل کئے، اور تاریخ اسلامی میں مذکور اسلامی شخصیات کے ناموں میں بھی رد و بدل کیا اور اس نے مرتدین کے ساتھ کئی خیالی جنگیں بھی تخلیق کی تھیں اور ان خود ساختہ جنگوں کے حوالے سے ہزاروں افراد کے قتل ہونے کی داستانیں تراشی تھیں اور اس نے ان فرضی جنگوں سے

یہ تاثر ابھارنے کی کوشش کی تھی کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔

سیف کی خود ساختہ روایات کو مکتب خلافت میں بہت پذیرائی نصیب ہوئی اور ستر (۷۰) سے زیادہ کتابوں میں اس کی خود ساختہ روایات موجود ہیں۔ جس میں احادیث تاریخ اور ادب کی کتابیں شامل ہیں۔

سیف نے عہد نبوی سے لے کر دور معاویہ تک کی تاریخ اپنے خود ساختہ نظریات کے تحت تراشی تھی اور مکتب خلافت کے امام المورخین محمد بن جریر طبری نے اپنی کتاب میں اس کی بہت سی روایات نقل کی ہیں اور اس کے تراشے ہوئے افسانوں میں سے کچھ نمونے حسب ذیل ہیں:-

- ۱۔ ایک دفعہ مسلمانوں کا لشکر مسلسل ایک دن اور رات تک سطح سمندر پر چلتا رہا اور سمندر پر چلنے سے ان کے پاؤں تک نہ بھیکے۔
- ۲۔ جنگ قادسیہ کے موقع پر اسلامی لشکر کے لئے عاصم بن عمرو تمیمی جانور تلاش کرنے کے لئے گیا۔ واضح رہے کہ عاصم بن عمرو تمیمی بھی سیف کا خود ساختہ کردار ہے۔ بہر نوع اس نے ایک ایرانی سے کہا کہ مجھے اپنے لشکر کو گوشت کھلانا مقصود ہے اگر تم مجھے گائے کے گلہ کے متعلق بتاؤ تو یہ تمہاری مہربانی ہوگی۔

ایرانی نے گائے کے گلے کو چھپایا ہوا تھا اور اس نے کہا کہ اس علاقہ میں گائے نہیں پائی جاتی۔ اس وقت ایک گائے نے عربی زبان میں پکار کر کہا کہ ہم یہاں موجود ہیں۔ اس نے ہمیں چھپایا ہوا ہے۔ تم آؤ اور ہمیں اپنے ساتھ ہانک کر لے جاؤ۔ ہماری خواہش ہے کہ لشکر اسلام ہمیں ذبح کر کے ہمارا گوشت کھائے۔

- ۳۔ جنگ قادسیہ کی فتح پر خبات نے خوشی سے اشعار کہے تھے اور انہوں نے

بنی تمیم کی فداکاری کی تعریف کی تھی۔

۴۔ شوش کا شہر مسلمان فوج سے فتح نہیں ہو رہا تھا۔ دجال نے قلعہ شوش کے دروازہ پر پاؤں کی ٹھوکر ماری اور ”فتح بظار“ کے الفاظ کہے۔ جس سے شہر شوش کا دروازہ کھل گیا اور مسلمان شہر میں داخل ہو گئے۔

۵۔ ”بہر سیر“ کی فتح کے وقت اسود بن قطبہ تمیمی کی زبان سے فرشتوں نے گفتگو کی۔

الغرض سیف کی جھوٹی داستانوں کو محمد بن جریر طبری نے اپنی تاریخ میں جگہ دی اور تاریخ طبری سے یہ جھوٹی داستانیں باقی کتابوں میں منتقل ہوئیں۔
تاریخ طبری ہی بنیادی ماخذ ہے:-

محمد ابن جریر طبری کے بعد مکتب خلافت کے جتنے بھی نامور مورخین پیدا ہوئے وہ بنیادی طور پر طبری کے خوشہ چین تھے۔

ابن اثیر ایک مشہور مورخ گذرے ہیں انہوں نے تاریخ کامل تالیف کی تھی۔ وہ اپنی تاریخ کے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

میں نے اس کتاب میں اتنا مواد جمع کیا ہے جو کہ کسی بھی کتاب میں جمع نہیں ہے۔ مواد کے انتخاب کے لئے میں نے تاریخ طبری کی طرف رجوع کیا کیونکہ ابن جریر کی یہ کتاب تمام لوگوں کے نزدیک مستند شمار ہوتی ہے اور اختلاف روایات کے وقت طبری کی روایت فیصلہ کن تسلیم کی جاتی ہے۔

طبری کے علاوہ میں نے دوسری مشہور تواریخ کی طرف رجوع کیا اور میں نے ان کے وہ اقتباس اپنی کتاب میں درج کئے جو کہ تاریخ طبری میں نہیں تھے۔۔۔

اصحاب رسولؐ کے باہمی اختلافات کے متعلق میں نے تاریخ طبری کے ساتھ کسی اور

تاریخ کی روایت کو شامل نہیں کیا۔ البتہ اگر کسی دوسری تاریخ میں بیان کی وضاحت یا کسی انسان کا نام موجود تھا تو میں نے اسے ضرور نقل کیا یا صرف ایسی روایت کو نقل کیا جس سے کسی پر کوئی اعتراض وارد نہیں ہو سکتا تھا۔

بہر نوع میں نے اپنی تاریخ میں مذکورہ تواریخ اور مشہور کتب سے استفادہ کیا ہے اور میں نے صرف ایسے راویوں کی روایات نقل کی ہیں جن کی صداقت مسلم اور جن کی صحت تدوین معلوم ہے۔

ابن کثیر بھی محمد بن جریر کا خوشہ چین تھا۔ چنانچہ اس نے واقعات ارتداد و فتوحات کے آخر میں یہ الفاظ لکھے:

یہ ابن جریر طبری کے بیان کردہ واقعات کا ما حاصل ہے۔ ابن جریر فن تاریخ کے امام تھے۔ ابن جریر نے اہل ہوا اور شیعوں سے روایات نقل نہیں کیں کیونکہ شیعوں نے صحابہ کے متعلق خود ساختہ داستانیں بنائی ہوئی ہیں اسی لئے ابن جریر نے ان سے روایات لینے میں تامل سے کام لیا۔

ابن خلدون بھی فن تاریخ میں ابن جریر طبری کے مقلد تھے۔ انہوں نے اپنی تاریخ میں لکھا:

یہاں ہم ارتداد فتوحات اور غزوات و اتفاق و اتحاد کے واقعات کا اختتام کرتے ہیں اور ہم نے یہ واقعات بطور خلاصہ ابن جریر طبری کی تاریخ نقل کی ہیں۔ ابن جریر کی کتاب تمام قسم کے اعتراضات سے ارفع و اعلیٰ ہے اور اس کتاب میں امت کی بزرگ شخصیات اور خاص طور پر صحابہ کرام کے متعلق نہایت محتاط انداز اختیار کیا گیا ہے۔

علماء کی مذموم روش اور سیف کی روایات

طبری نے رسولِ خدا کے صادق اللہجہ صحابی حضرت ابوذر اور معاویہ کے اختلافات کے متعلق یہ الفاظ لکھے:

ابوذر اور معاویہ کے اختلافات کے وجوہات میں سے اکثر کا ذکر کرنا مجھے ناپسند دکھائی دیا، تاہم جن لوگوں نے اس معاملے میں معاویہ کے لئے عذر خواہی کرنا چاہی ہے۔ انہوں نے سیف کی بیان کردہ داستان کا سہارا لیا ہے۔
ابن اثیر لکھتا ہے:

اس سال ابوذر کی داستان اور معاویہ کا انہیں شام سے مدینہ بھجوانے کا واقعہ پیش آیا۔ اس طرز عمل کی توجیہ کے لئے بہت سی باتیں کہی گئی ہیں اور واقعات یہ ہیں کہ معاویہ نے ابوذر کو گالیاں دیں اور قتل کر دینے کی دھمکی دی پھر انہیں بے کجا وہ اونٹ پر سوار کر کے شام سے مدینہ بھیج دیا اور ان کی مدینہ سے جلا وطنی ایسی ناگوار اور تکلیف دہ حالت میں انجام پائی کہ اس کا بیان کرنا مناسب نہیں ہے۔“

پھر اس کے بعد ابن اثیر نے طبری سے سیف کی تراشی ہوئی داستان نقل کی، اور کہا کہ معاویہ کے خیر خواہ معاویہ کے لئے اس روایت کو بطور جواز پیش کرتے ہیں۔

ابوذر و معاویہ کے اختلافات کی وجہ کو دوسرے راویوں نے بھی بیان کیا تھا مگر طبری اور ابن اثیر نے جان بوجھ کر ان کی روایات کو نقل نہیں کیا اور ان کی بجائے سیف جیسے اعلیٰ درجہ کے کذاب کی روایت کو نقل کیا۔ اس کی وجہ صرف اور صرف یہی تھی کہ اگر طبری او ابن اثیر دوسرے راویوں کی روایات کو نقل کرتے تو

معاویہ کا جرم ثابت ہوتا تھا اور ابو ذر کی مظلومیت واضح ہوتی تھی، جب کہ سیف کذاب کی روایت سے معاویہ کی بے گناہی اور ابو ذر کا جرم ثابت ہوتا تھا اسی لئے طبری نے دوسری روایات کو نقل کرنا پسند نہیں کیا کیونکہ وہ ”آبگینوں“ کو نہیں پہچانا نہیں چاہتا تھا۔

ابن کثیر نے جنگِ جمل کے واقعات لکھنے کے بعد تحریر کیا:

یہ ابن جریر طبری کے اس بیان کا ماہصل ہے جو اس نے ان معاملات کے آئمہ سے نقل کیا ہے۔ اور ان معاملات کے آئمہ سے مراد سیفِ زندق اور اس کے خود ساختہ راوی ہیں۔

ابن خلدون کے تاریخ طبری کی روایات کو صحیح قرار دینے کی واحد وجہ یہ بیان کی ہے۔

طبری کی روایات ہمارے ہاں قابلِ اعتماد ہیں کیونکہ ان میں بزرگانِ امت پر طعن و تشنیع نہیں پائی جاتی۔

مسلبِ خلافت کے علمائے نے ہمیشہ ایسی روایات کو ضعیف و مجہول کہہ کر ٹھکرایا، جن سے ان کے مدوح افراد پر کسی طرح کا اعتراض وارد ہوتا تھا اور اس کی بجائے انہوں نے ایسی خود ساختہ روایات کو نقل کیا جن سے الٹا مظلوم ہی ظالم دکھائی دیتا ہو اور یقیناً یہ حرکت تاریخ کا چہرہ مسخ کرنے کی مذموم کوشش ہے۔ جیسا کہ ابو ذر کا واقعہ اس کی ایک مثال ہے۔ طبری اور اس کے مقلد علماء نے سیفِ زندق کی روایات نقل کر کے ابو ذر کو عبد اللہ بن سبا کا پیروکار قرار دیا اور معاویہ کو حق و صداقت کا نقیب قرار دیا۔

اسی طرح سے مسلبِ خلافت کے علماء ابو جحش ثقفی کی روایت کے متعلق

بڑے پریشان ہوئے اور مختلف توجہیات سے سعد بن ابی وقاص کے عمل کو حق بجانب ثابت کرنے کی کوششیں کیں۔

الاستیعاب، اسد الغابہ اور الاصابہ میں ہے کہ ابو جحٰن ثقفی شراب کا رسیا شخص تھا۔ حضرت عمر نے شراب نوشی کی وجہ سے اس پر سات مرتبہ حد شرعی جاری کی تھی لیکن وہ اس سزا کے باوجود بھی شراب نوشی سے باز نہ آیا۔ حضرت عمر نے اسے مدینہ سے جلا وطن کر دیا تھا۔

ابو جحٰن سعد بن ابی وقاص کے لشکر میں شامل ہو گیا اور وہاں بھی اس نے شراب نوشی کی۔ سالار لشکر سعد بن ابی وقاص نے اسے قید کر دیا اور جب جنگ قادسیہ اپنے عروج پر پہنچی تو سعد بن ابی وقاص کی بیوی نے اسے آزاد کر دیا۔ اس نے جنگ میں بہادری کے کارنامے سر انجام دیئے۔ اس کے جنگی جوہر کو دیکھ کر سعد نے اس سے کہا: ”خدا کی قسم! ہم شراب کی وجہ سے تمہیں کبھی کوڑے نہیں ماریں گے۔“

ابو جحٰن نے کہا۔ اگر یہی بات ہے تو میں پھر شراب نہیں پیوں گا۔

یہ ایک سیدھا سا واقعہ ہے اور اس واقعہ سے سعد بن ابی وقاص پر یہ اعتراض وارد ہوتا ہے کہ حدود الہی کو معطل کرنے کا اختیار سعد کو کب سے ملا؟ اور اگر انہوں نے ایسا کیا تو ان سے غلطی صادر ہوئی۔

چنانچہ ابن حجر نے ابن فتحوں کے حوالہ سے اس واقعہ کو اپنی کتاب الاصابہ میں ابی جحٰن ثقفی کے حالات کے ضمن میں درج کیا اور الاستیعاب کے مؤلف ابن عبدالبر تنقید کرتے ہوئے لکھا۔

ابن فتحوں نے ابن عبدالبر پر ابی جحٰن ثقفی کے واقعہ کے متعلق شدید تنقید

کی ہے کیونکہ ابن عبدالبر نے ابی بجن کے متعلق لکھا کہ وہ شراب کارسیا تھا۔۔۔۔۔
ابن فتحون نے ان راویوں پر بھی جرح کی ہے جنہوں نے کہا کہ سعد نے ابی بجن
سے حد شرعی کو ختم کر دیا تھا اور اس نے کہا: سعد کے متعلق ایسا گمان کرنا صحیح نہیں
ہے، پھر اس نے لکھا کہ سعد نے کسی اچھی توجیہ کی وجہ سے حد شرعی کو ختم کیا ہوگا۔

ابن فتحون نے اچھی توجیہ کا ذکر تک نہیں کیا اور وہ اچھی توجیہ شاید یہی
ہو سکتی ہے کہ اس نے اپنے دل میں یہ عہد کر لیا ہوگا کہ اگر اس پر اس کی شراب نوشی
ثابت ہوگی تو وہ اسے سزا دے گا ورنہ نہیں دے گا اور ادھر اللہ نے ابی بجن کو توبہ کی
توفیق عنایت فرمادی اور اس نے شراب کو خیر باد کہہ دیا۔ (الاصابہ/۴/۱۲۳-۱۲۵)

مکتب خلافت سے وابستہ محدثین و مورخین نے اپنے بزرگوں کے دفاع کو
اپنی شرعی ذمہ داری قرار دیا ہوا ہے اور وہ خلفائے ثلاثہ بلکہ معاویہ، مروان اور یزید
بن معاویہ کی غلطیوں کی بھی توجیہ پیش کرتے ہیں اور یہی ان کے نزدیک امت اور
صحابہ کے بزرگ ترین افراد شمار کئے جاتے ہیں۔

مکتب خلافت سے وابستہ افراد نے اپنے بزرگوں کو بچانے کے لئے جان
بوجھ کر سیف بن عمرو زندقہ کی روایات کو ترجیح دی ہے کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ سیف
مکتب خلفاء کے دفاع کے لئے جھوٹی داستانیں تراشنے کا ماہر تھا اور اسے یہ ملکہ
حاصل تھا کہ وہ حکمران طبقہ کی غلطیوں کو جھوٹے واقعات کی ملمع کاری سے غلطی نہیں
رہنے دیتا تھا بلکہ اسے ان کا کارنامہ بنا کر پیش کرتا تھا اور مکتب خلافت سے وابستہ
علماء کی اس خواہش سے سیف زندقہ نے بھرپور فائدہ حاصل کیا اور وہ مصادر
اسلامیہ میں ایسی روایات شامل کرانے میں کامیاب ہو گیا جن کی وجہ سے اسلامی
عقائد پر حرف آتا تھا اور اس نے خرافات کی تشہیر کر کے اسلامی عقائد کا چہرہ مسخ کیا

اور اس نے اپنی روایات کی دنیا کو یہ باور کرایا کہ اسلام تلوار کے زور سے پھیلا۔
سیف نے جھوٹی روایات سے اپنے اہداف کو حاصل کیا اور ہم یہاں اس
کی چند مثالیں نقل کرتے ہیں۔

۱۔ سیف کی زبانی اسود عینی کا قصہ

طبری نے اسود عینی کے متعلق سیف سے بہت سی روایات نقل کی ہیں جن کا
ماحصل یہ ہے:

اسود عینی نے نبوت کا دعویٰ کیا اور یمن کے بادشاہ شہر بن باذان کو قتل
کر کے اس کی بیوی سے نکاح کیا اور آہستہ آہستہ پورے یمن پر اس کا قبضہ ہو گیا۔
اس نے قیس بن (عبدالغوث) کو سالار لشکر مقرر کیا اور یمن میں رہائش پذیر ایرانیوں
پر فیروز اور دازویہ کو حاکم مقرر کیا۔

نبی کریم نے حبشیش بن الدیلیمی کے پاس ایک خط بھیجا جس میں آپ نے
انہیں دین اسلام پر قائم رہنے کا حکم دیا اور یہ بھی لکھا کہ لڑائی یا حیلے سے جیسے بھی
ممکن ہو اسود عینی کو قتل کر دو۔

حضور اکرمؐ کا یہ خط پڑھ کر اہل ایمان اپنے ایمان پر ثابت قدم ہو گئے
اور اسود عینی کو قتل کرنے کی ترکیب سوچنے لگے اور انہوں نے اس کے سالار لشکر قیس
اور ایرانی سردار فیروز کو اپنے ساتھ ملایا اور اس کی بیوی سے ملاقات کر کے اسے بھی
اپنا ہمنوا بنالیا۔

اسود عینی کو شیطان آنے والے حالات کی خبر دیا کرتا تھا اور اسود اپنے
شیطان کو فرشتہ کہا کرتا تھا۔ چنانچہ شیطان نے اسے قیس کے منصوبہ کی اطلاع دے

دی۔ اس نے قیس کو طلب کیا اور اس سے کہا۔

قیس! مجھے معلوم ہے کہ فرشتہ تیرے متعلق کیا کہہ رہا ہے؟ قیس نے پوچھا وہ کیا کہتا ہے اسود نے کہا۔ یہ کہتا ہے کہ تم نے قیس کی عزت کی اس کا درجہ بڑھایا اور جب اس نے تمہارے مزاج میں پورا دخل حاصل کر لیا اور تمہاری طرح سے معزز اور متمکن ہو گیا وہ تمہارے دشمن سے جاملا وہ تمہاری حکومت کے درپے اور بد عہدی پر کمر بستہ ہو گیا۔ اے اسود! تم فوراً اس کا سر قلم کر کے اس کا لباس اتار لو ورنہ وہ خود تمہارا سر قلم کر کے تمہارا لباس اتارے گا۔

قیس نے اس کے جواب میں قسم کھا کر کہا کہ آپ کا فرشتہ دروغ بیانی کر رہا ہے۔ میرے دل میں آپ کی عزت و عظمت ہے میں تو یہ بات سوچ بھی نہیں سکتا۔

اسود نے کہا۔ تم کس قدر بڑے ہو کہ فرشتے کو جھٹلاتے ہو۔ فرشتے نے جو بات مجھ سے کہی ہے وہ سچ ہے مگر مجھے معلوم ہے کہ تم اپنے کیے پر نادم ہو اور تائب ہو کیونکہ تمہاری سازش کا راز آشکار ہو گیا۔

قیس وہاں سے نکل کر ہمارے پاس آیا اور ہمیں اسود کے شک و شبہ کے متعلق خبر دی ہم نے کہا کہ ہمیں محتاط رہنا چاہئے اور پوری احتیاط کے ساتھ ساتھ اسود غمی کو ٹھکانے لگانا چاہئے۔ قیس نے ہماری تائید کی۔ اسی اثنا میں اسود غمی نے دوبارہ قیس کو اپنے پاس طلب کیا اور کہا۔ فرشتہ مجھ سے یہ کہہ رہا ہے کہ اگر تو نے قیس کا سر قلم نہ کیا تو وہ تیرا سر قلم کرے گا۔

قیس نے کہا:

پہلے یہ بات ہرگز جائز نہیں ہے کہ میں آپ کو جو اللہ کے رسول

ہیں قتل کروں اور آپ جو چاہیں میرے متعلق حکم دیں۔ آپ کو میرے متعلق جو شبہ ہو گیا ہے اس سے مجھے سخت بے اطمینانی ہے۔ اس سے تو یہی بہتر ہے کہ آپ مجھے قتل کر دیں تو میں اس خوف سے نجات حاصل کر لوں گا اور روزانہ کی اموات سے ایک بار ہی موت بہتر ہے۔

سیف کہتا ہے کہ قیس کی یہ باتیں سن کر اسود کو اس پر ترس آ گیا۔ پھر اس نے ایک سو جانور طلب کئے۔ تھوڑی دیر میں ایک سو جانور لائے گئے جن میں گا۔ بیل اور اونٹ موجود تھے۔ اسود نے ان جانوروں کے سامنے ایک لکیر کھینچ دی اور ان جانوروں کو لکیر کے پار کھڑا کر دیا اور خود لکیر کی دوسری جانب کھڑا ہو گیا۔ پھر ان نے نہ تو جانوروں کو رس سے باندھا نہ ہی کسی شخص سے جانوروں کو پکڑنے کے لئے کہا۔ اور پھر ادا کر ایک سو جانوروں کو باری باری ذبح کر دیا اور کسی جانور کوئی مزاحمت نہ کی اور گردنیں جھکا کر ذبح ہوتے گئے۔

راوی (سیف) کہتا ہے کہ میں نے اس سے زیادہ ہولناک منظر زندگی میں کبھی نہیں دیکھا تھا۔۔۔۔

راوی کہتا ہے کہ رات کے وقت اسے قتل کرنے کے لئے چند جانبازا کے گھر میں داخل ہوئے چنانچہ جب فیروز قتل کے لئے آگے بڑھا تو شیطان اسود کو جگا دیا اور اس کی زبان سے شیطان بولنے لگا اور وہ لیٹے لیٹے بربزانے لگا یہ بھی کہا کہ فیروز تم کیسے؟

فیروز نے اس کی گردن مروڑ کر اسے ہلاک کر دیا۔ اس اثنا میں اس دوسرے دوست بھی آگئے اور انہوں نے ارادہ کیا کہ اسود کی گردن کاٹ دی جا۔ مگر اس وقت ایک عجیب بات ہوئی مرے ہوئے اسود کو شیطان نے حرکت دی

اس طرح تڑپا کہ کوئی اسے قابو میں نہ رکھ سکا۔ میں نے کہا سب اس کے سینے پر بیٹھ جاؤ۔ دو شخص اس کے سینے پر بیٹھ گئے اور اس کی بیوی نے اس کے سر کے بال پکڑ لیے اور اس کے حلقوم سے خرخراہٹ کی آواز آئی۔ میں نے اس کے منہ پر تو برا چڑھا دیا اور چھری سے اس کا گلا کاٹ ڈالا۔ اس کے حلقوم سے ایسی شدید خرخراہٹ کی آواز آئی جیسے کہ کسی زبردست تیل کو ذبح کرنے کے بعد اس کے حلقوم سے آتی ہے۔ میں نے ایسے زور کی خرخراہٹ کبھی اس سے پہلے نہ سنی تھی۔

اس آواز پر اس کے پہرے دار سپاہی دوڑ کر آئے مگر اس کی بیوی نے ان کو یہ کہہ کر واپس کر دیا کہ اس وقت نبی پر وحی آرہی ہے۔ یہ اس کی آواز ہے۔ پھر اسود ٹھنڈا ہو گیا۔

طبری اور ذہبی نے اپنی تاریخوں میں سیف سے یہ روایت نقل کی ہے اور طبری سے ابن اثیر، ابن کثیر اور ابن خلدون نے روایت کی ہے۔ البتہ ابن خلدون نے اس واقعہ کو اختصار سے لکھا ہے۔

اس واقعہ کے راویوں پر ایک نظر

الف۔ طبری نے اسود کے واقعہ کی سیف سے گیارہ روایات نقل کی ہیں اور سیف نے چار راویوں سے یہ روایات بیان کی ہیں اور وہ چار راوی یہ ہیں:-

- ۱۔ سہل بن یوسف خزرجی السلمی
- ۲۔ عبید بن صخر خزرجی السلمی
- ۳۔ مستنیر بن یزید نخعی
- ۴۔ عروہ بن غزیہ دمشقی

مذکورہ چاروں راوی سیف زندقہ کے تراشے ہوئے ہیں۔ اس نام کے راوی اللہ تعالیٰ نے پیدا ہی نہیں کیے تھے اور عالم آب و گل میں ان لوگوں کا کوئی

وجود نہیں تھا۔

ب۔ ہم نے اسود عنی کے متعلق صحیح روایات کو اپنی کتاب عبد اللہ بن سبا کی جلد دوم میں بیان کیا ہے۔ قارئین اس کی طرف رجوع فرمائیں۔

۲۔ خدا کے حضور شاہ ایران کی رسول خدا سے گفتگو:-

طبری نے سیف کی زبانی یہ روایت نقل کی:

اہل فارس کو جب جلولاء میں شکست ہوئی تو اس وقت یزدگرد بن شہریا بن کسریٰ ایران کا شہنشاہ تھا۔ پے در پے شکستوں سے بچنے کے لئے اسے خراسان لے جایا گیا۔ اور سفر اتنی تیزی سے کیا گیا کہ وہ محل میں ہی سوتا تھا۔ ایک مقام انہوں نے کچھ دیر کے لئے اونٹوں کو بٹھانے کا ارادہ کیا اور اونٹ بٹھانے سے قبل انہوں نے یزدگرد کو بیدار کیا۔

یزدگرد نے اپنے ملازمین سے کہا تم نے مجھے جگا کر اچھا نہیں کیا کیونکہ میں اس وقت خدا کے حضور میں مسلمانوں کے نبی کی گفتگو سن رہا تھا اور اگر تم مجھے جگاتے تو میں تمہیں بتا دیتا کہ اس امت کے اقتدار کی مدت کتنی ہے۔

میں اور محمد دونوں خدا کے حضور موجود تھے۔

اللہ نے کہا: میں تیرے پیروکاروں کو ایک سو سال کی حکومت دیتا ہوں، محمد نے کہا: خدایا! اس میں اضافہ کر،

اللہ نے کہا: پھر میں ایک سو دس سال انہیں حکومت دوں گا۔

محمد نے کہا: خدایا! اس میں اضافہ فرما،

اللہ نے کہا: میں انہیں ایک سو بیس سال حکومت دوں گا۔

محمدؐ نے کہا: خدایا! سب کچھ تیرے اختیار میں ہے۔

ابھی میں یہ باتیں سن ہی رہا تھا کہ تم نے مجھے جگا دیا اور اگر تم نے مجھے نہ جگایا ہوتا تو اس امت کے اقتدار کی مدت معلوم کر لیتا۔ (۱)

اس روایت کے راویوں پر ایک نظر:

سیف زندقی نے یہ روایت اپنے تراشے ہوئے تین افراد سے نقل کی ہے۔ جن کے نام یہ ہیں:-

۱- محمد بن عبد اللہ بن سواد بن نویرہ

۲- مہلب بن عقبہ اسدی

۳- عمرو۔ سیف نے اپنے زور تخیل سے عمرو نام کے دو افراد تراشے تھے۔ اس کا نام اس نے عمرو بن ریان اور دوسرے کا نام عمرو بن زخیل رکھا ہے۔

ان راویوں کے متعلق ہم اپنی کتابوں عبد اللہ بن سبا اور ”ایک سو پچاس خود ساختہ صحابی“ میں بحث کر چکے ہیں اور یہاں اس بحث کو دہرانا پسند نہیں کرتے۔ آئیے دیکھیں کہ مذکورہ دو روایات تراشنے سے سیف کا ہدف کیا تھا۔

سیف نے یہ کہا کہ اسود غنی جو کہ نبوت کا دعویدار تھا اسے اس کا شیطان ہر بات سے باخبر رکھتا تھا اور اس نے قیس کو بلا کر اسے اس کے ارادوں سے باخبر کیا تھا اور اسے ان ارادوں سے باز رہنے کے لئے کہا تھا۔

اسود غنی کے پاس ایسی عظیم غیبی قوت تھی کہ اس نے ایک سوتلو مند جانوروں کو ایک جگہ کھڑا کیا اور اس نے ایک لکیر قائم کی اور دوسری طرف وہ خود کھڑا ہوا۔ پھر اس نے جانوروں کو رسیوں سے باندھے بغیر ذبح کر دیا اور تمام جانور

۱- حوالہ جات کے لئے ہماری کتاب ”ایک سو پچاس خود ساختہ صحابی“ کی طرف رجوع کریں۔

گردنیں جھکائے کھڑے رہے اور کسی بھی جانور نے وہاں سے بھاگنا پسند نہ کیا۔

اور دوسری روایت میں سیف نے یہ کہا ہے کہ خدا کے حضور شاہ ایران یزدگرد اور رسول خدا کا اجتماع ہوا اور اس سے فریقی کانفرنس میں شاہ ایران اللہ تعالیٰ اور رسول خدا کی باہمی گفتگو سنتا رہا۔

پہلی داستان سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ مسلمانوں کے نبی محمد مصطفیٰ کے پاس ایک فرشتہ آتا تھا جو انہیں غیب کی خبریں بناتا تھا اور نبی اکرم سے معجزات صادر ہوتے تھے۔

اسی طرح سے اسودعنی نے بھی نبوت کا دعویٰ کیا تھا اور اس کے اپنے کہنے کے مطابق ایک فرشتہ اس کے پاس آ کر اسے غیب کی خبریں دیتا تھا اور اسود سے بھی معجزات صادر ہوئے۔ کیونکہ جانوروں کا سر جھکائے رہنا اور کوئی مزاحمت کئے بغیر ذبح ہو جانا ایک معجزہ ہی ہے۔

اسودعنی کی یہ داستان تراش کر درحقیقت سیف نے مسلمانوں کے اذہان میں نبوت محمد کے متعلق شکوک و شبہات پیدا کئے ہیں۔

دوسری روایت میں اس بے دین نے رب العالمین کا مذاق اڑایا ہے ورنہ یہ کیسے ممکن ہے کہ رب العالمین، محمد مصطفیٰ اور شاہ ایران یزدگرد کو اپنے ہاں جمع کر کے سے فریقی کانفرنس منعقد کرے؟ جب کہ ایک شخصیت اللہ کا محبوب ہے اور دوسرا شخص آگ کا پجاری ہے۔

سیف نے اپنی روایات کے ذریعہ سے اسلام کے حسین چہرے کو داغدار بنانے کی پوری کوشش کی ہے اور اس کی وضع کردہ داستانیں اس وقت اسلامی مصادد کا ایک حصہ بن چکی ہیں۔

سیف نے ایسی کئی مسلسل داستاںیں تخلیق کی تھیں جن سے یہ بتانا مقصود تھا کہ اسلام بزدل شمشیر پھیلا ہے۔ جب کہ یہ نظر یہ سراسر غلط ہے اور حقیقت یہ ہے کہ اسلام تلوار سے نہیں بلکہ محمد و آل محمد کے کردار سے پھیلا ہے۔ اور جہاں بھی تلوار سے اسلام پھیلانے کی کوشش بھی ہوئی تو وہ کاوش ناکامی سے دوچار ہوئی۔ اس کے لئے اندلسی اور سسلی کی مثالیں موجود ہیں۔

بوئے خوں آتی ہے اس قوم کے افسانوں سے

سیف نے مرتدین کے سات غزوات و فتوحات کو جس طرح سے بیان کیا ہے اس سے یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ اسلام کا دار و مدار تلوار پر رہا ہے۔ سیف نے مرتدین سے غزوات کے حوالہ سے ناقابل یقین حد تک کذب بیانی سے کام لیا ہے۔ مرتدین سے غزوات کے واقعات بیان کرنے سے پہلے سیف نے کچھ اس طرح کی تمہید باندھی ہے۔

سرزمین عرب پر کفر چھا گیا اور کفر کے شعلے بلند ہونے لگے اور قریش و ثقیف کے علاوہ تمام قبائل عرب مرتد ہو گئے تھے۔ پھر اس نے بطور نمونہ مرتدین کے نام گنواتے ہوئے کہا۔

قبیلہ غطفان مرتد ہو گیا۔ بنی ہوازن نے زکوٰۃ دینے سے انکار کر دیا اور قبیلہ طے اور اسد کے لوگوں نے طلحہ کو نبی مان لیا۔ اسی طرح سے بنو سلیم بھی مرتد ہو گئے اور یوں تمام عرب کے لوگ مرتد ہو گئے تھے اور اس دوران نبی کریم کے مقررہ کردہ حکام نے ہر جگہ سے مرکز خلافت کو خطوط تحریر کئے جس میں انہوں نے لوگوں کے مرتد ہونے کی خبر دی۔

ابن اشیر اور ابن خلدون نے سیف کے جملے اپنی تاریخوں میں قتل کئے
ابن کثیر نے اس کے جملوں کا مفہوم ان الفاظ سے بیان کیا۔ رسول خدا کی وفات
کے بعد مکہ و مدینہ کے علاوہ تمام عرب مرتد ہو گیا۔

ارتداد کا ہولناک منظر پیش کرنے کے بعد سیف نے مرتدین کے ساتھ
غزوات کا ذکر کیا جس میں اس نے بتایا کہ اہل مدینہ کی تلوار نے تمام عرب کو دوبارہ
اسلام میں داخل کیا اور یوں اسلام تلوار کا مرہون منت بنا۔ اس کی چند مثالیں ملاحظہ
فرمائیں۔

قبیلہ عک اور اشعرین کا ارتداد

سیف نے اپنے ”ذہن رسا“ سے کئی جنگیں تراشی تھیں جن میں سے ایک
جنگ کو اس نے ”جنگ اخابث“ کا نام دیا تھا۔ اس خود ساختہ جنگ کی تفصیل سیف
نے کچھ یوں بیان کی۔

نبی اکرم کی وفات ہوتے ہی تہامہ میں عک اور اشعرین نے اسلام کو خیر
باد کہہ دیا اور انہوں نے اپنی ایک بڑی فوج تشکیل دی اور طریق ساحل پر ”اعلاب“
کے مقام پر انہوں نے پڑاؤ ڈالا۔ طاہر نے جو کہ ابوہالہ سے حضرت خدیجہ کا بیٹا تھا
اور رسول خدا کے گھر میں پلا تھا، ابوبکر کو ان قبائل کی بغاوت و ارتداد کے متعلق تحریر
کیا گیا۔ بعد ازاں طاہر ان کا مقابلہ کرنے کے لئے سرورق عک کو ساتھ لے کر چلا
اور طاہر کی فوج نے ان کی فوج سے شدید جنگ کی۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو
کامیابی عطا فرمائی اور مرتدین بڑے طریق سے قتل ہوئے اور مرتدین کے مقتولین کی
تعداد اتنی زیادہ تھی کہ ان کی لاشوں کی بدبو سے تمام راستے بدبودار ہو گئے اور ان کا

قتل مسلمانوں کے لئے عظیم فتح ثابت ہوا۔ حضرت ابوبکر نے طاہر کو جواب میں لکھا:

مجھے تیرا خط موصول ہوا جس میں تو نے بیان کیا کہ تو مسروق اور اس کی قوم کو لے کر ان اخابث (خبیث کی جمع) کی طرف شام اعلاہ کی جانب روانہ ہو رہا ہے۔ تو نے ایسا کر کے صحیح کیا ہے اور تم بہت جلد ان پر حملہ کر دو اور میرے دوسرے خط کے آنے تک تم اپنی فوج سمیت ”اعلاب“ میں ٹھہرے رہو۔

یہی وجہ ہے کہ آج تک ”راشعین کے ان گروہوں اور ان سے منسوب ہونے والے افراد کو ”اخابث“ کے نام سے پکارا جاتا ہے اور اس راستہ کو بھی ”شاہراہ اخابث“ کہا جاتا ہے۔ اس کے بعد سیف نے طاہر بن ابی حصالہ کے چند اشعار بھی نقل کئے ہیں۔

طاہر کون تھا؟

سیف نے اپنی اس روایت میں طاہر بن ابی حصالہ کے متعلق بیان کیا کہ اس نے عک اور اشعین کے فتنہ ارتداد کی سرکوبی کی۔ آئیے ذرا دیکھیں یہ طاہر کون تھا۔

سیف بیان کرتا ہے کہ طاہر ایک زندہ اور گوشت پوست کا جیتا جاگتا کردار تھا۔ اس ایک باپ کا نام ابوالہ تمیمی تھا۔ اس کی ماں حضرت خدیجہ تھیں اور اس نے رسول خدا کے گھر میں پرورش پائی تھی۔ رسول خدا نے اسے اپنی زندگی میں اپنا عامل مقرر کیا تھا اور اس نے مرتدین کی سرکوبی کی تھی اور حضرت ابوبکر کو خط لکھا تھا اور حضرت ابوبکر نے بھی اسے جواب تحریر کیا تھا۔

سیف کی انہی دریافت کی وجہ سے محدثین اور مورخین نے اسے حقیقی شخص

سمجھ لیا اور اسے صحابہ رسولؐ میں سے تصور کیا۔ اور یوں سیف کے بچھائے ہوئے جال میں طبری، ابن اثیر، ابن کثیر، ابن خلدون اور میرخواند جیسے مورخین پھنس گئے اور مذکورہ تواریخ کے علاوہ معجم شعراء اور سیر النبلاء میں بھی طاہر کے تذکرہ نے جگہ پائی۔

درج بالا کتابوں کے حوالہ جات سے متاثر ہو کر علامہ شرف الدین نے اپنی کتاب ”الغضول المہمہ“ میں اسے شیعان علیؑ میں سے قرار دیا۔ سیف کی روایات پر انحصار کرتے ہوئے جغرافیہ دان حضرات نے اعلاب اور اخابث کے مقامات کی نشان دہی کی۔ چنانچہ حموی نے معجم البلدان اور عبدالمومن نے مرصد الاطلاع میں مذکورہ فرضی مقامات کی نشان دہی کی ہے۔

اس واقعہ کی حقیقت

سیف نے پانچ روایات میں طاہر کا ذکر کیا ہے اور اس نے طاہر کی روایات مندرجہ ذیل راویوں سے نقل کی ہیں اور وہ راوی یہ ہیں:

- | | |
|-----------------------|------------------------------------|
| ۱۔ سہل بن یوسف السلمی | ۲۔ عبید بن صخر بن لوزان |
| ۳۔ جریر بن یزید جعفی | ۴۔ طلحہ کا آزاد کردہ غلام ابو عمرو |

اس سلسلہ کی حقیقت یہ ہے کہ یہ سارے کا سارا سلسلہ روایت ہی جھوٹ پر مبنی ہے۔ ام المومنین خدیجہ کے کسی بیٹے کا نام طاہر نہیں تھا۔ اور درج بالا راویوں کا بھی دنیا میں کہیں وجود نہیں تھا۔ اور عک اور اشعرین نے بھی اسلام کو چھوڑ کر کفر کو اختیار نہیں کیا تھا۔ اور طاہر کی بھی ان سے کوئی جنگ نہیں ہوئی تھی اور اخابث اور اعلاب نامی قبائل اور جگہ کا بھی دنیا میں کوئی وجود نہیں تھا۔ جنگ اخابث کا حقیقی دنیا

میں کوئی وجود نہیں ہے۔ اور اگر یہ جنگ واقع ہوئی ہے تو زمین پر یہ جنگ نہیں لڑی گئی۔ یہ جنگ صرف اور صرف سیف کے دماغ میں ہی لڑی گئی ہے۔

طاہر بن ابی حمالہ کے متعلق مزید تحقیق کے لئے آپ ہماری کتاب ’ایک سو پچاس خود ساختہ صحابی‘ کی طرف رجوع فرمائیں۔

سیف پر لے درجے کا جھوٹا اور بے دین شخص تھا۔ اس نے مرتدین سے غزوات کے سلسلہ میں کئی غزوات تراشیں جن میں سے چند ایک کے نام یہ ہیں: مرتدین طے سے جنگ، ام رمل کی جنگ، اہل عمان سے جنگ، اہل یمن سے پہلی جنگ اور اہل یمن سے دوسری جنگ وغیرہ۔

سیف نے عرب کے تمام قبائل کا ارتداد بیان کیا اور ان سے اسلامی لشکر کی جنگیں بیان کیں اور اس نے لوگوں کو یہ باور کرنے کی کوشش کی ہے کہ یہ تمام جنگیں حضرت ابوبکر کے عہد حکومت میں واقع ہوئیں۔ سیف نے خود ساختہ غزوات کے مقتولین کی تعداد بہت زیادہ بیان کی۔ مرتدین کی غزوات کے علاوہ اس نے خود ساختہ فتوحات کا بھی تذکرہ کیا اور اس نے ایسی ایسی جنگوں کا ذکر کیا جو کہ حقیقی دنیا میں لڑی ہی نہیں گئیں۔

فتح الیس اور امغیشیا کی بربادی کی داستان

سیف نے اپنی خود ساختہ جنگ الیس کے متعلق بیان کیا ہے۔

خالد بن ولید نے اہل الیس سے بڑے زور شور کی جنگ کی۔ مشرکین کو جاذویہ کے آنے کی توقع تھی اس لئے وہ خوب جم کر لڑے جب کہ مسلمانوں کو صرف اس بات کی آس تھی کہ علم الہی میں ہمارے لیے ضرور کوئی بھلائی ہے اسی لئے وہ بھی

خوب لڑے۔

اس جنگ میں خالد نے کہا۔ الہی! اگر تو نے ہم کو ان پر فتح عنایت فرمائی تو میں تیرے نام کی نذر مانتا ہوں کہ ان میں سے جس کسی پر ہم کو قابو حاصل ہوگا اس کو زندہ نہ رکھوں گا اور ان کے خون سے ایک نہر جاری کروں گا۔

خون کی نہر

خدا تعالیٰ نے مسلمانوں کو فتح عطا فرمائی باور ان کے دشمن کو مغلوب کر دیا۔ خالد نے اعلان کر دیا۔ قید کرو، قید کرو، اور مزاحمت کرنے والے کے علاوہ کسی کو قتل نہ کرو۔

اسلامی فوجیں قیدیوں کو گرفتار کر کے ہانپتی ہوئی لانے لگیں اور خالد نے کچھ لوگوں کو متعین کر دیا کہ ان کی گردنیں اڑا کر ان کا خون نہر میں بہا دیں۔ یہ عمل ایک رات اور ایک دن تک جاری رہا اور اس کے بعد دوسرے روز نہرین تک اور ایس کے چاروں طرف اتنے ہی فاصلے سے دشمنوں کو پکڑ پکڑ کر لاتے رہے اور قتل کرتے گئے۔

فتحقاع اور ان جیسے اور لوگوں نے خالد سے کہا:-

اگر آپ روئے زمین پر بسنے والے تمام انسانوں کو بھی قتل کر دیں تو بھی ان کا خون نہیں بے گا کیونکہ خون میں زیادہ رقت نہیں ہوتی اسی لئے وہ زمین پر بہتا نہیں ہے اور نہ ہی زمین اس کو چوستی ہے۔ بہتر یہ ہے کہ آپ اس پر پانی بہا دیں یوں آپ کی قسم پوری ہو جائے گی۔

اس سے پہلے خالد نے نہر کا پانی روک دیا تھا۔ اس مشورہ کے بعد اس

و برباد کیا تھا اور انہوں نے اپنے قیدیوں کو بے دریغ قتل کیا تھا۔ مگر افسوس یہ ہے کہ سیف نے چنگیز و ہلاکو کی انسان دشمنی کی روایت خالد سے منسوب کی اور یہاں تک کہا کہ خالد نے خون کا دریا جاری کیا تھا۔ ہلاکو اور چنگیز لاکھ ظالم سہی مگر خون کا دریا تو انہوں نے بھی کبھی نہیں بہایا تھا۔ آپ تاریخ طبری میں سیف کی بیان کردہ فتوحات کا جائزہ لیں تو آپ دیکھیں گے کہ اس نے اپنی قوت تخیل کے زور سے مٹی، فرار، مقرر، ضم فرات با دقلى اور جنگ و صبح جیسی بہت سی جنگوں کا تذکرہ کیا اور اسی طرح سے اس نے جنگ زمیل اور جنگ فراض کا ذکر کرتے ہوئے رومی مقتولین کی تعداد ایک لاکھ بیان کی ہے۔

سیف کی ان خود ساختہ روایات سے تاریخ طبری، کامل، البدایہ والنہایہ اور تاریخ ابن خلدون بھری پڑی ہیں۔ جبکہ حقیقی دنیا میں ان جنگوں کا کوئی وجود ہی نہیں ہے۔

اس کی تفصیلی بحث کے لئے ہماری کتاب عبد اللہ بن سبا کے باب ”اسلام اور تلوار“ کا مطالعہ فرمائیں۔

جب اسلامی مصادر اس طرح کی جنگوں سے بھرے ہوئے ہوں تو دشمنان اسلام کو یہ کہنے کا موقع ملے گا کہ اسلام دنیا میں تلوار کے زور سے پھیلا۔

معلوم ہوتا ہے کہ سیف اپنی دیو مالائی داستانوں سے صرف یہی ثابت کرنا چاہتا تھا کہ اسلام اپنی صداقت کے زور پر نہیں پھیلا بلکہ تلوار کے زور پر پھیلا ہے۔ اور وہ اپنی اس کوشش میں سو فیصد کامیاب ہوا۔ اور اس وجہ سے علمائے رجال نے اسے زندیق اور بے دین کہا ہے۔

سیف کو پذیرائی کیوں ملی؟

ہمیں تعجب ہے کہ امام المورخین طبری اور مکتب خلافت کے علامہ ابن اثیر اور ان کے کثیر الروایت ابن کثیر اور ان کے فلسفی مورخ ابن خلدون اور ابن عبد البر اور ابن عساکر اور ذہبی و ابن حجر کو یہ علم نہیں تھا کہ سیف زندیق اور بے دین ہے اور اس کی بیان کردہ روایات کی کوئی حیثیت نہیں ہے!

اس کا جواب یہ ہے کہ یہ تمام لوگ جانتے تھے کہ سیف زندیق اور کذاب ہے اور اس کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ طبری، ابن اثیر اور ابن خلدون نے واقعہ ذات السلاسل کے متعلق یہ الفاظ لکھے ہیں:

سیف کا یہ بیان سیرت نگاروں کے بیان کے برخلاف ہے۔

اب پھر یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب مذکورہ علماء اسے کذاب و زندیق جانتے تھے تو انہوں نے تھوک کے حساب سے اس کی روایات کو اپنی کتابوں میں جگہ کیوں دی؟

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ سیف اگرچہ زندیق اور کذاب تھا مگر وہ برسر اقتدار صحابہ کی شان میں زیادہ سے زیادہ روایات بیان کرتا تھا اور مکتب خلافت سے وابستہ علماء برسر اقتدار رہنے والے صحابہ کے فضائل و مناقب کو پھیلانا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے جان بوجھ کر زندہ مکھی کو لگلا تھا۔

ان مورخین کی مجبوری یہ تھی کہ سیف کی طرح سے اور کوئی راوی فضائل صحابہ بیان نہیں کر سکتا تھا۔ چنانچہ اس کی اسی ”خوبی“ کی وجہ سے مذکورہ مورخین نے اس کے تمام تر افترا اور زندقیت سے درگزر کیا اور اسے اپنا مرکزی راوی قرار دیا۔

اور یہ سیف ہی تھا جس نے خالد بن ولید کے متعلق حضرت ابو بکر کے تاثرات ان الفاظ سے نقل کئے کہ جنگ الیس اور فتح امغیشیا کے بعد حضرت ابو بکر نے خالد کے متعلق یہ جملے کہے۔

اے گروہ قریش! تمہارے شیر نے ایک شیر پر حملہ کیا اور اس کے کچھار میں گھس کر اس کو مغلوب کر دیا۔ عورتیں خالد جیسا بہادر پیدا نہیں کر سکتیں۔

یہ سیف ہی تھا جس نے خود ساختہ روایات کی ملع کاری سے حضرت ابو بکر کے مناقب میں اضافہ کیا۔ اور سیف نے ہی حضرت عمر کے عہد کی، شام و ایران کی فتوحات کو اس انداز سے پیش کیا کہ حضرت عمر کے مناقب میں چار چاند لگ گئے۔ اور اس سیف نے ہی حضرت عثمان کے مخالفین کی کردار کشی کر کے حضرت عثمان کی اقربا پروری پر پردہ ڈالا اور اسی سیف نے ہی مخالفین علیؑ کو عقیم القدر ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا اور انہیں باغیوں کی فہرست سے نکال کر طالبان حق کی بزم میں لے آیا تھا۔

الغرض سیف نے ہر طرح سے مکتب خلافت کی خدمت کی اور اس کی اسی عادت نے اسے مورخین کی محبوب شخصیت کا درجہ دلایا اور مورخین نے اسی کی داستانوں کو اپنی کتابوں میں جگہ دی اور یوں صحیح روایات طاق نسیان میں چلی گئیں۔ جب کہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ سیف کی وضع کردہ اکثر روایات میں صحابہ کی مدح کا پہلو کم اور مذمت کے پہلو زیادہ نکلتے ہیں۔ کیا یہ فضیلت ہے کہ خالد کے حکم سے لاکھوں افراد کو گاجر مولیٰ کی طرح سے کاٹ دیا جائے اور پھر ان کے خون سے نہر جاری کی جائے اور نہر کا نام ”نہر خون“ رکھ دیا جائے۔

اور اس طرح سے امغیشیا کے ہنتے بستے شہر کو ایک ہی حکم سے منہدم کر دیا

جائے اور اس جیسی دوسری روایات سے صحابہ کی کوئی شان ثابت نہیں ہوتی بلکہ اس جیسی روایات سے تو یہ ثابت ہوتا ہے کہ مذکورہ شخصیات نعوذ باللہ خون کی پیاسی تھیں۔ اور کوئی بھی باضمیر شخص ایسی حرکات کی تعریف نہیں کر سکتا اور دنیا کے کسی بھی فلسفہ کے تحت یہ امر قابل تعریف ہی نہیں ہے۔ البتہ ”مانی“ کے فلسفہ کی بات اور ہے کیونکہ اس نے کہا تھا کہ زندگی نور کا قید خانہ ہے اسی لیے زندگی کو ختم کر دینا چاہئے تاکہ نور کو قید خانہ سے آزادی حاصل ہو۔

سیف کے پاس مدح صحابہ کی پونجی تھی جس کی خوب فروخت ہوئی اور اس بدبخت نے برسر اقتدار طبقہ کے لئے ایسی روایات تخلیق کی تھیں جن میں ان کی مدح کم اور مذمت زیادہ موجود تھی لیکن نادان دوستوں کو ایسے ہی کھرے سودے کی ضرورت تھی اس لئے انہوں نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا اور اس کی اساطیر اور دیومالائی داستانوں کو حقائق تاریخ کے نام سے امت اسلامیہ میں رائج کیا۔

سیف کی روایات کا ایک دردناک پہلو یہ بھی ہے کہ اس نے برسر اقتدار صحابہ کے لئے ہی فضیلت کی داستانیں نہیں تراشی تھیں بلکہ اس کی ہمت اتنی بڑھی کہ اس نے رسول خدا کے خود ساختہ صحابی بھی تخلیق کر لئے تھے۔ اور یہ ایسے صحابی تھے کہ اللہ نے انہیں پیدا ہی نہیں کیا تھا اور اس نے صرف صحابی بنانے پر ہی اکتفا نہیں کیا بلکہ اس نے اپنے تراشے ہوئے صحابہ کے لئے مناقب و کرامات و فتوحات و اشعار بھی تخلیق کئے تھے۔ الغرض سیف نے پوری ڈھنائی سے تاریخ اسلام کے چہرے کو داغدار بنانے کی کوشش کی۔ ہمیں سیف جیسے زندیق کے اس کردار پر تعجب نہیں ہے البتہ اگر ہمیں تعجب ہے تو مکتب خلافت کے علماء پر ہے جنہوں نے صرف برسر اقتدار صحابہ کی شان و عظمت کو بلند کرنے کی غرض سے سیف جیسے بے دین کی

روایات نہ صرف قبول کیں بلکہ انہیں اپنی کتابوں میں لکھ کر حقائق کے چہرے کو سیاہ کرنے کی مذموم کوششیں کیں اور تیرہ صدیوں سے وہی جھوٹ امت اسلامیہ کا مقدر بن چکا ہے۔

سیف کی روایات کی دوسری نوعیت

یہاں تک ہم نے سیف کی روایات کا ایک پہلو اجاگر کیا ہے یعنی سیف برسر اقتدار صحابہ کے فضائل و مناقب کے لئے دیو مالائی داستانیں تخلیق کیا کرتا تھا۔ یہ پہلو سیف کی شخصیت کا پورا احاطہ نہیں کرتا۔ اس کی شخصیت کا ایک اور پہلو بھی تھا جو کہ پہلے پہلو سے بھی مورخین کو زیادہ پسندیدہ معلوم ہوتا تھا۔ سیف نے اپنی روایات کی بنیاد دو چیزوں پر رکھی۔

۱۔ برسر اقتدار صحابہ کے حق میں زیادہ سے زیادہ فضائل و مناقب بیان کئے جائیں۔

۲۔ اور اگر کسی وجہ سے برسر اقتدار طبقہ بدنام ہو رہا ہو تو خود ساختہ روایات کے ذریعہ سے انہیں اس غلطی سے نجات دلائی جائے اور ان کے ناقدین کو ہر قیمت پر مورد الزام ٹھہرایا جائے اور یوں مکتب خلافت کو مشکلات سے نجات دلائی جائے۔ اور سیف کے اس طرز عمل کی ہم یہاں چند مثالیں بیان کرتے ہیں۔

وصایتِ علیؑ کی شہرتِ مکتبِ خلافت کیلئے

پریشان کن ہے

اس حقیقت سے ہم سب باخبر ہیں کہ حضرت علیؑ علیہ السلام لفظ ”وصی“

سے مشہور ہیں اور آپ کی یہ شہرت مکتبِ خلافت کی عملی نشی ہے۔ کیونکہ جب آپ رسولِ خدا کے وحی ٹھہرے تو اس کا مفہوم یہ ہوگا کہ رسولِ خدا نے آپ کو خلافت کی وصیت کی تھی۔ اور یوں سفیفائیِ خلافت کی بنیاد مترزل ہو جاتی ہے۔

بی بی عائشہ نے اسی لئے حضرت علیؑ کی وصایت کا انکار کیا اور ام المومنین سے لے کر ابن کثیر تک پورے سات سو سال تک مکتبِ خلافت کا تمام تر زور قلم اور زور زبان اس بات پر صرف ہوتا رہا کہ حضرت علیؑ وحی نہیں ہیں۔

جب کہ حقیقت تو یہ ہے کہ رسولِ خدا نے اپنی زبان سے حضرت علیؑ کو اپنا وحی کہا تھا اور حدیثِ عدیر کے ذریعہ سے رسولِ خدا نے حضرت علیؑ کے اولیٰ بالتصرف ہونے کا اعلان کیا۔

آپ نے اپنی دسیوں احادیث میں یہ امر واضح کیا کہ حضرت علیؑ ہی آپ کے وارث اور جانشین ہیں۔ مکتبِ خلافت نے دو طرح سے ان احادیث کا جواب دینے کی کوشش کی ہے۔

پہلے مرحلہ میں وصایتِ علیؑ کی احادیث کو جھوٹ اور غلط کہہ کر جان چھڑائی گئی اور دوسرے مرحلہ میں جب حدیث کا انکار ممکن نہ ہو سکا تو ایسی احادیث کو خلافت و وراثت کی بجائے فضیلتِ آلِ محمد پر محمول کیا گیا۔

اس بحث کا عجیب ترین پہلو یہ ہے کہ اہل کتاب کے علماء بھی جب خاتم الانبیاء کے وحی کا لفظ ادا کرتے تو اس سے ان کا مقصد بھی رسولِ خدا کا بلا فصل جانشین ہوتا تھا۔

حضرت علیؑ کے احباب و انصار اپنے خطبات و اشعار میں حضرت علیؑ کی وصیت کو اجاگر کرتے تو ان کا مقصد بھی حضرت کی خلافت کا ثبوت فراہم کرنا ہوتا تھا۔

لفظ وصیت سے استدلال کرنے والوں میں حضرت ابوذر بھی شامل تھے انہوں نے عثمانی عہد میں لفظ وصیت سے امامت علی کا استدلال کیا تھا۔ اور حضرت علی کی عمومی بیعت کے دن مالک اشتر نے بھی لفظ وصیت سے استدلال کیا تھا ان کے علاوہ محمد بن ابی بکر نے معاویہ کے نام خطوط لکھ کر اور امام حسن مجتبیٰ نے اپنے خطبہ خلافت اور امام حسین علیہ السلام میں کر بلا کے میدان میں اپنے خون کے پیاسوں کے سامنے خطبہ دے کر حضرت علی کی وصایت کو ثابت کیا۔

لفظ وصی اور وصایت ان تمام نصوص کا جامع ہے جو حضرت علی کی خلافت کے متعلق وارد ہوئی ہیں اور جب بھی لفظ وصی سے استدلال کیا جاتا ہے تو درحقیقت اس موضوع کی تمام احادیث سے استدلال مقصود ہوتا ہے۔

شہادت امام حسین علیہ السلام کے باوجود بھی اولاد علی ہر دور میں خلافت و امامت کو اپنا حق تصور کیا کرتی تھی اور بنی امیہ اور بنی عباس کے ادوار حکومت میں علویوں کی تحریک جاری رہی اور اس تحریک کا محرک وصایت علی کا عقیدہ تھا۔

مامون الرشید نے اپنے دور حکومت میں محسوس کیا کہ علویوں کی طرف سے وصایت کے عقیدہ سے ہمیشہ استدلال کیا جاتا ہے اس نے امام علی رضا کو اپنی ولی عہد بنایا جس کی وجہ سے علویوں کی تمام تحریکیں خود بخود دم توڑ گئیں اور چند دنوں کے بعد جب ہر طرف سے سکون ہو گیا تو اس نے زہر سے امام علی رضا کی زندگی کا چراغ بجھا دیا۔

بہر نوع حضرت علی کی لفظ وصی سے شہرت ملک خلافت کے لئے سب سے زیادہ پریشان کن مسئلہ ثابت ہوئی۔ اب آئیے دیکھیں اس مسئلہ کو سیف نے کس طرح سے کیا ہے۔

مکتبِ خلافت پر سیف کا احسان

مسئلہ وصایت مکتبِ خلافت کے لئے گلے کی ہڈی بن گیا اور مکتبِ خلافت نے ذکر وصیت کو چھپانے اور حذف کرنے کی سر توڑ کوششیں کیں اور جب کچھ نہ بن سکا تو انہوں نے تاویل سے کام لیا مگر سچ یہ ہے کہ مکتبِ خلافت ان تمام تر کوششوں کے باوجود کوئی خاص کامیابی حاصل کرنے میں ناکام رہا۔ اتنے میں سیفِ زندیق آیا جب اس نے مکتبِ خلافت کی اس پریشانی کو دیکھا اور محسوس کیا کہ یار کا پاؤں زلفِ دراز میں پھنسا ہوا ہے تو اس نے مکتبِ خلافت کو اس الجھن سے بچانے کے لیے بہت بڑا کارنامہ سرانجام دیا اور اس نے حقائق میں تحریف کرتے ہوئے اپنی طرف سے کچھ روایات وضع کیں جس میں اس نے عقیدہ وصایت کو ایک یہودی زادے کی ذہنی اختراع قرار دیا اور اس نے پورا ایک قصہ تخلیق کیا۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں:

۱۔ طبری نے ۳۳۵ھ کے واقعات کے ضمن میں تحریر کیا:

سیف نے عطیہ سے، اس نے یزید فقہی سے روایت کی۔ اس نے کہا عبد اللہ بن سبا شہرِ ضعاء کا یہودی تھا اس کی ماں ایک سیاہ فام حبشی عورت تھی۔ حضرت عثمان کے عہد حکومت میں اس نے اسلام قبول کیا پھر مسلمانوں کو گمراہ کرنے کے لئے مختلف شہروں میں گیا پہلے پہل وہ حجاز گیا، وہاں سے کوفہ گیا، وہاں سے بصرہ اور پھر شام گیا۔

اہل شام نے اس کی دعوت کو تسلیم نہ کیا اور اسے اپنے پاس سے نکال دیا

وہ وہاں سے مصر آیا اور مصر میں قیام کیا اور لوگوں سے کہا:

مجھے ان لوگوں پر تعجب ہے جو یہ کہتے ہیں کہ عیسیٰ آخری زمانہ میں واپس آئیں گے۔ یہ لوگ جھوٹ کہتے ہیں جب کہ حقیقت یہ ہے کہ محمد مصطفیٰ اس دنیا میں واپس آئیں گے اور اللہ تعالیٰ نے ان کی واپسی کی اطلاع دیتے ہوئے قرآن مجید میں فرمایا:-

“إِنَّ الَّذِي فَرَضَ عَلَيْكَ الْقُرْآنَ لَرَادُّكَ إِلَىٰ مَعَادٍ“

(التقصص-۸۵)

”بے شک جس نے تجھ پر قرآن فرض کیا ہے وہ ضرور تجھے

ٹھکانے تک پہنچا دے گا“

عیسیٰ کی بہ نسبت محمدؐ واپس آنے کے زیادہ مستحق ہیں۔

مصر کے لوگوں نے اس کے نظریات کو قبول کیا اور اس نے عقیدہ رجعت

کا اختراع کیا اور وہ نظریہ لوگوں میں خاصا مقبول ہوا۔

اس عقیدہ کے بعد اس نے کہا کہ اللہ نے ہزاروں نبی بھیجے اور ہر نبی کا

کوئی نہ کوئی وصی ہوتا تھا اور محمدؐ مصطفیٰ کے وصی حضرت علیؑ ہیں۔ پھر اس نے کہا: محمدؐ

خاتم الانبیاء اور علیؑ خاتم الاوصیاء ہیں۔ اور جن لوگوں نے وصی پیغمبر کی موجودگی میں

حکومت و خلافت پر قبضہ کیا انہوں نے بہت بڑے ظلم کا ارتکاب کیا۔

پھر اس نے کہا: عثمان نے کسی حق کے بغیر مسند خلافت پر قبضہ کر رکھا ہے

جب کہ وصی پیغمبر بھی موجود ہے۔ لہذا تمہیں چاہئے کہ عثمان کو اس کے منصب سے

ہٹا دو اور اس کے معزول کرنے کے لئے اس کے مقرر کردہ حکام پر اعتراض کرو۔

اور ظاہری طور پر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا طریقہ اپناؤ اور اس طرح سے

لوگوں کے دلوں کو اپنی جانب مائل کرو اور انہیں اس امر کی دعوت دو۔

عبد اللہ بن سبائے مصر میں رہ کر اچھی خاصی کامیابی حاصل کی اور اس نے بہت سے داعی اور مبلغ تیار کیے۔ اس کے داعی تمام شہروں میں پھیل گئے اور انہوں نے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا جامہ پہن رکھا تھا۔

سبائی مبلغین دوسرے شہروں کے لوگوں کو خط لکھتے تھے جس میں وہ اپنے حکام کی شکایت کرتے تھے اور دوسرے شہروں سے بھی ان کے بھائی بند انہیں ان جیسے خطوط لکھتے تھے۔ چنانچہ ہر شہر کے داعی اپنے اپنے شہروں میں بیٹھ کر کہا کرتے تھے کہ ہم تو الحمد للہ خیریت سے ہیں لیکن دوسرے شہروں کے لوگ سخت تنگی میں مبتلا ہیں اور اس طرح کے خطوط صحابہ کے نام مدینہ منورہ بھیجے گئے۔

جب تمام شہروں کے متعلق سبائیوں کے خط اہل مدینہ کو ملے تو انہوں نے کہا کہ ہم تو فیرت سے ہیں لیکن ہمارے دوسرے مسلمان بھائی سخت اذیت میں مبتلا ہیں چنانچہ حقیقت حال کی جستجو کے لئے محمد اور طلحہ حضرت عثمان کے پاس گئے اور اس سے کہا کیا آپ کے پاس بھی وہ خبریں آ رہی ہیں جو ہمارے پاس آ رہی ہیں؟
حضرت عثمان نے کہا:

میرے پاس تو سلامتی اور عافیت کے علاوہ کوئی خبر نہیں آئی۔

اس کے بعد انہوں نے تفصیل سے حضرت عثمان کو لوگوں کی شکایت سے مطلع کیا۔

حضرت عثمان نے ان سے کہا۔ تم لوگ میرے شریک کار اور مومنین کے گواہ ہو اس کے لئے تم لوگ مجھے مشورہ دو کہ ہمیں کیا کرنا چاہئے؟
انہوں نے کہا کہ ہمارا مشورہ یہ ہے کہ آپ حالات کا جائزہ لینے کے لئے

با اعتماد افراد روانہ کریں جو وہاں کے چشم دید حالات سے آپ کو باخبر کریں۔

چنانچہ محمد بن مسلمہ کو کوفہ، اسامہ بن زید کو بصرہ، عمار بن یاسر کو مصر اور عبداللہ بن عمر کو شام بھیجا گیا۔ اسی طرح دوسرے شہروں کی طرف بھی صحابہ کو نمائندہ بنا کر بھیجا گیا۔

تمام نمائندے اپنے اپنے شہروں میں گئے اور حالات کا جائزہ لے کر واپس آئے مگر عمار یاسر نے واپس آنے میں بڑی دیر کر دی تمام نمائندوں نے دربار خلافت میں یہ رپورٹ کی کہ معاملات درست نہج پر چل رہے ہیں حکام عدل وانصاف کر رہے ہیں اور پوری رعایا مطمئن ہے اور کہیں بھی بے چینی کے آثار دکھائی نہیں دیتے۔

لوگوں کو عمار بن یاسر کی واپسی کا شدت سے انتظار تھا اور عمار کی آمد میں تاخیر کی وجہ سے لوگوں نے سمجھا کہ شاید انہیں راستہ میں کہیں قتل نہ کیا گیا ہو۔ لوگ عمار کی واپسی کے منتظر تھے کہ حاکم مصر عبداللہ بن سعد بن ابی سرح کا خط پہنچا جس میں اس نے لکھا تھا کہ مصر میں ایک گروہ نے عمار کو اپنے ساتھ ملایا ہے اور اس گروہ میں عبداللہ بن سبأ، خالد بن ملجم، سودان بن حمران اور کنانہ بن بشیر شامل ہیں:

ب۔ ذہبی نے ۳۵ھ کے واقعات کے ضمن میں درج ذیل دو واقعات تحریر کئے:

(۱) سیف بن عمر نے عطیہ سے، اس نے یزید فقعی سے روایت کی اس نے کہا جب ابن السدواء مصر گیا تو اس نے کنانہ بن بشیر کے ہاں قیام کیا پھر سودان بن حمران کا مہمان بنا۔ پھر غانقی کے پاس ٹھہرا۔ اس نے اس کے سر پر چوٹ لگائی اور اسے زخمی کر دیا۔ خالد بن ملجم اور عبداللہ بن رزین

جیسے افراد اسے بچانے کے لیے آگے آئے۔ اس نے ان سے اپنا نظریہ بیان نہ کیا اور اس نے محسوس کیا کہ وہ لوگ اس کی دعوت کو قبول کرنے پر آمادہ نہیں ہیں۔۔۔۔۔

۲۔ اس کے بعد ذہبی نے عمار کے متعلق لکھا:

سیف نے مبشر اور سہل بن یوسف سے روایت کی، انہوں نے محمد بن سعد بن ابی وقاص سے روایت کی اس نے کہا:

عمار بن یاسر مصر سے واپس آیا اور میرے والد کو اس کا شدت سے انتظار تھا جب انہیں عمار کی آمد کی اطلاع ملی تو انہوں نے مجھے بھیجا کہ میں انہیں لے کر ان کے پاس آؤں۔

عمار میرے والد کا پیغام سن کر میرے ساتھ چل پڑے۔ اس وقت انہوں نے میلا عمامہ اور فرکاجیہ پہنا ہوا تھا۔ جب وہ میرے والد کے پاس آئے تو میرے والد نے ان سے کہا:

ابو الیقظان! ہم تو تجھے ایک اچھا انسان سمجھتے تھے اب میں تمہارے متعلق یہ کیا سن رہا ہوں کہ تم مسلمانوں میں فساد پیدا کر رہے ہو اور لوگوں کو امیر المؤمنین کے خلاف بھڑکا رہے ہو کیا تمہارے پاس عقل نام کی بھی کوئی چیز موجود ہے یا نہیں ہے؟

میرے والد کے یہ الفاظ سن کر عمار غصہ میں آئے اور اپنے سر سے اپنا عمامہ اتار کر کہا۔ جس طرح سے میں نے اپنے عمامہ کو سر سے اتارا ہے اسی طرح میں عثمان کو منصب خلافت سے اتارتا ہوں۔

یہ سن کر سعد نے انا للہ وانا الیہ راجعون کہا۔ پھر انہوں نے عمار سے کہا:

تجھ پر نہایت افسوس! اب جب کہ تو بوڑھا ہو گیا اور تیری بڑیاں کمزور ہو گئیں اور تیری زندگی اختتام کے قریب آ گئی تو تو نے اسلام کا پٹہ اپنی گردن سے اتار دیا اور لباس دین چھوڑ کر تو عریان ہو گیا۔

عمار ناراض ہو کر سعد کے پاس سے اٹھے اور وہ یہ کہتے جاتے تھے۔ میں اپنے رب سے سعد کے فتنے سے بچنے کے لئے پناہ طلب کرتا ہوں۔

سعد نے کہا: ”الا في الفتنة سقطوا“ یہ لوگ فتنہ میں گر چکے ہیں، پھر سعد نے کہا: خدایا! عثمان کے عفو و حلم کی وجہ سے اس کی درجات میں اضافہ فرما اور جب تک عمار دروازے سے باہر نہ نکلے اس وقت تک میرے والد یہی الفاظ دہراتے رہے۔

جب عمار ہمارے گھر سے نکل کر روانہ ہو گئے تو میرے والد سعد مجھے گلے لگا کر خوب روئے یہاں تک کہ ان کی داڑھی آنسوؤں سے تر ہو گئی اور انہوں نے کہا اب فتنہ سے کون محفوظ رہے گا پھر کیا پیارے بیٹے! تو نے جو کچھ یہاں سنا ہے اس کا کسی سے ذکر نہ کرنا یہ گفتگو تیرے پاس امانت ہے مجھے اندیشہ ہے کہ کہیں لوگ عمار کے گرد جمع نہ ہو جائیں اور اس کی باتوں میں نہ آجائیں۔ رسول خدا نے اس کے متعلق فرمایا تھا:

”حق عمار کے ساتھ رہے گا یہاں تک کہ اس پر بڑھاپے کا غلبہ نہ ہو“ اب اس پر بڑھاپے کا غلبہ ہو چکا ہے اور یہ بہکی بہکی باتیں کرنے لگ گیا ہے، محمد بن ابوبکر صدیق نے بھی عثمان کی مخالف کی تھی سالم بن عبد اللہ سے اس کی مخالفت کا سبب پوچھا گیا تو اس نے کہا۔ اس کی مخالفت کی بنیاد ناراضگی اور طمع پر تھی اس سے پہلے محمد بن ابی بکر کا اسلام میں ایک مقام تھا لوگوں نے اسے فریب دیا تو وہ طمع

کرنے لگ گیا اس نے نازخہ کیا اور اس کے ذمہ ایک حق تھا جسے عثمان نے اس کی پشت سے حاصل کیا تھا۔

ابوذر غفاری کے واقعہ میں تحریف

ج۔ طبری نے ۳۰ھ کے واقعات کے ضمن میں ابوذر غفاری کے حالات کو یوں مسخ کر کے لکھا۔ سیف نے عطیہ سے، اس نے یزید فقعی سے روایت کی اس نے کہا:

جب ابن السوداء شام آیا تو اس نے ابوذر سے ملاقات کی اور اس سے کہا: کیا تمہیں یہ سن کر حیرانی نہیں ہوتی کہ معاویہ بیت المال کو ”مال اللہ“ کہہ کر پکارتا ہے جب کہ یہ بات صحیح ہے کہ ہر چیز خدا کی ملکیت ہے لیکن معاویہ بیت المال کو ”اللہ کا مال“ اس لئے کہتا ہے کہ وہ مسلمانوں کو اس سے محروم کرنا چاہتا ہے جب کہ اسے چاہئے کہ وہ اس دولت کو ”مال المسلمین“ کے نام سے پکارے۔ (ابوذر اس کی اس تقریر سے متاثر ہوئے) اور وہ معاویہ کے پاس گئے اور اس سے کہا:

تم مسلمانوں کے مال کو ”مال اللہ“ کیوں کہتے ہو؟

معاویہ نے کہا: ابوذر! خدا تجھ پر رحم فرمائے کیا ہم سب اللہ کے بندے نہیں اور مال اللہ کا مال نہیں اور ساری مخلوقات اس کی مخلوق نہیں ہیں اور کیا تمام امور اس کے نہیں ہیں؟ اس کے باوجود بھی اگر تمہارا یہی اصرار ہے تو میں آئندہ اسے ”مال المسلمین“ کہہ کر پکاروں گا۔

سیف نے کہا کہ ابن السوداء ابو الدرداء صحابی کے پاس گیا۔ ابو الدرداء

اس کے پنجہ میں نہ آیا اور اس سے کہا تو کون ہے؟ خدا کی قسم میں سمجھتا ہوں کہ تو یہودی ہے۔

پھر وہ عبادہ بن الصامت سے ملا۔ عبادہ اسے پکڑ کر معاویہ کے پاس لے گئے اور اس سے کہا: یہی وہ شخص ہے جس نے ابوذر کو تیرے پاس بھیجا تھا۔ حضرت ابوذر نے شام میں یہ تقریر شروع کر دی۔

دولت مند لوگو! غریبوں کے ساتھ ہمدردی کرو۔ جو لوگ سونا چاندی جمع کرتے ہیں اور اسے خدا کی راہ میں خرچ نہیں کرتے انہیں دردناک عذاب کی خوش خبری دے دو۔ یہی سونا چاندی گرم کر کے ان کی پشت اور چہروں کو داغا جائے گا اور ان سے کہا جائے گا یہ تمہارا وہی خزانہ ہے جسے تم جمع کیا کرتے تھے۔

ابوذر دن رات یہی تبلیغ کرتے تھے یہاں تک کہ شام کے غرباء کا طبقہ ان کا پیروکار بن گیا اور انہوں نے دولت مند طبقہ پر واجب سمجھ لیا کہ وہ ہر قیمت پر ان کی مدد کریں۔

یہ حالات دیکھ کر دولت مند طبقہ نے لوگوں کی معاویہ سے شکایت کی۔ معاویہ نے عثمان کو خط لکھا جس میں اس نے تحریر کیا کہ ابوذر نے مجھے بہت تنگ کیا ہوا ہے اور اس نے فلاں فلاں کام کئے ہیں۔

حضرت عثمان نے جواب میں لکھا:

فتنہ کی نکیل اور آنکھ، ظاہر ہو چکی ہے اب اس کے کھڑے ہونے کی دیر ہے۔ لہذا تم زخموں کو مت کریدو اور ابوذر کی تیاری کرا کے میرے پاس بھیج دو اور اس کے ساتھ ایک راہ نما مقرر کرو اور اسے مناسب زادراہ فراہم کرو اور اس کے ساتھ نرمی کا برتاؤ کرو اور تم سے جہاں تک ممکن ہو اس کو اذیت دینے سے پرہیز کرو اور

انہیں لوگوں کی اذیت سے بھی محفوظ رکھو۔

معاویہ نے ایک راہ دکھانے والے کو ابوذر کے ساتھ مدینہ روانہ کیا۔ جب ابوذر مدینہ پہنچے اور انہوں نے دیکھا کہ مدینہ کی آبادی پھیل کر مقام سلع تک آگئی ہے تو انہوں نے کہا:

اہل مدینہ کو سخت لوٹا مارا اور کمر توڑ جنگ کی بشارت ہو۔

ابوذر عثمان کے پاس آئے۔ عثمان نے ابوذر سے کہا۔

ابوذر! اہل شام تمہارے رویہ کی شکایت کیوں کرتے ہیں؟

ابوذر نے کہا: اس کی وجہ یہ ہے کہ میں شام میں یہ کہا کرتا تھا کہ مسلمانوں

کے مال کو مال اللہ نہیں کہنا چاہئے اور میں نے دولت مندوں سے کہا تھا کہ وہ دولت

کے ڈھیر جمع نہ کریں۔

حضرت عثمان نے کہا۔ ابوذر! میں تو صرف یہی کر سکتا ہوں کہ اپنے

فرائض صحیح طریقہ سے سرانجام دوں اور رعیت کے ذمہ ہمارے جو حقوق ہیں وہ حقوق

فاصل کر سکتا ہوں۔ میں لوگوں کو زہد پر مجبور نہیں کر سکتا البتہ انہیں میانہ روی کی دعوت

دے سکتا ہوں۔

حضرت ابوذر نے کہا: پھر مجھے یہاں سے جانے کی اجازت دے دیں۔

کیونکہ مدینہ میرا گھر نہیں ہے۔

حضرت عثمان نے کہا: مدینہ کو چھوڑ کر کسی بڑی جگہ کا انتخاب کرنا چاہتے

ہو؟

حضرت ابوذر نے کہا: مجھے رسول خدا نے حکم دیا تھا کہ جب مدینہ کی

آبادی مقام سلع تک پھیل جائے تو تم مدینہ کو چھوڑ دینا۔

حضرت عثمان نے کہا: پھر آپ پیغمبر خدا کے فرمان پر عمل کریں۔

اس کے بعد ابوذر نے مدینہ کو چھوڑ دیا اور ربذہ چلے گئے اور وہاں انہوں نے ایک مسجد تعمیر کی اور عثمان نے انہیں اونٹوں کا ایک گلہ عطا کیا اور ان کی خدمت کے لیے دو غلام ان کے حوالے کئے۔ اور ابوذر کو پیغام بھیجا کہ مدینہ آتے جاتے رہا کرو تا کہ تم اعرابی بن کر مرتد نہ بن جاؤ۔ ابوذر اس بات پر عمل کرتے رہتے تھے۔

اخبار فتن کے متعلق سیف کی روایات پر ایک نظر

سیف نے اموی خلفاء عثمان، معاویہ و مروان اور اموی دور کے حکام ولید اور سعد بن ابی سرح اور دیگر بنی امیہ کے دفاع کے لیے اس طرح کے افسانے تراش رکھے تھے اور مکتب خلافت سے وابستہ علماء کو بھی ایسے ہی بے سرو پا افسانوں کی شدید ضرورت تھی اسی لئے انہوں نے خوشدلی سے ان افسانوں کو اپنی کتابوں میں جگہ دی اور یوں ایک بے دین شخص کے افسانے اسلامی مصادر کا حصہ بن گئے۔ ہم نے ان واقعات کی تفصیل اپنی کتاب عبد اللہ بن سبا اور احادیث امام المؤمنین عائشہ کی جلد اول میں بیان کی ہے اور یہاں ہم صرف سیف کی مذکورہ تحریف شدہ روایات کا ہلکا سا جائزہ لیں گے۔

۱۔ سیف کی روایات تحریف کا بدترین شاہکار ہیں

ہم سیف کی سابقہ روایات میں بناوٹ اور تحریف کا جائزہ لینے کے لئے ان رواۃ پر نظر ڈالتے ہیں، جن سے یوسف نے مذکورہ روایات نقل کی ہیں۔

الف۔ مذکورہ روایات میں سیف نے عطیہ، مبشر، سہل بن یوسف اور یزید ثعسی نام ایسے راوی اپنی طرف سے تراشے ہیں۔

عطیہ، سیف کا تراشا ہوا کردار ہے۔ سیف نے اس کا ایک فرضی نسب نامہ بھی تراشا ہوا تھا اور وہ کچھ یوں تھا کہ عطیہ بلال بن ابی بلال حلال ضعی کا بیٹا تھا اور سیف عطیہ کا ایک فرضی بیٹا بھی تراشا ہوا تھا جس کا نام اس نے صعب رکھا ہوا تھا۔ سیف اپنے تراشے ہوئے راویوں سے روایات بیان کرتا تھا کبھی وہ عطیہ سے روایت نقل کرتا تھا اور کبھی اس کے بیٹے صعب سے روایت نقل کرتا تھا اور صعب کی زبانی کبھی عطیہ سے اور کبھی کسی دوسرے سے روایات نقل کرتا تھا۔

ہم نے سیف کی ان تمام روایات کو جو اس نے عطیہ سے نقل کی تھیں، اپنی کتاب ”رواۃ مخلقون“ میں جمع کیا ہے اور اس کے ساتھ سیف کے خود ساختہ کردار ”قعقاع“ کی حقیقت کو بھی ہم نے اپنی کتاب ”ایک سو پچاس خود ساختہ صحابی“ کی جلد اول اور اپنی کتاب عبد اللہ بن سبا کی جلد اول میں علماء الحضرمی کے حالات کے ضمن میں بیان کیا ہے۔

سہل بن یوسف بھی یوسف کا اپنا پیدا کردہ کردار ہے سیف نے اس کا نسب نامہ یوں تراشا ہے۔ سہل بن یوسف بن سہل بن مالک انصاری، ہم نے اس مصنوعی راوی کی مکمل بحث اپنی کتاب ”رواۃ مخلقون“ اور ”ایک سو پچاس خود ساختہ صحابی“ میں قعقاع کی روایت کے ضمن میں کی ہے۔

مبشر بھی سیف کا خود ساختہ راوی ہے اور سیف نے کہا تھا کہ اس کا والد فضیل تھا ہم نے سیف کی مبشر سے بیان کردہ روایات کی تفصیلی بحث اپنی کتاب ”عبد اللہ بن سبا“ کی جلد اول میں کی ہے۔

یزید فقعی کا ذکر حدیث، سیر، تاریخ، ادب، انساب، طبقات اور تراجم رجال میں کہیں دکھائی نہیں دیتا البتہ تاریخ طبری میں اس کی پانچ روایات ہیں اور

اس کی ایک روایت ذہبی کی تاریخ الاسلام میں بھی موجود ہے اور لطف یہ ہے کہ اس کی یہ تمام تر روایات کا راوی سیف ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ خدا نے اس راوی کو پیدا ہی اس لئے کیا تھا کہ سیف اس سے چھ روایات حاصل کر سکے۔ اس سے ہمیں اندازہ ہوتا ہے کہ اس نام کے حقیقی شخص کا دنیائے آب و گل میں کہیں کوئی وجود نہیں تھا یہ راوی بھی دیگر بہت سے رواۃ کی طرح سے سیف کا ساختہ پر داختہ تھا۔

(ب) سیف نے غانقی نام کا ایک شخص تراشا اور عبد اللہ بن سبا کو اس کا مہمان بنایا اور پھر غانقی سے عبد اللہ بن سبا کو زخمی کرایا۔ ہم طوالت سے بچنے کی غرض سے اس پر مزید بحث نہیں کرنا چاہتے۔

سیف نے سابقہ واقعات کے متن میں درج ذیل باتوں کو اپنی طرف سے شکل کیا۔

(1) اس نے زور تخیل سے عبد اللہ بن سبا کا واقعہ تراشا اور اس سلسلہ کی صحیح احادیث کے لئے ہماری کتاب احادیث أم المومنین کے باب ”فی عصر الصھرین“ اور ”مع معاویہ“ کا مطالعہ فرمائیں۔

(ب) سیف نے بے حیائی کی تمام حدود کو بالائے طاق رکھتے ہوئے حضرت عمار یاسر اور حضرت ابوذر جیسے عظیم القدر صحابیوں کو عبد اللہ بن سبا یہودی کا پیروکار بتایا۔ اور سیف نے اپنا منہ کالا کرتے ہوئے کہا کہ عمار و ابوذر کی بہت سے لوگوں نے پیروی کی اور انہیں سبائیہ کہا گیا۔

سوال یہ ہے کہ ابوذر و عمار کی پیروی کرنے والے یا تو صحابی ہوں گے یا تابعین ہوں گے۔ سیف نے صرف اپنے پسندیدہ حکمرانوں کو محفوظ کرنے کے لئے صحابہ و تابعین کو سبائی کہنے سے گریز نہیں کیا۔

(ج) سیف نے مزید جھوٹ یہ تخلیق کیا کہ حقیقت حال کے جائزہ کے لئے محمد بن مسلمہ کو کوفہ اور اسامہ بن زید کو بصرہ اور عمار بن یاسر کو مصر اور عبد اللہ بن عمر کو شام روانہ کیا گیا عمار کے علاوہ سب نے آ کر سب اچھا کی رپورٹ دی، عمار مصر پہنچ کر عبد اللہ بن سبأ کا پیروکار بن گیا اور مصر میں فساد پھیلانے میں مصروف ہو گیا۔

سیف نے اپنے تراشیدہ واقعات کو تفصیل سے بیان کیا جب کہ ان جزئیات کو کسی دوسرے مورخ نے بیان نہیں کیا۔ اس سلسلہ کی صحیح ترین روایت وہ ہے جسے بلاذری نے انساب الاشراف میں نقل کیا ہے اور ہم نے اس کتاب سے وہ روایت اپنی کتاب ”احادیث ام المومنین“ میں بھی نقل کی ہے۔

(د) ابوذر اور معاویہ کے درمیان ہونے والی گفتگو میں بھی سیف نے تحریف سے کام لیا اور جان بوجھ کر حق کو چھپایا۔

(ہ) سیف نے اپنی طرف سے فرضی خطوط بھی تراشے اور اس کے قول کے مطابق حضرت عثمان اور ان کے حکام کے درمیان ان خطوط کا تبادلہ ہوتا رہا۔

۲۔ سابقہ روایات میں تحریف کی مثالیں

(۱) سیف نے سابقہ روایات میں لوگوں کے ناموں میں تحریف کی مثلاً اس نے حضرت علیؑ علیؑ ہ السلام کے قاتل عبد الرحمن بن ملجم اور خوارج کے سردار عبد اللہ بن وہب کے ناموں میں تبدیلی کی اور اس نے عبد الرحمن بن ملجم کو خالد بن ملجم اور عبد اللہ بن وہب کو عبد اللہ بن سبأ کے نام سے یاد کیا۔

اس کی مزید تفصیل کے لئے ہماری کتاب ”عبد اللہ بن سبأ“ کی جلد دوم کی فصل ”تصحیف و تحریف“ کا مطالعہ فرمائیں۔

(ب) واقعات میں تحریف

سیف نے عبادہ بن صامت اور معاویہ کے واقعہ کے متعلق تحریف سے کام لیا ہے۔ اس سلسلہ کی صحیح روایت وہی ہے جسے ہم نے ”احادیث ام المومنین“ کی فصل ”فغ معاویہ“ میں نقل کیا ہے۔

سیف نے کذب بیانی سے کام لیتے ہوئے کہا کہ عقیدہ رجعت کا بانی عبد اللہ بن سباء تھا۔

ہم اس وقت عقیدہ رجعت پر بحث کرنا نہیں چاہتے اور اس کے دلائل پر گفتگو بھی نہیں کرنا چاہتے۔ البتہ ہم یہاں صرف ایک ہی روایت پر اکتفا کرنا چاہتے ہیں اور اس روایت سے ہمارے قارئین کو معلوم ہو جائے گا کہ عقیدہ رجعت کا بانی کون ہے۔

جب حضرت پیغمبر اسلام کی وفات ہوئی تو اس وقت حضرت ابو بکر اپنی بیوی کے پاس سخ نامی محلہ میں تھے۔ حضرت عمر رسول خدا کے جنازہ پر آئے اور کہنے لگے۔

کچھ منافقین یہ سمجھ رہے ہیں کہ رسول خدا کی وفات ہو گئی ہے جب کہ رسول خدا کی وفات نہیں ہوئی آپ حضرت موسیٰ کی طرح سے اپنے رب کے پاس تشریف لے گئے ہیں جس طرح سے حضرت موسیٰ چالیس راتوں کے بعد واپس آتے تھے اسی طرح سے حضرت محمد بھی واپس آئیں گے۔

تفصیل کے لئے ہماری کتاب عبد اللہ بن سباء کی جلد اول میں سے باب وفات رسا کا مطالعہ فرمائیں۔

سیف نے عقیدہ وصایت کو عبد اللہ بن سباء کی اختراع بتایا:
 علاوہ ازیں اس نے حضرت عمار کے متعلق وارد ہونے والی حدیث میں یہ
 کہہ کر تحریف کی کہ رسول خدا نے عمار کے متعلق فرمایا تھا:

الحق مع عمار مالم تغلب علیہ ولہمة الکبر

”حق عمار کے ساتھ ہوگا جب تک اس پر بڑھاپے کی حماقت غلبہ حاصل نہ
 کرے“ اور سیف نے اپنی طرف سے سعد بن ابی وقاص کی زبانی یہ الفاظ تراشے:
 ان عماراً اولہ و عوزف
 ”عمار بوزھا ہو گیا اور شھیا گیا۔“
 جب کہ حضرت عمار یاسر کے متعلق پیغمبر اکرم کا فرمان ہے:

إذا اختلف الناس کان ابن سمیة مع الحق

”جب لوگوں میں اختلاف ہو جائے تو ابن سمیہ حق کے ساتھ ہوگا۔“

(تاریخ ذہبی ۲/۱۷۹- تاریخ ابن کثیر ۷/۲۷۰)

طبقات ابن سعد میں مرقوم ہے کہ حضرت علیؑ نے عمار کی شہادت کا مرثیہ
 کہتے ہوئے یہ الفاظ کہے تھے:

ان عمارا مع الحق والحق معه، یدور عمار مع الحق

اینما دار

”عمار حق کے ساتھ اور حق عمار کے ساتھ ہے عمار حق کے ساتھ

ادھر پھرتا ہے جدھر حق پھرتا ہے۔“

سیف نے رسول خدا کے فرامین میں یہ کہہ کر تحریف کی کہ حق اس وقت

تک عمار کے ساتھ رہے گا جب تک وہ شھیا نہ جائے۔

ابن ہشام نے سیرت النبی میں مسجد نبوی کے تعمیر کے باب میں یہ جملہ

لکھے ہیں (مسجد نبوی تعمیر ہو رہی تھی اور تمام لوگ ایک ایک اینٹ اٹھا رہے تھے جبکہ عمار دو دواشیشیں اٹھا رہے تھے) ایک شخص نے ان پر اعتراض کیا تو رسول خدا نے فرمایا:

ما لهم ولعمار يدعوهم الى الجنة ويدعونه الى النار ان

عمار اجلدة ما بين عيني وانفي

”ان لوگوں کا عمار سے کیا تعلق ہے عمار انہیں جنت کی طرف

بلائے گا اور وہ اسے دوزخ کی طرف بلائیں گے عمار میری

آنکھوں اور میرے ناک کے درمیان کا چمڑا ہے۔“

ابن ہشام نے روایت نقل کی مگر اس نے یہ واضح نہ کیا کہ عمار پر اعتراض

کس نے کیا تھا سیرت ابن ہشام کی شرح میں ابوذر نے بیان کیا کہ عمار پر اعتراض

کرنے والے عثمان بن عفان تھے۔ (طبقات ابن سعد طبع بیروت ۳/۲۶۲)

اس حدیث کی تشریح کے لئے ہماری کتاب احادیث امام المومنین کی فصل

”فی عصر الصحرین“ کی طرف رجوع فرمائیں۔

سیف نے بے حیائی کی تمام حدود پھلانگتے ہوئے حضرت ابوذر کو عبد اللہ بن

سباء کا پیروکار بتایا ہے جب کہ حضرت ابوذر رسول خدا کے عظیم القدر صحابی تھے وہ زہد

وتقویٰ میں حضرت عیسیٰ بن مریم کی شبہہ تھے ان کے متعلق رسول خدا نے فرمایا تھا۔

ما اظلت الخضراء وما اقلت الغبراء من رجل اصدق

لهجة من ابى ذر (۱)

۱۔ سنن ابن ماجہ۔ مقدمہ باب ۱۱ الحدیث ۱۵۶۔ سنن ترمذی کتاب المناقب، باب

مناقب ابی ذر۔ مسند احمد ۲/۱۶۳۔ ۱۷۵۔ ۲۲۳، ۳۵۱/۵۔ ۳۵۶۔ ۳۲۲/۶۔ طبقات ابن سعد طبع

یورپ ۳/ق ۱/۱۶۸

”آج تک آسمان نے سایہ نہیں کیا اور آج تک زمین نے اپنی پشت پر کسی ایسے شخص کو نہیں اٹھایا جو ابوذر سے زیادہ سچا ہو۔“

سیف اور دوسرے رواۃ کی روایات کا موازنہ

ذہبی اپنی تاریخ میں دور عثمان کی شورشوں کے متعلق لکھتے ہیں:

زہری کا بیان ہے کہ حضرت عثمان کے اقتدار کے پہلے چھ سال تک لوگ ان سے خوش رہے اور وہ لوگوں کو عمر سے بھی زیادہ پیارے لگتے تھے۔ کیونکہ عمر سختی کرتے تھے جب کہ عثمان نے نرمی کا ثبوت دیا تھا۔

چھ برس کے بعد انہوں نے اپنے رشتہ داروں کو کلیدی مناصب پر فائز کر دیا اور ملک مصر یا افریقہ کا پورا خنس مردان کے حوالے کر دیا اور بیت المال میں اپنے رشتہ داروں کو دوسروں پر ترجیح دی اور اس سلسلہ میں ان کا موقف یہ تھا کہ جس صلہ رحمی کا اللہ نے حکم دیا ہے وہ اس پر عمل کر رہے ہیں اور انہوں نے بھاری مقدار میں بیت المال سے قرض لیا اور کہا کہ ابو بکر و عمر نے اپنا حق چھوڑ دیا تھا اور میں بیت المال سے اپنا حق لے کر اپنے رشتہ داروں میں تقسیم کر رہا ہوں لوگوں کو ان واقعات سے تکلیف پہنچی اور ان پر تنقید کرنے لگے۔

میں کہتا ہوں کہ لوگوں نے ان پر یہ اعتراض کیا کہ انہوں نے ایک صالح شخصیت عمیر بن سعد کو حمص کی حکومت سے معزول کر کے حمص کو شام میں ضم کر دیا اور پھر پورا شام معاویہ کی حکومت میں دے دیا۔ اسی طرح انہوں نے عمرو بن العاص کو مصر کی حکومت سے معزول کر کے عبد اللہ بن ابی سرح کو مصر کا حاکم مقرر کیا۔ حضرت عثمان نے ابو موسیٰ اشعری کو بصرہ سے معزول کر کے عبد اللہ بن عامر کو وہاں

کا حاکم مقرر کیا اور مغیرہ بن شعبہ کو کوفہ سے معزول کر کے سعید بن عاص کو وہاں کا حاکم مقرر کیا۔

کتاب میں مغیرہ بن شعبہ لکھا ہوا ہے جو کہ غلط ہے۔ اصل میں انہوں نے سعد ابن ابی وقاص کو معزول کیا تھا۔

ذہبی مزید لکھتے ہیں:

حضرت عثمان نے صحابہ کو بلایا جس میں عمار بھی شامل تھے اور ان سے کہا: میں تم سے ایک بات پوچھنا چاہتا ہوں اور میں چاہتا ہوں کہ تم میری تصدیق کرو۔ میں تمہیں خدا کی قسم دے کر پوچھتا ہوں کہ کیا رسول خدا قریش کو بالعموم اور بنی ہاشم کو بالخصوص دوسرے لوگوں پر ترجیح نہ دیتے تھے؟

صحابہ اس کے جواب میں خاموش رہے۔ پھر حضرت عثمان نے کہا:

”اگر جنت کی چابیاں میرے ہاتھ میں ہوتیں تو میں بنی امیہ کو اس میں

داخل کر دیتا۔“ (1)

بن امیہ کے حکام نے مصر، شام، کوفہ، بصرہ و مدینہ میں جو گل کھلائے اس سے تمام تاریخ کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ ہم یہاں صرف ابوذر کے ساتھ جو سلوک روا رکھا گیا اس کے متعلق کچھ اشارہ کرنا چاہتے ہیں۔

1۔ تاریخ اسلام ذہبی ۲/۱۲۲۔ مؤلف کہتا ہے کہ جنت کی چابیاں تو ان کے ہاتھ میں نہ تھیں البتہ بیت المال کی چابیاں ان کے ہاتھ میں تھیں جس سے انہوں نے بنی امیہ کو خوب مستفیض کیا۔

ابوذر سے بدسلوکی

ابی کثیر نے اپنے باپ سے روایت کی ہے۔ اس نے کہا:
 میں ابوذر کے پاس گیا اس وقت وہ جرہ و سطلی کے قریب بیٹھے ہوئے
 لوگوں کو فتویٰ دے رہے تھے۔ لوگ بڑی تعداد میں ان کے گرد جمع تھے۔
 اتنے میں ایک شخص اگر ان کے پاس کھڑا ہو گیا اور ان سے کہا۔
 کیا تجھے فتویٰ دینے سے روکا نہیں گیا تھا؟
 ابوذر نے سر اٹھا کر اس کی طرف دیکھا اور کہا۔ کیا تجھے میری نگرانی پر
 مامور کیا گیا ہے؟

پھر ابوذر نے کہا اگر تم میری گردن پر تلوار بھی رکھ دو اور مجھے معلوم ہو کہ
 تلوار چلنے سے قبل میں رسول خدا سے سنا ہوا جملہ بیان کر سکتا ہوں تو میں ضرور بیان
 کروں گا۔ (سنن داری ۱/۱۳۷۔ طبقات ابن سعد ۲/۳۵۴)

امام بخاری نے اس روایت میں کانٹ چھانٹ کی ہے اور انہوں نے یہ
 الفاظ لکھے ہیں:

ابوذر نے کہا اگر تم میری گردن پر تلوار بھی رکھ دو اور اگر مجھے معلوم ہو کہ
 تلوار چلنے سے قبل میں رسول خدا سے سنا ہوا جملہ بیان کر سکتا ہوں تو بھی میں ضرور
 بیان کروں گا۔ (صحیح بخاری۔ کتاب العلم، باب العلم قبل القول والعمل ۱/۱۶)

ابن حجر عسقلانی فتح الباری شرح صحیح بخاری میں لکھتے ہیں:

ابوذر سے بات کرنے والا شخص قریشی تھا اور انہیں فتویٰ سے عثمان نے منع
 کیا تھا۔ (فتح الباری ۱/۱۷۰-۱۷۱)

ابن حجر لکھتے ہیں:

ابوذر نے ”کلمۃ“ کو نکرہ کی شکل میں بیان کیا جس سے ان کا مقصود یہ تھا کہ میں رسولِ خدا کی ہر چھوٹی اور بڑی بات ضرور بیان کروں گا اگرچہ اس کے لئے مجھے قتل بھی کیوں نہ ہونا پڑے۔

ذہبی نے تذکرۃ الحفاظ میں لکھا:-

وعلى راسه فتى من قريش فقال امانهاك امير

المومنين عن الفتيا..... (تذکرۃ الحفاظ ۱۸/۱)

”ابوذر کے سر پر قریش کا ایک جوان کھڑا تھا اور اس نے ان سے کہا کہ کیا امیر المومنین نے تجھے فتویٰ سے منع نہیں کیا؟“

ابوذر مسجد حرام میں

امام حاکم نے اپنی سند سے حش الکنانی سے روایت کی۔ اس نے کہا کہ ابوذر کعبہ کے دروازہ کو پکڑ کر کہہ رہے تھے:

لوگو! جو مجھے جانتا ہے سو جانتا ہے اور جو نہیں جانتا میں ابوذر ہوں، میں نے رسولِ خدا کو یہ کہتے ہوئے سنا۔

مثل اهل بيتي كسفينة نوح من ركبها نجا ومن تخلف

عنها غرق

میری اہل بیت کی مثال کشتی نوح کی سی ہے جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو اس سے پیچھے رہا وہ غرق ہو گیا۔

حاکم کہتے ہیں یہ حدیث مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ (مسندک حاکم ۲/۳۲۳)

ابوذر مسجد رسولؐ میں

یعقوبی نے حضرت ابوذر اور اس وقت کے عالم مسلمین کی گہنگلو کی تفصیل یوں بیان کی ہے۔

حضرت عثمان کو اطلاع دی گئی کہ ابوذر مسجد نبوی میں بیٹھتا ہے اور لوگ اس کے گرد جمع ہو جاتے ہیں اور ابوذر ان کے سامنے حکام پر تنقید کرتا ہے اور حضرت عثمان کو یہ بھی بتایا گیا کہ ایک دن ابوذر نے مسجد نبوی کے دروازے پر کھڑے ہو کر یہ تقریر کی:

لوگو! جو مجھے جانتا ہے سو جانتا ہے اور جو مجھے نہیں جانتا تو سن لے میں ابوذر غفاری ہوں۔ میں جناب بن جنادہ ربذی ہوں۔

ان اللہ اصطفیٰ آدم و نوحا و آل ابراہیم وال عمران
علیٰ العالمین ذریۃ بعضہا من بعض واللہ سمیع علیٰ ہم۔

”بے شک اللہ نے آدمؑ اور نوحؑ اور خاندان ابراہیمؑ اور خاندان عمران کو تمام جہانوں میں پر منتخب کیا وہ سب ایک دوسرے کی اولاد تھے اور اللہ سننے والا اور جاننے والا ہے۔“

محمدؐ، نوحؑ کی صفات اور آل ابراہیمؑ اور ذریت اسماعیلؑ ہیں ہدایت کرنے والی عترت محمدؐ کا حصہ ہے۔ محمدؐ ان کے شرف کے لئے ذریعہ شرف ہیں۔ آل محمدؐ قوم میں مستحق فضیلت ہیں۔ ان کا ہمارے اندر وہی مقام ہے جو بلند آسمان کا ہے اور جو غلاف میں لپٹے ہوئے کعبہ کا ہے۔ وہ مقرر کردہ قبلہ کی مانند ہیں یا چمکتے ہوئے سورج کی مثال ہیں۔ وہ سفر کرنے والے چاند کی مانند ہیں یا ہدایت کرنے والے

ستاروں کی طرح ہیں۔

آل محمد صاف تیل رکھنے والے درخت زیتون کی طرح ہیں جس کی جھاگ بابرکت ہے۔ محمد مصطفیٰ علم آدم اور انبیاء کے فضائل کے وارث ہیں اور علی بن ابی طالب وصی محمد اور ان کے علم کے وارث ہیں۔

اپنے نبی کے بعد حیرت میں ڈوبی ہوئی امت! سن لو اگر تم نے اسے مقدم رکھا ہوتا جسے خدا نے مقدم رکھا ہے اور اسے موخر کیا ہوتا جسے خدا نے موخر کیا ہے اور اگر تم نے اپنے پیغمبر کی اہل بیت کی ولایت و وراثت کا اقرار کر لیا ہوتا تو تمہیں تمہارے سروں کے اوپر سے بھی رزق ملتا اور تمہارے قدموں کے نیچے سے بھی تمہیں رزق ملتا اور خدا کا کوئی دوست مفلس نہ رہتا اور خدا کا کوئی فریضہ پامال نہ ہوتا اور حکم خداوندی کے متعلق دو افراد میں اختلاف پیدا نہ ہوتا۔ (ہاں اگر اختلاف ہوتا بھی) تو تم اس کا علم ان کے پاس کتاب اللہ اور سنت پیغمبر کے مطابق پاتے۔ بہر نوع! اب تم جو کچھ کر چکے ہو تو اپنے معاملہ کا وبال بھی چکھو اور ظالموں کو عنقریب معلوم ہو جائے گا کہ ان کا انجام کیا ہونے والا ہے۔

یعقوبی اس کے بعد تحریر کرتے ہیں:

حضرت عثمان کو اطلاع ملی کہ ابوذر ان پر تشدید کرتے ہیں اور انہوں نے رسول خدا کی سنت اور سیرت شینین میں جو تبدیلیاں کی ہیں وہ ان تبدیلیوں کا تذکرہ کرتے ہیں اسی لئے حضرت عثمان نے انہیں معاویہ کے پاس شام روانہ کر دیا۔ جب وہ شام پہنچے تو وہ وہاں بھی مسجد میں بیٹھ کر وہیں باتیں کرتے تھے جو وہ مدینہ میں کیا کرتے تھے لوگ جمع ہو کر ان کی باتیں سنتے تھے اور آہستہ آہستہ لوگوں کی بڑی تعداد ان کی باتیں سننے لگی۔۔۔۔۔

یعقوبی اس کے بعد لکھتے ہیں جس کا حاصل یہ ہے۔

معاویہ نے عثمان کو خط لکھا جس میں اس نے تحریر کیا کہ تو نے ابوذر کو شام روانہ کر کے شام کو اپنے مخالف بنالیا۔

حضرت عثمان نے جواب میں لکھا:

تم ابوذر کو بے پالان اونٹ پر سوار کر کے مدینہ بھیج دو۔

چنانچہ جب ابوذر مدینہ پہنچے تو ان کی رانوں سے گوشت اڑ چکا تھا اور عثمان سے ان کی تلخ گفتگو ہوئی جس کی وجہ سے عثمان نے انہیں ربذہ جلا وطن کر دیا۔

کوفہ کے گورنر ولید نے بھی صحابی رسول عبد اللہ بن مسعود کے ساتھ بھی ایسا ہی سلوک کیا تھا اور جب وہ مدینہ پہنچے تو حضرت عثمان نے انہیں زمین پر گرا دیا تھا اور انہیں سخت سزا دی گئی جس کی وجہ سے ان کی وفات ہو گئی اور ایسا ہی سلوک عمار یاسر سے روا رکھا گیا تھا:

ان تمام واقعات کی تفصیلی بحث کے لئے ہماری کتاب ”احادیث ام المومنین“ کی طرف رجوع فرمائیں۔

دورِ عثمان کی شورشوں کا انجام

حضرت عثمان نے بنی امیہ کو کھلی چھٹی دے رکھی تھی اور انہوں نے بھی موقع سے خوب فائدہ اٹھایا اور دونوں ہاتھوں سے مسلمانوں کی دولت لوٹی اور جس نے بھی حکام کے خلاف آواز بلند کی تو اسے سخت اذیتیں دی گئیں جس کا منطقی نتیجہ یہ نکلا کہ عوام مسلمین حضرت عثمان کے خلاف اٹھ کھڑے ہوئے اور ان حالات میں بنو تمیم طلحہ اور آل زبیر زبیر کی خلافت کے خواب دیکھنے لگ گئے اور ام المومنین بی بی عائشہ کی

تقاریر نے بھی جلتی پرتیل کا کام کیا۔

عوام کی بھاری اکثریت نے حضرت عثمان سے منصب خلافت چھوڑنے کا مطالبہ کیا جب ان کے مطالبہ کو پذیرائی نصیب نہ ہوئی تو انہوں نے طیش میں آ کر ان کا کام تمام کر دیا۔ اور اس پورے عرصہ میں اہل مدینہ نے حضرت عثمان کی کوئی مدد تک نہ کی اور خاموشی سے حالات کا جائزہ لیتے رہے۔

اس سال حضرت عثمان محصور ہونے کی وجہ سے حج پر نہ جاسکے اور ان کی طرف سے عبد اللہ بن عباس امیر حج بن کر مکہ گئے اور انہوں نے مکہ میں لوگوں کو بتایا کہ خلیفہ محصور ہو چکا ہے مگر حج کے اجتماع میں سے کسی نے بھی حضرت عثمان کی مدد کے لیے کوئی سرگرمی نہ دکھائی اور معاویہ جو کہ پورے صوبہ شام پر مدت سے حکومت کر رہا تھا اس نے بھی حضرت عثمان کی مدد کے لئے کوئی عملی اقدام نہ کیا اور یوں مسلمانوں کا خلیفہ اپنے گھر میں قتل ہو گیا۔

حضرت عثمان کی وفات کے بعد کسی نے بھی طلحہ و زبیر کی بیعت کا نام تک نہ لیا۔ بزرگ صحابہ ہزاروں افراد کا مجمع لے کر حضرت علیؑ کی خدمت میں آئے اور ان سے بیعت کی درخواست کی جسے بہت زیادہ اصرار کے بعد حضرت علیؑ نے قبول کیا اور لوگوں نے کھلے ذہن اور کھلے ماحول میں حضرت کے دست حق پرست پر بیعت کی اور سب سے پہلے طلحہ اور اس کے بعد زبیر نے آپ کی بیعت کی۔

جب آپ کی حکومت میں استحکام پیدا ہوا تو آپ نے بیت المال کا وظیفہ تمام مسلمانوں میں یکساں طور پر تقسیم کیا ہے جسے اشرافیہ طبقہ برداشت نہ کر سکا اور آپ نے اشرافیہ طبقہ کی تمام مراعات کو ختم کر دیا اور ان کی تمام جائیدادیں ان سے

واپس لے لیں جس کی وجہ سے مدتوں کے کینے پھر دوبارہ جاگ اٹھے اور دشمنی کی چنگاری دہکتے دہکتے الاؤ میں تبدیل ہو گئی۔

طلحہ وزیر مدینہ میں مکہ آئے اور اُم المؤمنین کو ساتھ ملایا اور خونِ عثمان کا نعرہ بلند کر کے حضرت کے خلاف بغاوت کر دی اُم المؤمنین نے فوج کی کمان سنبھالی اور ایک اونٹ پر سوار ہو کر بصرہ آئیں بصرہ کے بیت المال کو تاراج کیا اور محافظوں کو شہید کر دیا۔

ان حالات سے مجبور ہو کر حضرت علیؑ علیہ السلام نے جوابی اقدام کیا اور بصرہ کے قریب عہد شکن افراد سے ایک خونریز جنگ لڑی گئی۔

زیر میدان جنگ چھوڑ کر واپس بھاگ گیا جہاں راستہ میں ایک شخص نے اسے قتل کر دیا اور طلحہ میدان جنگ میں مارا گیا اور دونوں طرف سے ہزاروں افراد مارے رہے اس کے بعد امیر المؤمنین نے اُم المؤمنین کو باعزت طریقہ پر مدینہ بھیج دیا۔

حضرت عثمان کے دور کی شورش بیعت علیؑ اور جنگ جمل کا یہی جامع خلاصہ ہے ان واقعات کی تفصیل و مصادر کی بحث کے لئے ہماری کتاب ”احادیث اُم المؤمنین عائشہ“ کا مطالعہ فرمائیں۔



صحیح روایات کے مد مقابل سیف کی خود ساختہ

روایات

سیف نے صحیح حالات و واقعات کو مسخ کر کے ان کی غلط تعبیر و توجیہ کی اور حقائق کو چھپانے کی بھرپور کوشش کی۔

تاریخ کا سچا اور صحیح فیصلہ یہی ہے کہ حضرت عثمان کے خلاف جو شورش اٹھی تھی وہ ان کی اقربا پروری اور بنی امیہ کے حکام کے غلط رویہ کے رد عمل کے طور پر نمودار ہوئی تھی اور آخر کار اپنی ہی پالیسیوں کی وجہ سے جان کی بازی ہار گئے تھے۔ سیف یہ حقائق برداشت نہیں کر سکتا تھا اور آئینہ میں حقیقی تصویر دیکھنے پر آمادہ ذمہ تھا۔ اس نے حضرت عثمان کے شورش و اضطراب کا سبب کچھ یوں تخلیق کیا ہے۔

یمن کے شہر صنعاء میں ایک یہودی رہتا تھا جس کی والدہ سیاہ فام حبشی عورت تھی اور اس شخص کا نام عبداللہ بن سباء تھا۔ حضرت عثمان کے عہد میں اس نے بظاہر اسلام قبول کیا پھر اس نے عجیب و غریب نظریات تراشے اس نے یہ نظریہ قائم کیا کہ رسول خدا اپنی وفات کے بعد واپس دنیا میں تشریف لائیں گے اور اس نے یہ نظریہ دیا کہ حضرت علی رسول خدا کے وصی ہیں اور حضرت عثمان وصی کے حقوق کے غاصب ہیں۔ اسی لئے مسلمانوں پر واجب ہے کہ اصلی حقدار کو حق دلانے کے لئے

حضرت عثمان کے خلاف خروج کریں۔

اور اس نے اپنی دعوت سرعام کرنے کے لئے مدینہ، شام، کوفہ، بصرہ اور مصر کے دورے کیئے جس کے نتیجہ میں حضرت ابوذر، عمار یاسر اور حجر بن عدی اور دیگر عظیم القدر صحابہ کرام اس کے ہمنوا بن گئے اور اس کے بچھائے ہوئے جال میں پھنس گئے اور یوں ایک سبائی جماعت تشکیل پائی۔

اس جماعت کے لوگ بظاہر امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کرتے تھے اور دوسرے شہروں میں خطوط بھیجتے تھے کہ یہاں اموی حکام نے اندھیر بچا رکھا ہے۔ اسی طرح دوسرے شہروں والے بھی بنی امیہ جیسے مخلص اور شریف حکمرانوں کے خلاف ان کے پاس خطوط بھیجتے تھے اور یہ لوگ ان خطوط کو لوگوں میں پھیلاتے تھے اور عوام الناس کو لائق و فائق حکام سے برگشتہ کرتے تھے۔

سیف نے یہاں تک جسارت کی کہ عمار آخری زندگی میں سٹھیا گئے تھے اور حق سے منحرف ہو گئے تھے اور اس کی جسارت یہاں تک بڑھی کہ اس نے رسول خدا پر جھوٹ باندھا کہ آپ نے فرمایا تھا کہ حق اس وقت تک عمار کے ساتھ ہوگا جب تک وہ بڑھاپے کی وجہ سے سٹھیا نہ جائے۔

اسی طرح کی جسارت اس نے حضرت ابوذر کے متعلق بھی کی تھی سبائی جماعت نے جس میں صحابہ کی ایک معتدبہ جماعت شامل تھی، حالات کو سنگین سے سنگین تر بنایا اور ابن سبأ کی تعلیمات سے متاثر ہو کر لوگوں کو مدینہ لائے اور حضرت عثمان کو ناحق شہید کر دیا۔ اس کے بعد اس سبائی جماعت نے حضرت علیؑ کی بیعت کی اور اسی جماعت نے طلحہ و زبیر کو بھی حضرت علیؑ کی بیعت پر مجبور کر دیا تھا۔

بڑی مشکل سے طلحہ و زبیر مدینہ سے باہر نکلنے میں کامیاب ہوئے اور مکہ آئے اور یہاں ام المومنین بی بی عائشہ کو ساتھ ملایا اور مظلوم عثمان کے خون کا قصاص

کے لئے فوج تشکیل دے کر بصرہ آئے۔

حضرت علیؑ نے ان کے اس ”معصومانہ کردار“ کو بغاوت پر محمول کیا اور آپ فوج لے کر بصرہ آئے جہاں فریقین میں کامیاب مذاکرات ہوئے اور دونوں فریق صلح صفائی پر آمادہ ہو گئے مگر سبائی جماعت صلح کو پسند نہ کر سکی اور فریقین کی مصالحت میں انہیں اپنی موت دکھائی دینے لگی اب جب کہ دوسرے دن باقاعدہ مصالحت ہونا تھی سبائی گروہ نے اس رات اپنا کام کر دکھایا اور دونوں طرف سے رات کے سناٹے میں ایک دوسرے پر اچانک تیر اندازی ہونے لگی۔ جس کی وجہ سے ہر فریق نے یہ سمجھا کہ مخالف فریق نے حملہ کر دیا ہے اور انہیں اصل حالات کا پتہ نہ چل سکا۔ چنانچہ دیکھتے ہی دیکھتے چنگاری بھڑک کر جنگ کے الاؤ میں تبدیل ہو گئی۔ اور یوں فریقین میں خونریز جنگ ہوئی جس میں طلحہ و زبیر قتل ہوئے اور فریقین کے ہزاروں افراد مارے گئے۔ اور یہ جنگ حضرت علیؑ کی فتح پر منتج ہوئی۔

سیف نے اس طرح کی سینکڑوں داستانیں تخلیق کی تھیں اور ان کی نسبت اپنے خود تراشیدہ راویوں کی طرف کی تھی۔

اس حقیقت سے ہم سب اچھی طرح واقف ہیں کہ طبری، ابن اثیر، ابن عساکر، ابن کثیر اور ابن خلدون جیسے نلماء سیف کی خیانت سے بخوبی واقف تھے اور سیف کی داستان طرازی ان پر ہرگز مخفی نہ تھی اور وہ یہ بات بھی بخوبی جانتے تھے کہ سیف بے دین اور زندیق شخص ہے اور علمائے رجال کا اس کے متعلق متفقہ فیصلہ ہے کہ سیف کذاب اور زندیق ہے کسی بھی محدث نے اس کی توثیق نہیں کی اور عجیب بات یہ ہے کہ مذکورہ مورخین نے خود بھی اس کی روایات کو ضعیف قرار دیا ہے ہم نے مذکورہ مورخین کے اقوال پر مبنی اپنی کتاب ”عبداللہ بن سبأ“ میں تفصیل سے بیان کیئے ہیں۔

ہم یہ جانتے ہیں کہ مذکورہ مورخین کو اصل واقعات و حقائق کا بھی پورا علم تھا مگر اس کے باوجود ہمیں نہایت افسوس سے یہ کہنا پڑتا ہے کہ صحیح واقعات جاننے کے باوجود انہوں نے انہیں لکھنے سے گریز کیا اور ان کی بجائے انہوں نے سیف جیسے بے دین کی بے سرو پا روایات سے اپنی کتابوں کے اوراق سیاہ کیئے۔ اور اسی سلسلہ میں مذکورہ مورخین نے اپنی پالیسی خود اپنی زبانی بیان کی کہ عوام الناس ایسی باتوں کو سننا پسند نہیں کرتے۔

ہم انتہائی دکھ سے یہ کہنے پر مجبور ہیں کہ کاش اگر مذکورہ مورخین حقیقت کو چھپانا ہی چاہتے تھے تو چھپالیتے لیکن حقائق کے برعکس جھوٹی داستانیں تحریر نہ کرتے۔ جب کہ اللہ تعالیٰ کا واضح فرمان ہے:

وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ وَتَكْتُمُوا الْحَقَّ وَأَنْتُمْ تَعْلَمُونَ.

(البقرہ ایلے = 42)

”وہ حق کو باطل کے ساتھ نہ ملاؤ اور جان بوجھ کر حق کو مت چھپاؤ۔“ جبکہ تم جانتے ہو۔“

اللہ تعالیٰ کے اس واضح فرمان کی موجودگی میں تاریخ کے ان ”چاند

تاروں“ نے حق کو باطل کے ساتھ نہ ملایا اور جان بوجھ کر حق کو بھی چھپایا۔

کیا مذکورہ مورخین حضرت ابو ذر، عمار یاسر، عبداللہ بن مسعود اور حجر بن عدی

جیسے دسیوں عظیم القدر صحابہ کی عظمت سے ناواقف تھے؟

جی ہاں، مذکورہ مورخین کو ان صحابہ کے مقام کا بخوبی علم تھا لیکن انہوں نے

ایک زندگی کی اتباع کرتے ہوئے اسلام کے جانثار صحابہ کو عبداللہ بن سلمہ یہودی کا

پیرو کار بتایا اور ان بزرگوں کے متعلق یہاں تک گستاخی کی کہ ان لوگوں نے

اسلامی معاشرہ میں فتنہ و فساد کو رواج دیا اور انہی کی ذاتی کوششوں کی وجہ سے امت

اسلامیہ میں انتشار پیدا ہوا یوں مسلمان ایک دوسرے کو قتل کرنے لگ گئے۔

اس طرح کی بے سرو پا روایات دیکھ کر ہم ”اناللہ وانا الیہ راجعون“ ہی پڑھ سکتے ہیں اور ایسی لغو اور پوچ روایات کی تصدیق کرنے والوں کے متعلق یہی کہہ سکتے ہیں تصویر تو اے چرخ گردوں تلو۔ عبداللہ بن سباء کی داستان اتنی پوچ اور لغو ہے کہ رتی برابر عقل رکھنے والا شخص بھی اس کی تائید نہیں کر سکتا عجیب بات یہ ہے کہ اصلی متاثرہ فریق یعنی حضرت عثمان کو بھی عبداللہ بن سباء کا کوئی علم نہیں ہوا اور انہیں آخری لمحات کا یہ پتہ نہ چل سکا کہ ان کی مخالفت کرنے والا خفیہ ہاتھ کس کا ہے انہیں تو ابوذر، عبداللہ بن مسعود اور عمار یاسر کے متعلق یہ پتہ نہ چل سکا کہ یہ لوگ دراصل کسی اور کے ایجنٹ کا بھی کردار ادا کر رہے ہیں۔

ہمارا تعجب اس وقت مزید بڑھ جاتا ہے کہ حضرت عثمان کے رشتہ دار جو کلیدی مناصب پر فائز تھے، انہیں بھی شورش کے اصل محرک کا پتہ نہ چل سکا اور ہمیں یقین ہے کہ اگر اسی طرح کا کوئی جیتا جاگتا کردار ہوتا تو بنی امیہ اسے پاتال سے بھی ڈھونڈھ نکالنے میں کامیاب ہو جاتے۔ سیف نے لوگوں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ حضرت علی کی وصایت کا عقیدہ بھی اسی عبداللہ بن سباء کا ساختہ پر داختہ تھا۔ اور اس کے نظریہ سے ابوذر و عمار جیسے عظیم المرتبت صحابہ نے خود حضرت علیؑ سے یہ پوچھنے کی زحمت تک گوارا نہ کی کہ یہودی زادہ آپ کو وحی پیغمبر کہتا ہے تو اس بات میں کہاں تک صداقت موجود ہے!!

سیف کے بیان کے مطابق حضرت ابوبکر کا فرزند حضرت محمد بھی عبداللہ بن سباء سے متاثر ہوا اور اس نے حضرت علیؑ کو وحی ماننا شروع کر دیا حالانکہ تمام لوگ اس بات سے باخبر ہیں کہ محمد بن ابی بکر نے حضرت علیؑ کے گھر میں پرورش پائی تھی مگر اس کے باوجود اس نے حضرت علیؑ سے اس عقیدہ کے متعلق کوئی سوال تک نہ کیا!!

مجھے تعجب ہے کہ لوگ ایسی لایعنی اور غیر منطقی باتوں کو کیسے مان لیتے ہیں اور علمائے تاریخ نے سیف کی لغو باتوں کی تصدیق کیونکر کی!!
 مجھے یقین ہے کہ مورخین سیف کی ان داستانوں کو قلبی طور جھوٹ کا پلندہ سمجھتے تھے اور اس کے ساتھ مجھے عوام الناس پر تعجب ہے کہ انہوں نے جھوٹ کے اس طور مار کوچ کیسے مان لیا!؟

علمائے تاریخ اپنے وجدان و ضمیر کی عدالت میں سیف کو کذاب و مفتری جانتے تھے مگر انہوں نے ”دفاع صحابہ“ کے نظریہ کے تحت اس کی روایات کو دھڑلے سے نقل کیا۔ کیونکہ سیف نے اپنی روایات کو اس انداز سے منظم کیا تھا جس سے برسر اقتدار طبقہ پر کوئی حرف نہ آتا تھا سیف نے اپنی روایات سے برسر اقتدار طبقہ کو بے گناہ ثابت کرنے کی پوری کوشش کی اس نے مالک بن نویرہ کے قتل کو جائز قرار دیا اور اس کی بیوی سے خالد کے نکاح کو خالص شرعی عمل سے تعبیر کیا۔ اس نے مغیرہ بن شعبہ کو زنا کے الزام سے بری ثابت کرنے کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگایا۔

سعد بن ابی وقاص کی طرف سے ابو محجن ثقفی پر سے حد شرعی ہٹانے کی پڑزور و کالت کی۔ اور ولید کی شراب نوشی اور اس پر حد شرعی کے نفاذ کا پورا دفاع کیا۔

الغرض سیف بن عمر نے برسر اقتدار طبقہ کے تمام گناہوں اور غلطیوں کو چھپانے کی بھرپور کوشش کی۔ اسی لئے علمائے تاریخ کو اس کی یہ ادا بہت پسند آئی اور انہوں نے اس کی روایات کو اپنی کتابوں میں جگہ دی مذکورہ علمائے تاریخ نے عصمت قلم کو اس حد تک داغدار کیا کہ برسر اقتدار طبقہ کو بے گناہ ثابت کرنے کے لئے حضرت ابوذر، عبداللہ بن مسعود اور عمار یا سر جیسے عظیم القدر صحابہ کو گناہ گار ثابت

کیا گیا۔

ہمارے مورخین کا مقصد اول و آخر صرف یہی تھا کہ برسراقتدار طبقہ کی صفائی پیش کی جائے اور اگر اس کے لئے عظیم القدر صحابہ کی کردار کشی ہوتی ہو تو بڑے شوق سے انہیں قربانی کا بکرا بنا دیا جائے۔

محمد بن جریر طبری حضرت عثمان کے قتل کے حقیقی محرکات سے واقف تھا لیکن اس نے ان کا تذکرہ نہیں کیا اور اس کی جگہ یہ لکھا۔ فاعرضنا عن ذکر کثیر منها لعل دعوت الی الاعراض عنها۔ ہم نے کچھ وجوہات کی بنا پر بہت سے واقعات کے ذکر سے اعراض کیا اور اس اعراض کی بھی بہت سی وجوہات ہیں

(تاریخ طبری طبع یورپ ۱۱/۲۹۸۰)

ہم جانتے ہیں کہ کن علل و اسباب کی وجہ سے طبری نے بہت سے واقعات نقل نہیں کیئے۔ وہ علل و اسباب صرف یہی تھے کہ اگر طبری صحیح واقعات نقل کرتے تو برسراقتدار طبقہ پر الزام آتا تھا اور عوام مسلمین کی نظر میں ان کا مقام مجروح ہونے کا خطرہ تھا ویسے بھی طبری نے اپنی پالیسی کا اظہار ان الفاظ سے کیا تھا ”محالاً يتحمله عامة الناس“ میں نے ایسے واقعات لکھنے سے دانستہ گریز کیا ہے جنہیں عوام الناس برداشت نہیں کرتے۔

خلاصہ یہ ہے کہ ہمارے ان مورخین نے حق چھپانے کی ہر ممکنہ کوششیں کیں انہوں نے حدیث رسول، سیرت رسول، سیرت اہل بیت، سیرت صحابہ اور ان کے صحیح واقعات کے متعلق دل کھول کر تحریف کی اور اصلی واقعات کی جگہ فرضی قصے کہانیاں گھڑ کر لوگوں کو مطمئن کرنے کی ناکام کی۔

سیف نے اپنی زندگی کی وجہ سے اس طرح کے فرضی واقعات تخلیق کیئے اور ہمارے مورخین نے اس کے خود ساختہ قصوں کو اپنی کتابوں میں جگہ دے کر کذب و اخترا کو جاری کرنے میں اس سے بھرپور تعاون کیا اور اس کا تکلیف دہ پہلو یہ

ہے کہ ہمارے علماء دل و جان سے سیف کو جھوٹا سمجھتے تھے اور تاریخی حقائق سے بھی باخبر تھے مگر انہوں نے برسر اقتدار طبقہ کو تنقید سے بچانے کے لئے یہ سب کچھ کیا !!!
ہمس ملکہ خلافت میں کتمانِ حقیقت کی ایسی بیسیوں مثالیں ملتی ہیں۔

نتیجہ بحث

اس تمام تر بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ ملکہ خلافت سے وابستہ علماء نے ہر دور میں ایسی تمام روایات کو چھپانے کی کوشش کی جس کی وجہ سے برسر اقتدار طبقہ پر حرف آتا ہو اور ان کی شخصیت داغدار ہوتی ہو۔ اور حق کوشی کے لئے ان کی دلیل یہ ہے کہ ان کا تعلق صحابہ کی جماعت سے تھا اور ایسی روایات کا بیان کرنا درست نہیں ہے جس کی وجہ سے حضور اکرم کے صحابہ پر الزام آتا ہو۔

مگر یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کیا صرف برسر اقتدار طبقہ ہی صحابیت کے شرف سے مشرف تھا اور کیا عمار یاسر، عبداللہ بن مسعود اور ابوذر جیسے افراد صحابی نہیں تھے؟

اگر مورخین کو صحابیت کا تقدس ہی ملحوظ خاطر ہوتا تو رسول خدا کے ان جانثار صحابہ کی کبھی کردار کشی نہ کرتے اور انہیں عبداللہ بن سبأ یہودی کا پیرو کار اور سٹھیایا ہوا کبھی نہ کہتے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ مورخین کا مقصد تقدیس صحابہ کی بجائے تقدیس حکام تھا۔

برسر اقتدار گروہ کے دفاع کے لئے علماء نے کبھی مکمل روایت کو چھپایا اور کبھی پوری روایت کی بجائے اس میں سے اس حصہ کو حذف کیا جس سے برسر اقتدار طبقہ پر حرف آتا تھا اور اس نکلے کو حذف کر کے باقی پوری روایت بکھیر دی۔

علماء کی ستم گری ملاحظہ ہو کہ جس روایت و خبر کے الفاظ سے برسر اقتدار طبقہ پر حرف آسکتا تھا، انہوں نے ان الفاظ کو بدل کر ان کی جگہ مبہم اور بے معنی

الفاظ تراشے تاکہ حقیقت واضح نہ ہو پائے اور بعض مقامات پر انہوں نے ہاتھوں کی ایسی صفائی دکھائی کہ مجرم کو بے گناہ اور بے گناہ کو مجرم بنا دیا اور یوں حقیقت کو بالکل مسخ کر پیش کیا اور پھر تحریف شدہ روایات کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا گیا اور اسلامی اجتماعات میں صحیح اخبار و روایات کی بجائے خود ساختہ روایات کی ترویج کی گئی اور اگر کسی راوی نے سچ کہ دیا اور کسی مؤلف نے حق بات نقل کر دی تو علماء نے اس راوی اور مؤلف کی خوب خبر لی اور پوری طرح سے اسے رگیدا۔ ایسے سر پھرے راوی اور مؤلف کو ضعیف اور احمق کہا گیا اور اس کی ہر طرح کردار کشی کی گئی بعض اوقات انہیں قتل کرنے سے بھی دریغ نہ کیا گیا اور اگر یہ سب کچھ نہ ہو سکا تو روایت کی ایسی من مانی تاویل کی گئی کہ مذمت کی روایت مدح محسوس ہونے لگی۔

اور جس راوی نے حالات سے سمجھوتہ کر کے برسر اقتدار طبقہ کے حق میں روایت کی تو ایسے راوی اور ایسے مؤلف کی جی بھر کر تعریف و توصیف کی گئی اور اس کی روایت کو زیادہ سے زیادہ پھیلایا گیا اور ایسی کتاب کو بہترین دستاویز کی سند دی گئی۔

یہی وجہ ہے کہ سیرت ابن ہشام کو خوب پذیرائی ملی جب کہ سیرت ابن اسحاق جو کہ اس کا ماخذ ہے، اسے طاق نسیان کر دیا گیا اور نوبت یہاں تک پہنچی کہ آج کل سیرت ابن اسحاق نایاب ہو چکی ہے اور ڈھونڈھے سے نہیں ملتی جب کہ سیرت ابن ہشام کے نسخے ہر مکتبہ اور ہر زبان میں دکھائی دیتے ہیں۔

ابن ہشام نے اپنی کتاب پر دیباچہ میں لکھا ہے کہ میں نے اپنی کتاب کی روایات سیرت ابن اسحاق سے نقل کی ہیں البتہ میں نے ایسی روایات نقل کرنے سے گریز کیا ہے جنہیں لوگ سننا نہیں چاہتے "مایسوء الناس ذکروه" اور اسی لئے محمد بن جریر طبری کی تاریخ کو شہرت ملی اور اسے اسلامی تاریخ کی موثق ترین دستاویز

قرار دیا گیا اور کتمان حق کی وجہ سے طبری کو مکتب خلافت میں امام المورخین کا لقب دیا گیا۔ کیونکہ طبری نے حقیقی واقعات کی بجائے سیف جیسے زندیق کی روایات کو پھیلانے میں اہم کردار ادا کیا اسی خوبی کی وجہ سے تاریخ طبری باقی کتب تاریخ کا ماخذ و مصدر قرار پائی۔

طبری کے بعد والے مورخین نے طبری کی روایات کو نقل کیا اور آہستہ آہستہ نوبت یہاں تک پہنچی کہ حقیقی واقعات لوگوں کی نگاہوں سے اوجھل ہو گئے اور خود ساختہ پر واقعات نے تاریخی حقائق کی جگہ لے لی۔

اس کتمان حق کی 'خوبی' کی وجہ سے محمد ابن اسماعیل بخاری کو امام الحدیث کا لقب دیا گیا اور اس کی کتاب کو اصح الکتاب بعد کتاب الباری کا لقب دیا گیا اور صحیح بخاری و صحیح مسلم کے علاوہ باقی کتب احادیث کی روایات کو دوسرے درجے کی روایات بنا دیا گیا۔

صحیح و ضعیف روایات کا تجزیہ و میزان

جب آپ ہماری سابقہ مباحث اور اجتہادات خلفاء کا مطالعہ کریں گے جس کا تذکرہ اسی کتاب کی جلد دوم میں کیا جائے گا تو آپ کو اسلامی روایات کے اختلاف سے سرچشموں کا بخوبی انداز ہو جائے گا کتابوں میں دو طرح کی روایات ہیں جو ایک دوسرے کی متضاد ہیں ان میں سے کچھ روایات وہ ہیں جو حکمران طبقہ کو تنقید سے محفوظ رکھتی ہیں اور دور ملوکیت کو سراہتی ہیں اور دوسری ایسی روایات وہ ہیں جو طبقہ حکام کی خواہشات سے مطابقت نہیں رکھتیں۔ تو ایسی تمام روایات جو دور ملوکیت کے مطلق العنان خلفاء و سلاطین کے حق میں ہیں وہ ضعیف ہیں اور جو ان کے میلانات سے علیحدہ ہیں وہ قوی ہیں مثلاً بخاری میں مردہ پر رونے سے منع کرنے کی روایات موجود ہیں اور اس میں یہ وضاحت کی گئی ہے کہ یہ بات ایک حاکم کے

مزاج اور افتاد طبع کے عین مطابق تھی۔

اور اس کی متضاد روایت اُم المؤمنین بی بی عائشہ سے بھی مروی ہے جس میں انہوں نے کہا کہ سننے والے کو غلطی ہوئی ہے اور میت پر رونا جائز ہے اور یہ سنت رسولؐ ہے۔ اب پہلی روایت ایک حاکم کے مزاج کی عکاسی کرتی ہے اور دوسری روایت حاکم کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی اسی لئے دوسری روایت قوی اور صحیح ہوگی اور پہلی روایت کمزور اور غیر موثق قرار پائے گی۔

صحیح بخاری میں بی بی عائشہ سے منقول ہے کہ رسولؐ خدا نے علیؑ کو وصیت کب کی تھی جب کہ ان کا وصال میری گود میں ہوا تھا؟

اور اسی اُم المؤمنین سے ایک دوسری روایت بھی مروی ہے جس میں انہوں نے بیان کیا کہ رسولؐ خدا کے آخری لمحہ اور دم واپسین تک حضرت علیؑ رسولؐ خدا کے پہلو میں موجود رہے تھے۔

ان روایات میں سے پہلی روایت حکمران طبقہ کے مزاج کی عکاسی کرتی ہے اور ان کے موقف کی مؤید ہے جب کہ دوسری روایت ان کے مزاج سے مطابقت نہیں رکھتی۔ لہذا پہلی روایت ضعیف اور دوسری روایت قوی متصور ہوگی۔ اور یہی سچا اور کھرا میزان ہے اور اسی میزان پر احادیث پیغمبر اور سیرت صحابہ و تابعین کا وزن کیا جانا چاہئے۔

حقیقتِ حال کی وضاحت

علوم اسلامی سے آشنائی رکھنے والے افراد اس بات سے واقف ہیں کہ ملتِ خلافت میں حق و باطل کا میزان حکمران طبقہ رہا ہے اور جو بھی روایت و خبر ان کے مفاد کے خلاف ہو یا اس سے ان کی شخصیت مجروح ہوتی ہو تو وہ روایت اور خبر غیر صحیح، ضعیف اور باطل ہے اور جو بھی راوی کوئی ایسی روایت کرے تو وہ راوی

ضعیف ہے اور جس بھی مؤلف نے ایسی روایت نقل کی ہو تو وہ مؤلف ضعیف اور غیر موثق ہے اور اس پر مختلف قسم کے الزامات عائد کیئے جاتے ہیں اور اگر کسی راوی یا مؤلف پر اعتراض کرنا ممکن نہ رہے تو پھر حدیث کی من مانی تاویل کر کے اس اپنے مقصد کے لئے کارآمد بنا لیا جاتا ہے۔

اس کے برعکس وہ راوی اور مؤلف جس نے حکمران طبقہ کی مدح و توصیف نکالی ہو اور ایسی روایات کو جان بوجھ کر چھوڑ دیا ہو جو مذکورہ طبقہ کے لئے بدنامی کا باعث بنتی ہوں تو ایسا راوی اور ایسا مؤلف ثقہ، امین اور قابل تصدیق ہے۔ اور اس کی روایات اس قابل ہیں کہ اسے اپنی کتابوں میں جگہ دی جائے اور ان روایات کی خوب تشہیر کی جائے۔ اسی جذبہ کے تحت سیف زندقہ اپنی خود ساختہ داستانوں کو اسلامی مصادر میں داخل کرنے میں کامیاب ہوا اور اس کی بیان کردہ روایات تیرہ صدیوں سے ستر سے زیادہ کتابوں میں پائی جاتی ہیں۔

سیف زندقہ نے حدیث و سیرت میں کسی طرح تحریف کی اس کی تفصیل کے لئے ہماری کتاب ایک سو پچاس خود ساختہ صحابی کے ابواب رسول النبی، عمال الرسول، الوافدون علی رسول اللہ اور بیت رسول اللہ کی طرف رجوع فرمائیں۔ اور اس کتاب میں ہم نے حدیث عمار کی طرف اشارہ کیا اور یہ بھی واضح کیا۔ کہ سیف نے اپنی خباث باطنی کے وجہ سے اس حدیث کو کس طرح سے داغدار کیا۔

سیف ہو یا ابوالحسن البکری جس نے الانار نامی کتاب لکھی اور سیرت النبی کے ضمن میں خود ساختہ روایات بیان کیں یا کعب الاحبار ہو جس نے اسرائیلی روایات کو مصادر اسلامیہ میں داخل کیا۔ سب ایک ہی سیکے کے مہر ہیں اور ان لوگوں کا مشن ہی یہی تھا کہ زیادہ جھوٹ بول کر اسلام کے صاف و شفاف چشمہ کو گدلا کیا

جائے اور اس میں باطل کی آمیزش کر کے اسے قابل نفرت بنایا جائے۔ ان کے اخبار و آثار کو ہم نے اپنی کتاب ”احیائے دین میں ائمہ کا کردار“ میں تفصیل سے بیان کیا ہے۔

اور سیف اور ابوالحسن البکری اور کعب الاحبار کے متعلق ہمارا جو نظریہ ہے وہ تو واضح ہے لیکن ہم بخاری اور اس کی صحیح اور ابن ہشام اور اس کی سیرت اور طبری اور اس کی تاریخ کے متعلق اس سے جداگانہ نظریہ رکھتے ہیں۔ اگرچہ ان علماء کے اسلوب پر بھی ہمیں اعتراض ہے مگر اس کے باوجود ہم ان کی کتابوں کو یکسر مسترد نہیں کرتے ان لوگوں نے اپنی کتابوں میں بہت سی صحیح سنن رسولؐ بیان کی ہیں جن پر ہم اعتماد کرتے ہیں اور اس کی روایت بھی کرتے ہیں۔

مکتب اہل بیت سے وابستہ علماء کا ہمیشہ سے یہی اسلوب رہا ہے کہ ہم جلیل القدر شخصیات کی تالیفات پر آنکھیں بند کر کے انہیں صحیح قرار نہیں دیتے۔ علمائے امامیہ نے جہاں صحیح بخاری کی بہت سی روایات پر جرح کی ہے وہاں انہوں نے ثقہ الاسلام کلینی کی کتاب الکافی کی روایات پر بھی جرح کی ہے اور علامہ مجلسی نے مرآة العقول لکھ کر الکافی کی بہت سی روایات کو ضعیف کہا ہے۔

علمائے امامیہ صرف حق کی پیروی کو ہی اپنا مقصد حیات قرار دیتے ہیں اس کے لئے وہ صحیح بخاری اور الکافی میں کوئی فرق روا نہیں رکھتے۔ جب کہ اس کے برعکس مکتب خلافت وابستہ علماء صحیح بخاری اور صحیح مسلم کی روایات پر اندھا اعتماد کرتے ہیں اور وہ ان کتابوں کی کسی روایت پر جرح کرنے کو گناہ کبیرہ تصور کرتے ہیں اور صحیحین اور دوسری چار کتابوں کی روایات کے علاوہ جنہیں وہ صحاح ستہ سے نام کسے یاد کرتے ہیں، باقی کتب حدیث کی روایات کو بڑی مشکل سے قبول کرتے ہیں جب کہ مکتب خلافت میں صحاح ستہ کے علاوہ اور بھی بے شمار احادیث و سیرت

وتاریخ کی کتابیں موجود ہیں جن میں سے حسب ذیل کتب بہت مشہور ہیں۔

صحیح ابن خزیمہ المتوفی ۵۳۱۱

صحیح ابن حبان المتوفی ۵۳۵۴

الصحاح الماثورۃ عن رسول اللہ (ص) از حافظ ابی علی ابن

السکن لمتوفی ۵۳۵۳

مسند الطیاسی المتوفی ۵۲۰۴

مسند احم دبن حنبل المتوفی ۵۲۴۱

سنن بیہقی المتوفی ۵۴۵۸

سنن ابی بکر الشافعی المتوفی ۵۳۷۴

المعاجم الثلاثة طبرانی المتوفی ۵۳۶۰

مصنف عبدالرزاق صنعانی المتوفی ۵۲۱۱

مصنف ابن ابی شیبہ المتوفی ۵۲۳۵

مجمع الزوائد ہیشمی المتوفی ۵۸۰۷

مستدرک حاکم المتوفی ۵۴۰۵

اس کے علاوہ حدیث و سیرت کے عنوان پر بیسیوں کتابیں لکھی گئی ہیں جن میں خلیفہ بن خیاط کی الطبقات و التاریخ بلاذری کی فتوح البلدان و انساب الاشراف اور مسعودی کی البتہیہ و الاشراف اور مروج الذهب اور واقدی کی کتاب المغازی اور ابن سعد کی طبقات بڑی مشہور ہیں۔

ان کتابوں کے باوجود مکتب خلافت کے علماء نے علم حدیث میں صحاح ستہ اور سیرت و مغازی میں سے سیرت ابن ہشام اور کتب تاریخ میں سے تاریخ طبری کو مخصوص نظریہ کے تحت اہمیت دی ہے اور دوسری کتابوں کو کوئی خاص اہمیت نہ دی۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ مکتب خلافت کے علماء نے ہمیشہ اسی ایک ہدف کو مدنظر رکھا ہے اور وہ یہ ہے کہ ہر دور میں سنت و سیرت و حدیث میں سے ان روایت کو چھپانے کی سر توڑ کوشش کی ہے جو برسر اقتدار طبقہ کے مزاج کے مطابق نہیں تھیں۔ اور کے لئے انہوں نے سیرت رسولؐ اور سیرت انبیاء و سیرت اہل بیت و صحابہ کے درمیان کوئی حدِ فاصل قائم نہیں کی۔ حد یہ ہے کہ انہوں نے قرآن مجید کی تفسیر میں بھی ہاتھ کی صفائی دکھانے سے گریز نہیں کیا۔ جیسا کہ ہم سابقہ مباحث میں (فَأَنْذِرْ عَشِيرَتَكَ الْأَقْرَبِينَ) کی آیت کے تحت لکھ چکے ہیں کہ رسولؐ خدا نے اس آیت کے تحت اولاد عبدالمطلب کو دعوتِ طاعم دی اور اس دعوت میں اپنی نبوت کا اعلان کیا اور یہ بھی فرمایا کہ تم میں سے طعام ایسا ہے جو اس کام میں میری مدد کرے وہ میرا وصی اور خلیفہ ہوگا۔ حضرت علیؑ نے کھڑے ہو کر آنحضرتؐ کی نصرت کا وعدہ کیا تو رسولؐ خدا نے فرمایا۔

ان هذا اخي ووزيري ووصي وخليفتي فيكم فاسمعوا له

واطيعوا!

”بے شک یہ میرا بھائی اور وزیر اور میرا وصی اور تم میں میرا

جانشین ہے تم اس کا فرمان سنو اور اطاعت کرو۔“

اس اعلانِ پیغمبر میں طبری اور ابن کثیر نے خیانت کر کے لکھا، ان ہذا فی

وزیری و کذا و کذا۔ بے شک یہ میرا بھائی اور میرا وزیر اور یہ یہ ہے۔“

اور آنحضرتؐ کی ان نصوص میں بھی ہاتھ کی صفائی دکھائی گئی ہے جن میں

ایسے احکام سلطنت بیان ہوئے ہیں جو خلفاء کے اجتہاد کے مطابق نہیں ہیں۔ اس کی

وضاحت آپ کتاب ہذا کی جلد دوم میں مکتب خلافت میں مصادر شریعت“ کی بحث

میں ملاحظہ فرمائیں گے۔ ان شاء اللہ تعالیٰ۔

آج جب کہ مسلمان اپنی بیداری کے دور کا آغاز کرنا چاہتے ہیں تو انہیں چاہئے کہ فقہ کے لئے مذاہب اربعہ اور حدیث کی صحت و ضعف کے لئے صحاح ستہ اور بالخصوص صحیحین پر انحصار کرنے کی روایت کو خیر باد کہیں اور خلفاء کے ان اجتہادات کو بھی دین کا حصہ نہ سمجھیں جو نص رسولؐ کے مقابلہ میں کیا گیا ہے۔ اپنی پرانی روش کو چھوڑ کر ہمیں رسول مقبولؐ کی صحیح سنت کی پیروی کرنی چاہئے اور اس کے ساتھ ہمیں اس سنت کو تلاش کرنا ہوگا جسے مصلحت وقت کے تقاضوں کے تحت چھپایا گیا ہے اور یقین جانیں جب امت اسلامیہ کے تحقیقین اس طرز عمل کو اپنائیں گے تو انہیں حقائق دین صحیح صورت میں دکھائی دینے لگیں گے اور تمام مسلمان کتاب اللہ اور سنت رسولؐ پر جمع ہو سکیں گے۔ یہ کام اگرچہ مشکل ضرور ہے لیکن ناممکن ہرگز نہیں ہے اور خدا کے فضل و کرم سے ہمیں اس دن کا انتظار کرنا چاہئے جب تمام مسلمان اپنے تعصبات کے خول سے نکل کر حقائق کی دنیا میں آئیں گے اور ان میں حقیقی وحدت فکر و عمل پیدا ہوگی۔

بحثِ وصایت کی تکمیل

حضرت علیؑ کی وصایت کی نصوص حکمران طبقہ کے مفاد میں نہیں تھیں اور ان نصوص سے مقتدر طبقہ کی جبینوں پر شکنیں خندہ زن ہوتی تھیں اسی لئے مکتب خلافت کے علماء نے ان کے چھپانے کی سر توڑ کوشش کیں۔

اسی کوشش کے تحت مکتب خلافت کے علماء نے ان راہبوں کا واقعہ نقل کرنے سے گریز کیا جن سے صفین کی طرف جاتے ہوئے حضرت کی ملاقات ہوئی تھی جب کہ مکتب اہل بیت کے علماء نے ان روایات کو اہمیت دی اور اپنی کتابوں میں ان واقعات کو درج کیا۔ ۱

(ان روایات کے لئے بحار انوار طبع تہران ۱۱۰۔۵۰ تک کا مطالعہ فرمائیں)

مکتبِ خلافت سے وابستہ علماء نے ان دو یہودیوں کی روایت بھی نقل نہیں کی جو وفات پیغمبرؐ کے بعد مدینہ آئے اور انہوں نے پوچھا کہ پیغمبر کے بعد ان کا وحی کون ہے؟ لوگوں نے حضرت ابوبکر کی طرف اشارہ کیا انہوں نے ان سے بہت سے سوال پوچھے جن کا جواب حضرت ابوبکر نہ دے سکے پھر انہوں نے ان یہودیوں کو حضرت علیؑ کے پاس بھیجا انہوں نے حضرت علیؑ سے بھی وہی سوالات کیئے حضرت نے انہیں جواب سے مطمئن کیا تو انہوں نے کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ خاتم الانبیاء کے وحی ہیں۔

مکتبِ خلافت کے علماء نے اہل کتاب کے ان علماء کی آمد کا تذکرہ کرنا بھی مناسب نہ سمجھا جو حضرت عمر کے عہد حکومت میں مدینہ آئے اور ان سے سوالات کیئے۔ حضرت عمر نے انہیں حضرت علیؑ کے پاس بھیجا اور آپ نے انہیں مطمئن کیا اور انہوں نے بھی آپ کے وحی ہونے کی تائید کی۔

اسی طرح سے مکتبِ خلافت کے علماء نے کعب الاحبار کے ان سوالات کو بھی نظر انداز کر دیا جو انہوں نے حضرت عمر سے کیے تھے اور حضرت عمر نے انہیں حضرت علیؑ کے پاس بھیجا تھا۔

اور مکتبِ خلافت کے علماء کی یہی روش متقدمین سے لے کر متاخرین تک قائم رہی۔ اس کے لئے بطور نمونہ ابن کثیر کا رویہ ملاحظہ فرمائیں: ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں تورات سے یہ عبارت نقل کی:

”اللہ تعالیٰ نے ابراہیمؑ کو اسماعیلؑ کی بشارت دی اور فرمایا کہ میں اس سے ایک نسل جاری کروں گا اور ان میں بارہ سردار مقرر کروں گا۔“
اس کے بعد ابن کثیر نے ابن تیمیہ حرائی کا یہ قول نقل کیا:
یہ وہی بارہ سردار ہیں جن کی بشارت جابر بن سمرہ کی حدیث میں دی گئی

ہے کہ قیامت اس وقت تک قائم نہ ہوگی جب تک بارہ سردار دنیا میں نہ آجائیں۔ ابن تیمیہ نے مزید کہا کہ بہت سے نو مسلم یہودیوں نے غلطی سے یہ سمجھ لیا کہ اس سے وہی بارہ امام مراد ہیں جن کی دعوت شیعہ دیتے ہیں اور انہوں نے غلط فہمی کی وجہ سے شیعوں کی پیروی کی۔

ہم ابن تیمیہ اور ابن کثیر سے یہ پوچھنا چاہیں گے کہ خدا را! ہمیں ان نو مسلم یہودیوں کی کثیر تعداد کی فہرست فراہم کریں جنہوں نے شیعوں کی پیروی کی تھی جب کہ اصل حقیقت تو یہ ہے کہ طبری کے فارمولے کے مطابق جن روایات کو عوام الناس سننے پر تیار نہیں تھے، میں نے ان روایات کو حذف کر دیا اسی لئے اگر کوئی اہل کتاب مسلمان ہو جائے اور انہوں نے شیعوں کی پیروی بھی کی تو ان کا تذکرہ تک کتابوں میں کہیں دکھائی نہیں دیتا۔



ایسی نصوص و روایات جنہیں چھپا دیا گیا

اسے حق کی قوت کا نام دیا جائے یا صداقت علی کا معجزہ قرار دیا جائے
 متلب خلافت کی طرف سے کتمان حق کی مسلسل کوششوں کے باوجود بھی ہمیں ایسی
 روایات پھر بھی مل ہی جاتی ہیں جنکی وجہ سے ہم امیر المومنین کی حقانیت کا استدلال
 کر سکتے ہیں۔

ابن کثیر نے اپنی تاریخ میں خوارج کی مذمت پر مبنی احادیث پیغمبر کو نقل
 کیا۔ واضح رہے کہ خوارج نے نہروان میں حضرت علی سے جنگ کی تھی۔ ابن کثیر
 نے خوارج کی مذمت پر مبنی احادیث سترہ صفحات پر نقل کیں اور اس کے ساتھ جنگ
 جمل و جنگ صفین کے متعلق بھی کچھ حقیقتیں جو اس وقت تک دستبرد زمانہ سے بچ گئی
 تھیں، بیان کیں۔

چنانچہ ان روایات کی وجہ سے ہم ضائع شدہ احادیث کے خسارے کی کچھ
 نہ کچھ تلافی ضرور کر سکتے ہیں۔

اس مقام پر ہم یہ بتانا ضروری سمجھتے ہیں کہ متلب خلفاء نے مذمت خوارج
 کی احادیث صرف اس لئے نقل نہیں کی تھی کہ انہوں نے حضرت علی کے خلاف
 خروج کیا تھا۔ اور ہم یقین سے کہتے ہیں کہ اگر خوارج نے صرف حضرت علی کے
 خلاف خروج کیا ہوتا اور باقی خلفائے سے بنائے رہتے تو آج ہمیں ان کی مذمت

پر مبنی کوئی بھی حدیث اسلامی مصادر میں دکھائی نہ دیتی۔ اصل بات یہ ہے کہ فرقہ خوارج نے صرف حضرت علیؑ کے خلاف ہی خروج نہیں کیا تھا بلکہ انہوں نے تمام خلفاء کے دور میں اپنے خونی مقابلے جاری رکھے تھے۔ اسی لئے علمائے خلافت نے ان کی بھرپور مذمت کی اور ایسی روایات کو دل کھول کر نقل کیا جن میں ان کی مذمت پائی جاتی تھی۔

بہر نوع خوارج کے خلاف قلمی جہاد جس بھی نیت سے کیا گیا ہو اس سے حضرت علیؑ کی ذات کو ضرور فائدہ پہنچا۔

ہم بار بار عرض کر چکے ہیں کہ علمائے مکتب خلافت نے حضرت علیؑ کی وصایت پر مبنی نصوص کو ہر طرح سے چھپانے کی کوشش کی۔ کیونکہ حضرت علیؑ کی وصایت کو اگر مان لیا جائے تو پھر سقیانی حکومت کی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ چنانچہ علماء نے نصوص وصایت کو چھپایا اور اس سلسلہ میں صحابہ کے اشعار و نثر کی بھی مخفی رکھنے کی بھرپور کوشش کی گئی۔

اور اس کام کی ابتدا ام المومنین بی بی عائشہ نے وصایت کا انکار کر کے کی تھی۔ کتھان حق کی پالیسی کے تحت درج ذیل طریقے اپنائے گئے:

(ا) بعض علماء نے اس کلام کو سرے سے حذف کر دیا جس میں وصیت کا ذکر موجود تھا اور اس کی طرف اشارہ تک بھی نہ کیا۔ چنانچہ نعمان بنی عجلان انصاری کے اشعار کے ساتھ یہی حربہ آزمایا گیا۔

(ب) بعض علماء نے روایت کے کچھ حصہ کو حذف کر کے اس کی جگہ مبہم الفاظ لگا دیئے۔ جیسا کہ ابن کثیر اور طبری نے (وصی و خلیفتی) کے الفاظ حذف کر کے ”کذا و کذا“ کے بے معنی الفاظ لکھ ڈالے۔

(ج) بعض علماء نے روایت میں سے وصایت کے الفاظ نکال دیئے اور پوری

روایت میں تحریف کی۔ ابن کثیر نے امام حسینؑ کے روز عاشور کے خطبہ سے یہی سلوک روا رکھا۔

(د) بعض علماء نے وصایت علیؑ پر مبنی روایت کو سرے سے ہی حذف کر دیا اور اس کی طرف کوئی اشارہ تک نہ کیا جیسا کہ ابن ہشام نے دعوت ذوالعشیرہ کے متعلق اسی طریقہ پر عمل کیا اور ”وصی و خلیفتی“ کا کوئی ذکر تک نہ کیا۔

(و) بعض علماء نے وصیت کے معانی میں من مانی تاویلیں کیں۔ چنانچہ طبرانی نے حدیث رسولؐ کی من مانی تاویل کی اور ابن ابی الحدید نے امیر المومنین کے کلام کی تشریح میں من مانی تاویلات کا سہارا لیا۔

(ز) بعض علماء نے وصایت علیؑ کی روایت غلطی سے اپنی کتاب میں لکھ دی لیکن جب بعد میں پتہ چلا کہ ایسی روایت سے حکام کے ماتھے پر ابھر آئیں گے تو اپنی دوسری کتاب میں اسے بھی حذف کر دیا اور اس کی جگہ مبہم الفاظ داخل کر دیئے چنانچہ طبری نے اپنی تاریخ و تفسیر میں اسے نسخہ پر عمل کیا۔

(ح) بعض علماء نے اپنی کتاب کے پہلے ایڈیشن میں وصایت علیؑ کی نص قطعی لکھی لیکن جب بعد میں اسے معلوم ہوا کہ اس نے ایسا کر کے دراصل اپنے ہی مسلک کی جڑوں کو کاٹا ہے تو اس نے اس کی تلافی یوں کی کہ دوسرے ایڈیشن میں اس روایت کو حذف کر دیا اور اس حقیقت کے اظہار کے لئے محمد حسین ہیکل کی کتاب ”حیات محمدؐ“ کے پہلے اور دوسرے ایڈیشن کا مطالعہ کریں۔

وصایتِ علیؑ کی دیگر نصوص

ہماری سابقہ مباحث سے یہ امر روز روشن کی طرح واضح ہو جاتا ہے کہ مکتبِ خلافت نے علیؑ اور اولادِ علیؑ کی امامت و وصایت اور خلافت کی روایات و نصوص کو ہر دور میں مخفی رکھا یہی وجہ ہے کہ ہمیں آج بہت زیادہ روایات دکھائی نہیں دیتیں مگر اس کے باوجود اللہ تعالیٰ کی یہ مشیت تھی کہ دنیا میں وصایتِ علیؑ کی روایات باقی رہنی چاہئیں لہذا اللہ کی مشیت ان سب کوششوں پر غالب آئی اور اتنی سخت احتیاطی تدابیر کے باوجود بھی وصایتِ علیؑ کی روایات کتبِ حدیث و سیرت میں موتوں کی طرح جگمگا رہی ہیں اور ہم ان نصوص میں سے کچھ نصوص کا یہاں تذکرہ کریں گے۔

مختلف الفاظ سے وصی کی تعیین

اس سے قبل ہم اصطلاحات کے باب میں یہ عرض کر چکے ہیں کہ وصی کا تعیین کبھی تو لفظ وصیت اور اس کے مشتقات سے کی جاتی ہے۔ مثلاً وصیت کرنے والا شخص اپنے وصی سے کبھی یہ الفاظ کہتا ہے ”اوصیک بعدی بكذا وكذا“ یعنی میں تجھے اپنے بعد فلاں فلاں امور کی انجام دہی کی وصیت کرتا ہوں۔

اور کبھی اس سے ملتے جلتے الفاظ کے ساتھ اپنے وصی کی تعیین کی جاتی ہے اور کوئی شخص اس طرح کے الفاظ کہہ کر بھی کسی کو اپنا وصی بناتا ہے ’چاطلب فک ان تفعل کذا وکذا‘ میں تجھ سے مطالبہ کرتا ہوں کہ میرے بعد فلاں فلاں کام کرنا اور اسی طرح سے کبھی وصیت کرنے والا شخص دوسروں کو اپنے وصی کی خبر اس طرح کے الفاظ سے دیتا ہے:

”عہدت الی فلان، او او کلت الیہ بامر کذا و کذا“
 ”میں نے فلاں سے عہد کیا یا میں نے فلاں کو فلاں فلاں
 امور سپرد کیے ہیں۔“

غرض یہ کہ اس طرح کے تمام الفاظ سے یہ بات ثابت ہو جاتی ہے کہ اس شخص نے کسی کو اپنا وصی مقرر کیا ہے اور حضرت رسول کریم نے بھی اس طرح کے متفرق الفاظ سے حضرت علیؑ کی وصایت کا اثبات کیا ہے۔

اس طرح کے الفاظ میں ہمیں لفظ ”وزیر“ بھی دکھائی دیتا ہے اور روایات بیان کرتی ہیں کہ آنحضرتؐ نے حضرت علیؑ کو اپنا وزیر مقرر کیا تھا۔ اور منصب وزارت کے اثبات کیلئے ہم پیغمبر اکرمؐ کے فرمان کو قرآن مجید کی نص کے ساتھ ملا کر پیش کرتے ہیں۔

نبی کا وزیر

(1) قرآن مجید میں ایک وزیر کا ذکر ہے اور حدیث پیغمبر میں بھی ایک وزیر کا تذکرہ موجود ہے حضرت رسول کریمؐ کی ایک مشہور حدیث ہے کہ آپ نے حضرت علیؑ سے فرمایا:

اماترضیٰ ان تکون منی بمنزلۃ ہارون من موسیٰ الا انہ
 لانی بعدی

”کیا تو راضی نہیں کہ تجھے مجھ سے وہی نسبت حاصل ہو جو

ہارونؑ کو موسیٰؑ سے تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے“

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ کا قصہ بیان کرتے ہوئے ان

کی یہ درخواست بیان کی کہ انہوں نے اللہ سے دعا مانگتے ہوئے کہا تھا:

”وَأَجْعَلْ لِي وَزِيْرًا مِّنْ أَهْلِى هَارُونَ أَحَى أَشَدُّ ذَبْهَ اَزْرِى“
(طه: ۲۹)

”اور میرے اہل میں سے میرے بھائی ہارون کو میرا وزیر مقرر فرما اس کے ذریعہ سے میری پشت کو مضبوط فرما۔“
اللہ تعالیٰ نے حضرت موسیٰ کی دعا کو قبول فرمایا اور اس سلسلہ میں ارشاد فرمایا:
وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ آفَاهُ هَارُونَ وَزِيْرًا
(الفرقان: ۳۵)

”اور ہم نے موسیٰ کو کتاب دی اور اس کے ساتھ ہارون کو وزیر بنایا“
(۲) رسولؐ نے علیؑ کو اپنا وزیر کب مقرر کیا؟

دعوت ذوالعشیرہ میں رسولؐ خدا نے اولادِ عبدالمطلب کے سامنے اعلان کیا تھا کہ تم میں سے کون ہے جو اس امر میں میرا بوجھ ہلکا کرے تو حضرت علیؑ نے کھڑے ہو کر اعلان کیا تھا کہ میں آپ کا مددگار رہوں گا چنانچہ اس وقت رسولؐ خدا نے انہیں اپنا وزیر مقرر کیا۔

اسماء بنت عمیس سے مروی ہے کہ میں نے رسولؐ خدا کو یہ کہتے ہوئے سنا:
اَللّٰهُمَّ اجْعَلْ لِي وَزِيْرًا مِّنْ اَهْلِى:

پر وہ گا میرے لئے میرے اہل میں سے وزیر مقرر فرما“ پھر
آپ نے اپنے رب سے دعا کرتے ہوئے عرض کیا:

اللهم انى اقول كما قال احى موسى: اللهم اجعل لى
وزيرا من اهلى احى على اشد ذبه ازرى.

”خدایا! میں بھی وہی کہتا ہوں جو میرے بھائی موسیٰؑ نے کہا

تھا۔ خدایا میرے لئے میرے اہل میں سے میرا وزیر مقرر فرما
یعنی میرے بھائی علیؑ کو میرا وزیر بنا اور اس کے ذریعہ سے
میری پشت کو مضبوط فرما“

علامہ جلال الدین سیوطی نے ”واجعل لی وزیرا من اہلی“ کی تفسیر کے
ضمن میں لکھا:

لما نزلت هذه الآية دعا رسول الله ربه وقال ”اللهم
اشدد اذرى باخى على“ فاجابه الى ذلك.

”جب یہ آیت نازل ہوئی تو رسول خدا نے اپنے رب سے دعا مانگی اور کہا
خدایا میرے بھائی علیؑ کے ذریعہ سے میری پشت کو مضبوط فرما اللہ تعالیٰ نے آپ کی
یہ دعا قبول فرمائی“

ابن عمر نے رسول خدا سے روایت کی کہ آپ نے حضرت علیؑ سے فرمایا:
انت اخى و وزيرى تقضى دینی و تنجز موعدى . . .

الى اخر الحديث

”تو میرا بھائی اور میرا وزیر ہے تو میرے قرض ادا کرے گا اور میرے
وعدے پورے کرے گا۔“

(معجم الزوائد ۹/۱۲۱ - کنز العمال طبع اول ۱۵۵۶ھ عن الطبرانی)

حقیقت یہ ہے کہ حدیث منزلت کے ذریعہ سے رسول خدا نے حضرت علیؑ
کے لئے ان تمام مراتب کا اثبات فرمایا ہے جو ہارون کے لئے ثابت تھے البتہ آپ
نے ان مراتب میں سے منصب نبوت کو مستثنیٰ قرار دیا ہے اسی لئے نبوت کے علاوہ
حضرت ہارون کو جو بھی مناصب حاصل تھے وہ سب کے سب حضرت علیؑ کے لئے

بھی مثبت رہیں گے اور حضرت ہارون کے مناصب میں سے سرفہرست منصب وزارت تھا۔ ہم عنقریب حضرت علیؑ کے مصادر بیان کریں گے۔

سچ بلاغہ میں ہے کہ رسول خانے خدت علی سے یہ اشاعت من قیس نے حضرت علی کو خلافت کی مبارک دیتے ہوئے ایک نظم کہی وزیر النبی ودو صہرہ ولکنک وزیر (خطبہ قاصد از سچ البلاغہ)

لیکن تو وزیر ہے۔

”یعنی آپ نبی کے وزیر اور داماد ہیں“

رسول خدا نے حضرت علیؑ کو یہ کہہ کر کہ ”تو میرا بھائی اور میرا وزیر ہے اور تو ہی میرے قرض کو ادا کرے گا اور تو ہی میرے وعدے پورے کرے گا“ حضرت علیؑ کی وصایت کو ثابت کیا ہے اور ان الفاظ سے آپ نے انہیں اپنا وصی مقرر کیا ہے۔

خليفة نبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

ہم نے کتاب ہذا کے ایک باب میں رسول خدا کے ان جانشینوں کا تفصیلی تذکرہ کیا ہے جنہیں آپ نے اپنے ایام غیبت میں مدینہ میں جانشین مقرر کیا تھا اور صحیح بخاری کے باب غزوہ تبوک میں مرقوم ہے کہ رسول خدا جب تبوک کی طرف روانہ ہوئے تو آپ نے حضرت علیؑ کو اپنا جانشین مقرر کیا۔ حضرت علیؑ نے عرض کیا: کیا آپ مجھے بچوں اور عورتوں میں اپنا جانشین مقرر کر کے جا رہے ہیں؟ یہ سن کر رسول خدا نے فرمایا:

الاترضی ان تکون منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ الا انہ

لیس نبی بعدی

”کیا تو اس پر راضی نہیں کہ تجھے مجھ سے وہی مقام حاصل ہے

جو ہارون کو موسیٰ سے تھا مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہوگا۔“

اللہ تعالیٰ نے حضرت ہارون کی خلافت کا تذکرہ کرتے ہوئے حضرت موسیٰؑ

کے یہ الفاظ نقل کیے:

وَقَالَ مُوسَى لَأَخِيهِ هَارُونَ أَخْلَفْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا

تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِرِينَ. الاعراف: ۱۴۲

”اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارون سے کہا کہ تم میری قوم میں

میری نیابت کرو اور اصلاح کرو اور فساد کرنے والوں کے راستہ

کی اتباع نہ کرو۔“

احمد بن حنبل مسند میں لکھتے ہیں کہ رسول خدا نے اولاد عبدالمطلب کو دعوت

اسلام دی اور اس دعوت میں آپ نے حضرت علیؑ کو مخاطب کر کے ”خلیفتی“ کے

جملے کہے۔ یعنی تو ہی میرا جانشین ہے۔ (مسند احمد بن حنبل ۱/۱۱۱)

حضرت علیؑ پیغمبر اکرم کے بعد ولی المومنین ہیں

رسول اکرم نے بہت سے مواقع پر حضرت علیؑ کے ولی المومنین ہونے کا

اعلان کیا:

(۱) سند احمد، خصائص نسائی اور مستدرک حاکم میں یہ حدیث موجود ہے۔

سند میں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے:

عن بريدة قال بعث رسول الله بعثين الي اليمن علي

احد هما علي بن ابي طالب و علي الاخر خالد بن

الوليد فقال: اذل قيتهم فعلى علي الناس وان افترقتما

فكل واحد منكما علي جنده قال قلقينا بني زيد من

اهل اليمن فاقتلنا فظهر المسلمون علي المشركين

فقتلنا المقاتلة

وسبينا الذرية فاصطفى علياً امرأة من السبي لنفسه قال
 بريدة فكتب معي خالد بن وليد الى رسول الله يخبره
 بذلك . فلما اتيت النبي رفعت الكتاب فقرأ علياً
 فرأيت الغضيب في وجه رسول الله (ص) فقل: يا
 رسول الله، هذا مكان العاعاذ، بعشتني مع رجل
 وامرنتي ان اطيعه ففعلت ما ارسلت به فقال رسول
 الله: لاتقع في علياً فانه مني وانامنه وهو وليكم بعدى
 وانه مني وانامنه وهو وليكم بعدى (ا)

”بریدہ سے روایت ہے کہ رسول خدا نے دونوں دستانے یمن کی طرف
 روانہ فرمائے۔ ایک دستے کا سالار علی بن ابی طالب اور دوسرے دستے کا سالار خالد
 بن

ولید کو مقرر کیا اور فرمایا اگر تم دونوں اکٹھے ہو جاؤ تو پورے لشکر کا سالار علی
 ہوگا اور اگر تم علی حدہ علی حدہ ہو جاؤ ہر دستہ کا الگ الگ سالار ہوگا۔

راوی کہتا ہے کہ یمن کے رہائشی بنی زید سے ہمارا ٹکراؤ ہوا اور ہم نے ان
 سے جنگ کی۔ جنگ میں مسلمانوں کو کامیابی عملی۔ ہم نے مرنے والوں کو قتل کیا اور
 ان کی عورتوں اور بچوں کو قیدی بنا لیا۔ حضرت علیؑ نے قیدی عورتوں میں سے ایک
 عورت کو اپنے لئے چن لیا۔ بریدہ کا بیان ہے کہ میں خالد بن ولید کے دستے میں
 شامل تھا۔ اس نے رسول خدا کی طرف ایک خط لکھا جس میں علیؑ کے متعلق انہیں خبر
 دی۔ (اور وہ خط میرے حوالے کر کے مجھے مدینہ روانہ کیا) جب میں نبی اکرم کی خدمت

۱۔ مسند احمد ۳۵۶/۵۔ خصائص انسانی ص ۲۳ معمولی اختلاف کے ساتھ۔ مستدرک حاکم

۳/۱۱۰ اختلاف لفظ کے ساتھ۔ مجمع الزوائد ۹/۱۲۷۔ کنز العمال مختصراً عن ابن ابی شیبہ ۱۲/۲۱۰۔ ۱۲

۲۰۷/۱۔ کنوز الحقائق مناوی ص ۱۸۶

میں حاضر ہوا تو میں نے خط پیش کیا۔ خط آپ کو پڑھ کر سنایا گیا۔ میں نے رسول خدا کے چہرے پر غضب کے آثار دیکھے تو میں نے کہا: میں پناہ طلب کرتا ہوں آپ نے مجھے ایک شخص کے ساتھ بھیج کر مجھے اس کی اطاعت کا حکم دیا تھا اور میں نے وہی کچھ کیا جو میرے سالار نے حکم دیا تھا۔

رسول خدا نے فرمایا: علیؑ کا شکوہ نہ کرنا۔ وہ یقیناً مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں میرے بعد وہ تمہارا ولی ہے اور وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اور وہ میرے بعد تمہارا ولی (آقا) ہے۔

ایک اور روایت میں بریدہ سے منقول ہے کہ میں نے رسول خدا سے عرض کی آپ کو صحبت کا واسطہ آپ اپنا ہاتھ دراز کریں اور از سر نو مجھ سے اسلام کی بیعت لیں۔

بریدہ کہتے ہیں کہ میں اس وقت تک رسول خدا کی محفل سے نہ اٹھا جب تک میں نے ان کے ہاتھ پر دوبارہ اسلام کی بیعت نہ کر لی۔^(۱)
صحیح ترمذی اور مسند احمد و مسند طیالسی وغیرہ کی یہ روایت ملاحظہ کریں۔
ترمذی نے لکھا:

عن عمران بن حصین ان اربعة من اصحاب رسول الله
تعاقدوا. في هذه الغزوة. ان يشكو اعلیٰ اذا لقوا
رسول الله فلما قدموا علیٰ ه قام احد هم فقال: يا
رسول الله الم ترالی علیٰ بن ابی طالب ضع كذا و كذا
فا عرض عنه رسول الله و فعل الثانی منهم

۱۔ مسند احمد ۵/۳۵۰-۳۵۸-۳۶۱۔ مجمع الزوائد ۹/۱۲۸۔ طبرانی نے واسط میں بریدہ سے یہ الفاظ نقل کیے کہ رسول خدا نے فرمایا۔ من كنت وليه فعلیٰ وليه۔ ”جس کا میں ولی (آقا) ہوں اس کا علیؑ کو ولی (آقا) ہے۔“

والثالث والرابع مثل اولهم وفي كل مرة يعرض
 الرسول عن الشاكي قال فاقبل رسول الله والغضب
 يعرف في وجهه فقال ما تريدون من عليؑ. ما تريدون
 من عليؑ. ما تريدون من عليؑ ان عليؑ امني وانا منه. ان
 عليؑ امني وانا منه وهو ولي كل مؤمن بعدى (ا-)

عمران بن حصين کا بیان ہے کہ رسول خدا کے چار صحابیوں نے اس جنگ
 میں ایک دوسرے سے یہ عہد و پیمان کیا کہ وہ جب بھی رسول خدا سے ملیں گے تو ان
 سے علیؑ کی شکایت کریں گے چنانچہ جب وہ رسول خدا کی خدمت میں آئے تو ان
 میں سے پہلا اٹھا اور کہا: یا رسول اللہ! کیا آپ نے علیؑ بن ابی طالب کی طرف نہیں
 دیکھا اس نے فلاں فلاں کام کیا۔

رسول خدا نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا پھر دوسرے، تیسرے اور
 چوتھے نے بھی وہی کچھ کیا جو پہلے نے کیا تھا اور ہر بار رسول خدا شکایت کرنے
 والے سے منہ موڑتے رہے راوی کا بیان ہے کہ رسول خدا کے چہرہ پر غصہ کے
 نشانات دیکھے جاسکتے تھے۔ اسی حالت میں آپ نے فرمایا:

”تم علیؑ سے کیا چاہتے ہو؟ تم علیؑ سے کیا چاہتے ہو؟ تم علیؑ سے کیا

چاہتے ہو؟۔

بے شک علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں علیؑ مجھ سے ہے اور میں

علیؑ سے ہوں اور وہ میرے بعد ہر مومن کا ولی (آقا) ہے۔“

۲ سنن الترمذی ۱۳ / ۱۶۵ باب مناقب علیؑ بن ابی طالب۔ مسند احمد ۴ / ۳۳۷۔ مسند

طیالسی ۳ / ۱۱۱ حدیث ۸۲۹۔ مستدرک حاکم ۳ / ۱۱۰۔ خصائص النسائی ص ۱۶ / ۱۹۔ حلیۃ الاولیاء

ابو نعیم ۱۲ / ۲۹۳۔ الریاض النضرۃ ۲ / ۱۷۱۔ کنز العمال ۱۲ / ۲۰۷، ۱۵ / ۱۲۵

ایک دوسری شکایت پر رسول خدا کا جواب

یہ روایت اسد الغابہ اور مجمع الزوائد وغیرہ میں مرقوم ہے۔ اسد الغابہ کے

الفاظ یہ ہیں:

عن وهب بن حمزة: صحبت علي آء من المدينة الى مكة فرأيت منه بعض ما اكره فقلت لئن رجعت الى رسول الله لاشكوتك اليه فلما قدمت بقيت رسول الله فقلت رابت من علي كذا وكذا فقال: لاتقل هذا فهو اولي الناس بكم بعدى (ا-)

(اسد الغابہ ۹۳/۵۔ مجمع الزوائد ۹/۱۰۹)

”ہب بن حمزہ کا بیان ہے کہ میں مدینہ سے مکہ تک علیؑ کا ہم سفر رہا اس اثنا میں مجھے علیؑ سے کچھ ایسی چیزیں دکھائیں جو مجھے پسند نہ آئیں۔ میں نے ان سے کہا جب میں رسول خدا سے ملاقات کروں گا تو یقیناً ان کے پاس تیری شکایت کروں گا۔ جب میں مدینہ آیا اور رسول خدا سے ملا تو میں نے کہا کہ میں نے علیؑ سے یہ یہ کام دیکھا۔ رسول خدا نے فرمایا: یہ بات نہ کر علیؑ میرے بعد تم سب کا حاکم و متصرف ہے۔“

شکایت کب کی گئی؟

مورخین اور سیرت نویس حضرات لکھتے ہیں کہ حضرت علیؑ دو مرتبہ یمن تشریف لے گئے تھے جب کہ ہماری تحقیق یہ ہے کہ آپ تین مرتبہ یمن گئے تھے۔ اور تیسرے سفر سے واپسی حجۃ الوداع کے موقع پر ہوئی تھی۔ شکایت کرنے والوں نے آپ کی شکایت آپ کے دوسرے سفر عین کے موقع پر مدینہ میں کی تھی۔ بریدہ نے بھی مدینہ میں آپ کی شکایت کی تھی اور دوسرے چار منحرف افراد نے بھی آپ کی

شکایت مدینہ میں ہی کی تھی اور وہب بن حزمہ نے بھی مدینہ میں ہی آپ کی شکایت کی تھی اور رسول خدا نے تمام شکایت کنندگان کو یہ کہہ کر خاموش کر دیا تھا کہ خبردار علیؑ کی شکایت مت کرو۔ وہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اور وہ میرے بعد تمہارا آقا و مولا ہے۔

بعض اہل علم کو یہ غلط فہمی ہوئی ہے کہ اہل یمن نے مکہ میں رسول خدا سے حضرت علیؑ کی شکایت کی تھی جس کی وجہ سے رسول خدا نے مقام غدیر خم پر پالانوں کا ممبر بنا کر ”من كنت مولاه فعلي مولاه“ فرمایا تھا: اور یہ کہ حدیث غدیر کو اہل یمن کی کسی شکایت سے واسطہ نہیں ہے کیونکہ حضرت علیؑ اس وقت تیسری بار یمن سے واپس آئے تھے اور مکہ میں انہوں نے رسول خدا سے ملاقات کی تھی۔ اس وقت نہ تو کسی یمنی نے آپ کی شکایت کی تھی اور نہ ہی رسول خدا نے کسی یمنی کو مطمئن کرنے کے لئے غدیر کا جلسہ عام منعقد کیا تھا۔

(۲) دوسری نصوص جن کا زمانہ معین نہیں کیا گیا۔

ابن عباس سے مروی ہے کہ نبی اکرمؐ نے حضرت علیؑ سے فرمایا:

انت ولی کل مؤمن بعدی۔ تو میرے بعد ہر مومن کا ولی (آقا) ہے۔

(مسند طحاوی ۱۱/۳۶۰، حدیث ۲۷۵۲۔ الریاض المنضرة ۲/۲۰۳)

”حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ رسول خدا نے ان سے فرمایا:

انک ولی المؤمنین بعدی۔“ تو میرے بعد مومنین کا ولی (آقا) ہے“

(تاریخ بغداد، خطیب ۳/۲۳۹۔ کنز العمال ۱۵/۱۱۳، ۱۲/۲۲۱)

جلسہ غدیر اور ولی عہدی امیرؑ

حضرت رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کو اپنا ولی عہد

اور وصی مقرر کرنے کے لئے ایک عظیم الشان جلسہ عام منعقد کیا۔ حاکم جرجانی لکھتے ہیں:

عن ابن عباس وجابر قالا: امر الله محمدا ان ينصب علياً
 للناس ليخبرهم بولايته فتخوف رسول الله ان يقولوا
 حابي ابن عمه وان يطعنوا في ذلك علياً فواحي الله
 اليه (يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ
 تَفْعَلْ فَمَا بَلَغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ) المائدة / ٦٧:
 فقال رسول الله بولايته يوم غدِير خم (ا -)

”ابن عباس اور جابر نے بیان کیا کہ اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد کو حکم دیا کہ
 وہ علیؑ کو لوگوں کا حاکم و آقا منصوب کریں اور لوگوں کو ان کی ولایت کی خبر دیں۔
 رسول خدا ڈرے کہ لوگ یہ نہ کہیں کہ اس نے اپنے ابن عم کو اپنا وارث بنا دیا ہے اور
 اس لئے اعتراض نہ کریں کہ اللہ تعالیٰ نے آپ کو وحی فرمائی۔ اے رسول! اس مسئلہ
 کی تبلیغ کر جو تیرے رب کی طرف سے تجھ پر نازل ہوا ہے اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو
 تو نے اللہ کی رسالت کی تبلیغ ہی نہیں کی۔ اس آیت کے بعد رسول خدا نے غدیر خم
 کے دن حضرت علیؑ کی ولایت کا اعلان کیا۔“

شواہد التنزیل میں زیاد بن منذر سے روایت ہے وہ کہا کرتا تھا:
 میں ابو جعفر محمد بن علیؑ (امام محمد باقر علیہ السلام) کے پاس بیٹھا ہوا تھا اور
 آپ اس وقت لوگوں سے باتیں کر رہے تھے۔ اتنے میں بصرہ کا ایک شخص کھڑا ہوا
 جسے عثمان غشی کہا جاتا تھا اور وہ حسن بصری کی روایات بیان کرتا تھا۔ اس نے کہا:

شواہد التنزیل ۱/ ۱۹۲ - حدیث ۲۳۹ - حافظ عبید اللہ بن عبد اللہ بن احمد، حاکم جکافی
 کے نام سے مشہور تھے۔ آپ پانچویں صدی ہجری کے اعلام میں سے تھے۔ تذکرۃ الحفاظ طبع
 ہندوستان ۳/ ۳۹۰ -

فرزند رسول! اللہ مجھے آپ پر فدا کرے۔ حسن ہمیں یہ بتاتا ہے کہ (یا ایہا الرسول بلغ) کی آیت ایک شخص کی وجہ سے نازل ہوئی اور وہ ہمیں اس شخص کے متعلق کچھ نہیں بتاتا کہ وہ کون تھا جس کے لئے یہ آیت نازل ہوئی۔

امام محمد باقرؑ نے فرمایا: اگر وہ بتانا چاہتا تو بتا بھی سکتا تھا لیکن اس نے خوف کی وجہ سے نہیں بتایا۔ جبریل امین نبی اکرم پر نازل ہوئے یہاں تک کہ اس نے کہا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حکم دیتا ہے کہ آپ اپنی امت کو ان کے سر پرست کی ایسی ہی رہنمائی فرمائیں جیسا کہ آپ نے لوگوں کو نماز، زکوٰۃ، روزے اور حج کی رہنمائی فرمائی ہے تاکہ تمام لوگوں پر حجت قائم ہو جائے۔ رسول خدا نے عرض کی خدایا! میری قوم دور جاہلیت کے انتہائی قریب ہے ان میں سابقت اور فخر کا جذبہ پایا جاتا ہے اور ان میں سے ہر شخص کسی نہ کسی وجہ سے علیؑ پر ناراض ہے اور مجھے ڈر ہے کہ یہ لوگ کہیں میری تکذیب نہ کریں۔ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل کی: (یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک وان لم تفعل فما بلغت رسالتی) اے رسول! آپ اس مسئلہ کی تبلیغ کریں جو آپ کے رب کی طرف سے آپ پر اتارا گیا ہے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے خدا کی رسالت کی تبلیغ نہیں کی۔ یعنی آپ نے مکمل تبلیغ نہیں کی۔ (واللہ یعصمک من الناس) اور اللہ آپ کو لوگوں کے شر سے بچالے گا۔“ جب اللہ تعالیٰ نے آپ کو حفاظت کی ضمانت دی تو آپ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑ کر لوگوں کو دکھایا۔

(شواہد التنزیل ۱۹۱/۱۔ کذاتی تفسیر الایۃ فی اسباب النزول الواحدی و نزول القرآن لابی نعیم)
حاکم حسکانی لکھتے ہیں:

عن ابن عباس فی حدیث المعراج ان اللہ عزاسمہ قال
لنبیہ فی ما قال وانی لم البعث نیا الا و جعلت له وزیرا

وانك رسول الله وان على وزيرك الى آخر

النخب

(شواہد التزیل حکانی ۱۹۲/۱۹۳، ۱۹۳)

”ابن عباس نے حدیث معراج بیان کرتے ہوئے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی کو جو وحی کی تھی اس میں اللہ تعالیٰ نے یہ وحی بھی فرمائی تھی کہ میں نے جتنے بھی نبی مبعوث کیئے ان کے وزیر بھی مقرر کیئے اور آپ اللہ کے رسول ہیں اور علیؑ آپ کا وزیر ہے“ ابن عباس کہتے ہیں: رسول خدا معراج سے واپس زمین پر تشریف لائے تو آپ نے لوگوں کو اس بات کے متعلق بتانا پسند نہ کیا کیونکہ لوگ عہد جاہلیت کے قریب تھے ۔۔۔ اور جب حضور اکرم حج کر کے واپس آ رہے تھے اور اٹھارہ ذی الحج کا دن ہوا تو اللہ نے آپ پر یہ آیت نازل فرمادی ”یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک“ اے رسول آپ اس مسئلہ کی تبلیغ کریں جو آپ پر آپ کے رب کی طرف سے نازل کیا گیا۔

رسول خدا نے فرمایا: لوگو! اللہ نے میری طرف ایک پیغام بھیجا تھا اور میں اس کے پہنچانے سے گھبراتا رہا کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ تم مجھ پر تہمت لگاؤ اور میری تکذیب کر دو یہاں تک کہ میرے رب نے مجھ پر دھمکی آمیز وحی نازل کی ہے:

عن ابی ہریرۃ انزل اللہ (یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک) فی علی بن ابی طالب. وان لم تفعل فما بلغت

رسالته . . . (۱۷)

۱۔ شواہد التزیل حکانی ۱۸۷/۱۸۷۔ ابن عباس نے بہت سے اسناد سے اس حدیث کو

۲۔ بخاری میں حدیث نمبر ۳۵۲ میں نقل کیا ہے۔

حکائی رقم طراز ہیں:

عن عبد اللہ ابی اوفیٰ قال: سمعت رسول اللہ یقول یوم غدیر خم وتلا هذه الایة (یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک . . .) ثم رفع یدیه حتی یری بیاض ابطیه ثم قال ”الامن کنت مولاہ فعلی مولاہ . . .“

(شواہد التزیل حکائی ۱۹۰/۱)

”عبداللہ بن ابی اوفیٰ نے کہا کہ میں نے غدیر خم میں رسول خدا سے سنا اور اس ”یا ایہا الرسول بلغ“ کی آیت کی تلاوت کی۔ پھر آپ نے اپنے دونوں ہاتھوں کو بلند کیا یہاں تک کہ آپ کی بغلوں کی سفیدی دکھائی دینے لگی اور فرمایا: آگاہ رہو جس کا میں مولا ہوں اس کا علیؑ مولا ہے۔“

واحدی اسباب النزول اور سیوطی درمنثور میں ابی سعید خدری سے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

نزلت هذه الایة فی علی بن ابی طالب. یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک ”یا ایہا الرسول بلغ“ کی آیت علی بن ابی طالب کے حق میں نازل ہوئی۔

(اسباب النزول واحدی ص ۱۳۵۔ درمنثور ۲/۲۹۸۔ فتح القدر ۲/۲۵۷ تفسیر نیشاپوری ۶/۱۹۳) سیوطی درمنثور میں رقم طراز ہیں:

عن ابن مسعود قال کنا نقرا علی عهد رسول اللہ یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک. ان علی مولى المؤمنین. وان لم تفعل فما بلغت رسالته . . .

ابن مسعود فرماتے ہیں کہ ہم عہد پیغمبر میں اس آیت کو پڑھتے تھے:

یا ایہا الرسول بلغ ما انزل الیک من ربک۔ علی مولى المؤمنین وان لم تفعل فما بلغت رسالته

”اے رسول! اس پیغام کو پہنچا جو تیرے رب کی طرف سے تجھ پر نازل کیا گیا کہ علیؑ مومنین کا مولا ہے اور اگر آپ نے ایسا نہ کیا تو آپ نے اپنے رب کی رسالت کی تبلیغ نہیں کی۔“ ابن مسعود کا مقصد یہ تھا کہ عہد پیغمبر میں صحابہ اس آیت کی تفسیر کو یوں ہی پڑھا کرتے تھے۔

واقعہ غدیر کی تفصیل

جب رسولؐ خدا حجۃ الوداع سے فارغ ہوئے اور واپس مدینہ آنے لگے تو ذی الحج کی اٹھارہ تاریخ کو آپ پر (یا ایہا الرسول بلغ -- --) کی آیت نازل ہوئی۔ آپ نے حجہ کے قریب مقام غدیر خم پر قیام کیا۔

وہاں سے مصر، شام اور مدینہ کے راستے جدا ہوتے ہیں۔ (۲)

آپ نے وہاں قیام کیا یہاں تک کہ پیچھے آنے والے آ کر مل گئے اور

آگے جانے والے واپس آ گئے۔ (۳)

آنحضرتؐ نے لوگوں کو متفرق درختوں کے سایے میں بیٹھنے سے منع کر

دیا۔ پھر آپ نے صحابہ کو حکم دیا کہ درختوں کے نیچے صفائی کی جائے۔ (۴)

اور اس کے بعد الصَّلَاةُ جَامِعَةً کی صدا بلند ہوئی۔ (۵)

پھر رسول خدا نے ان درختوں کی طرف رخ کیا۔ (۶)

بول کے ایک درخت پر کپڑا باندھ کر رسول خدا کے لئے سایہ کا انتظام

کیا گیا۔ (۷)

آپ نے ظہر کی نماز پڑھائی۔ (۸)

پھر آپ نے خطبہ دیا اور اللہ تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور وعظ و نصیحت فرمائی اور

جو خدا کو منظور تھا وہ کچھ فرمایا پھر آپ نے فرمایا:

۱۔ مجمع الزوائد ۹/ ۱۶۳-۱۶۵۔ ابن کثیر ۵/ ۲۰۹-۲۱۳۔ ۲۔ منہم البلدان در مادہ حجہ ۳۔ تاریخ

ابن کثیر ۵/ ۲۱۳۔ ۴۔ مجمع الزوائد ۹/ ۱۰۵۔ ۵۔ مسند احمد ۲/ ۲۸۱۔ سنن ابن ماجہ باب فضل علیؑ۔ تاریخ

ابن کثیر ۵/ ۲۰۹، ۲۰۹/ ۵۔ ۶۔ مجمع الزوائد ۹/ ۱۶۳-۱۶۵۔ ۷۔ مسند احمد ۴/ ۴۷۲۔ ابن کثیر ۵/ ۲۱۲

۸۔ مسند احمد ۴/ ۲۸۱۔ سنن ابن ماجہ باب فضل علیؑ۔ ابن کثیر ۵/ ۲۱۲

خطبه غدیر

ابى واشك ان ادعى فاجيب وانى مسؤل و اتم سؤلون فهاذ اتم تاكون قالوا:

نشهد انك بلغت وصحت فجزاك اللہ خيرا۔ قال

ايس تشهدون ان لا اله الا الله وان محمد عبده و
رسوله وان الجنة حق وان النار حق قالوا: بلىٰ نشهد
ذلك. قال اللهم اشهد. ثم قال الاتسمعون قالوا:
نعم. قال. يا ايها الناس انى فرط وانتم واردون علىٰ
الحوض و ان عرضه ما بين بصرى الى صفاء (١) فيه
عدد النجوم قدحان من قضة وانى سائلكم عن الثقلين
فانظروا كيف تخلفوني فيهما. فنادى فاد و ما الثقلان
يارسول الله؟

قال: كتاب الله طرف بيد الله وطرف يا ايديكم
فاستمسكوا به ولا تضلوا ولا تبدلوا وعترتى اهل بيتى و
قدض نبانى اللطيف الخبير انهما لن يتفرقا حتى يردا
علىٰ الحوضى سالت ذلك لهما ربى فلا تقدموهما
فتهكوا و لا تقصروا عنهما فتهلكوا و لا تعلموهما
فهم اعلم منكم (٢) ثم قال الستم تعلمون انى والىٰ
بالمؤمنين من انفسهم؟

قالوا: بلىٰ يارسول الله. (٣)

قال الستم تعلمون. او تشهدون. انى اولىٰ بكل مؤمن
من نفسه؟

قالوا: بلىٰ يا رسول الله (٤). ثم اخذ بيد علىٰ بن
ابى طالب بضعيه فرفعها حتى نظر الناس الى بياض

ابطيھما) ۵) ثم قال

ايھا الناس اللہ مولای وانا مولاکم (۶) فمن کنت

مولاه فهذا علیؑ مولاه (۷)

اللھم وال من والاه وعادمن عاداه (۸) وانصرمن

نصره واخذل من خذله (۹) واجب من احبه وابغض

من ابغضه (۱۰) ثم قال: اللھم اشھد (۱۱) ثم لم

یتفرقا رسول اللہ و علیؑ حتی نزلت هذه الایة

الیوم اکملت لکم دینکم واتممک علیکم نعمتی و

رضیت لکم الاسلام دینا. فقال رسول اللہ اللہ اکبر

علیؑ اکمال الدین و اتمام النعمة و رضا الرب برسالتی

والولاية لعلیؑ (۱۲)

1- بھری نام کی دو بستیاں ہیں ایک دمشق کے قریب دوسری بغداد کے قریب۔

2- مجمع الزوائد ۱۶۲۹-۱۶۳۰-۱۶۴۵ اس کے بعض الفاظ مستدرک حاکم ۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۰۰ الدربن کثیر کے

۲۰۹/۵ پر مرکوز ہیں۔ ۳- مسند احمد ۱۱۸/۱۱۹-۱۱۸/۱۲۸۱ متن استنباج

۱- فری من نفسه ۲ مسند احمد ۲/۲۸۱-۳۶۸-۳۷۰-۳۷۲ ابن کثیر ۲۰۹/۵-۲۱۲-۵ حاکم

حکاتی ۱۹۰/۱ حاکم حکاتی فی شواہد التزیل ۱۹۱/۱-۱۹۱/۱ ابن کثیر ۲۰۹/۵ پر وانا کل مؤمن کے

الفاظ مرقوم ہیں۔ بے تمام سابقہ مصادر میں یہ حدیث موجود ہے۔ ۵- مسند احمد ۱۱۸/۱۱۹-۱۱۹/۱۲

۲۸۱-۳۷۰-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱

- حاکم حکاتی ۱۹۰/۱-۱۹۱-۱۹۱-تاریخ ابن کثیر ۲۰۹/۵-۲۱۰-۲۱۳-۲۱۴-۲۱۵-۲۱۶-۲۱۷-۲۱۸-۲۱۹-۲۲۰-۲۲۱-۲۲۲-۲۲۳-۲۲۴-۲۲۵-۲۲۶-۲۲۷-۲۲۸-۲۲۹-۲۳۰-۲۳۱-۲۳۲-۲۳۳-۲۳۴-۲۳۵-۲۳۶-۲۳۷-۲۳۸-۲۳۹-۲۴۰-۲۴۱-۲۴۲-۲۴۳-۲۴۴-۲۴۵-۲۴۶-۲۴۷-۲۴۸-۲۴۹-۲۵۰-۲۵۱-۲۵۲-۲۵۳-۲۵۴-۲۵۵-۲۵۶-۲۵۷-۲۵۸-۲۵۹-۲۶۰-۲۶۱-۲۶۲-۲۶۳-۲۶۴-۲۶۵-۲۶۶-۲۶۷-۲۶۸-۲۶۹-۲۷۰-۲۷۱-۲۷۲-۲۷۳-۲۷۴-۲۷۵-۲۷۶-۲۷۷-۲۷۸-۲۷۹-۲۸۰-۲۸۱-۲۸۲-۲۸۳-۲۸۴-۲۸۵-۲۸۶-۲۸۷-۲۸۸-۲۸۹-۲۹۰-۲۹۱-۲۹۲-۲۹۳-۲۹۴-۲۹۵-۲۹۶-۲۹۷-۲۹۸-۲۹۹-۳۰۰-۳۰۱-۳۰۲-۳۰۳-۳۰۴-۳۰۵-۳۰۶-۳۰۷-۳۰۸-۳۰۹-۳۱۰-۳۱۱-۳۱۲-۳۱۳-۳۱۴-۳۱۵-۳۱۶-۳۱۷-۳۱۸-۳۱۹-۳۲۰-۳۲۱-۳۲۲-۳۲۳-۳۲۴-۳۲۵-۳۲۶-۳۲۷-۳۲۸-۳۲۹-۳۳۰-۳۳۱-۳۳۲-۳۳۳-۳۳۴-۳۳۵-۳۳۶-۳۳۷-۳۳۸-۳۳۹-۳۴۰-۳۴۱-۳۴۲-۳۴۳-۳۴۴-۳۴۵-۳۴۶-۳۴۷-۳۴۸-۳۴۹-۳۵۰-۳۵۱-۳۵۲-۳۵۳-۳۵۴-۳۵۵-۳۵۶-۳۵۷-۳۵۸-۳۵۹-۳۶۰-۳۶۱-۳۶۲-۳۶۳-۳۶۴-۳۶۵-۳۶۶-۳۶۷-۳۶۸-۳۶۹-۳۷۰-۳۷۱-۳۷۲-۳۷۳-۳۷۴-۳۷۵-۳۷۶-۳۷۷-۳۷۸-۳۷۹-۳۸۰-۳۸۱-۳۸۲-۳۸۳-۳۸۴-۳۸۵-۳۸۶-۳۸۷-۳۸۸-۳۸۹-۳۹۰-۳۹۱-۳۹۲-۳۹۳-۳۹۴-۳۹۵-۳۹۶-۳۹۷-۳۹۸-۳۹۹-۴۰۰-۴۰۱-۴۰۲-۴۰۳-۴۰۴-۴۰۵-۴۰۶-۴۰۷-۴۰۸-۴۰۹-۴۱۰-۴۱۱-۴۱۲-۴۱۳-۴۱۴-۴۱۵-۴۱۶-۴۱۷-۴۱۸-۴۱۹-۴۲۰-۴۲۱-۴۲۲-۴۲۳-۴۲۴-۴۲۵-۴۲۶-۴۲۷-۴۲۸-۴۲۹-۴۳۰-۴۳۱-۴۳۲-۴۳۳-۴۳۴-۴۳۵-۴۳۶-۴۳۷-۴۳۸-۴۳۹-۴۴۰-۴۴۱-۴۴۲-۴۴۳-۴۴۴-۴۴۵-۴۴۶-۴۴۷-۴۴۸-۴۴۹-۴۵۰-۴۵۱-۴۵۲-۴۵۳-۴۵۴-۴۵۵-۴۵۶-۴۵۷-۴۵۸-۴۵۹-۴۶۰-۴۶۱-۴۶۲-۴۶۳-۴۶۴-۴۶۵-۴۶۶-۴۶۷-۴۶۸-۴۶۹-۴۷۰-۴۷۱-۴۷۲-۴۷۳-۴۷۴-۴۷۵-۴۷۶-۴۷۷-۴۷۸-۴۷۹-۴۸۰-۴۸۱-۴۸۲-۴۸۳-۴۸۴-۴۸۵-۴۸۶-۴۸۷-۴۸۸-۴۸۹-۴۹۰-۴۹۱-۴۹۲-۴۹۳-۴۹۴-۴۹۵-۴۹۶-۴۹۷-۴۹۸-۴۹۹-۵۰۰-۵۰۱-۵۰۲-۵۰۳-۵۰۴-۵۰۵-۵۰۶-۵۰۷-۵۰۸-۵۰۹-۵۱۰-۵۱۱-۵۱۲-۵۱۳-۵۱۴-۵۱۵-۵۱۶-۵۱۷-۵۱۸-۵۱۹-۵۲۰-۵۲۱-۵۲۲-۵۲۳-۵۲۴-۵۲۵-۵۲۶-۵۲۷-۵۲۸-۵۲۹-۵۳۰-۵۳۱-۵۳۲-۵۳۳-۵۳۴-۵۳۵-۵۳۶-۵۳۷-۵۳۸-۵۳۹-۵۴۰-۵۴۱-۵۴۲-۵۴۳-۵۴۴-۵۴۵-۵۴۶-۵۴۷-۵۴۸-۵۴۹-۵۵۰-۵۵۱-۵۵۲-۵۵۳-۵۵۴-۵۵۵-۵۵۶-۵۵۷-۵۵۸-۵۵۹-۵۶۰-۵۶۱-۵۶۲-۵۶۳-۵۶۴-۵۶۵-۵۶۶-۵۶۷-۵۶۸-۵۶۹-۵۷۰-۵۷۱-۵۷۲-۵۷۳-۵۷۴-۵۷۵-۵۷۶-۵۷۷-۵۷۸-۵۷۹-۵۸۰-۵۸۱-۵۸۲-۵۸۳-۵۸۴-۵۸۵-۵۸۶-۵۸۷-۵۸۸-۵۸۹-۵۹۰-۵۹۱-۵۹۲-۵۹۳-۵۹۴-۵۹۵-۵۹۶-۵۹۷-۵۹۸-۵۹۹-۶۰۰-۶۰۱-۶۰۲-۶۰۳-۶۰۴-۶۰۵-۶۰۶-۶۰۷-۶۰۸-۶۰۹-۶۱۰-۶۱۱-۶۱۲-۶۱۳-۶۱۴-۶۱۵-۶۱۶-۶۱۷-۶۱۸-۶۱۹-۶۲۰-۶۲۱-۶۲۲-۶۲۳-۶۲۴-۶۲۵-۶۲۶-۶۲۷-۶۲۸-۶۲۹-۶۳۰-۶۳۱-۶۳۲-۶۳۳-۶۳۴-۶۳۵-۶۳۶-۶۳۷-۶۳۸-۶۳۹-۶۴۰-۶۴۱-۶۴۲-۶۴۳-۶۴۴-۶۴۵-۶۴۶-۶۴۷-۶۴۸-۶۴۹-۶۵۰-۶۵۱-۶۵۲-۶۵۳-۶۵۴-۶۵۵-۶۵۶-۶۵۷-۶۵۸-۶۵۹-۶۶۰-۶۶۱-۶۶۲-۶۶۳-۶۶۴-۶۶۵-۶۶۶-۶۶۷-۶۶۸-۶۶۹-۶۷۰-۶۷۱-۶۷۲-۶۷۳-۶۷۴-۶۷۵-۶۷۶-۶۷۷-۶۷۸-۶۷۹-۶۸۰-۶۸۱-۶۸۲-۶۸۳-۶۸۴-۶۸۵-۶۸۶-۶۸۷-۶۸۸-۶۸۹-۶۹۰-۶۹۱-۶۹۲-۶۹۳-۶۹۴-۶۹۵-۶۹۶-۶۹۷-۶۹۸-۶۹۹-۷۰۰-۷۰۱-۷۰۲-۷۰۳-۷۰۴-۷۰۵-۷۰۶-۷۰۷-۷۰۸-۷۰۹-۷۱۰-۷۱۱-۷۱۲-۷۱۳-۷۱۴-۷۱۵-۷۱۶-۷۱۷-۷۱۸-۷۱۹-۷۲۰-۷۲۱-۷۲۲-۷۲۳-۷۲۴-۷۲۵-۷۲۶-۷۲۷-۷۲۸-۷۲۹-۷۳۰-۷۳۱-۷۳۲-۷۳۳-۷۳۴-۷۳۵-۷۳۶-۷۳۷-۷۳۸-۷۳۹-۷۴۰-۷۴۱-۷۴۲-۷۴۳-۷۴۴-۷۴۵-۷۴۶-۷۴۷-۷۴۸-۷۴۹-۷۵۰-۷۵۱-۷۵۲-۷۵۳-۷۵۴-۷۵۵-۷۵۶-۷۵۷-۷۵۸-۷۵۹-۷۶۰-۷۶۱-۷۶۲-۷۶۳-۷۶۴-۷۶۵-۷۶۶-۷۶۷-۷۶۸-۷۶۹-۷۷۰-۷۷۱-۷۷۲-۷۷۳-۷۷۴-۷۷۵-۷۷۶-۷۷۷-۷۷۸-۷۷۹-۷۸۰-۷۸۱-۷۸۲-۷۸۳-۷۸۴-۷۸۵-۷۸۶-۷۸۷-۷۸۸-۷۸۹-۷۹۰-۷۹۱-۷۹۲-۷۹۳-۷۹۴-۷۹۵-۷۹۶-۷۹۷-۷۹۸-۷۹۹-۸۰۰-۸۰۱-۸۰۲-۸۰۳-۸۰۴-۸۰۵-۸۰۶-۸۰۷-۸۰۸-۸۰۹-۸۱۰-۸۱۱-۸۱۲-۸۱۳-۸۱۴-۸۱۵-۸۱۶-۸۱۷-۸۱۸-۸۱۹-۸۲۰-۸۲۱-۸۲۲-۸۲۳-۸۲۴-۸۲۵-۸۲۶-۸۲۷-۸۲۸-۸۲۹-۸۳۰-۸۳۱-۸۳۲-۸۳۳-۸۳۴-۸۳۵-۸۳۶-۸۳۷-۸۳۸-۸۳۹-۸۴۰-۸۴۱-۸۴۲-۸۴۳-۸۴۴-۸۴۵-۸۴۶-۸۴۷-۸۴۸-۸۴۹-۸۵۰-۸۵۱-۸۵۲-۸۵۳-۸۵۴-۸۵۵-۸۵۶-۸۵۷-۸۵۸-۸۵۹-۸۶۰-۸۶۱-۸۶۲-۸۶۳-۸۶۴-۸۶۵-۸۶۶-۸۶۷-۸۶۸-۸۶۹-۸۷۰-۸۷۱-۸۷۲-۸۷۳-۸۷۴-۸۷۵-۸۷۶-۸۷۷-۸۷۸-۸۷۹-۸۸۰-۸۸۱-۸۸۲-۸۸۳-۸۸۴-۸۸۵-۸۸۶-۸۸۷-۸۸۸-۸۸۹-۸۹۰-۸۹۱-۸۹۲-۸۹۳-۸۹۴-۸۹۵-۸۹۶-۸۹۷-۸۹۸-۸۹۹-۹۰۰-۹۰۱-۹۰۲-۹۰۳-۹۰۴-۹۰۵-۹۰۶-۹۰۷-۹۰۸-۹۰۹-۹۱۰-۹۱۱-۹۱۲-۹۱۳-۹۱۴-۹۱۵-۹۱۶-۹۱۷-۹۱۸-۹۱۹-۹۲۰-۹۲۱-۹۲۲-۹۲۳-۹۲۴-۹۲۵-۹۲۶-۹۲۷-۹۲۸-۹۲۹-۹۳۰-۹۳۱-۹۳۲-۹۳۳-۹۳۴-۹۳۵-۹۳۶-۹۳۷-۹۳۸-۹۳۹-۹۴۰-۹۴۱-۹۴۲-۹۴۳-۹۴۴-۹۴۵-۹۴۶-۹۴۷-۹۴۸-۹۴۹-۹۵۰-۹۵۱-۹۵۲-۹۵۳-۹۵۴-۹۵۵-۹۵۶-۹۵۷-۹۵۸-۹۵۹-۹۶۰-۹۶۱-۹۶۲-۹۶۳-۹۶۴-۹۶۵-۹۶۶-۹۶۷-۹۶۸-۹۶۹-۹۷۰-۹۷۱-۹۷۲-۹۷۳-۹۷۴-۹۷۵-۹۷۶-۹۷۷-۹۷۸-۹۷۹-۹۸۰-۹۸۱-۹۸۲-۹۸۳-۹۸۴-۹۸۵-۹۸۶-۹۸۷-۹۸۸-۹۸۹-۹۹۰-۹۹۱-۹۹۲-۹۹۳-۹۹۴-۹۹۵-۹۹۶-۹۹۷-۹۹۸-۹۹۹-۱۰۰۰-۱۰۰۱-۱۰۰۲-۱۰۰۳-۱۰۰۴-۱۰۰۵-۱۰۰۶-۱۰۰۷-۱۰۰۸-۱۰۰۹-۱۰۱۰-۱۰۱۱-۱۰۱۲-۱۰۱۳-۱۰۱۴-۱۰۱۵-۱۰۱۶-۱۰۱۷-۱۰۱۸-۱۰۱۹-۱۰۲۰-۱۰۲۱-۱۰۲۲-۱۰۲۳-۱۰۲۴-۱۰۲۵-۱۰۲۶-۱۰۲۷-۱۰۲۸-۱۰۲۹-۱۰۳۰-۱۰۳۱-۱۰۳۲-۱۰۳۳-۱۰۳۴-۱۰۳۵-۱۰۳۶-۱۰۳۷-۱۰۳۸-۱۰۳۹-۱۰۴۰-۱۰۴۱-۱۰۴۲-۱۰۴۳-۱۰۴۴-۱۰۴۵-۱۰۴۶-۱۰۴۷-۱۰۴۸-۱۰۴۹-۱۰۵۰-۱۰۵۱-۱۰۵۲-۱۰۵۳-۱۰۵۴-۱۰۵۵-۱۰۵۶-۱۰۵۷-۱۰۵۸-۱۰۵۹-۱۰۶۰-۱۰۶۱-۱۰۶۲-۱۰۶۳-۱۰۶۴-۱۰۶۵-۱۰۶۶-۱۰۶۷-۱۰۶۸-۱۰۶۹-۱۰۷۰-۱۰۷۱-۱۰۷۲-۱۰۷۳-۱۰۷۴-۱۰۷۵-۱۰۷۶-۱۰۷۷-۱۰۷۸-۱۰۷۹-۱۰۸۰-۱۰۸۱-۱۰۸۲-۱۰۸۳-۱۰۸۴-۱۰۸۵-۱۰۸۶-۱۰۸۷-۱۰۸۸-۱۰۸۹-۱۰۹۰-۱۰۹۱-۱۰۹۲-۱۰۹۳-۱۰۹۴-۱۰۹۵-۱۰۹۶-۱۰۹۷-۱۰۹۸-۱۰۹۹-۱۱۰۰-۱۱۰۱-۱۱۰۲-۱۱۰۳-۱۱۰۴-۱۱۰۵-۱۱۰۶-۱۱۰۷-۱۱۰۸-۱۱۰۹-۱۱۱۰-۱۱۱۱-۱۱۱۲-۱۱۱۳-۱۱۱۴-۱۱۱۵-۱۱۱۶-۱۱۱۷-۱۱۱۸-۱۱۱۹-۱۱۲۰-۱۱۲۱-۱۱۲۲-۱۱۲۳-۱۱۲۴-۱۱۲۵-۱۱۲۶-۱۱۲۷-۱۱۲۸-۱۱۲۹-۱۱۳۰-۱۱۳۱-۱۱۳۲-۱۱۳۳-۱۱۳۴-۱۱۳۵-۱۱۳۶-۱۱۳۷-۱۱۳۸-۱۱۳۹-۱۱۴۰-۱۱۴۱-۱۱۴۲-۱۱۴۳-۱۱۴۴-۱۱۴۵-۱۱۴۶-۱۱۴۷-۱۱۴۸-۱۱۴۹-۱۱۵۰-۱۱۵۱-۱۱۵۲-۱۱۵۳-۱۱۵۴-۱۱۵۵-۱۱۵۶-۱۱۵۷-۱۱۵۸-۱۱۵۹-۱۱۶۰-۱۱۶۱-۱۱۶۲-۱۱۶۳-۱۱۶۴-۱۱۶۵-۱۱۶۶-۱۱۶۷-۱۱۶۸-۱۱۶۹-۱۱۷۰-۱۱۷۱-۱۱۷۲-۱۱۷۳-۱۱۷۴-۱۱۷۵-۱۱۷۶-۱۱۷۷-۱۱۷۸-۱۱۷۹-۱۱۸۰-۱۱۸۱-۱۱۸۲-۱۱۸۳-۱۱۸۴-۱۱۸۵-۱۱۸۶-۱۱۸۷-۱۱۸۸-۱۱۸۹-۱۱۹۰-۱۱۹۱-۱۱۹۲-۱۱۹۳-۱۱۹۴-۱۱۹۵-۱۱۹۶-۱۱۹۷-۱۱۹۸-۱۱۹۹-۱۲۰۰-۱۲۰۱-۱۲۰۲-۱۲۰۳-۱۲۰۴-۱۲۰۵-۱۲۰۶-۱۲۰۷-۱۲۰۸-۱۲۰۹-۱۲۱۰-۱۲۱۱-۱۲۱۲-۱۲۱۳-۱۲۱۴-۱۲۱۵-۱۲۱۶-۱۲۱۷-۱۲۱۸-۱۲۱۹-۱۲۲۰-۱۲۲۱-۱۲۲۲-۱۲۲۳-۱۲۲۴-۱۲۲۵-۱۲۲۶-۱۲۲۷-۱۲۲۸-۱۲۲۹-۱۲۳۰-۱۲۳۱-۱۲۳۲-۱۲۳۳-۱۲۳۴-۱۲۳۵-۱۲۳۶-۱۲۳۷-۱۲۳۸-۱۲۳۹-۱۲۴۰-۱۲۴۱-۱۲۴۲-۱۲۴۳-۱۲۴۴-۱۲۴۵-۱۲۴۶-۱۲۴۷-۱۲۴۸-۱۲۴۹-۱۲۵۰-۱۲۵۱-۱۲۵۲-۱۲۵۳-۱۲۵۴-۱۲۵۵-۱۲۵۶-۱۲۵۷-۱۲۵۸-۱۲۵۹-۱۲۶۰-۱۲۶۱-۱۲۶۲-۱۲۶۳-۱۲۶۴-۱۲۶۵-۱۲۶۶-۱۲۶۷-۱۲۶۸-۱۲۶۹-۱۲۷۰-۱۲۷۱-۱۲۷۲-۱۲۷۳-۱۲۷۴-۱۲۷۵-۱۲۷۶-۱۲۷۷-۱۲۷۸-۱۲۷۹-۱۲۸۰-۱۲۸۱-۱۲۸۲-۱۲۸۳-۱۲۸۴-۱۲۸۵-۱۲۸۶-۱۲۸۷-۱۲۸۸-۱۲۸۹-۱۲۹۰-۱۲۹۱-۱۲۹۲-۱۲۹۳-۱۲۹۴-۱۲۹۵-۱۲۹۶-۱۲۹۷-۱۲۹۸-۱۲۹۹-۱۳۰۰-۱۳۰۱-۱۳۰۲-۱۳۰۳-۱۳۰۴-۱۳۰۵-۱۳۰۶-۱۳۰۷-۱۳۰۸-۱۳۰۹-۱۳۱۰-۱۳۱۱-۱۳۱۲-۱۳۱۳-۱۳۱۴-۱۳۱۵-۱۳۱۶-۱۳۱۷-۱۳۱۸-۱۳۱۹-۱۳۲۰-۱۳۲۱-۱۳۲۲-۱۳۲۳-۱۳۲۴-۱۳۲۵-۱۳۲۶-۱۳۲۷-۱۳۲۸-۱۳۲۹-۱۳۳۰-۱۳۳۱-۱۳۳۲-۱۳۳۳-۱۳۳۴-۱۳۳۵-۱۳۳۶-۱۳۳۷-۱۳۳۸-۱۳۳۹-۱۳۴۰-۱۳۴۱-۱۳۴۲-۱۳۴۳-۱۳۴۴-۱۳۴۵-۱۳۴۶-۱۳۴۷-۱۳۴۸-۱۳۴۹-۱۳۵۰-۱۳۵۱-۱۳۵۲-۱۳۵۳-۱۳۵۴-۱۳۵۵-۱۳۵۶-۱۳۵۷-۱۳۵۸-۱۳۵۹-۱۳۶۰-۱۳۶۱-۱۳۶۲-۱۳۶۳-۱۳۶۴-۱۳۶۵-۱۳۶۶-۱۳۶۷-۱۳۶۸-۱۳۶۹-۱۳۷۰-۱۳۷۱-۱۳۷۲-۱۳۷۳-۱۳۷۴-۱۳۷۵-۱۳۷۶-۱۳۷۷-۱۳۷۸-۱۳۷۹-۱۳۸۰-۱۳۸۱-۱۳۸۲-۱۳۸۳-۱۳۸۴-۱۳۸۵-۱۳۸۶-۱۳۸۷-۱۳۸۸-۱۳۸۹-۱۳۹۰-۱۳۹۱-۱۳۹۲-۱۳۹۳-۱۳۹۴-۱۳۹۵-۱۳۹۶-۱۳۹۷-۱۳۹۸-۱۳۹۹-۱۴۰۰-۱۴۰۱-۱۴۰۲-۱۴۰۳-۱۴۰۴-۱۴۰۵-۱۴۰۶-۱۴۰۷-۱۴۰۸-۱۴۰۹-۱۴۱۰-۱۴۱۱-۱۴۱۲-۱۴۱۳-۱۴۱۴-۱۴۱۵-۱۴۱۶-۱۴۱۷-۱۴۱۸-۱۴۱۹-۱۴۲۰-۱۴۲۱-۱۴۲۲-۱۴۲۳-۱۴۲۴-۱۴۲۵-۱۴۲۶-۱۴۲۷-۱۴۲۸-۱۴۲۹-۱۴۳۰-۱۴۳۱-۱۴۳۲-۱۴۳۳-۱۴۳۴-۱۴۳۵-۱۴۳۶-۱۴۳۷-۱۴۳۸-۱۴۳۹-۱۴۴۰-۱۴۴۱-۱۴۴۲-۱۴۴۳-۱۴۴۴-۱۴۴۵-۱۴۴۶-۱۴۴۷-۱۴۴۸-۱۴۴۹-۱۴۵۰-۱۴۵۱-۱۴۵۲-۱۴۵۳-۱۴۵۴-۱۴۵۵-۱۴۵۶-۱۴۵۷-۱۴۵۸-۱۴۵۹-۱۴۶۰-۱۴۶۱-۱۴۶۲-۱۴۶۳-۱۴۶۴-۱۴۶۵-۱۴۶۶-۱۴۶۷-۱۴۶۸-۱۴۶۹-۱۴۷۰-۱۴۷۱-۱۴۷۲-۱۴۷۳-۱۴۷۴-۱۴۷۵-۱۴۷۶-۱۴۷۷-۱۴۷۸-۱۴۷۹-۱۴۸۰-۱۴۸۱-۱۴۸۲-۱۴۸۳-۱۴۸۴-۱۴۸۵-۱۴۸۶-۱۴۸۷-۱۴۸۸-۱۴۸۹-۱۴۹۰-۱۴۹۱-۱۴۹۲-۱۴۹۳-۱۴۹۴-۱۴۹۵-۱۴۹۶-۱۴۹۷-۱۴۹۸-۱۴۹۹-۱۵۰۰-۱۵۰۱-۱۵۰۲-۱۵۰۳-۱۵۰۴-۱۵۰۵-۱۵۰۶-۱۵۰۷-۱۵۰۸-۱۵۰۹-۱۵۱۰-۱۵۱۱-۱۵۱۲-۱۵۱۳-۱۵۱۴-۱۵۱۵-۱۵۱۶-۱۵۱۷-۱۵۱۸-۱۵۱۹-۱۵۲۰-۱۵۲۱-۱۵۲۲-۱۵۲۳-۱۵۲۴-۱۵۲۵-۱۵۲۶-۱۵۲۷-۱۵۲۸-۱۵۲۹-۱۵۳۰-۱۵۳۱-۱۵۳۲-۱۵۳۳-۱۵۳۴-۱۵۳۵-۱۵۳۶-۱۵۳۷-۱۵۳۸-۱۵۳۹-۱۵۴۰-۱۵۴۱-۱۵۴۲-۱۵۴۳-۱۵۴۴-۱۵۴۵-۱۵۴۶-۱۵۴۷-۱۵۴۸-۱۵۴۹-۱۵۵۰-۱۵۵۱-۱۵۵۲-۱۵۵۳-۱۵۵۴-۱۵۵۵-۱۵۵۶-۱۵۵۷-۱۵۵۸-۱۵۵۹-۱۵۶۰-۱۵۶۱-۱۵۶۲-۱۵۶۳-۱۵۶۴-۱۵۶۵-۱۵۶۶-۱۵۶۷-۱۵۶۸-۱۵۶۹-۱۵۷۰-۱۵۷۱-۱۵۷۲-۱۵۷۳-۱۵۷۴-۱۵۷۵-۱۵۷۶-۱۵۷۷-۱۵۷۸-۱۵۷۹-۱۵۸۰-۱۵۸۱-۱۵۸۲-۱۵۸۳-۱۵۸۴-۱۵۸۵-۱۵۸۶-۱۵۸۷-۱۵۸۸-۱۵۸۹-۱۵۹۰-۱۵۹۱-۱۵۹۲-۱۵۹۳-۱۵۹۴-۱۵۹۵-۱۵۹۶-۱۵۹۷-۱۵۹۸-۱۵۹

ترجمہ خطبہ غدیر کا ترجمہ

لوگو! قریب ہے کہ مجھے خدا کا بلاوا آجائے اور میں اس پر لبیک کہوں۔ اور مجھ سے بھی پوچھا جائے گا اور تم سے بھی پوچھا جائے گا۔ بتاؤ تم کیا جواب دو گے؟

لوگوں نے کہا: ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ نے تبلیغ کی اور خیر خواہی کی خدا آپ کو جزائے خیر عطا فرمائے آپ نے فرمایا: کیا تم یہ گواہی نہیں دیتے کہ اللہ کے علاوہ کوئی معبود نہیں اور یہ کہ محمد اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں اور جنت حق ہے اور دوزخ حق ہے؟

لوگوں نے کہا: جی ہاں، ہم یہ گواہی دیتے ہیں۔ رسول خدا نے کہا: خدایا! گواہ رہنا۔

پھر آپ نے فرمایا: کیا تم سن نہیں رہے؟

لوگوں نے کہا: کیوں نہیں، ہم سن رہے ہیں۔

آپ نے فرمایا: لوگو! میں تم سے پہلے روانہ ہو جاؤں گا اور تم میرے پاس حوض پر آؤ گے۔ میرے حوض کا عرض بصریٰ سے صفاء تک کے برابر ہوگا۔ اس میں تاروں کی تعداد کے برابر چاندی کے پیالے ہوں گے اور میں تم سے دو گراں قدر چیزوں کے متعلق سوال کروں گا تم دیکھو کہ تم ان دو چیزوں کے متعلق مجھ سے کیا سلوک کرتے ہو؟

ایک منادی نے ندا دے کر کہا:

(۱) رسول اللہ! دو گراں قدر چیزیں کیا ہیں؟

آپ نے فرمایا: اللہ کی کتاب کا ایک سرا تمہارے ہاتھوں میں ہے اور دوسرا حصہ اللہ کے ہاتھ میں ہے تم اس سے تمسک کرو اور تم گمراہ نہ ہو گے اور تم میں

تبدیلی نہیں آئے گی۔ اور دوسری چیز میری عترت اہل بیت ہے۔ لطیف و خبیر خدا نے مجھے خبر دی ہے کہ وہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ وہ حوض پر میرے پاس وارد ہو جائیں۔ میں نے اپنے رب سے اس چیز کا سوال کیا ہے تم ان دونوں سے آگے نہ بڑھو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور ان سے پیچھے نہ رہو ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے اور ان دونوں کو تعلیٰ م نہ دو تم سے زیادہ علم رکھتے ہیں۔

پھر آپ نے فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں تمام مومنین پر ان کی جانوں سے زیادہ حق تصرف رکھتا ہوں؟

لوگوں نے کہا: جی ہاں، یا رسول اللہ!

آپ نے فرمایا: کیا تم نہیں جانتے یا تم یہ گواہی نہیں دیتے کہ میں ہر مومن کی بہ نسبت اس کی جان پر زیادہ تصرف رکھتا ہوں؟

پھر آپ نے حضرت علیؑ کے بازو سے پکڑ کر اسے بلند کیا یہاں تک کہ بغلوں کی سفیدی دکھائی دینے لگی پھر آپ نے فرمایا:

لوگو! اللہ میرا مولا ہے اور میں تمہارا مولا ہوں پس جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ مولا ہے۔ خدایا اس سے دوستی رکھ جو علیؑ سے دوستی رکھے اور اس سے دشمنی رکھ جو علیؑ سے دشمنی رکھے اور اس کی مدد کر جو علیؑ کی مدد کرے اور اسے چھوڑ دے جو علیؑ کو چھوڑ دے اور اس سے محبت رکھ جو علیؑ سے محبت رکھے اور اس سے بغض رکھ جو علیؑ سے بغض رکھے۔

پھر آپ نے فرمایا: خدایا! گواہ رہنا۔

ابھی تک رسولؐ خدا اور علیؑ جدا نہیں ہوئے تھے کہ اللہ نے یہ آیت نازل

فرمائی۔

”آج میں نے تمہارے لئے تمہارے دین کو مکمل کر دیا اور میں نے تم پر

اپنی نعمت پوری کر دی اور تمہارے لئے دین اسلام کو پسند کیا“
رسولؐ خدا نے فرمایا: میں تکمیل دین اور اتمام نعمت اور خدا کی طرف سے
میری رسالت اور علیؑ کی ولایت پر رضا مندی کی وجہ سے خدا کی بزرگی بیان کرتا
ہوں۔

تاریخ یعقوبی میں ایک باب کا عنوان ہے ”مدینہ میں نازل ہوئے والی
آیات“ اور اس باب میں یعقوبی رقم طراز ہیں:

ان اخر ما نزل علیہ (اليوم اكملت . . .) وهى الرواية
الصحيحة الثابتة وكان نزولها يوم النص علي أمير
المؤمنين علي بن ابي طالب. صلوات الله على ه.

بغدير خم

”رسول خدا پر سب سے آخر میں (اليوم اكملت لكم) کی آیت نازل ہوئی
اور یہی صحیح اور پائیدار روایت ہے۔ اور یہ آیت آنحضرت پر اس وقت نازل ہوئی جب
آپ نے امیر المؤمنین علیؑ بن ابی طالب کے متعلق غدیر خم میں نص فرمائی تھی۔ (۱)
اس اعلان کے بعد حضرت عمر بن خطاب علیؑ ہ السلام سے ملے اور
انہیں مبارک دیتے ہوئے کہا:

ھینثا لک یا ابن ابی طالب، اصبحت واسیت مولیٰ کل

مؤمن و مؤمنة. (۲)

”اے فرزند ابو طالب! تمہیں مبارک ہو تم میرے اور ہر مومن مرد اور
مومن عورت کے مولا (آقا) بن گئے“

ایک اور روایت میں حضرت عمر کے یہ الفاظ وارد ہیں:

بِخ لک یا ابن ابی طالب۔

اے فرزند ابو طالب! تجھے مبارک ہو۔

(تاریخ یعقوبی ۲/۳۳۲-۳۲۱ مسند احمد ۴/۲۸۱-تاریخ ابن کثیر ۵/۲۱۰ ج شواہد المتقرین ۱/۱۵۷-۱۵۸)

حضرت علیؑ کی تاج پوشی

رسول اکرم کے ایک عمامہ کا نام ”سحاب“ تھا۔ آپ نے وہی عمامہ حضرت علیؑ کو بندھایا۔ (۱)

اس عمامہ کا رنگ سیاہ تھا (۲) اور آپؐ اسے مخصوص مواقع پر باندھا کرتے اور آپؐ نے فتح مکہ کے دن بھی وہی عمامہ زیب سر کیا تھا۔ (۳)

علماء نے حضرت علیؑ کی دستار بندی کا واقعہ ان الفاظ میں بیان کیا:
عبدالاعلیٰ بن عدی البھرائی نے بیان کیا:

دعا رسول اللہ علیؑ ا یوم غدیر خم فعممه وارخی عذبة
العمامة من خلفه . (۴)

حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

عممنی رسول اللہ یوم غدیر خم بعمامة سوداء
طرعنها علیؑ منکبى . ۵

”رسول خدا نے غدیر خم کے دن علیؑ کو بلایا اور انہیں دستار بندھائی اور
عمامہ کا پلو ان کے پیچھے لٹکایا۔“

”رسول خدا نے غدیر خم کے دن میری دستار بندی ایک سیاہ عمامہ کے
ساتھ فرمائی تھی۔ جس کا پلو میرے کندھے پر تھا“

۱۔ اس عمامہ کا رنگ عبداللہ بن بشر اور حضرت علیؑ کی روایت میں بیان کیا ہے جو کہ ابھی
ذکر کی جائیں گی۔ صحیح مسلم کتاب الحج حدیث ۴۵۱-۴۵۲۔ سنن ابی داؤد ۴/۳۵۳-۳۵۴ بابانی

ایمانم مترجم الموادہب ۱۰۶ بحوالہ معقہ الصحابہ ابو نعیم لریاض النفرة ۲/۲۸۹۔ اسد القابہ ۳/۱۱۴

۲۔ الاصابہ در حالات عبداللہ بن بشر ۲/۴۳۲ بحوالہ بخدی

۳۔ باب فی العمام شرح الموادہب ۱۰۷ بحوالہ معرفۃ الصحابہ ابو نعیم۔

مسند طرابلسی اور سنن بیہقی میں حضرت علیؑ سے یہ الفاظ منقول ہیں:
عممنی رسول اللہ یوم غدیر خم بعمامة سدلھا خلفی
ثم قال: ان اللہ عزوجل امدنی یوم بدر وحنین یعمنون
هذا العمة... و اقال

(زادالماد ابن قیم بر حاشیہ موجاہب الدینیہ ۱/۱۴۱)

ان العمامة حاجزة بين المسلمين و المشركين

(کنز العمال ۲۰/۴۵- مسند طرابلسی ۲۳۱/۲۳۱ بیہقی ۱۴۱۰)

رسول خدا نے غدیر خم کے دن مجھے دستار بندھائی جس کا سرا میرے پیچھے لٹکایا پھر آپؐ نے فرمایا: اللہ تعالیٰ نے جنگ بدر و حنین میں جن فرشتوں کے ذریعہ سے میری مدد فرمائی تھی وہ بھی اسی طرح کے عمائمے باندھے ہوئے تھے۔۔۔ آپؐ نے فرمایا عمائمہ مشرکین و مسلمین کی پہچان کے لئے حد فاصل ہے۔“
حضرت علیؑ سے منقول ہے۔

ان النبی عممه بیده فذنب العمامة من ورائه ومن بین
یدیه ثم قال له النبی ” ا (دبر) “ نادبر ثم قال له ” اقبل “
فاقبل. و اقبل علیؑ اصحابه فقال النبی هکذا کذا تکون
یتجان الملائكة

”رسول خدا نے اپنے ہاتھ سے ان کی دستار بندی کی تھی اور عمائمہ کا ایک سرا پیچھے اور ایک سرا آگے پھیلا دیا تھا۔ پھر نبی کریم نے ان سے کہا۔ ”پشت میری طرف کرو“ انہوں نے پشت کی۔ پھر رسول خدا نے فرمایا: ”ادھر رخ کرو“ انہوں نے اس طرف رخ کیا۔ پھر علیؑ اپنے دوستوں کی طرف آئے تو نبی کریم نے فرمایا: ملائکہ کے تاج ایسے ہی ہوتے ہیں“

ابن عباس کا بیان ہے:

لماعم رسول اللہ علیؑ بالسحاب قال له: یا علیؑ

العمائم تیجان العرب. (کنز العمال عن الدیلمی)
 ”جب رسول خدا نے حضرت علیؑ کی عمامہ سحاب سے دستار بندی فرمائی تو

ارشاد فرمایا:

علیؑ ”عمامے عرب کا تاج ہیں۔“

عبداللہ بن بشر کا بیان ہے:

بعث رسول اللہ (ص) یوم غدیر خم الی علیؑ فعممه واسد
 العمامة بین کتفیه وقال: وهکذا امدنی ربی یوم حنین با لملائکة معممین
 وقد اسد لواء العمائم وذلک حجز بین المسلمین و المشرکین. (۱)
 ”رسول خدا نے غدیر خم کے دن علیؑ کو بلایا اور ان کی دستار بندی کی اور
 ان کے کندھوں پر عمامہ کا سرا پھیلا دیا اور فرمایا جنگ حنین میں اللہ تعالیٰ نے جن
 فرشتوں کو میری امداد کے لیے روانہ کیا تھا انہوں نے بھی اسی طرح سے عمامے پھیلا
 رکھے تھے۔ اور یہ مسلمین و مشرکین میں امتیازی علامت تھی۔“

واقعہ غدیر کی گواہ

حضرت علیؑ ہ السلام نے اپنے زمانہ خلافت میں لوگوں کو مسجد کوفہ کے

صحن میں جمع کیا۔ (تاریخ ابن کثیر ۵/۳۱۱)

پھر ان سے فرمایا:

میں ہر اس مسلمان ک خدا کا واسطہ دیتا ہوں جس نے رسول خدا سے
 غدیر خم کی گفتگو سنی ہو تو وہ کھڑا ہو کر گواہی دے اور صرف وہی کھڑا ہو کر گواہی دے
 جس نے وہ منظر دیکھا ہو۔

۱ یہ الفاظ ابن طاووس نے امان الاخطار میں تحریر کیئے اور یہی روایت الاصابہ ۲/۲۷۴ پر

بھی عبداللہ بن بشر کے حالات میں مذکور ہے اور اس میں غدیر خم کے الفاظ نہیں ہیں۔

یہ سن کرتیں (۳۰) شخص کھڑے ہوئے ایک اور روایت کے مطابق بہت سے افراد کھڑے ہوئے۔ (مسند احمد ۴/۳۷۰، ابن کثیر ۵/۲۱۱)

عبدالرحمن کی روایت ہے کہ بارہ بدری صحابی کھڑے ہوئے اور مجھے آج بھی محسوس ہوتا ہے کہ میں انہیں دیکھ رہا ہوں۔ سب نے کھڑے ہو کر یہ گواہی دی کہ رسول خدا نے غدیر خم میں فرمایا تھا:

(اتعلمون انی اولی بالمؤمنین من انفسہم)

”کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں تمام مؤمنین کی جانوں پر ان سے بھی زیادہ حق تصرف رکھتا ہوں؟“

سب نے کہا تھا۔ جی ہاں، یا رسول اللہ!

پھر رسول خدا نے آپ کا بازو پکڑ کر فرمایا تھا:

من كنت مولاه فهذا علي مولاه اللهم وال من والاه و
عاد من عاداه وانصر من نصره و اخذل من خذله.

”جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ مولا ہے، خدایا جو اس سے دوستی رکھے

تو بھی اس سے دوستی رکھ اور جو اس سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ اور جو اسی کی مدد کرے تو بھی اس کی مدد کر اور جو اسے چھوڑ دے تو بھی اسے چھوڑ دے“

عبدالرحمن نے کہا کہ تین اشخاص نے گواہی نہیں دی تھی۔ حضرت علیؑ نے

انہیں بددعا دی اور ان پر بددعا کا اثر ہوا۔

ابو الطفیل نے کہا: میں وہاں سے نکلا تو میرے دل میں کچھ شک تھا۔ میں

زید بن ارقم سے ملا اور اس سے کہا۔ آج میں نے علیؑ کو یہ کہتے ہوئے سنا۔ زید بن ارقم

نے کہا۔ اس میں تعجب کی کیا بات ہے میں نے یہ بات خود رسول خدا سے سنی تھی۔ (۱)

(۱) (مسند احمد ۱۱۸/۳۷۰، تاریخ ابن کثیر ۵/۲۱۱-۲۱۲، مجمع الزوائد ۹/۱۰۵، ابرایش المصغر ۲/۲۰، ابن کثیر ۵/۲۱۲)

ایک اور روایت میں مروی ہے:

انصار کا ایک گروہ مقام رجبہ میں حضرت علیؑ کے پاس آیا اور انہوں نے آپ کو اپنا آقا کہہ کر سلام کیا۔

حضرت نے فرمایا: میں تمہارا آقا کیسے ہو سکتا ہوں جب کہ تم تو عرب ہو۔ انہوں نے کہا: ہم نے رسولؐ خدا کو یہ کہتے ہوئے سنا: من كنت مولاً ۞ فان هذا مولاً۔ ”جس کا میں مولاً ہوں اس کا علیؑ مولاً و آقا ہے۔“

راوی کہتا ہے کہ ان کے چلے جانے کے بعد میں ان کے پیچھے چلا اور میں نے پوچھا کہ یہ کون ہیں؟

مجھے بتایا گیا کہ یہ انصار کا گروہ ہے اور ان میں ابو ایوب انصاری بھی موجود ہیں، ایک اور روایت میں ہے کہ حضرت نے ان سے پوچھا کہ تم کون لوگ ہو؟ انہوں نے کہا: امیر المؤمنین ہم آپ کے غلاموں میں سے ہیں۔

وصی موسیٰ اور وصی مصطفیٰ میں مشابہت

تورات کے باب گنتی کے ستائیسویں باب کی آیت میں یہ الفاظ مذکور ہیں: موسیٰؑ نے خداوند سے کہا کہ ۞ خداوند سارے بشر کی روحوں کا خدا کسی آدمی کو اس جماعت پر مقرر کرے ۞ جس کی آمد و رفت ان کے روبرو ہو اور وہ ان کو باہر لے جانے اور اندر لے آنے میں ان کا راہبر ہوتا کہ خداوند کی جماعت ان بھیڑوں کی مانند نہ رہے جن کا کوئی چرواہا نہیں ۞

خداوند نے موسیٰؑ سے کہا کہ تو نون کے بیٹے یثوع کو لے کر اس پر اپنا ہاتھ رکھ کیونکہ اس شخص میں روح ہے ۞ اور اسے الیجز رکابن اور ساری جماعت کے سامنے کھڑا کر کے ان کی آنکھوں کے سامنے وصیت کر ۞ اور اسے اپنے رعب و دبدبہ سے بہرہ ور کر دے تاکہ بنی اسرائیل کی ساری جماعت اس کی فرماں برداری

کرے ۵۔۔۔ الی آخرہ

حضرت موسیٰ کی طرح اللہ تعالیٰ نے اپنے خاتم الانبیاء کی طرف حضرت علیؑ کے متعلق یہ حکم نازل کیا: يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ۔ (المائدہ۔ آیت: ۶)

”اے رسول! اس امر کی تبلیغ کر جو تیرے رب کی طرف سے تجھ پر نازل کیا گیا اور اگر تو نے یہ کام نہ کیا تو تو نے اللہ کی رسالت کی تبلیغ ہی نہیں کی، اللہ تجھے لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا بے شک اللہ کا فر لوگوں کو ہدایت نہیں کرتا۔“

حضرت موسیٰ کی طرح سے رسول کریم نے بھی غدیر خم میں ایک عظیم الشان جلسہ منعقد کیا اور جب تمام قافلے جمع ہو گئے تو آپ نے ان کے سامنے عظیم الشان خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

کیا تمہیں معلوم نہیں کہ میں تمام مومنین کا حاکم ہوں؟ سب نے جواب دیا جی ہاں آپ ہمارے آقا و مولا ہیں۔

اس وقت رسول خدا نے حضرت موسیٰ کی طرح حضرت علیؑ کو اپنی ہیبت سے بہرہ ور کیا اور ان کا بازو پکڑ کر تمام مجمع کو دکھا کر اعلان کیا:

من كنت مولاه فهذا علي مولا ۵ اللهم وال من والاه
وعاد من عاداه.

”جس کا میں مولا ہوں اس کا یہ علیؑ مولا ہے، خدایا! جو علیؑ سے دوستی رکھے تو بھی اس سے دوستی رکھ اور جو علیؑ سے دشمنی رکھے تو بھی اس سے دشمنی رکھ۔“

یہاں تک سنت نبوی کی چند نصوص آپ نے مطالعہ فرمائیں اور اب ہم کتاب اللہ سے امامت اہل بیت کا استدلال پیش کریں گے۔

ولایت اور اولی الامر بزبان قرآن

(۱۔) نص جلی بر ولایت علیؑ

سابقہ صفحات میں احادیث پیغمبر سے یہ ثابت کیا گیا کہ رسول خدا کے بعد

حضرت علیؑ ہی جماعت مومنین کے سربراہ اور ان کے ہادی ہیں۔ اور یہی بات قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے ان الفاظ سے بیان فرمائی ہے:

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ
الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزَّكَاةَ وَهُمْ رَاكِعُونَ. (المائدہ : ۵۵)

”اے ایمان والو! بس تمہارا ولی اللہ ہے اور اس کا رسول اور وہ صاحبان ایمان جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔“

تفسیر طبری، اسباب النزول واحدی، شواہد التنزیل حکمانی اور انسب الاشراف بلاذری کی روایات کا خلاصہ ہے (۱)

ابن عباس، ابوذر، انس بن مالک اور حضرت علیؑ سے مروی ہے:

ایک مفلس مسلمان مسجد نبوی میں خیرات لینے کے لئے آیا اور اس نے خیرات کے لئے صدادی اس وقت حضرت علیؑ نماز نوافل میں مصروف تھے اور آپ حالت رکوع میں تھے سائل کی صدانے آپ کے دل پر اثر کیا اور آپ نے بائیں ہاتھ سے سائل کو آنے کا اشارہ کیا اور اپنی انگلی کی انگشتی کی طرف اشارہ کیا۔ اس وقت آپ کے ہاتھ میں سرخ حقیق یمنی کی انگشتی موجود تھی جسے آپ نماز میں پہنا کرتے تھے۔

سائل نے آپ کا اشارہ سمجھ کر وہ انگشتی آپ کی انگلی سے اتار لی اور آپ کو دعائیں دیتا ہوا رخصت ہو گیا۔ ابھی وہ سائل مسجد سے باہر نہیں نکلا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے (انما ولیکم اللہ۔۔۔) کی آیت نازل فرمائی۔

۱۔ تفسیر طبری ۶ / ۱۸۶۔ اسباب النزول واحدی ص ۱۳۳، ۱۳۴۔ شواہد التنزیل ۱ / ۱۶۱، ۱۶۲ میں ابن عباس سے اسی مفہوم کی پانچ روایات مذکور ہیں اور ص ۱۶۵، ۱۶۶ پر انس بن مالک سے دو روایات مروی ہیں اور ص ۱۶۷، ۱۶۹ پر اسی سلسلہ کی مزید چھ روایات منقول ہیں۔ انسب الاشراف بلاذری ج ۱۵۱ درحالات حضرت علیؑ اور رقبہ ۲۲۵۔ غرائب القرآن نیشاپوری بر حاشیہ طبری ۶ / ۱۶۷، ۱۶۸۔ سیوطی نے تفسیر درمنثور ۲ / ۲۹۳-۲۹۴ میں اس سلسلہ کی بہت سی روایات نقل کی ہیں۔ لباب النقول فی اسباب النزول ص ۹۰، ۹۱ میں بہت سی روایات کے بعد یہ الفاظ مذکور ہیں (مخعدہ شواہد یعوی بعضها بعضا) یہ شواہد ایک دوسرے کو تقویت دیتے ہیں۔

حسان بن ثابت نے آپ کی مدح میں یہ شعر کہے ۔

اباحسن تفديك نفسى ومهجتى وكل بطنى فى الهدى و مسارع
فانت الذى اعطيت اذ انت راع فدتك نفوس القوم ياخير راع
فانزل فيك الله خير ولاية فاثبتها فى محكمات الشرائع
”اے ابوالحسن: تجھ پر ہماری روح و جان قربان ہو اور تجھ پر ہدایت میں

جلدی کرنے والا اور دیر کرنے والا ہر فرد قربان ہو۔ آپ نے حالت رکوع میں زکوٰۃ
دی۔ اے بہترین رکوع کرنے والا! تمام لوگوں کی جانیں آپ پر نثار ہوں۔ اللہ نے
آپ کے حق میں ولایت کی آیت نازل فرمائی اور اسے محکمات شرائع میں ثبت فرمایا۔“

دلالت آیت پر اعتراض

بعض افراد یہ اعتراض کرتے ہیں کہ آیت مجیدہ میں (الذین آمنوا الذین
يقيمون الصلاة و يؤتون الزكوة وهم راعون) کے الفاظ جمع ہیں۔ اس سے
اکیلے امیر المؤمنین کو مراد کیسے لیا جاسکتا ہے؟

اس سوال کے جواب میں ہم یہ عرض کریں گے کہ واحد سے جمع مراد لینا
درست نہیں ہے لیکن جمع سے واحد مراد لینا عربی زبان اور بالخصوص قرآن مجید میں
راجح ہے اور قرآن پاک میں اس کی بہت سی مثالیں موجود ہیں۔ اس کے لئے سورہ
منافقین کی ان آیات کو بطور استشہاد پیش کیا جاسکتا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ . اِذَا جَآئَكَ الْمُنَافِقُوْنَ قَالُوْا
نَشْهَدُ اِنَّكَ لِرَسُوْلٍ اللّٰهِ وَ اللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ لِرَسُوْلُهُ وَ اللّٰهُ
يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَكَآ ذِبُوْنَ وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ
تَعَالَوْا يَسْتَغْفِرْ لَكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ لَوَّوْا رُوْءُ سُهُمْ وَ رَاَيْتَهُمْ
يَصُدُّوْنَ وَ هُمْ مُسْتَكْبِرُوْنَ هُمْ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ لَا
تَنْفِقُوْا عَلٰی مَنْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ حَتّٰی یَنْفَضُّوْا وَ لِلّٰهِ خَزَاۤئِنُ
السَّمٰوٰتِ وَ الْاَرْضِ وَ لٰكِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ لَا یَنْفِقُوْنَ . یَقُوْلُوْنَ
لَیْن رَّجَعْنَا اِلَى الْمَدِیْنَةِ لَنُخْرِجَنَّ اِلَیْهَا الْاَدْلَ وَ اللّٰهُ

الْعِزَّةُ وَلِرَسُولِهِ وَلِلْمُؤْمِنِينَ وَلَكِنَّ الْمُنَافِقِينَ لَا يَعْلَمُونَ

(المنافقون ۱-۸)

”بنام خدائے رحمان و رحیم۔ جب منافق آپ کے پاس آتے ہیں تو کہتے ہیں کہ ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ اللہ کے رسول ہیں اور اللہ بھی جانتا ہے کہ آپ اس کے رسول ہیں لیکن اللہ گواہی دیتا ہے کہ منافق جھوٹے ہیں۔۔۔۔ جب ان سے کہا جاتا ہے کہ آؤ رسول اللہ تمہارے حق میں استغفار کریں گے تو وہ سر پھیر لیتے ہیں اور تم انہیں دیکھو گے کہ وہ تکبر کرتے ہوئے منہ موڑ لیتے ہیں۔۔۔۔ یہی وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ رسول اللہ کے ساتھیوں پر کچھ خرچ نہ کرو تاکہ یہ لوگ منتشر ہو جائیں۔ حالانکہ آسمان و زمین کے سارے خزانے اللہ ہی کے لئے ہیں اور منافقین اس بات کو نہیں سمجھتے۔ یہ لوگ کہتے ہیں کہ اگر ہم مدینہ واپس آگئے تو ہم صاحبان عزت ان ذلیل افراد کو نکال باہر کریں گے حالانکہ ساری عزت اللہ، رسول اور صاحبان ایمان کے لئے ہے اور منافقین یہ بات نہیں جانتے“

ان آیات کے متعلق طبری اپنی تفسیر میں رقم طراز ہیں:

انما عنی بہذہ الآیات، کلہا عبد اللہ بن ابی سلول

وانزل اللہ فیہ ہذہ السورۃ من اولہا الی آخرہا. (۷)

”یہ تمام آیات عبد اللہ بن ابی سلول کے متعلق نازل ہوئیں اور یہ پورے

کا پورا سورہ اس کے متعلق نازل ہوا۔“ (تفسیر طبری ۲۸، ۲۷۰)

سیوطی نے ابن عباس سے نقل کیا ہے:

وکل شئی انزلہ المنافقین . فی ہذہ السورۃ . فانما اراد

عبد اللہ بن ابی . (تفسیر درمنثور سیوطی ۶، ۲۲۳)

”اس سورت میں اللہ تعالیٰ نے منافقین کے متعلق جتنی بھی آیات نازل

فرمائیں اس سے مراد عبد اللہ بن ابی ہے۔“

سورہ منافقین کا شان نزول بیان کرتے ہوئے اہل سیرت و مفسرین نے

یہ واقعہ نقل کیا جس کا حاصل یہ ہے:

حجاء غفاری نامی ایک شخص حضرت عمر کا ملازم تھا۔ غزوہ بنی مصلح کے بعد وہ پانی بھرنے گیا تو وہاں بنی خزرج کے ایک حلیف سان جہنی کے ساتھ اس کا جھگڑا ہو گیا۔ جس پر جہنی نے ”یا معشر الانصار“ کہہ کر انصار کو اپنی مدد کے لئے پکارا اور حجاء غفاری نے ”یا معشر المهاجرین“ کہہ کر مہاجرین کو اپنی مدد کے لئے آواز دی۔

عبداللہ بن ابی کو اس بات سے سخت غصہ آیا اور اس وقت اس کے ساتھ اس کی قوم کے افراد موجود تھے جن میں زید بن ارقم بھی شامل تھا جو کہ اس وقت انتہائی کسن تھا۔

عبداللہ بن ابی نے کہا: کتنے افسوس کی بات ہے کہ یہ لوگ مہاجر بن کر ہمارے پاس آئے اور ہم نے اپنی پناہ دی اور ان کی ہر طرح سے مدد کی اور اب ہمارا اور ان کا معاملہ ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک مثال ہے ”سمن کلک یا کلک“ کتے کو پال کر موٹا تازہ کرو کہ وہ تمہیں کھالے۔“ خدا کی قسم! اگر ہم یہاں سے بخیریت مدینہ پہنچ گئے تو عزت والے ان ذلیل لوگوں کو نکال باہر کریں گے۔ پھر اس نے اپنی قوم سے کہا: یہ سب تمہارا اپنا کیا دھرا ہے۔ تم لوگوں نے انہیں اپنے ہاں پناہ دی اور انہیں اپنی دولت میں شریک کیا اور اگر تم نے ان سے ہاتھ روک لیا تو یہ لوگ یہاں سے خود بخود ہی چلے جائیں گے۔

زید بن ارقم نے اس کی تمام باتیں رسول خدا تک پہنچائیں۔ اس وقت رسول خدا کے ساتھ عمر بن خطاب بھی بیٹھے ہوئے تھے۔ حضرت عمر نے کہا: یا رسول اللہ! مجھے اجازت دیں میں اس منافق کی گردن اڑا دیتا ہوں۔

رسول خدا نے فرمایا: اگر تم نے ایسا کیا تو اس کی وجہ سے بہت سے لوگ حرکت میں آجائیں گے۔ حضرت عمر نے عرض کی: یا رسول اللہ! اگر آپ نہیں چاہتے کہ اسے کوئی مہاجر قتل کرے تو آپ سعد بن معاذ اور محمد بن سلمہ انصاری کو حکم دیں کہ وہ اس کو قتل کر دیں گے۔ رسول اکرم نے فرمایا۔ میں یہ نہیں چاہتا کہ لوگ یہ کہنے لگیں کہ محمد اپنے ہی اصحاب کو قتل کر رہا ہے۔

عبداللہ رسول خدا کے پاس آیا اور قسم کھا کر کہا کہ آپ کو جو کچھ بتایا گیا ہے وہ سب جھوٹ ہے۔ ایسی کوئی بات سرے سے ہوئی ہی نہیں۔
انصار نے زید بن ارقم کی خوب ملامت کی اور عبداللہ سے کہا۔ تمہارے لئے بہتری اسی میں ہے کہ تم رسول خدا کے پاس جا کر معذرت کرو اور ان سے استغفار کی درخواست کرو۔

عبداللہ نے گردن مروڑ کر جواب دیا:

تم نے مجھے ایمان لانے کے لئے کہا تو میں تمہارے کہنے پر ایمان لایا اور تم نے مجھے زکوٰۃ دینے کا حکم دیا تو میں نے تمہارے کہنے پر زکوٰۃ دی۔ اب بس محمدؐ کے سامنے سجدہ کرنا باقی رہ گیا ہے اس کی باتوں کے جواب میں اللہ نے سورہ منافقین کی مذکورہ آیات نازل فرمائیں اس تمام تر بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ سورہ منافقین کی ان آیات میں جمع کا صیغہ استعمال ہوا ہے جب کہ اس سے فرد واحد مراد ہے۔

قرآن مجید میں ایسی بہت سی آیات موجود ہیں جن میں صیغہ جمع کا استعمال ہوا اور اس سے فرد واحد مراد لیا گیا۔ ایسی بیسیوں آیات میں یہ آیات بھی شامل ہیں:

وَمِنْهُمْ الَّذِينَ (يُؤْذُونَ) النَّبِيَّ وَيَقُولُونَ هُوَ أُذُنٌ (التوبہ: ۶۱)

”اور ان میں وہ بھی ہیں جو نبی کو اذیت دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ یہ

تو ذرا کان ہیں۔ اذیت دینے والا ایک فرد تھا جب کہ صیغہ جمع کا ہے۔“

الَّذِينَ قَالَ لَهُمُ النَّاسُ إِنَّ النَّاسَ قَدْ جَمَعُوا لَكُمْ (آل عمران: آیت ۱۵۳)

”وہ لوگ جن سے لوگوں نے کہا تھا کہ لوگ تمہارے خلاف جمع ہو گئے ہیں۔“

اس آیت میں بات کہنے کی نسبت ایک گروہ کی طرف کی

گئی ہے جب کہ اس سے مراد بھی فرد واحد ہے۔

يَقُولُونَ هَلْ لَنَا مِنَ الْأَمْرِ مِنْ شَيْءٍ . . . (آل عمران: ۱۵۳)

”وہ کہتے ہیں کہ کیا اس معاملہ میں ہمیں بھی کوئی دخل حاصل ہے؟“

یہ الفاظ اگرچہ جمع کے ہیں لیکن یہاں بھی بات کرنے والا فرد واحد ہی تھا۔

اس بحث کا نتیجہ یہ ہے کہ بعض اوقات صیغہ جمع سے فرد واحد مراد ہوتا

ہے۔ اسی طرح سے آیت ولایت میں اگرچہ جمع کے صیغے استعمال ہوئے ہیں پھر بھی اس سے تبنا حضرت علیؑ علیہ السلام مراد ہیں۔

ب: اولی الامر: علیؑ اور ان کی اولاد

سابقہ روایات سے یہ ترشح ہوتا ہے کہ رسول خدا کے بعد حضرت علیؑ ہی مومنین کے آقا اور ان کے ولی امر تھے۔ قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا اطِيعُوا اللَّهَ وَاطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي
الْأَمْرِ مِنْكُمْ. (النساء: ۵۹)

”ایمان والو! اللہ کی اطاعت کرو اور رسولؐ اور جو تم میں صاحبان امر ہوں

ان کی اطاعت کرو۔“

اس آیت مجیدہ کی تفسیر کے لئے حسب ذیل احادیث ملاحظہ فرمائیں۔

الف: شواہد التزئیل میں حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ انہوں نے اس

آیت مجیدہ کے نزول کے بعد رسول خدا سے پوچھا کہ اولی الامر سے مراد کون ہیں؟

رسول خدا نے فرمایا: انت اولہم۔ ”تو ان کا پہلا فرد ہے۔“

ب۔ آیت (وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ) کے متعلق مجاہد نے کہا:

اس سے علیؑ بن ابی طالب مراد ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے حکم سے رسول خدا نے

انہیں مدینہ میں حاکم مقرر کیا۔ اور اللہ نے اپنے بندوں کو اس کی اطاعت کا حکم دیا

اور اس کی نافرمانی سے منع فرمایا:

ج۔ ابوبصیر نے امام محمد باقر علیہ السلام سے اس آیت کے متعلق

دریافت کیا تو آپ نے فرمایا: یہ آیت علیؑ بن ابی طالب کے متعلق نازل ہوئی۔

میں (راوی) نے کہا کہ لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے علی اور اس کے اہل بیت

کا نام قرآن میں کیوں نہیں لیا؟

امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

تم ان سے کہو کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید میں نماز قائم کرنے کا حکم دیا

لیکن یہ وضاحت نہیں کی کہ نماز کی تین رکعات ہیں یا چار رکعات ہیں۔ رسول خدا نے اپنے عمل سے اس کی تفسیر فرمائی۔ اسی طرح اللہ نے حج کا حکم نازل کیا لیکن سات مرتبہ طواف کا حکم نازل نہیں کیا۔ رسول خدا نے اپنے عمل سے اس کی وضاحت فرمائی۔ اور اللہ تعالیٰ نے (أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي الْأَمْرِ مِنْكُمْ) کی آیت علیؑ اور حسنؑ و حسینؑ کے لئے نازل فرمائی۔ رسول خدا نے لوگوں سے فرمایا:

واصيكم بكتاب الله و اهل بيتي انى سالت الله ان
لايفرق بينهما حتى يردا على الحوض فاعطاني
ذلك۔ (۱)

میں تمہیں اللہ کی کتاب اور اپنی اہل بیت کے متعلق وصیت کرتا ہوں۔ میں نے خدا سے درخواست کی کہ وہ انہیں ایک دوسرے سے جدا نہ کرے یہاں تک کہ دونوں میرے پاس حوض پر وارد ہو جائیں۔ اللہ تعالیٰ نے میری دعا قبول فرمائی۔ (مذکورہ تینوں روایات شواہد التنزیل ۱/ ۱۳۸-۱۵۰ پر مذکور ہیں)

ج۔ اہل بیت سفینہ نوح اور بابِ حطہ کی مثال ہیں

بہت سے صحابہ نے حضرت علیؑ، ابوذر، ابو سعید خدری اور ابن عباس اور انس بن مالک سے روایت کی کہ رسول خدا نے فرمایا:

مثل اهل بيتي كسفينة نوح من ركبها نجا ومن تخلف
عنها غرق

”میری اہل بیت کشتی نوح کی مانند ہیں جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو پیچھے رہ گیا وہ غرق ہو گیا۔“
بعض احادیث میں یہ الفاظ بھی موجود ہیں:

ومثل باب حطة في بني اسرائيل.

”میری اہل بیت کی مثال بنی اسرائیل کے بابِ حطہ جیسی ہے۔“

یہ حدیث حسب ذیل کتابوں میں موجود ہے:

ذخائر العقبیٰ محبت طبری ص ۲۰،

مستدرک حاکم ۲/۳۳۳، ۱۵۰/۳،

حلیۃ الاولیاء البوعینم ۳/۳۰۶،

تاریخ بغدادی خطیب ۱۲/۱۹،

مجمع الزوائد بیہقی ۹/۱۶۸“

درمنثور سیوطی در تفسیر (وادخلوا الباب سجدا و قولوا حطة نغفر لکم خطایاکم) تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۲۷۰ پر منصور کے حالات کے ضمن میں مرقوم ہے۔ مامون نے رشید سے، اس نے مہدی سے، اس نے منصور سے، اس نے اپنے باپ سے اس نے اپنے دادا سے، اس نے ابن عباس سے اس نے نبی کریم سے روایت کی آپ نے فرمایا:

مثل اهل بيتی کسفینة نوح من رکبها نجا ومن تخلف عنها هلك.

”میری اہل بیت کی مثال سفینہ نوح جیسی ہے جو اس پر سوار ہوا اس نے نجات پائی اور جو پیچھے رہ گیا وہ ہلاک ہو گیا۔“

یہ حدیث کنز العمال ۶/۱۵۳ - ۲۱۶ میں مذکور ہے اور ابن حجر نے اپنی کتاب صواعق المحرقہ کے ص ۷۵ پر اس حدیث کو دارقطنی، طبرانی، ابن جریر اور احمد بن حنبل کے حوالہ سے نقل کیا ہے۔

کتاب و سنت کی ان واضح ترین نصوص سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ خدا و رسول نے حضرت علیؑ کو مسلمانوں کا حاکم و آقا مقرر کیا اور بعد کے صفحات میں ہم ان نصوص قطعہ کو نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں جو دوسرے الفاظ سے وارد ہوئی ہیں۔

علیؑ اور ان کی اولاد رسول اکرمؐ کی طرف سے مبلغ ہیں
اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی متعدد آیات میں تبلیغ کو انبیاء کی کلیدی ذمہ

داری کے عنوان سے بیان کیا ہے۔

جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے۔

۱. مَا عَلَيَّ الرَّسُولُ إِلَّا الْبَلَاغُ. (المائدہ: ۹۹)

”رسول کی ذمہ داری صرف پیغام پہنچانا ہے۔“

۲. وَمَا عَلَيَّ الرَّسُولُ إِلَّا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ. (النور: ۵۴، عکبوت: ۱۸)

”اور رسول کی ذمہ واضح تبلیغ کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔“

۳. أَنْتُمْ عَلَيَّ رَسُولُنَا الْبَلَاغُ الْمُبِينُ. (المائدہ: ۹۲، التھان: ۱۲)

”رسول کی ذمہ داری صرف واضح پیغام پہنچانا دینا ہے۔“

اللہ تعالیٰ نے حضرت خاتم الانبیاء کا وظیفہ تبلیغ کو قرار دیا ہے جیسا کہ ارشاد

قدرت ہے۔

فَإِنَّمَا عَلَيْكَ الْبَلَاغُ. (آل عمران: ۲۰، النحل: ۳۵، الرعد: ۱۳)

آپ کی ذمہ داری صرف پیغام پہنچانا ہے۔

۲. إِنَّ عَلَيْكَ إِلَّا الْبَلَاغُ. (الشوری: ۲۸)

”آپ پر پیغام پہنچانے کے علاوہ اور کوئی ذمہ داری نہیں ہے۔“

تبلیغ کی بھی دو قسمیں ہیں۔ ۱۔ براہ راست تبلیغ۔ ۲۔ بالواسطہ تبلیغ۔ اور اس

کی وجہ یہ ہے کہ رسول نے دو طرح کے امور کی تبلیغ کرنی ہوتی ہے۔ ایسا امر جو فی

الواقع موجود ہو اور دوسرا ایسا امر جو ابھی تک منصفہ شہود پر نہ آیا ہو۔ مثلاً مسلمانوں

کے دو گروہوں کی باہمی جنگ اور اس میں امت اسلامیہ کی ذمہ داری۔ یا ایک ظالم

حکمران کے مد مقابل مسلمانوں کا طرز عمل۔ یقیناً یہ مسائل حبیب خدا کی زندگی میں

موجود نہیں تھے۔

اس مقام پر ہم یہ بھی واضح کرنا چاہتے ہیں کہ رسول جو کچھ پہنچاتا ہے اس

کی دو قسمیں ہیں:

۱۔ جس کے الفاظ و معانی خدا کی طرف سے نازل ہوئے ہوں اور اسے

اللہ کی کتاب کہا جاتا ہے اور کتاب خدا کو قرآن مجید کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

وَأَوْحَىٰ إِلَيْنَا هَٰذَا الْقُرْآنَ لِأُنذِرَكُمْ بِهِ وَمَنْ بَلَغَ. (الانعام: ۱۹)
 ”اور میری طرف اس قرآن کی وحی کی گئی ہے تاکہ اس کے ذریعہ میں تمہیں اور جہاں تک یہ پیغام پہنچے سب کو ڈراؤں۔“

(ب۔) ایسے مطالب جن کا مفہوم آپ پر نازل ہوا ہو مگر الفاظ نازل نہ ہوئے ہوں اور رسول خدا نے اس مفہوم کو اپنے الفاظ میں ادا کیا ہو۔ جیسا کہ آپ نے شریعت کے احکام کی تبلیغ فرمائی۔ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے:

شَرَعَ لَكُمْ مِنَ الدِّينِ مَا وَصَّىٰ بِهِ نُوحًا وَالَّذِي أَوْحَيْنَا
 إِلَيْكَ وَمَا وَصَّيْنَا بِهِ إِبْرَاهِيمَ وَمُوسَىٰ وَعِيسَىٰ أَنْ أَقِيمُوا
 الدِّينَ وَلَا تَتَفَرَّقُوا. (الشوری: ۱۳)

اس نے تمہارے لئے دین میں وہی راستہ مقرر کیا ہے جس نے نصیحت نوح کو کی ہے اور جس کی وحی پیغمبر تمہاری طرف بھی کی ہے اور جس کی نصیحت ابراہیم، موسیٰ اور عیسیٰ کو بھی ہے کہ دین کو قائم کرو اور اس میں تفرقہ پیدا نہ ہونے پائے۔“
 رسول خدا نے امت کو جو کچھ بھی بتایا خواہ اس کا تعلق نماز، احکام نماز سے ہو یا احکام روزہ سے ہو، ان کا تعلق عبادات سے ہو یا معاملات سے خواہ گزشتہ واقعات کی خبر ہو یا آئندہ حالات کی پیش گوئی ہو غرض یہ کہ آپ نے جس بھی چیز کی تبلیغ کی تو آپ پر اس کی وحی نازل ہوئی تھی البتہ وہ وحی الفاظ کے پیراہن کی بجائے مفہوم کی شکل میں نازل ہوتی تھی اور یوں آپ کا ہر فرمان وحی الہی کے زیر اثر تھا۔ جیسا کہ رب العزت نے فرمایا:

وَمَا يَنْطِقُ عَنِ الْهَوَىٰ إِنْ هُوَ إِلَّا وَحْيٌ يُوحَىٰ. (النجم: ۳)

”اور وہ اپنی خواہش سے کلام نہیں کرتا، اس کا کلام وہی وحی ہے جو مسلسل نازل ہوتی رہتی ہے۔“ اس طرح کی تبلیغ کو حدیث شریف کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ سابقہ آیات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسول کی مسئولیت تبلیغ ہے اور رسول کی صفت ممیزہ ہی تبلیغ ہے اور جب رسول کسی کے متعلق ”إِنَّهُ مِنِّي“

کے جملے کہہ دیں تو اس کا مفہوم صرف یہی ہوگا کہ میری طرح سے وہ بھی فریضہ تبلیغ میں شریک ہے۔ یہ بات ہم صرف عقیدت کے طور پر ہی نہیں کہتے بلکہ احادیث میں اس کی تشریح موجود ہے جیسا کہ سورہ برأت کے سلسلہ میں عملی طور پر رسول خدا نے دنیا کو بتایا کہ ان کی جگہ پر تبلیغ کا فریضہ صرف علی ہی ادا کر سکتے ہیں۔

آیاتِ برأت کی تبلیغ کا واقعہ

سورہ برأت کی ابتدائی آیات کی تبلیغ کا یہ واقعہ صحیح ترمذی، تفسیر طبری، خصائص نسائی اور مستدرک حاکم کے علاوہ اور بھی بیسیوں کتابوں میں مذکور ہے اور یہ واقعہ انس، ابن عباس، سعد بن ابی وقاص، عبداللہ بن عمر اور ابی سعید خدری، عمر بن میمون اور حضرت علی اور حضرت ابوبکر سے مروی ہے۔ (۱)

ہم یہاں مسند احمد کی روایت نقل کرتے ہیں جس کا خلاصہ یہ ہے:

دعا النبی ایابا کر فبعثہ لاهل مکة، لایحج بعد العام
مشرک ولا یطوف بالبيت عریان ولا یدخل الجنة الانفس
مسلمة ومن کان بینہ وبين رسول الله مدة فاجله الی مدته
والله بری من المشرکین ورسوله. قال: فسار بها ثلاثا ثم
قال لعلی: الحقہ فرد علی ابابکر وبلغها انت.
قال: ففعل. فلما قدم علی النبی ابوبکر بکی وقال: یا
رسول الله حدث فی شئی؟

قال: ما حدث فیک لاخیر وکنی امرت ان لا یبلغہ الا انا اور جل منی۔ (۲)

”رسول خدا نے حضرت ابوبکر کو بلایا اور اہل مکہ کے لئے سورہ برأت کی آیات ان کے سپرد کیں اور کہا کہ وہ حج کے مجمع میں اعلان کریں کہ اس سال کے بعد کوئی مشرک حج نہ کرے گا اور کوئی شخص ننگا ہو کر بیت اللہ کا طواف نہیں کرے گا اور

(۱) سنن ترمذی ۱۳/۱۶۲-۱۶۵۔ مسند احمد ۱/۱۵۱، ۳/۲۸۳۔ خصائص نسائی ص ۲۸، ۲۹۔ تفسیر

طبری ۳۶۱۰۔ مستدرک حاکم ۳/۵۲، ۵۱/۳۔ مجمع الزوائد ۲۹/۹، ۱۱۹/۹

(۲) مسند احمد ۱/۳۱، ۲۲۲ من مسند ابی بکر۔ احمد شاہر لکھتے ہیں اس کی اسناد صحیح ہیں کنز العمال،

کتاب التفسیر تفسیر سورہ برأت ۲/۲۶۷، ۲۷۰۔ ذخائر العقبی ص ۶۹

جنت میں صرف مسلمان ہی جائیں گے اور جس کا رسول خدا سے معاہدہ ہو تو وہ اس کو اس کی مدت تک مہلت حاصل ہوگی اور اللہ اور اس کا رسول مشرکین سے بیزار ہیں۔

راوی کا بیان ہے: حضرت ابو بکر وہ آیات لے روانہ ہوئے انہیں سفر کرتے تین دن گزرے تھے کہ آپ نے حضرت علی سے فرمایا: تم جا کر ابو بکر سے ملاقات کرو اور اسے میرے پاس واپس بھیج دو اور آیات کی تبلیغ تم جا کر کرو۔

راوی کہتا ہے کہ حضرت علی نے آپ کے فرمان پر عمل کیا۔ حضرت ابو بکر رسول خدا کے پاس واپس آئے اور رو پڑے اور کہا: یا رسول اللہ! کیا میرے متعلق کوئی نئی چیز پیش آئی ہے؟ آپ نے فرمایا: نہیں، تمہارے متعلق اچھائی کے علاوہ کوئی نئی چیز پیش نہیں آئی۔ بات یہ ہے کہ مجھے خدا کی طرف سے یہ حکم ہوا ہے کہ ان آیات کی تبلیغ یا تو میں خود کروں یا وہ شخص کرے جو مجھ سے ہو۔“

عبداللہ بن عمر کی روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں:

ولكن قيل لى: انه لا يبلغ عنك الا انت اور جل منك.
”لیکن مجھ سے یہ کہا گیا ہے کہ اپنی طرف سے آپ خود تبلیغ

کریں یا وہ مرد کرے جو آپ میں سے ہو۔“ (متدرک حاکم ۵۱/۳)

ابوسعید خدری کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

لا يبلغ عن غيرى اور جل منى

”میری طرف سے میرا غیر ان آیات کی تبلیغ نہیں کر سکتا یا وہ

مرد ان کی تبلیغ کر سکتا ہے جو مجھ سے ہو۔“

اس مقام کے حالیہ اور مقالہ قرآن سے معلوم ہوتا ہے کہ ان روایات میں جس تبلیغ کی گفتگو کی گئی اور ابتداء میں حکم الہی یا رسول خود پہنچا سکتے ہیں یا وہ شخص پہنچا سکتا ہے جو حضور کا حصہ ہو اور ان میں سے ہو اور ہاں جب رسول یا وہ شخص جو رسول سے مقام ”فسیت“ رکھتا ہو کسی مسئلہ کی تبلیغ کر لیں تو اس کے بعد باقی لوگوں کو بھی اس کی تبلیغ کی اجازت ہے اور رسول خدا نے ”لا يبلغ عنى غيرى اور جل منى“ کہہ کر یہ واضح فرمایا کہ کسی بھی حکم شرعی کی ابتدائی تبلیغ یا تو رسول کر سکتے ہیں یا وہ شخصیت کر سکتی ہے جو حضور کا جزو ہو اور ان میں سے ہو۔

اور اسی ”فسیت“ اور ”منى“ کو حدیث منزلت میں بھی بیان کیا گیا ہے

حضرت علیؑ نے عرض کیا: کیوں نہیں یا رسول اللہ! (یعنی میں اس پر راضی ہوں) رسول خدا نے فرمایا: تو معاملہ اسی طرح سے ہے۔ (۱)

لفظِ مَنِی سے کیا مراد ہے؟

حدیث منزلت میں لفظ ”مَنِی“ استعمال ہوا ہے اور رسول خدا نے فرمایا:
(انت منی بمنزلة هارون من موسى) تجھے مجھ سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے حاصل تھی۔

اس حدیث کے ذریعہ سے رسول خدا نے اپنی امت کو یہ پیغام دیا ہے کہ میرے بعد نبوت کا عہدہ نہیں ہوگا اسی لئے علیؑ نبی نہیں ہوں گے البتہ نبوت کے علاوہ حضرت ہارون کو جتنے بھی مناصب حاصل تھے وہ سب کے سب علیؑ کو حاصل ہوں گے۔
حضرت ہارون کو سب سے پہلا منصب یہ حاصل تھا کہ وہ تبلیغ احکام میں حضرت موسیٰ کے شریک تھے اسی طرح سے حضرت علیؑ بھی تبلیغ احکام میں رسول خدا کے ساتھ شریک ہیں۔

رسول خدا نے حجۃ الوداع کے موقعہ پر عرفات کے میدان میں ارشاد فرمایا:

(علیٰ منی وانا من علیؑ لا یؤدی عنی الا انا وعلیؑ) (۲)

”علیؑ مجھ سے ہے اور میں علیؑ سے ہوں میری طرف سے پیغام یا میں خود پہنچا سکتا ہوں یا علیؑ پہنچا سکتا ہے۔“

اس حدیث میں لفظ ”مَنِی“ سے حضور اکرمؐ نے یہ مسئلہ واضح فرمایا کہ خدائی احکام کی بلا واسطہ تبلیغ یا تو رسول خدا خود کر سکتے ہیں یا علیؑ کر سکتے ہیں۔ اس کے علاوہ حدیث بریدہ میں آنحضرتؐ کے یہ الفاظ مذکور ہیں:

(۱) طبقات ابن سعد ۴ رقی ۱۵۱۔ مجمع الزوائد شیخی ۹/ ۱۱۱۔ الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ

اس سے قبل ہم جانشینانِ پیغمبر کے باب میں اس حدیث کے بعض الفاظ پر بحث کر چکے ہیں۔

(۱) سنن ابن ماجہ کتاب المقدمہ، باب فضائل الصحابہ جلد اول ص ۹۲۔ سنن ترمذی، کتاب المناقب،

۱۳/ ۱۶۹ کنز العمال ۶/ ۱۵۳ طبع اول، مسند احمد ۴/ ۱۶۳۔ ۱۶۵ برذیت شیخی بن جنادہ باسناد متعددہ

لا تفتح في علي فانه مني
 ”خبردار علیؑ کو شکوہ نہ کرنا وہ مجھ سے ہے۔“
 عمران بن حصین کی روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:
 ان علیؑ منی
 ”بے شک علیؑ مجھ سے ہے۔“

مذکورہ تمام روایات کا مفہوم یہ ہے کہ حضرت علیؑ اور ان کی اولاد کے ائمہ احکام الہی کی براہ راست تبلیغ کے لئے رسول خدا کے ساتھ تبلیغ میں شریک ہیں۔ اور آنحضرت کے اس فرمان کا مقصد بھی یہی ہے کہ یہ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں۔ اس جیسی احادیث کا مقصد یہ ہے کہ ان کا قول ان کا نہیں بلکہ میرا قول ہے اور ان کی تبلیغ خود ان کی طرف سے نہیں بلکہ میری طرف سے ہے البتہ فرق یہ ہے کہ رسول خدا احکام الہی کو بذریعہ وحی حاصل کرتے تھے اور آئمہ اہل بیت رسول خدا سے براہ راست حاصل کرتے تھے۔

اللہ تعالیٰ نے ان ذوات قدسیہ کو شریک کار تبلیغ اس لئے قرار دیا کہ خدا کو ان کی امانت اور صداقت پر اعتماد تھا۔ اور اس اعتماد کی وجہ یہ تھی کہ اللہ نے انہیں خصوصی طہارت سے سرفراز کیا تھا اور ان کی طہارت کے لئے آیت تطہیر نازل فرمائی۔ رسول خدا نے اللہ سے براہ راست علم حاصل کیا اور حضرت علیؑ نے رسول خدا سے وہ علم حاصل کیا اور بعد ازاں آئمہ اہل بیت نے یکے بعد دیگرے اس علم کو حاصل کیا۔ جیسا کہ حسب ذیل روایات میں اس کی توضیح کی گئی ہے۔

علوم رسول کا حامل

فخر الدین رازی نے تفسیر کبیر اور متقی نے کنز العمال میں حضرت علیؑ کا یہ فرمان نقل کیا کہ آپ نے فرمایا:

علمنی رسول اللہ الف باب من العلم و تشعب لی من کل باب الف باب .

”رسول خدا نے مجھے علم کے ایک ہزار دروازوں کی تعلیم دی تھی

ہر دروازے سے علم کے ایک ہزار دروازے کھل گئے۔“

تفسیر طبری، طبقات ابن سعد، تہذیب التہذیب، کنز العمال اور فتح الباری میں حضرت علیؑ کی یہ تقریر مذکور ہے۔ چنانچہ فتح الباری کے الفاظ ملاحظہ فرمائیں: ابو الطفیل کا بیان ہے کہ میں نے علیؑ سے سنا وہ خطبہ میں کہہ رہے تھے:

” سلونی اللہ لاتسالونی عن شئی یكون الی یوم القیامة

الاحداثکم به و سلونی عن کتاب اللہ فواللہ ما من آية الا وانا

اعلم ابلیل نزلت ام بنهار ام فی سهل ام فی جبل (۱-ا)

(تفسیر کبیر در تفسیر (ان اللہ صغی ادم . . .) کنز العمال ۶/۳۹۲-۳۰۵)

”تم مجھ سے پوچھو خدا کی قسم قیامت تک کے حالات میں سے تم جس چیز کے متعلق بھی مجھ سے پوچھو گے تو میں بتا دوں گا تم مجھ سے کتاب اللہ کے متعلق پوچھو۔ خدا کی قسم میں ہر آیت کے متعلق جانتا ہوں کہ وہ رات کو اتری یا دن کو اتری، میدان میں اتری یا پہاڑ میں اتری۔“

یہی وجہ ہے کہ حضرت رسول کریمؐ نے حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا تھا:

جیسا کہ جابر بن عبد اللہ کی روایت ہے:

انا مدینة العلم وعلیٰ بابها فمن اراد المدینة فلیات بابها

”میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے جسے شہر میں آنے کا شوق

ہو تو وہ دروازے سے آئے۔“

اس حدیث کے متعلق امام حاکم مستدرک میں لکھتے ہیں:

هذا حدیث صحیح الاسناد: اس حدیث کے اسناد صحیح ہیں۔ (۲)

۱۔ تفسیر ابن جریر ۲۶/۱۱۶، طبقات ابن سعد ۲/۱۰۱، تہذیب التہذیب ۷/۳۳۷ فتح

الباری ۱۰/۲۲۱، حلیۃ الاولیاء ۱/۶۷، ۶۸ کنز العمال ۱/۲۲۸

(۲) مستدرک حاکم ۳/۱۲۶، اور ص ۱۴۷ میں یہی حدیث دوسری سند سے مروی ہے۔ تاریخ بغداد ۴/

۳۳۸، ۷/۱۷۲، ۱۱/۴۸، اور اسی کتاب کے ص ۳۹ پر یحییٰ بن معین سے منقول ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔

اسد الغابہ ۳/۲۲، مجمع الزوائد ۹/۱۱۳، تہذیب التہذیب ۶/۳۲۰، ۷/۴۲۷، متن فیض القدر ۳/۳۶۱۔

کنز العمال طبع دوم ۱۲/۲۰۱ حدیث ۱۱۳۰۔ الصواعق المحرقة ص ۷۳

دوسری حدیث میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

فمن اراد العلم فليأت بابها. (متدرک حاکم ۳/۱۲۷-۱۲۹)

”جسے علم کی ضرورت ہو تو وہ دروازے سے آئے“

ایک اور روایت میں ہے کہ میں نے حدیبیہ کے دن رسول خدا سے سنا اس وقت آپ نے علیؑ کا ہاتھ پکڑا ہوا تھا۔ آپ نے فرمایا:

هذا امير البررة وقاتل الفجرة منصور من نصره مخذول

من خذله. يمد بها صوتة. انا مدينة العلم و عليؑ بابها

فمن اراد البيت فليأت الباب

”یہ نیک لوگوں کا امیر اور فاجروں کا قاتل ہے اس کے مدد کرنے والے کی خدا کی طرف سے مدد کی جائے گی اور اسے بے یار و مددگار چھوڑنے والا خدا کی طرف سے بے یار و مددگار چھوڑ دیا جائے گا۔ آپ آواز بلند کر کے یہ فرما رہے تھے۔ میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے جسے گھر میں داخل ہونا مطلوب ہو تو وہ دروازے سے آئے۔“

ابن عباس کی روایت میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

انا مدينة العلم و عليؑ بابها فمن اراد المدينة فليأتها

بابها.

”میں علم کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے جسے شہر میں داخل ہونے کی خواہش ہو تو وہ اس کے دروازے سے آئے۔“

(کنز العمال طبع دوم ۱۲/۲۱۲ حدیث ۱۲۱۹۔ کنز الحقائق منادی)

یہ حدیث حضرت علیؑ کی زبانی ان الفاظ میں مروی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا:

انا دار العلم بابها

”میں علم کا گھر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے۔“

(الرياض الخيرة ۲/۱۹۳-۱۹۴ تاریخ بغداد خطیب ۱۱/۲۰۳)

ابن عباس سے مروی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا:

انا مدينة الحكمة وعلیٰ بابها فمن اراد الحكمة فلیات بابها
 ”میں حکمت کا شہر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے جسے حکمت کی ضرورت
 ہے وہ دروازے پر آئے۔“ (سنن الترمذی کتاب المناقب باب مناقب علیؑ بن ابی طالب)

حضرت علیؑ کی زبانی رسولؐ خدا سے یہ حدیث ان الفاظ میں منقول ہے:

انا دار الحكمة وعلیٰ بابها

”میں حکمت کا گھر ہوں اور علیؑ اس کا دروازہ ہے۔“

ابوزر کا بیان ہے کہ رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ کے متعلق ارشاد فرمایا:

علیٰ باب علمی و مبین لامتی ما ارسلت به بعدی

”علیؑ میرے علم کا دروازہ اور جو کچھ مجھے دے کر بھیجا گیا ہے میرے بعد

میری امت کے لئے بیان کرنے والا ہے۔“ (کنز العمال طبع اول ۱۵۶/۶)

انس بیان کرتے ہیں کہ نبی کریمؐ حضرت علیؑ سے فرمایا:

انت تبین لامتی ما اختلفوا فیہ بعدی .

”میرے بعد میری امت جس چیز میں اختلاف کرے گی تو اس کی

وضاحت کرے گا۔“

امام حاکم لکھتے ہیں:

هذا حدیث صحیح علیٰ شرط الشيخین

”یہ حدیث بخاری و مسلم کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔“

(مستدرک حاکم ۳/۱۲۲۔ کنز العمال طبع اول ۱۵۶/۶۔ کنز الحقائق مناوی ص ۱۸۸)

ایک اور روایت میں ہے کہ رسولؐ خدا نے حضرت علیؑ سے فرمایا:

انت تؤدی عنی و تسمعهم صوتی و تبین لهم ما اختلفوا

فیہ بعدی (۱)

”تو میری طرف سے پیغام پہنچائے گا اور انہیں میری آواز سنائے گا اور

(سنن الترمذی ۱۳/۱۵۱۔ باب مناقب علیؑ بن ابی طالب۔ طبع اولیاء الوصیہ ۱۳۷۱۔ کنز العمال طبع اول ۱۵۶/۶)

میرے بعد جس امر میں وہ اختلاف کریں گے تو اس کی ان کے لئے وضاحت کرے گا۔“

اللہ تعالیٰ کی حکمت کے تقاضے کے تحت حضرت علیؑ کی پرورش رسول خدا کے

ہاتھوں میں ہوئی تاکہ علیؑ، رسول خدا کی مکمل تصویر ثابت ہوں۔ امام حاکم رقم طراز ہیں:

حضرت علیؑ پر اللہ تعالیٰ کا عظیم احسان یہ ہوا کہ ابھی وہ چھوٹے تھے کہ

قریش قحط اور خشک سالی میں مبتلا ہو گئے۔ حضرت علیؑ کے والد کی بہت سی اولادیں

تھیں۔ ایک دن رسول خدا نے اپنے چچا عباس سے فرمایا۔ عباس بنی ہاشم کے دولت

مند شخص تھے۔ ابوالفضل! آپ کا بھائی ابوطالب کثیر العیال شخص ہے اور آپ دیکھ

رہے ہیں کہ ان دنوں لوگ قحط میں مبتلا ہیں۔ آپ میرے ساتھ ان کے پاس چلیں

ہم ان بچوں کی دیکھ بھال اپنے ذمے لگا کر ان کی ذمہ داریوں کو کچھ ہلکا کریں۔

میں اس کا ایک بیٹا اٹھاؤں گا اور ایک بیٹے کو آپ گود میں لے لیں اور ہم ان کی

کفالت کریں۔ عباس نے کا جی ہاں۔ پھر وہ دونوں ابوطالب کے پاس آئے اور ان

سے کہا ہم چاہتے ہیں کہ آپ کے عیال کا بوجھ کچھ ہلکا کریں تاکہ آپ قحط سالی کے

ایام میں پریشان نہ ہوں۔

ابوطالب نے ان سے کہا: تم عقیل کو میرے پاس رہنے دو اس کے بعد تم

جو چاہو کرو۔

رسول خدا نے علیؑ کو اٹھا کر اپنے سینے سے لگایا اور عباس نے جعفر کو اٹھا

کر اپنے سینے سے لگایا۔

حضرت علیؑ رسول خدا کے اعلان نبوت تک آپ کے ساتھ رہے اور جب

آپ نے نبوت کا اعلان کیا تو حضرت علیؑ نے آپ کی پیروی کی اور آپ کی تصدیق

کی۔

جعفر عباس کے پاس رہے یہاں تک کہ انہوں نے اسلام قبول کیا اور

عباس سے بے نیاز ہو گئے۔ (متدرک حاکم ۳/۵۷۶)

زید شہید ابن امام زین العابدین سے روایت ہے انہوں نے اپنے

والد سے، انہوں نے اپنے دادا سے یہ روایت کی کہ:

رسولُ خدا اپنے چچا عباس اور حمزہ کو ساتھ لے کر گھر سے برآمد ہوئے اس وقت علیؑ، جعفر اور عقیل زمین پر کام کر رہے تھے آپ نے اپنے دونوں چچاؤں سے فرمایا ان میں سے تم ایک ایک بچے کا انتخاب کرو۔ ان میں سے ایک نے کہا۔ میں جعفر کو چن رہا ہوں۔ دوسرے نے کہا۔ میں عقیل کو چن رہا ہوں۔

رسول خدا نے فرمایا: تمہیں چناؤ کے لئے کہا گیا تو تم نے اپنی مرضی کے مطابق چناؤ کیا۔ اللہ نے میرے لئے علیؑ کا چناؤ کیا ہے۔ (مسندک مام ۲، ۵۷۶، ۵۷۷)

حضرت علیؑ کی پرورش کی کہانی ان کی اپنی زبانی

حضرت علیؑ علیہ السلام نے اپنی پرورش و تربیت کی کہانی اپنی زبانی یوں بیان کی ہے واضح رہے کہ اس سے قبل ہم نے خطبہ کے اکثر اقتباسات کو نقل کیا ہے مگر کچھ مزید فوائد کے لئے اسے دوبارہ نقل کر رہے ہیں۔

تم جانتے ہی ہو کہ رسول اللہ سے قریب کی عزیز داری اور مخصوص قدر و منزلت کی وجہ سے میرا مقام ان کے نزدیک کیا تھا۔ میں بچہ ہی تھا کہ رسول نے مجھے گود میں لے لیا تھا اپنے سینے سے چمٹائے رکھتے تھیدرون بستر اپنے پہلو میں جگہ دیتے تھے۔ اپنے جسم مبارک کو مجھ سے مس کرتے تھے اور اپنی خوشبو مجھے سنگھاتے تھے۔ پہلے آپ کسی چیز کو چباتے پھر اس کے لقمے بنا کر میرے منہ میں دیتے تھے۔ انہوں نے نہ تو میری کسی بات میں جھوٹ کا مشابہ پایا اور نہ میرے کسی کام میں لغزش و کمزوری دیکھی۔ اللہ نے آپ کی دودھ بڑھائی کے وقت ہی سے فرشتوں میں سے ایک عظیم المرتبت ملک (روح القدس) کو آپ کے ساتھ لگا دیا تھا جو انہیں شب و روز بزرگ خصلتوں اور پاکیزہ سیرتوں کی راہ پر لے چلتا تھا اذریا ان کے پیچھے پیچھے یوں لگا رہتا تھا جیسے اونٹنی کا بچہ اپنی ماں کے پیچھے۔ آپ ہر روز میرے لئے اخلاق حسنہ کے پرچم بلند کرتے تھے اور مجھے ان کی پیروی کا حکم دیتے تھے اور ہر سال (رکوع) حرام میں کچھ عرصہ قیام فرماتے تھے اور وہاں میرے علاوہ کوئی

انہیں نہیں دیکھتا تھا۔ اس وقت رسول اللہ اور اُم (المومنین) خدیجہ کے گھر کے علاوہ کسی گھر کی چار دیواری میں اسلام نہ تھا۔ البتہ تیسرا ان میں تھا۔ میں وحی و رسالت کا نور دیکھتا تھا اور نبوت کی خوشبو سونگھتا تھا۔

جب آپ پر (پہلے پہل) وحی نازل ہوئی تو میں نے شیطان کی ایک چیخ سنی جس پر میں نے پوچھا کہ یا رسول اللہ میں آواز کیسی ہے؟

آپ نے فرمایا کہ یہ شیطان ہے جو اپنے پوجے جانے سے مایوس ہو گیا ہے۔ (اے علی!) جو میں سنتا ہوں تم بھی سنتے ہو اور جو میں دیکھتا ہوں تم بھی دیکھتے ہو، فرق اتنا ہے کہ تم نبی نہیں ہو بلکہ (میرے) وزیر و جانشین ہو اور یقیناً بھلائی کی راہ پر ہو میں رسول کے ساتھ تھا کہ قریش کی ایک جماعت آپ کے پاس آئی اور انہوں نے آپ سے کہا کہ اے محمد آپ نے ایک بہت بڑا دعویٰ کیا ہے۔ ایسا دعویٰ نہ تو آپ کے باپ دادا نے کیا اور نہ آپ کے خاندان والوں میں سے کسی اور نے کیا ہم آپ سے ایک امر کا مطالبہ کرتے ہیں اگر آپ نے اسے پورا کر کے دکھلا دیا تو پھر ہم یقین کریں گے کہ آپ نبی اور رسول ہیں اور اگر نہ کر سکتے تو ہم جان لیں گے کہ (معاذ اللہ) آپ جادوگر اور جھوٹے ہیں۔ حضرت نے فرمایا کہ وہ تمہارا مطالبہ کیا ہے؟ انہوں نے کہا کہ آپ ہمارے لئے اس درخت کو پکاریں کہ یہ جڑ سمیت اکھڑ آئے اور آپ کے سامنے آ کر ٹھہر جائے آپ نے فرمایا کہ بلاشبہ اللہ ہر چیز پر قادر ہے اگر اس نے تمہارے لئے ایسا کر دکھایا تو کیا تم ایمان لے آؤ گے۔ اور حق کی گواہی دو گے؟ انہوں نے کہا کہ ہاں۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا جو تم چاہتے ہو تمہیں دکھائے دیتا ہوں اور میں یہ اچھی طرح جانتا ہوں کہ تم بھلائی کی طرف پلٹنے والے نہیں ہو یقیناً تم میں کچھ لوگ تو در ہیں جنہیں چاہا۔ (بدر) میں جھوٹا کر دیا جائے گا اور بچھو وہ ہیں جو (جنگ) احزاب میں جتھا بندی کریں گے۔ پھر آپ نے فرمایا کہ اے درخت اگر تو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اور یقین رکھتا ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں، تو تو اپنی جڑ سمیت اکھڑ کر میرے سامنے تک چلا آ (رسول کا یہ فرمان تھا کہ) اس ذات کی قسم جس نے آپ کو حق

کے ساتھ مبعوث کیا وہ درخت جڑ سمیت اکھڑ آیا اور اس طرح آیا کہ اس سے سخت کٹ کر کھڑا ہٹ اور پرندوں کے پروں کی پھڑ پھراہٹ کی سی آواز آئی تھی یہاں تک کہ وہ لپکتا جھومتا ہوا رسولؐ کے روبرو آ کر ٹھہر گیا اور بلند شاخیں ان پر اور کچھ شاخیں میرے کندھے پر ڈال دیں اور میں آپؐ کی دائیں جانب کھڑا تھا، جب قریش نے دیکھا تو نخوت و غرور سے کہنے لگے کہ اسے حکم دیں کہ آدھا آپؐ کے پاس آئے اور آدھا اپنی جگہ پر رہے۔ چنانچہ آپؐ نے اسے یہی حکم دیا تو اس کا آدھا حصہ آپؐ کی طرف بڑھ آیا اس طرح کہ اس کا آنا (پہلے آنے سے بھی) زیادہ عجیب صورت سے اور زیادہ تیز آواز کے ساتھ تھا۔ اور اب کہ وہ قریب تھا کہ وہ رسولؐ اللہ سے لپٹ جائے اب انہوں میں نے کفر و سرکشی سے کہا کہ اچھا اب اس آدھے کو حکم دیجئے کہ یہ اپنے دوسرے حصے کے پاس پلٹ جائے جس طرح پہلے تھا۔ چنانچہ آپؐ نے حکم دیا اور وہ پلٹ گیا میں نے (یہ دیکھ کر) کہا لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ محمد رسول الله، آپ اللہ کے رسولؐ میں آپؐ پر سب سے پہلے ایمان لانے والا اور سب سے پہلے اس کا اقرار کرنے والا ہوں پھر اس درخت نے بحکم خدا آپؐ کی نبوت کی تصدیق کی اور آپؐ کے کلام کی عظمت و برتی دکھانے کے لئے جو کچھ کیا ہے وہ امر واقعی ہے۔ (کوئی آنکھ کا پھیر نہیں) یہ سن کر وہ ساری قوم کہنے لگی کہ یہ (بناہ بخدا) پر لے درجے کے جھوٹے اور جادو گر ہیں۔ ان کا سحر عجیب و غریب ہے اور وہ جادو میں بڑی مہارت رکھتے ہیں اس امر پر آپؐ کی تصدیق ان جیسے ہی کر سکتے ہیں اور اس سے مجھے مراد لیا (جو چاہیں کہیں) میں تو اس جماعت میں سے ہوں کہ جن پر اللہ کے بارے میں کوئی ملامت اثر انداز نہیں ہوتی وہ جماعت ایسی ہے جن کے چہرے سچوں کی تصویر اور جن کا کلام نیکوں کے کلام کا آئینہ دار ہے، وہ شب زندہ داروں کے روشن مینار اور خدا کی رسی سے مضبوطی سے پکڑنے والے ہیں یہ لوگ اللہ کے فرمانوں اور پیغمبر کی سنتوں کو زندگی بخشتے ہیں۔ نہ سر بلندی دکھاتے ہیں نہ خیانت کرتے ہیں اور نہ فساد پھیلاتے ہیں۔ ان کے دل جنت میں اٹکے ہوئے اور جسم اعمال میں لگے ہوئے ہیں۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم حضرت علیؑ کے معلم تھے اور آپ نے حضرت علیؑ کی نہ صرف جسمانی پرورش کی بلکہ ان کی روحانی و اخلاقی پرورش بھی کی اور آپ ہر روز ان کے لئے اخلاق عالیہ کا پرچم بلند کر کے اس کی پیروی کا حکم دیتے تھے اور انہیں یوں علم عطا کرتے جیسا کہ پرندہ اپنے بچے کے منہ میں دانہ بھرتا ہے اور آپ انہیں اپنی سرگوشی کے لئے مخصوص کرتے تھے۔

صحیح ترمذی اور دیگر کتب حدیث میں یہ روایت موجود ہے۔ ترمذی نے جابر سے روایت کی اس نے کہا:

دعا رسول اللہ علیؑ ا یوم الطائف فانتجاه فقال الناس:
لقد طال بخواه مع ابن عمہ فقال رسول اللہ ما انتجیہ
ولکن اللہ انتجاہ

(سنن ترمذی۔ کتاب المناقب، باب مناقب علی بن ابی طالب ۱۳/۱۷۳۔ تاریخ بغداد، خطیب ۷/۴۰۲)

”طائف کے دن رسول خدا نے حضرت علیؑ کو بلایا اور اس سے سرگوشی کی لوگوں نے کہا: ان کے اپنے ابن عم سے سرگوشی بہت طویل ہوگئی ہے۔ رسول خدا نے فرمایا: میں نے اس سے سرگوشی نہیں کی بلکہ اللہ نے اس سے سرگوشی کی۔“

ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

لما کان یوم الطائف دعا رسول اللہ علیؑ فاجاہ طویلاً
فقال بعض اصحابہ . . .

”جنگ طائف کے دن رسول خدا نے علیؑ کو بلایا اور بڑی دیر تک ان سے سرگوشی کرتے رہے رسول خدا کے بعض صحابہ نے کہا۔۔۔“

(اسد الغابہ ۴/۲۷۱۔ کنز العمال طبع دوم ۱۲/۲۰۰ حدیث ۱۱۲۲/۱۱۔ الریاض البقرۃ ۱۲/۲۶۵)

جندب بن ناجیہ (یا ناجیہ بن جندب) کی روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

لما کان یوم غزوة الطائف قام النبی (ص) مع علیؑ (ع) ملیئتم
مرّ، فقال له ابوبکر یا رسول اللہ لقد طال ما جا تک علیؑ

منذالووم فقال: ماانا انتجيتہ ولكن اللہ انتجاءہ .

”جنگ طائف کے دن رسول خدا علیؑ کے ساتھ اٹھے اور سر جھکا کر کافی دیر تک علیؑ سے راز و نیاز کی باتیں سرگوشی میں کرتے رہے۔ ابو بکر نے کہا یا رسول اللہ آج تو علیؑ کے ساتھ آپ کی سرگوشیاں طویل ہو گئی ہیں!“

رسول خدا نے فرمایا: میں نے اس سے سرگوشی نہیں کی بلکہ اللہ نے اس سے سرگوشی کی ہے یہ محبت یک طرفہ نہ تھی بلکہ حضرت علیؑ کی بھی شدید خواہش ہوتی تھی کہ وہ رسول خدا سے بہت کچھ حاصل کریں۔“

آیت نجومی

اللہ تعالیٰ نے ایک مرتبہ رسول خدا کے ساتھ راز و نیاز کی باتیں کرنے اور سرگوشی کرنے کے لئے صدقہ دینے کی شرط لگائی اور یہ آیت نازل فرمائی:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمُ الرَّسُولَ فَقَدِ مُوَابِقِينَ يَدَيَّ
بِخَوَاتِكُمْ صَدَقَةٌ (المجادلہ: ۱۲)

”اے ایمان والو! جب رسول سے سرگوشی کرو تو اپنی سرگوشی سے پہلے صدقہ دو۔“

اب اس آیت پر صحابہ نے کس طرح سے عمل کیا اس کے لئے حسب ذیل روایت کا مطالعہ فرمائیں۔

(۱) طبری لکھتے ہیں:

لوگوں کے صدقہ دیئے بغیر رسول خدا سے سرگوشی کرنے سے روکا گیا تو علیؑ ابن ابی طالب کے علاوہ کسی نے بھی رسول خدا سے سرگوشی نہ کی

(تفسیر طبری ۲۸/۱۴/۱۵۔ درمنثور ۶/۱۸۵)

واحدی نے اسباب النزول میں حضرت علیؑ کی زبانی لکھا:

میرے پاس ایک دینا تھا جس کو میں نے درہم میں فروخت کیا (یعنی دینار کو درہموں میں کھلا کرایا) اور میں جب بھی سرگوشی کرنا چاہتا تو اس سے پہلے

ایک درہم صدقہ دیتا تھا یہاں تک کہ وہ درہم ختم ہو گئے۔

(اسباب النزول واحدی ص ۳۰۸۔ والطبری فی تفسیر الدیۃ)

ایک روایت میں حضرت علیؑ سے یہ الفاظ منقول ہیں:

میرے پاس ایک دینار تھا جس کے بدلے میں میں نے دس درہم لیئے اور میں

جب بھی نبی اکرمؐ کے پاس جاتا تو ایک درہم صدقہ دیتا تھا۔ (مشورۃ، ۱۸۵/۶، اریض انفرۃ، ۲۶۵/۲)

زنجشیری رقم طراز ہیں:

انه تصدق فی عشر کلمات سالهن رسول الله

حضرت علیؑ نے دس درہم صدقہ کیئے اور اس کے بدلے میں رسول خدا

سے دس باتیں پوچھیں۔“

حضرت علیؑ ہ السلام سے روایت ہے:

ان فی کتاب اللہ لآیة ماعمل بها احد قبلی ولا یعمل بها

احد بعدی: آیة النجوی

(يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَاجَيْتُمْ. الْآيَةَ) کان عندی عشر

دینار ثم نسخت فلم یعمل بها احد منزلت

(أَشْفَقْتُمْ أَنْ تُقَدِّمُوا بَيْنَ يَدَيِ بَخْوَاكُمْ صَدَقَاتٍ . . .)

(المجادلہ: ۱۳)

قرآن مجید ایک آیت ایسی ہے جس پر مجھ سے پہلے کسی نے عمل نہیں کیا اور میرے بعد بھی اس پر کوئی عمل نہیں کرے گا وہ آیت آیت بنجوی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا تھا کہ رسول خدا سے سرگوشی کرنے سے پہلے صدقہ دیا جائے۔ اس وقت میرے پاس دس دینار تھے اور میں ہر نفع سرگوشی سے قبل ایک دینا تصدق کرتا تھا میرے علاوہ اس آیت پر کسی نے عمل نہ کیا اور آخر کار اللہ تعالیٰ نے اس حکم کو ہی منسوخ کر دیا اور فرمایا کیا تم اپنی سرگوشی سے قبل صدقہ دینے سے گھبرا گئے ہو۔۔۔

حضرت علیؑ بچپن کے لمحات سے رسول خدا کے ساتھ رہتے تھے اور رسول خدا

کی زندگی کے آخری لمحات تک رسول خدا کے ہمراہ رہے۔ حضرت عائشہ کا بیان ہے:

قال رسول الله لما حضرته الوفاة ”(ا دعوالى جيبى“
 فدعواله ابىكر منظر اليه، ثم وضع راسه ثم قال :
 ”ادعوالى جيبسى“ فدعواله عمر، فلما نظر اليه، وضع
 راسه ثم قال ”(ادعوالى جيبى“ فدعواله على فلما اه
 ادخله فى الثوب الذى كان على ه فلم يزل
 يحتضنهحتى قبص ويده على ه.

رسول خدا نے اپنی وفات کے لمحات میں فرمایا: میرے حبیب کو بلاؤ
 لوگ ابو بکر کو بلا کر لے آئے۔ رسول خدا نے اسے دیکھ کر اپنا سر رکھ دیا پھر
 فرمایا: میرے حبیب کو بلاؤ لوگ عمر کو بلا کر لے آئے۔ رسول خدا نے اسے دیکھ کر اپنا سر
 پھر زمین پر رکھ دیا پھر رسول خدا نے فرمایا: میرے حبیب کو بلاؤ: لوگ حضرت علیؑ کو بلا
 کر لائے۔ جب آپ نے انہیں دیکھا تو انہیں اپنے ساتھ اس کپڑے میں داخل کیا جو
 آپ نے اپنے اوپر ڈال رکھا تھا۔ آپ وفات کے وقت تک علیؑ کو اپنی گود میں
 لئے رہے جب آپ کی وفات ہوئی تو آپ کا ہاتھ علیؑ کے اوپر تھا۔

(الریاض المفرة ۲/۲۳۷ طبع دوم مطبع دارالتالیف مصر۔ ذخائر العقبى ص ۷۲) (تصحیح الزوائد ۹/۳۶۷)

ابن عباس سے منقول ہے:

ان النبى ثقل وعنده عائشة و حفصة اذ دخل على فلما

راه النبى رفع راسه ثم قال ” اذن منى اذن منى“ فاسنده

فلم يزل عنه حتى توفى

”نبی کریم کی طبیعت بوجھل ہوئی اس وقت ان کے پاس عائشہ اور حفصہ
 موجود تھیں اتنے میں علیؑ داخل ہوئے۔ جب نبی اکرم نے انہیں دیکھا تو سر اٹھا کر
 کہا: ”میرے قریب آ جاؤ۔ میرے قریب آ جاؤ“ حضرت علیؑ نے رسول خدا کو سہارا
 دیا اور رسول خدا کی وفات کے وقت تک علیؑ ان کے پاس رہے۔“

حضرت ام سلمہ کا بیان ہے:

والذى اجلف به ان كان على لاقرب الناس عهدا

برسول اللہ عدنا رسول اللہ عذاة وهو يقول جاء على
 جاء على؟ مرارا فقالت فاطمة: كاتك بعثتهفى حاجة
 قالت فجاء بعد قالت ام سلمة: فظننت ان له اليه حاجة
 فخرجنا من البيت فقعدنا عندالباب و كنت من ادناهم
 الى الباب، فاكب على رسول اللہ (ص) وجعل يسارة
 و نياجيه ثم قبض رسول اللہ (ص) من يومه ذلك،
 فكان على اقرب الناس عهدا.

میں قسم کھا کر کہتی ہوں کہ علیؑ رسول خدا کے آخری وقت تک ان کے قریب
 رہے تھے۔ میں نے صبح کے وقت رسول خدا کی عیادت کی اس وقت آپ کہہ رہے تھے۔
 ”علیؑ آئے ہیں، علیؑ آئے ہیں؟“ آپ نے بار بار یہ جملہ دہرائے حضرت
 فاطمہ نے عرض کی۔ تو گویا آپ نے کسی ضرورت کے تحت علیؑ کو کہیں بھیج رکھا ہے؟
 پھر کچھ دیر بعد علیؑ آئے۔

ام سلمہ کہتی ہیں ”ہم نے یہ گمان کیا کہ رسول خدا نے علیؑ سے کوئی ضروری
 بات کرنی ہے اسی لئے ہم گھر سے نکل گئیں اور دروازے کے پاس جا کر بیٹھ گئیں
 اور باقی ازواج کی بہ نسبت میں دروازے کے زیادہ قریب تھی۔

رسول خدا علیؑ پر بچکے اور ان سے راز و نیاز کی باتیں کرنے لگے۔ پھر اسی
 دن آنحضرتؐ کی وفات ہوگئی۔ علیؑ آخری وقت تک رسول خدا کے قریب رہے۔“
 امام حاکم کہتے ہیں، یہ حدیث صحیح الاسناد ہے۔

(مسند احمد ۱۶/۳۰۰۔ خصائص النسائی ص ۴۰۔ متذک حاکم ۳/۱۳۸-۱۳۹)

ابن عباس کہتے ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا:

من سره ان يحيى حياتى يموت مماتى و يسكن جنه
 عدن عزسها ربي فليوال على من بعدى واليوال وليه و
 ليقتد (با لائمة) من بعدى فانهم عترتى (خلقوا) امن
 طينتى رزقوا فهما و علما (و ويل) للمكذبين بفصلهم

من امتی القاطعین فیہم صلتی لا انالہم اللہ شفا عتی۔

”جو میری زندگی جیسی زندگی بسر کرنا چاہتا ہو اور میری موت کی طرح سے مرنا چاہتا ہو اور اس جنت عدن میں رہائش رکھنا چاہتا ہو جسے میرے رب نے اگایا ہے تو اسے چاہئے کہ علیؑ سے محبت رکھے اور میرے بعد ائمہ کی اقتدار کرے کیونکہ وہ میری عزت ہیں میری ہی طینتیں ان کی تخلیق ہوئی ہے۔ انہیں فہم و علم عطا کیا گیا ہے۔ میری امت کے ان لوگوں کے لئے ہلاکت ہے جو ان کی فضیلت کی تکذیب کریں اور ان سے میرے رشتہ کو قطع کریں۔ اللہ انہیں میری شفات نصیب نہ کرے۔“

یہاں تک ہم نے رسول خدا کے پہلے وصی کی وصایت کے دلائل پیش کیئے اور اگلے صفحات پر ہم دوسرے اوصیائے رسولؐ کے متعلق روایات نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

حسینؑ کریمین کے متعلق چند روایات

رسولؐ خدا نے حسینؑ کریمین کی فضیلت اور ان کی امامت کے متعلق بہت سی احادیث ارشاد فرمائیں اور ہر ایک کے متعلق ”مِنِّی“ کہہ کر انہیں اپنا وارث قرار دیا۔ لفظ ”مِنِّی“ کے متعلق ہم سابقہ صفحات میں تفصیلی بحث کر چکے ہیں۔

حسینؑ کی شانِ ”مَنْیْت“

مسند احمد میں مقدم بن معدی کرب سے روایت ہے کہ رسول خدا نے حسنؑ کو اپنی گود میں بٹھا کر فرمایا ”هَذَا مِنِّی۔۔۔۔۔“ یہ مجھ سے ہے۔

براء بن عازب سے روایت ہے کہ رسول خدا نے حسنؑ یا حسینؑ میں سے کسی ایک کے لئے کہا هَذَا مِنِّی۔ یہ مجھ سے ہے۔

سبطؒ پیغمبرؐ

بخاری، ترمذی، ابن ماجہ، احمد اور حاکم نے لیلیٰ بن مرہ سے روایت کی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا:

حسین وانا من حسین احب الله من احب حسینا

حسین سبط من الاسباط (۱)

”حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں اللہ اس سے محبت کرے جو

حسینؑ سے محبت کرتا ہو حسینؑ اسباط میں سے ایک سبط ہے۔“

الحسن والحسین سبطان من الاسباط (کنز العمال ۱۶/۱۹۷، ۱۲۰۱۱ اسباط)

”حسن و حسین اسباط میں سے دو سبط ہیں۔“

اور شہ کا بیان ہے کہ رسولؐ خدا نے فرمایا:

”حسین منی وانا منه هو سبط من الاسباط۔“

”حسینؑ مجھ سے ہے اور میں حسینؑ سے ہوں اور وہ اسباط میں سے

ایک سبط ہے۔“

براء بن عازب کا بیان ہے کہ رسولؐ خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

حسین منی وانا منه احب الله من احبة الحسن و

الحسین سبطان من الاسباط

”حسینؑ مجھ سے ہے اور میں اس سے ہوں اللہ اس سے محبت کرے جو

حسینؑ سے محبت کرے۔ حسن و حسین اسباط میں سے دو سبط ہیں۔“

رسولؐ خدا نے جس طرح سے حضرت علیؑ کے لئے ”مینی“ کہہ کر تبلیغ

میں انہیں اپنا قائم مقام قرار دیا ہے اسی طرح سے آپ نے حسینؑ کو بھی ”مینی“ کہہ

کر اپنا قائم مقام قرار دیا ہے اور یہ بتایا کہ جس طرح سے تبلیغ احکام میری ذمہ داری

ہے اسی طرح سے علیؑ اور حسنؑ و حسینؑ کی بھی یہی ذمہ داری ہے۔

حضرت رسول اکرمؐ نے حسنؑ و حسینؑ کو اپنا ”سبط“ کہا ہے۔ یہاں سبط

کہنے سے یہ مراد ہر گز نہیں ہے کہ یہ دونوں رشتہ میں میرے نواسے ہیں۔ اور اگر

۱۔ ادب الفرد باب معانقۃ الصبی حدیث ۳۶۳۔ ترمذی ۱۳/۱۹۵۔ باب مناقب حسن و حسین۔

ابن ماجہ کتاب المتقدمہ باب ۱۱ حدیث ۱۲۳۔ مسند احمد ۴/۱۷۲۔ مستدرک حاکم ۳/۱۷۷۔ حاکم اور

ذہبی لکھتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ اسد الغابہ ۲/۱۹، ۵/۱۳۰۔

آپ کہتے تو یہ تحصیل حاصل ہوتی کیونکہ تمام لوگ آپ کے اس رشتہ سے واقف تھے اسی لئے آپ کو یہ بتانے کی ضرورت ہی نہیں تھی کہ حسن و حسین ان کے نواسے ہیں۔

اصل بات یہ ہے کہ آپ نے (سَبَطٌ مِّنَ الْأَسْبَاطِ) کہہ کر اور ’چلا سباط‘ پر الف لام داخل کر کے اسے ”عہدِ ذہنی“ میں بدل دیا اور اس لفظ سے آپ نے قرآن مجید کی ان آیات کی طرف اشارہ کیا جن میں لفظ ”اسباط“ استعمال ہوا ہے اور آپ نے اس ذریعہ سے مسلمانوں کو یہ پیغام دیا کہ امت اسلامیہ میں حسین کو وہی مقام حاصل ہے جو سابقہ امتوں میں ”اسباط“ کو حاصل تھا۔

آئیے ”اسباط“ کے حوالہ سے قرآن مجید کی یہ آیات ملاحظہ فرمائیں:

(۱) (قَوْلُوا) اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنزِلَ اَلَيْنَا وَمَا اُنزِلَ اِلَىٰ اِبْرٰهِيْمَ
وَاسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ وَمَا اُوْتِيَ مُوسٰى
وَعِيسٰى وَمَا اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نَفَرِقَ بَيْنَ اَحَدٍ مِنْهُمْ
وَنُحْنُ لَهُ مُسْلِمُوْنَ. (البقرہ: ۱۳۶)

”مسلمانو تم کہہ دو کہ ہم اللہ پر اور جو اس نے ہماری طرف بھیجا ہے اور جو ابراہیم، اسماعیل، اسحاق، یعقوب اور اولاد یعقوب کی طرف نازل کیا ہے اور جو موسیٰ، عیسیٰ اور انبیاء کو اپنے پروردگار کی طرف سے دیا گیا ہے، ان سب پر ایمان لیاے ہیں اور ہم ان پیغمبروں میں تفریق نہیں کرتے اور ہم اس کے حکم کے سامنے سر تسلیم خم کرنے والے ہیں۔“

(۲) اَمْ تَقُوْلُوْنَ اِنَّ اِبْرٰهِيْمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ يَعْقُوْبَ
وَالْاَسْبَاطَ كَانُوْا هُوْدًا اَوْ نَصٰرٰى. . . . (البقرہ: ۲۰)

”کیا تمہارا کہنا یہ ہے کہ ابراہیم، اسماعیل، یعقوب اور اولاد یعقوب یہودی یا نصرانی تھے؟“

(۳) قُلْ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنزِلَ عَلَيْنَا وَمَا اُنزِلَ عَلٰى اِبْرٰهِيْمَ
وَاسْمٰعِيْلَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطَ وَمَا

أَوْتَىٰ مُوسَىٰ وَ عِيسَىٰ وَالنَّبِيُّونَ مِنْ رَبِّهِمْ لَا نُفَرِّقُ بَيْنَ
 أَحَدٍ مِنْهُمْ وَنَحْنُ لَهُ مُسْلِمُونَ . (آل عمران : ۸۴)

” پیغمبران سے کہہ دیں کہ ہمارا ایمان اللہ پر ہے اور جو ہم پر
 نازل ہوا ہے اور ابراہیمؑ ، اسماعیلؑ ، اسحاقؑ ، یعقوبؑ اور اولاد
 یعقوبؑ پر نازل ہوا ہے اور جو موسیٰؑ ، عیسیٰؑ اور انبیاء کو خدا کی
 طرف سے دیا گیا ہے ان سب پر ہے۔ ہم ان کے درمیان
 تفریق نہیں کرتے اور ہم خدا کے اطاعت گزار بندے ہیں۔“

۴. إِنَّا أَوْحَيْنَا إِلَيْكَ كَمَا أَوْحَيْنَا إِلَىٰ نُوحٍ وَالنَّبِيِّينَ مِنْ
 بَعْدِهِ وَأَوْحَيْنَا إِلَىٰ إِبْرَاهِيمَ وَإِسْحَاقَ وَيَعْقُوبَ وَالْأَسْبَاطِ
 وَعِيسَىٰ وَيُوشَعَ وَهَارُونَ وَ سُلَيْمَانَ وَ أَنْبِيَآئِنَا
 دَاوُدَ وَ زَبُورًا . (النساء : ۱۶۳)

” ہم نے آپ کی طرف اسی طرح وحی نازل کی ہے جس طرح
 نوحؑ اور اس کے بعد کے انبیاء کی طرف وحی کی تھی اور ابراہیمؑ ،
 اسماعیلؑ ، اسحاقؑ ، یعقوبؑ ، اولاد یعقوبؑ ، عیسیٰؑ ، یوشعؑ ،
 یونسؑ ، ہارونؑ اور سلیمانؑ کی طرف وحی کی ہے اور ہم نے داؤدؑ کو
 زبور عطا کی ہے۔“

حسینؑ کریمین کو رسولؑ خدا نے اسباط قرار دیا اور ان کے والد کو اپنے

لئے مثال ہارونؑ قرار دیا۔

حضرت ہارون کا مقام قرآن مجید کی ان آیات سے واضح ہوتا ہے جن

میں حضرت موسیٰ کی دعا نقل کی گئی ہے۔ چنانچہ ملاحظہ فرمائیں:

وَاجْعَلْ لِي وَزِيرًا مِّنْ أَهْلِي هَارُونَ أَخِي اشْدُدْ بِهِ أَزْرِي
 وَأَشْرِكْهُ فِي أَمْرِي كَمْ نَسَبَحَكَ كَثِيرًا وَنَذُكُرُكَ
 كَثِيرًا إِنَّكَ كُنْتَ بِنَا بَصِيرًا قَالَ قَدْ أُوتِيتَ سُؤْلَكَ
 يَا مُوسَىٰ (طہ ۲۹ ، ۳۶)

”اور میرے اہل میں سے وزیر قرار دیدے۔ ہارونؑ کو جو میرا بھائی ہے۔ اس سے میری پشت کو مضبوط کر دے۔ اسے میرے کام میں شریک بنا دے تاکہ ہم تیری بہت زیادہ تسبیح کر سکیں۔ اور تیرا بہت زیادہ ذکر کر سکیں۔ یقیناً تو ہمارے حالات سے بہتر باخبر ہے۔“

ارشاد ہوا موسیٰؑ ہم نے تمہاری مراد تمہیں دے دی ہے

حضرت موسیٰ نے اپنی دعا میں عرض کیا:

وَإِخِي هَارُونَ هُوَ أَفْضَحُ مِنِّي لِسَانًا فَأَرْسَلَهُ مَعِيَ رِدْءًا يُصَدِّقُنِي إِنِّي أَخَافُ أَنْ يُكَذِّبُونِ. قَالَ سَنَشُدُّ عَضُدَكَ بِأَخِيكَ . . . (القصص: ۳۴، ۳۵)

”اور میرے بھائی ہارونؑ مجھ سے زیادہ فصیح زبان کے مالک ہیں لہذا انہیں میرے ساتھ مددگار بنا دے جو میری تصدیق کر سکیں کہ میں ڈرتا ہوں کہ کہیں یہ لوگ میری تکذیب نہ کر دیں۔“

ارشاد ہوا ہم تمہارے بازوؤں کو تمہارے بھائی سے مضبوط کر دیں گے۔ حضرت ہارونؑ حضرت موسیٰؑ کے صرف مددگار ہی نہیں بلکہ آپ نے انہیں قوم میں اپنا قائم مقام بھی مقرر کیا تھا۔“

وَقَالَ مُوسَىٰ لِأَخِيهِ هَارُونَ أَخْلُقْنِي فِي قَوْمِي وَأَصْلِحْ وَلَا تَتَّبِعْ سَبِيلَ الْمُفْسِدِينَ - (الاعراف: ۱۴۲)

”اور موسیٰ نے اپنے بھائی ہارونؑ سے کہا تم میری قوم میں میری نیابت کرو اور اصلاح کرتے رہو اور مفسدین کے راستے کی پیروی نہ کرنا۔“

اللہ تعالیٰ نے موسیٰؑ و ہارونؑ کے متعلق ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ آتَيْنَا مُوسَى الْكِتَابَ وَجَعَلْنَا مَعَهُ أَخَاهُ هَارُونَ وَزِيْرًا

(الفرقان: ۳۵)

”اور ہم نے موسیٰ کو کتاب عطا کی اور ان کے ساتھ ان کے بھائی ہارون کو ان کا وزیر بنا دیا۔“
اللہ تعالیٰ نے مزید فرمایا:

ثُمَّ أَرْسَلْنَا مُوسَىٰ وَأَخَاهُ هَارُونَ بِآيَاتِنَا وَسُلْطَانٍ مُّبِينٍ.

(المونون: ۴۵)

”پھر ہم نے موسیٰ اور ان کے بھائی ہارون کو اپنی نشانیوں اور واضح دلیل کے ساتھ بھیجا۔ ان آیات سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت ہارون موسیٰ کے مددگار، وزیر اور امر نبوت میں ان کے شریک اور قوم میں ان کے قائم مقام تھے۔“
رسول خدا نے حضرت علیؑ کے متعلق فرمایا کہ انہیں ان سے وہی منزلت حاصل ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی مگر یہ کہ اب نبوت نہیں ہوگی۔

اس حدیث کے تحت نبوت کے علاوہ حضرت ہارون کو جتنے بھی مناصب حاصل تھے وہ سب کے سب مناصب حضرت علیؑ کو حاصل ہوں گے۔ مثلاً اگر ہارون موسیٰ کے مددگار، وزیر اور تبلیغ میں شریک کار تھے اور بنی اسرائیل میں موسیٰ کے جانشین تھے۔ اسی طرح سے حضرت علیؑ کو رسول خدا کا مددگار، وزیر اور تبلیغ میں شامل اور امت محمدیہ میں رسول خدا کا جانشین تسلیم کرنا پڑے گا۔

حضرت رسول اکرمؐ نے جہاں حضرت علیؑ کو ہارونؑ محمدی کا درجہ عطا فرمایا وہاں اپنے نواسوں حسنؑ و حسینؑ کو اسباط کا درجہ عطا فرمایا۔ جس طرح اسباط پر ایمان لانا اسلام کی شرط ہے اسی طرح سے حسینؑ کریمین پر ایمان لانا بھی ایمان و اسلام کی ایک اہم شرط ہے۔ منصب نبوت کے علاوہ اسباط کو جتنے بھی مراتب حاصل ہیں وہ سب کے سب امام حسنؑ و حسینؑ کے لئے تسلیم کئے جائیں گے۔

حسینؑ کریمین اور ان کے والد نبی نہیں تھے مگر رسول خدا نے ان کی

تشبیہ انبیاء سے دے کر یہ مسئلہ واضح کیا کہ اللہ کے احکام کی تبلیغ کے یہ ذمہ دار ہیں اور سیدھی سی بات ہے جو تبلیغ احکام میں آ کا جائزین ہوگا وہی آپ کا خلیفہ اور امت کا امام ہوگا۔

ظہور مہدیؑ کی بشارت

سابقہ صفحات میں ہم نے رسول خدا کے تین اوصیاء کے متعلق قرآن و حدیث میں سے کچھ دلائل عرض کیئے اور یہاں آخری وصی کے متعلق بھی نبی اکرم کی چند احادیث کو نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

نبی اور آخری وصی کے نام میں یکسانیت

سنن ترمذی فی باب ماجاء فی المہدی (ع) اور ابو داؤد کتاب المہدی میں رسول خدا کی یہ حدیث مذکور ہے:

لَا تَذْهَبُ الدُّنْيَا حَتَّى يَمْلِكَ الْعَرَبُ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ بَيْتِي

يُؤَاطِنِي اسْمُهُ اسْمِي (۱)

”دنیا ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ میری اہل بیت میں سے ایک شخص عرب پر حکومت کرے جس کا نام میرے نام پر ہوگا۔“

مستدرک حاکم اور مسند احمد کے علاوہ بہت سی دیگر کتب احادیث میں ابوسعید خدری سے منقول ہے کہ رسول خدا نے فرمایا:

لَا تَقُومُ السَّاعَةُ حَتَّى تَمْلَأَ الْأَرْضَ سَلْمًا وَحَرًّا وَعَدْوَانًا

ثُمَّ يَخْرُجُ مِنْ أَهْلِ بَيْتِي مَنْ يَمْلَأُهَا قِسْطًا وَعَدْلًا كَمَا

مَلَأَتْ ظُلْمًا وَعَدْوَانًا. (۲)

(۱) سنن الترمذی ۹ / ۸۴ - ابو داؤد فی کتاب المہدی ۲ / ۷ - حدیث ۳۸۴ - حلیۃ الاولیاء ابو نعیم

۵ / ۵ - مسند احمد ۱ / ۳۶۶ - تاریخ بغداد خطیب ۳ / ۳۸۸ - کنز العمال طبع اول ۸ / ۱۸۸ بزیاة

(وخلقه خلقی) در منشور سیوطی در تفسیر (فَهْلَ يَنْظُرُونَ الْأَسَاعَةَ -) ۶ / ۵۸ - مستدرک

۳ / ۵۵۷ - حلیۃ الاولیاء ابو نعیم ۳ / ۱۰۱ - (الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ) مسند احمد ۳ / ۶۳

” اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی جب تک زمین ظلم و جود اور زیادتی سے بھر نہ جائے پھر میری اہل بیت میں سے وہ خروج کرے گا جو اسے عدل و انصاف سے بھر دے گا جیسا کہ اس سے پہلے ظلم و جور سے بھری ہوگی۔“

مہدی کا تعلق اہل بیت نبوی سے ہوگا

سنن ابن ماجہ کے ابواب الجہاد میں ابوہریرہ سے مروی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا:

لولم یبق من الدنيا الا یوم لظوله الله عزوجل حتی یملک

رجل من اهل بیتی یملک جبل الدیلیم والقسطنطینیة

”اگر دنیا کے خاتمہ سے ایک بھی دن باقی بچا ہوگا تو بھی اللہ اس

دن کو طویل کر دے گا یہاں تک میری اہل بیت میں سے ایک

شخص حکومت کرے وہ جبل دیلیم اور قسطنطینیہ پر حکومت کرے گا۔“

سنن ابن ماجہ کے ابواب الفتن باب خروج المہدی اور مسند احمد میں

حضرت علیؑ سے روایت ہے کہ رسول خدا نے فرمایا:

المہدی منا اهل البیت یصلحه الله فی لیلۃ.

”مہدی ہماری اہل بیت میں سے ہوگا اللہ تعالیٰ اس کا کام ایک ہی رات

میں سنوار دے گا۔“ اس حدیث کو دوسرے محدثین نے بھی اپنے ہاں نقل کیا ہے۔ (۱)

مہدی کا تعلق نسل بتول سے ہوگا

سنن ابی داؤد میں ام سلمہ سے مروی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا:

المہدی من عترتی من ولد فاطمة (۱)

۱ حلیۃ الاولیاء البونیم ۳ / ۱۷۷۔ اس میں (فی یومین یعنی دو دنوں کے اندر) کے الفاظ ہیں مسند احمد ۱ /

۸۴۔ درمنثور سیوطی ۶ / ۵۸۱ درتفسیر (فَلَنْ یَنْظُرُوْنَ اِلَّا السَّاعَةَ) بحوالہ ابن ابی شیبہ، احمد وابن ماجہ عن علیؑ فی

کتاب الفتن باب خروج المہدی حدیث ۴۰۸۵

”مہدیؑ میری عترت سے ہوگا یعنی فاطمہ کی اولاد میں سے ہوگا“
کنز العمال میں حضرت علیؑ سے مروی ہے کہ آپؑ نے فرمایا:
المہدی رجل منامن ولد فاطمة. (کنز العمال طبع اول ۷/۲۶۱)
”مہدیؑ ہم میں سے ہوگا یعنی وہ فاطمہؑ کی اولاد ہوگا۔“

مہدیؑ اولاد حسینؑ میں سے ہوں گے

ذخائر العقبیٰ میں ابویوب انصاری سے روایت ہے کہ رسول خدا نے فرمایا:
یولد منهما. یعنی الحسن و الحسین. مہدی هذه الامة

”حسن و حسین کی اولاد میں سے امت کا مہدی پیدا ہوگا۔“

ذخائر العقبیٰ میں حذیفہ سے روایت ہے کہ نبی اکرمؐ نے فرمایا:
لولم یبق من الدنيا الا یو واحد لطول ذلك الیوم
حتى یبعث الله رجلا من ولدی اسمه کاسمی فقال
سلمان: من ای ولدک یا رسول اللہ؟ قال من
ولدی هذا و ضرب بیده علی الحسین -

ذہبی میزان الاعتدال ۲۲۲ پر لکھتے ہیں (المہدی من ولد فاطمة) مہدی اولاد فاطمہ میں سے ہوگا۔

”اگر دنیا کے خاتمہ سے ایک دن بھی باقی ہوا تو اس دن کو
طویل کر دیا جائے گا یہاں تک کہ میری اولاد میں سے اللہ اس
شخص کو مبعوث کرے گا جو میرا ہم نام ہوگا۔“

سلمان نے کہا: یا رسول اللہ! آپ کے کس بیٹے کی نسل سے ہوگا؟
رسول خدا نے فرمایا: میرے اس بیٹے کی نسل سے ہوگا اور آپ نے اپنا
ہاتھ حسینؑ پر مارا۔

۱۔ ابوداؤد کتاب المہدی ۴/۷۷ حدیث ۴۲۸۴۔ سنن ابن ماجہ ابواب القنن باب خروج المہدی میں
یہ الفاظ ہیں (المہدی من ولد فاطمة) مہدی فاطمہ کی اولاد میں سے ہوں گے۔ امام حاکم مستدرک
۴/۵۵۷ پر لکھتے ہیں ”هو حق و هو من بنی فاطمة“ مہدی کا اولاد فاطمہؑ ہونا حق ہے۔

حضرت رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت علیؑ کی امامت پر زیادہ زور دیا اور اس کے ساتھ ساتھ آئمہ کی تعداد بارہ بیان فرمائی اور پھر ان کے آخری فرد مہدیؑ کے متعلق زیادہ سے زیادہ بشارت دی۔ ان احادیث کی روشنی میں ہمیں ایسے بارہ امام ماننے ہوں گے جن کا پہلا فرد حضرت علیؑ ہو اور جن کا آخری فرد حضرت مہدیؑ ہو اور یہ ترتیب مذہب شیعہ اثناعشریہ کے علاوہ کسی اور مکتب فکر میں موجود نہیں ہے۔

آئمہ اہل بیت کی امامت کی نصوص

رسول خدا سے آئمہ اہل بیت کی امامت پر بہت سی نصوص وارد ہیں اور ان میں سے کچھ احادیث ایسی ہیں جو تمام آئمہ اہل بیت کے متعلق ہیں اور کچھ احادیث مخصوص آئمہ کے متعلق ہیں۔ عمومی نصوص کے سلسلہ میں حدیث ثقلین کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔

(۱) حدیث ثقلین در حجة الوداع

ترمذی نے جابر سے روایت کی ہے کہ انہوں نے کہا:

رأيت رسول الله في حجة يوم عرفة وهو على ناقته
القصواء يخطب فسمعتة يقول يا ايها الناس اني قدر
تركتم فيكم ما ان اخذتم به لن تضلوا كتاب الله و
عترتي اهل وبيتي.

”اے لوگو! میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑ کر جا رہا ہوں اگر تم نے اس سے تمسک کیا تو تم ہرگز گمراہ نہ ہو۔ کوئے۔ اللہ کی کتاب اور میری عترت اہل بیت“

ترمذی لکھتے ہیں کہ یہی حدیث ابی سعید، زید بن ارقم اور حذیفہ بن اسید سے بھی مروی ہے۔

(ترمذی ۱۳/۱۹۹ باب مناقب اہل بیت النبی۔ کنز العمال ۱/۴۸)

(۲) حدیث ثقلین در غدیر خم

صحیح مسلم، مسند احمد، سنن داری اور بیہقی میں یہ حدیث مرقوم ہے اور صحیح مسلم کے الفاظ یہ ہیں۔ زید بن ارقم سے روایت ہے اس نے کہا:

ان رسول اللہ قام خطیبا بماء یدعی خمابین مکة
والمدینة . . . ثم قال: الا یا ایها الناس فانما انا بشرو
یوشک ان یاتی رسول ربی فاجیب وانى تارک فیکم
الثقلین اولهما کتاب اللہ فیہ الہدی والنور فنخذوا
بکتاب اللہ و استمسکواہ . . . و اهل بیتی (ل)

”اے لوگو! میں بھی ایک انسان ہوں قریب ہے کہ میرے پروردگار کا
قاصد آجائے اور میں اس کی دعوت پر لبیک کہوں (قریب ہے کہ میری وفات ہو
جائے) اور میں تمہارے درمیان دو گراں قدر چیزیں چھوڑ رہا ہوں۔ ان میں سے
پہلی چیز اللہ کی کتاب ہے اس میں ہدایت اور نور ہے تم اللہ کی کتاب کو پکڑو اور اس
کے دامن کو مضبوطی سے تھامے رہو۔۔۔۔۔ اور دوسری میری اہل بیت ہے۔“
سنن ترمذی اور مسند احمد میں بھی یہ حدیث ان الفاظ سے منقول ہے۔
ترمذی کے الفاظ یہ ہیں۔“

انی تارک فیکم ما ان تمسکتہم بہ لن تضلوا بعدی
احدهما اعظم من الاخر: کتاب اللہ جبل ممدود من
السماء الی الارض و عترتی اهل بیتی ولن یفترقا حتی
یرد علی الحوض فانظروا کیف تخلفوننی فیہما. (ل)

(ل) صحیح مسلم باب فضائل علی بن ابی طالب۔ مسند احمد ۴/۳۶۶۔ سنن داری ۲/۴۳۱۔ سنن بیہقی

۱۲۸/۷، ۳۰۷۔ (الفاظ کے معمولی اختلاف کے ساتھ) مشکل الآثار طحاوی ۴/۳۶۸

(ل) سنن ترمذی ۱۳/۲۱۰۔ اسد الغامہ ۲/۱۲۰ در حالات امام حسن۔ در منثور در تفسیر آیت مودت

”میں تمہارے درمیان ایسی چیز چھوڑے جا رہا ہوں اگر تم نے اس سے تمسک کیا تو میرے بعد ہرگز گمراہ نہ ہو گے ان میں سے ایک دوسری سے زیادہ باعظمت ہے۔ اللہ کی کتاب آسمان سے زمین تک لٹکی ہوئی رسی ہے اور میری عترت اہل بیت اور یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض پر پہنچ جائیں گے۔ دیکھنا تم میرے بعد ان دونوں سے کیا سلوک کرتے ہو؟“

ایک اور روایت میں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے:

ایہا الناس انی تارک فیکم امرین لن تضلوا ان

اتبعتموہما وھما کتاب اللہ و اھل بیئتی عترتی

”اے لوگو! میں تمہارے اندر دو چیزیں چھوڑے جاتا ہوں اگر تم نے ان دونوں

کی پیروی کی تو ہرگز گمراہ نہ ہو گے اور وہ ہیں اللہ کی کتاب اور میری عترت اہل بیت۔“

امام حاکم لکھتے ہیں یہ حدیث شیخین کی شرط کے مطابق صحیح ہے۔ (۱)

یہی حدیث دوسرے الفاظ کے ساتھ مسند احمد اور حلیۃ الاولیاء وغیرہ میں

زید بن ثابت سے بھی منقول ہے۔ (۲)

حجۃ الوداع رسول خدا کی زندگی کے آخری ایام میں واقع ہوئی تھی اور رسول

خدا نے میدان عرفات میں تمام مسلمانوں کے مجمع عام سے خطاب کر کے فرمایا:

”میں انسان ہوں میری وفات کا وقت قریب ہے اور میں تمہیں گمراہی سے

بچانے کے لئے دو چیزیں چھوڑ کر جا رہا ہوں ان میں سے ایک اللہ کی کتاب ہے اور

دوسری میری عترت اہل بیت ہے اور جب تک تم ان دونوں کے دامن سے وابستہ رہو گے

اس وقت تک گمراہی سے محفوظ رہو گے اور یہ بھی یاد رکھو کہ قرآن و اہل بیت ایک دوسرے

سے ہرگز جدا نہ ہوں گے اور دیکھنا تم میرے بعد ان سے کیا سلوک روا رکھتے ہو؟“

(۱) مستدرک حاکم ۳/ ۱۰۹ پر یہ حدیث دراسناد سے مروی ہے اور جلد ۳/ ۱۲۸ پر بھی اسی مفہوم

کی اور حدیث مروی ہے۔ ۲ مسند احمد ۳/ ۳۶۷ - ۳۷۱، ۵، ۱۸۱۔ تاریخ بغداد خطیب ۸/

۴۳۲۔ حلیۃ الاولیاء ۱/ ۳۵۵، ۹، ۶۴۔ اسد الغابہ ۳/ ۱۴۷۔ مجمع الزوائد بیہقی ۹/ ۱۶۳، ۱۱/ ۴

پھر آپ نے یہی اعلان غدیر خم کے میدان میں بھی کیا آپ نے دونوں مقامات میں یہ اعلان کر کے اپنی امت کو یہ درس دیا کہ ان کی غیر موجودگی میں مسلمانوں کو چاہئے کہ وہ قرآن کی اتباع کریں اور قرآن فہمی کے لئے دارثان قرآن اہل بیت کی طرف رجوع کریں اور قرآن و اہل بیت ہی مسلمانوں کا مرجع ہیں۔
یہ حدیث تمام ائمہ اہل بیت کے حق پر مشتمل ہے۔

آئمہ کی تعداد

رسول خدا نے اپنے بعد آئمہ کی تعداد بارہ مقرر فرمائی ہے اور اس کو مندرجہ ذیل اصحاب صحاح و مسانید نے اپنی اپنی کتابوں میں نقل کیا:
۱۔ مسلم نے جابر بن سمرہ سے روایت کی اس نے کہا کہ میں نے نبی کریم کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

لا يزال الدين قائما حتى تقوم الساعة او يكون على كرم

اثنا عشر خليفة كلهم من قریش

”یہ دین قیامت تک قائم رہے گا یہاں تک کہ بارہ خلفاء گزر جائیں وہ سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔“

دوسری روایت میں (لا يزال امر الناس ماضيا۔۔۔) کے الفاظ ہیں۔ یعنی

آپ نے فرمایا: کہ بارہ خلفاء تک لوگوں کے معاملات جاری و ساری رہیں گے۔

صحیح مسلم کی دو احادیث میں ”الی اثنی عشر خليفة“ بارہ خلفاء تک

کے الفاظ موجود ہیں۔ سنن ابی داؤد میں یہ الفاظ ہیں: حتی يكون علی کم اثنا عشر خليفة ”یہاں تک کہ تم پر بارہ خلفاء ہوں گے۔“

ایک اور حدیث میں (الی اثنی عشر) یعنی بارہ تک، کے الفاظ مذکور ہیں۔

صحیح بخاری میں یہ الفاظ مذکور ہیں کہ میں نے رسول خدا کو یہ کہتے ہوئے

سنا (يكون اثنا عشر اميرا) بارہ امیر ہوں گے اس کے بعد صحیح بخاری میں ہے:

فقال كلمة لم اسمعها فقال ابي: قال: كلهم من قریش.

”اس کے بعد رسول خدا نے ایک لفظ کہا جسے میں سن نہ سکا۔ میرے والد نے مجھے بتایا کہ آپ نے فرمایا: بارہ کے بارہ قریش میں سے ہوں گے۔“
(فتح الباری ۱۶/۳۳۸۔ مستدرک حاکم ۳/۶۱۷)

ایک اور روایت میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

لا تضرهم عداوة من عاداہم۔

”دشمنی کرنے والوں کی دشمنی انہیں کوئی نقصان نہیں دے گی۔“

ایک اور روایت میں یہ حدیث ان الفاظ سے مروی ہے کہ رسول خدا نے فرمایا:
لاتزل هذه الامة مستقيما امرها ظاهرة على عدوها
حتى يمضى منهم اثنا عشر خليفة كلهم من قريش ثم
يكون المرح او الهرج۔

(منتخب کنز ۳۱۵/۶۔ تاریخ ابن کثیر ۶/۳۹۶۔ تاریخ اعلیٰ، بیروت ۱۰/کنز العمال ۳۶/۱۳۔ الصواعق المحرقة ص ۶۸)

”اس امت کے معاملات اس وقت تک صحیح سچ پر چلتے رہیں گے اور اپنے دشمن پر یہ امت غالب رہے گی۔ یہاں تک کہ ان میں بارہ خلفاء گزر جائیں۔ وہ سب کے سب قریش میں سے ہوں۔ اس کے بعد افراتفری واقع ہوگی۔“

ج۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

يكون لهذه الامة اثنا عشر قيما لا يضرهم من خذلهم

كلهم من قريش۔ (کنز العمال ۱۳/۲۷۔ منتخب کنز العمال ۳۱۲/۵)

”اس امت کے بارہ نگہبان ہوں گے۔ چھوڑنے والے انہیں کوئی نقصان نہ پہنچائیں گے، وہ سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔“

د۔ لا يزال امر الناس مافيا ما وليهم اثنا عشر رجلا

صحیح مسلم ۳۱۶/۳۔ کتاب الامارۃ، باب الناس تبع لقریش۔ صحیح بخاری ۴/۱۶۵، کتاب الاحکام

سنن ترمذی ابواب القتن باب ماجاء فی الخلفاء ۶/۶۶۔ سنن ابی داؤد ۴/۱۰۶۔ کتاب

المہدی حدیث ۳۲۷/۹۔ مسند طحاوی حدیث ۷۷/۷۷۔ مسند احمد ۵/۸۶۔ ۹۰۔ ۹۲۔

۱۰۱۔ ۱۰۲۔ ۱۰۸۔ کنز العمال ۱۳/۲۶۔ ۲۷۔ حلیۃ الاولیاء ابی نعیم ۴/۳۳۳۔ جابر بن سرہ بن جنادہ

عامری، سعد بن ابی وقاص کا بھانجا اور ان کا حلیف تھا۔ ۷۰ کے بعد کوفہ میں وفات پائی۔ اصحاب

صاحب نے اس سے ۱۲۶ احادیث نقل کی ہیں۔ اس کے حالات زندگی اسد الغابہ، تقریب

الجمہویہ اور جوامع السیرہ میں ملاحظہ کیے جاسکتے ہیں۔

”لوگوں کے کام اس وقت تک چلتے رہیں گے جب تک بارہ افراد حکومت نہ کر لیں۔“

(صحیح مسلم مع شرح النووی ۲۰۲/۱۳۔ الصواعق المحرقة ص ۱۸۔ تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۰۰)

(۵-) انس سے روایت ہے کہ رسول کریمؐ نے فرمایا:

لن يزال هذا الدين قائما الى اثني عشر من قريش فاذا
هلكوا ماجت الارض باهلها .

”یہ دین قریش کے بارہ خلفاء تک قائم رہے گا اور جب وہ مر جائیں گے تو زمین اپنے اہل سمیت ہلنے لگے گی۔“

(کنز العمال ۱۳/۲۷-)

(و-) ایک اور روایت میں یہ الفاظ مذکور ہیں:

لا يزال امر هذا الامة ظاهرا حتى يقوم اثنا عشر كلهم
من قريش- (کنز العمال ۱۳/۲۷ بروایت ابن نجار)

”اس امت کا معاملہ غالب رہے گا یہاں تک کہ بارہ خلفاء
گزر جائیں۔ سب کے سب قریش میں سے ہوں گے۔“

احمد اور حاکم کے علاوہ دیگر محدثین نے لکھا اور احمد کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:
مسروق نے کہا کہ ہم ایک رات عبداللہ بن مسعود کے پاس بیٹھے تھے۔
ابن مسعود ہمیں قرآن مجید پڑھایا کرتے تھے اتنے میں ایک شخص نے انہیں مخاطب
کر کے کہا:

ابوعبدالرحمن! کیا تم نے رسول خدا سے یہ بھی پوچھا تھا کہ اس امت میں
خلفاء کتنے ہوں گے؟

عبداللہ بن مسعود نے کہا: میں جب سے عراق آیا ہوں، تیرے بغیر مجھ
سے یہ سوال کسی نے نہیں کیا۔ ہم نے رسول خدا سے خلفاء کی تعداد پوچھی تھی۔ آپ
نے فرمایا تھا:

اثنا عشر عدة نقباء بنی اسرائیل. (۱)

”نقبائے بنی اسرائیل کی تعداد کے مطابق میرے خلفاء بھی بارہ ہوں گے۔“

ایک اور روایت میں عبداللہ بن مسعود سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ رسول خدا نے فرمایا:

یکون بعدی من الخلفاء عدة اصحاب موسیٰ۔ ۲

”اصحاب موسیٰ کی تعداد میں میرے بعد میرے خلفاء ہوں گے۔“

اس کے بعد ابن کثیر لکھتے ہیں:

یہ حدیث عبداللہ بن عمرو بن العاص، حذیفہ اور ابن عباس سے بھی مروی ہے۔ مجھے یہ معلوم نہیں کہ ابن عباس کی روایت سے وہی حدیث مراد ہے جسے حاکم حرکانی نے ابن عباس سے روایت کیا ہے یا اس کے علاوہ کوئی اور حدیث مراد ہے۔

ان احادیث سے یہ بات کھل کر واضح ہوتی ہے کہ رسول خدا نے اپنے خلفاء کی تعداد بارہ بیان فرمائی ہے اور آپ نے یہ بھی بتایا کہ ان کا تعلق قریش سے ہوگا اور قریش کی بہت سی شاخیں ہیں۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ رسول اکرم کے خلفاء کا تعلق قریش کی کس شاخ سے ہے؟

حضرت علی نے اس سوال کا جواب دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

ان الائمة من قریش غرسوا فی هذا البطن من هاشم لا

تصلح علی من سواهم ولا یصلح الولاة من غیرهم۔

(نسخ البلاغ خطبہ ۱۳۲)

۱۔ مسند احمد ۱/ ۳۹۸، ۳۰۶۔ احمد شاہ پہلی حدیث کے حاشیہ میں لکھتے ہیں اس حدیث کے اسناد صحیح ہیں۔ مستدرک حاکم و تلخیص مستدرک از ذہبی ۳/ ۱۰۵۔ فتح الباری ۱۶/ ۳۳۹۔ مجمع الزوائد

۱۹۰/ ۵۔ الصواعق المخرقة: ابن حجر ص ۱۲۔ تاریخ الخلفاء سیوطی ص ۱۰۔ جامع صغیر سیوطی ۱/ ۷۵

کنز العمال متقی ۱۳/ ۲۷۔ تخریج طبرانی و نعیم بن حماد در باب الفتن۔ فیض القدر شرح الجامع الصغیر ۲

۱/ ۲۵۸۔ تاریخ ابن کثیر۔ ۲/ ابن کثیر ۶/ ۲۳۸۔ کنز العمال ۱۳/ ۲۷۔ شواہد التقریل ۱۹/ ۳۵۵

حدیث ۶۲۶ نسخ البلاغ خطبہ ۱۳۲

”بلاشبہ امام قریش میں سے ہوں گے جو اسی قبیلہ کی ایک شاخ بنی ہاشم کی کشت زار سے ابھریں گے۔ نہ امانت وزہری کسی اور کو زیب دیتی ہے اور نہ ان کے علاوہ کوئی اس کا اہل ہو سکتا ہے۔“

ایک اور مقام پر حضرت علیؑ نے فرمایا:

اللهم بلی لا تخلو الارض من قائم لله بحجة اماظھرا
مشھورا او خائفا مغمورا لنلا تبطل حجج الله و
بیناتہ۔ (۱)

”جی ہاں زمین خدا کے ایسے نمائندے سے خالی نہیں رہتی جو خدا کی حجت کا حامل ہوتا ہے اور کبھی خدائی نمائندہ ظاہر اور مشہور ہوتا ہے اور کبھی خائف اور گم نام ہوتا ہے تاکہ خدا کی حجتیں اور اس کے واضح دلائل باطل نہ ہوں۔“

ابن کثیر لکھتے ہیں: اس وقت جو تورات اہل کتاب کے پاس موجود ہے اس میں یہ لکھا ہوا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ابراہیم علیہ السلام کو اسماعیل علیہ السلام کی بشارت دی تھی اور یہ فرمایا تھا کہ خدا اس کی افزائش کرے گا اور اسی کی نسل کو کثرت سے پھیلائے گا اور اس کی نسل میں بارہ سردار مقرر کرے گا۔

اس کے بعد ابن کثیر نے لکھا:

ابن تیمیہ نے کہا۔ یہ وہی بارہ سردار ہیں جن کی جابر بن سمرہ کی حدیث میں خبر دی گئی اور رسول خدا نے فرمایا کہ بارہ خلفاء ہوں گے اور جب تک ان کی تعداد پوری نہ ہو اس وقت تک قیامت قائم نہ ہوگی۔ یہودیت سے اسلام قبول کرنے والوں میں سے بہت سے افراد کو یہ غلط فہمی ہوئی کہ اس سے مراد وہی بارہ امام ہیں جن کی واضح دعوت دیتے ہیں۔ اور اسی غلط فہمی کی وجہ سے نو مسلم یہودیوں نے شیعوں کی پیروی کی ہے۔ (تاریخ ابن کثیر ۶/۲۳۹-۲۵۰)

(نیایح الموتہ شیخ سلیمان حنفی باب ۱۰۰ ص ۵۲۳۔ احیاء علوم الدین غزالی ۵۴۱/۱۔ حلیۃ الاولیاء ۸۰/۱)

تورات میں بارہ اماموں کی بشارت

تورات کے سفر تکوین یعنی باب پیدائش میں اللہ تعالیٰ کا یہ فرمان مذکور ہے اور اسماعیلؑ کے حق میں بھی میں نے تیری دعا سنی۔ دیکھ میں اسے برکت دوں گا اور اسے بہرہ و مند کروں گا اور اسے بہت بڑھاؤں گا اور اس سے بارہ سردار پیدا ہوں گے اور میں اسے بڑی قوم بناؤں گا۔

(تورات باب پیدائش آیت ۲۱۔ مطبوعہ بائبل سوسائٹی اتارکلی لاہور)

تورات میں یہ بشارت عبرانی زبان میں ان الفاظ کے ساتھ موجود ہے۔

می لیشماعیل بیتر خنتی اوتوا و فی ہفریتی اوتوہریتی

بمئواد شنیم غسار نسیئیم بولیدفی نتیف لگوی گدول۔

(عہد نامہ قدیم۔ سفر التکوین ۱۷۔ ۲۰ ص ۲۲۔ ۲۳)

اس عبارت کا اردو ترجمہ اوپر لکھا گیا ہے۔

عبرانی رسم الخط میں یہ عبارت یوں مرقوم ہے:

تورات کے جملے واضح کرتے ہیں کہ برکت، برومندی اور کثرت نسل کا

وعدہ اولاد اسماعیل سے ہے اور راشنیم عسار یعنی بارہ۔ واضح رہے کہ عبرانی زبان

میں لفظ ”عسار“ عدد ترکیبی میں اس وقت استعمال ہوتا ہے جب محدود مذکر ہو اور

اس عدد کا محدود ”نسیئیم“ ہے جو کہ مذکر ہے اور یہ لفظ جمع ہے کیونکہ اس میں علامت

جمع ”یم“ اسم کے آخر میں لگی ہوئی ہے اور اس کا واحد ”ناسی“ ہے جس کے معنی

امام، زعمیم اور سردار کے ہیں۔ اس عبارت میں لفظ ”نی نتیف کوی گول“ خصوصی

توجہ کا طلب گار ہے۔ اس میں ”نی“ حرف عطف ہے اور ”ناتن“ فعل ہے یعنی میں

بناؤں گا قرار دوں گا اور اور لفظ ”نتیف“ میں ”یف“ ضمیر ہے جس کا مرجع اسماعیل

ہے اور اس کا معنی ہے کہ میں اسے بناؤں گا اور ”کوی“ کا معنی امت اور گروہ ہے

اور ”گول“ کا معنی کبیر اور عظیم ہے اور اس فقرہ کا معنی یہ ہوگا کہ میں اسے بڑی قوم

بناؤں گا۔

اس جملہ کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے حضرت ابراہیم کو اسماعیل کے متعلق بشارت دیتے ہوئے وعدہ کیا کہ وہ اسماعیل کی نسل کو خوب پھیلانے گا اور انہیں اپنی برکت سے سرفراز کرے گا اس بشارت کا کسی طرح سے نسل اسحاق سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ کیونکہ حضرت ابراہیم کے حالات کی ترتیب یہ ہے کہ آپ نے نمرود کا ملک چھوڑا اور شام کی طرف روانہ ہوئے۔ اس سفر میں آپ کے ساتھ آپ کی بیوی سارہ اور آپ کے خالہ زاد بھائی حضرت لوط بھی شریک تھے۔ آپ نے سرزمین فلسطین میں قیام کیا۔ اللہ تعالیٰ نے انہیں وسیع رزق سے مالا مال کیا۔ انہوں نے بارگاہ خداوندی میں عرض کی کہ خدایا میں یہ دولت لے کر کیا کروں گا جب کہ میری کوئی اولاد نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی طرف وحی فرمائی میں تجھے بہت زیادہ اولاد دوں گا اور ستاروں کی طرح سے تیری اولاد کا کوئی شمار نہ ہوگا

ہاجرہ، حضرت سارہ کی کنیز تھیں انہوں نے اپنی کنیز ابراہیم کو بخش دی اور وہ حاملہ ہوئیں اللہ تعالیٰ نے ان کے شکم سے حضرت اسماعیل کو پیدا کیا اس وقت حضرت ابراہیم کی عمر چھیاسی برس کی تھی۔

(تاریخ یعقوبی ج ۱/۲۳۱-۲۵- مطبوعہ مؤسسہ نشر ثقافت اہل بیت قم)

قرآن مجید بیان کرتا ہے کہ جب حضرت ابراہیم نے حضرت ہاجرہ اور اسماعیل کو مکہ کی بے آب و گیاہ زمین میں ٹھہرایا تو آپ نے یہ دعا مانگی تھی:

رَبَّنَا إِنِّي أَسْكَنْتُ مِنْ ذُرِّيَّتِي بِوَادٍ (غَيْرِ ذِي) زُرْعٍ
عِنْدَ بَيْتِكَ الْمُحَرَّمِ رَبَّنَا لِيُقِيمُوا الصَّلَاةَ فَجَعَلْ أَفْنَدَةً مِنَ
النَّاسِ تَهْوِي إِلَيْهِمْ وَلرِزْقُهُمْ مِنَ التَّمَرَاتِ لَعَلَّهُمْ
يَشْكُرُونَ. (ابراہیم: ۳۷)

”پروردگار میں نے اپنی ذریت میں سے بعض کو تیرے محترم مکان کے قریب بے آب و گیاہ وادی میں چھوڑ دیا ہے تاکہ نمازیں قائم کریں اب تو لوگوں کے دلوں کو ان کی طرف موڑ دے اور انہیں پھلوں کا رزق عطا فرماتا کہ وہ تیرے شکر گزار بندے بن جائیں۔“ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اسماعیل اور اس کی اولاد

کے لئے رحمت اور برکت کی دعا مانگی ہے اور خدا سے درخواست کی کہ انہیں لوگوں کا رہنما مقرر فرمائے۔

اللہ تعالیٰ نے حضرت محمد مصطفیٰ کو رحمۃ للعالمین بنا کر اور بارہ ائمہ کو ان کے قائم مقام مقرر کر کے ابراہیم کی دعا کو شرف قبولیت بخشا۔ اسی لئے امام محمد باقر علیہ السلام نے فرمایا:

نحن بقیة تلک العترة وکانت دعوة ابراهیم لنا
 ”ہم اس عترت کا بقیہ ہیں اور ابراہیم کی دعا ہمارے متعلق تھی۔“

احادیث کا ما حاصل

سابقہ احادیث سے ہم اس نتیجہ پر پہنچتے ہیں کہ اس امت میں امام یکے بعد دیگرے بارہ ہوں گے اور بارہویں امام کے بعد یہ دنیا ختم ہو جائے گی۔ پہلی حدیث میں یہ الفاظ وارد ہیں:

”یہ دین قیامت تک قائم رہے گا یہاں تک کہ بارہ خلفاء ہوں گے اس حدیث میں یہ نکتہ واضح کیا گیا کہ دین قیامت تک قائم رہے گا اور امت کے امام بارہ ہوں گے اور بارہویں پر ہی عمر دنیا کا خاتمہ ہو جائے گا۔“

پانچویں حدیث میں ہے:

’یہ دین بارہ خلفا تک قائم رہے گا ان سب کا تعلق قریش سے ہوگا اور جب وہ بارہ کے بارہ دنیا سے رخصت ہو جائیں گے تو زمین اپنے اہل سمیت تباہ و برباد ہو جائے گی۔“

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ امام بارہ ہوں گے اور ان کے بعد یہ زمین ہی تباہ و برباد ہو جائے گی۔

آٹھویں حدیث میں بیان ہوا ہے:

”میرے بعد اصحاب موسیٰ کی تعداد کے برابر خلفا ہوں گے۔“

اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بارہویں کے بعد کوئی تیرہواں امام نہیں

ہوگا۔ اور ان کے بعد ہرج و مرج واقع ہوگا اور زمین تباہ ہو جائے گی اور قیامت ہو جائے گی۔ اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے رسول خدا کے بارہویں جانشین کو پردہ غیبت میں بٹھا کر طویل عمر عطا کی تاکہ زمین قائم رہے۔

مشارحین کی پریشانی

بارہ آئمہ کی حدیث نے مکتبِ خلافت سے وابستہ عوام اور علماء کو سخت کشمکش میں ڈال دیا اور اس مکتب کے علماء آج تک اس حدیث کے معقول معانی تلاش کرنے سے عاجز رہے ہیں اور وہ آج تک یہ معین نہ کر سکے کہ یہ بارہ اشخاص کون ہیں اور یکے بعد دیگرے کیسے آئیں گے اور ان کا سلسلہ صدر اسلام سے لے کر قیام قیامت تک کیسے قائم رہے گا اور عزت اسلام کا ذریعہ بننے والے امام کن خصوصیات کے حامل ہوں گے۔ اور کیا ہر اقتدار میں آنے والا شخص خلیفہ ہے یا اس کے لئے عادل ہونا ضروری ہے؟

مکتبِ خلافت کے علماء کی حیرانی و سرگردانی ملاحظہ فرمائیں:

اول: مشہور فقیہ ابن العربی سنن ترمذی کی شرح میں لکھتے ہیں:

جب ہم رسول خدا کے خلفاء کو شمار کرتے ہیں تو انہیں یوں پاتے ہیں:

ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ، علیؓ، حسنؓ، صاویہ، یزید بن معاویہ، معاویہ بن یزید،

مروان، عبدالملک، ولید، سلیمان، عمر بن عبدالعزیز، یزید بن عبدالملک، مروان بن محمد

بن مروان، سفاح اور منصور۔

اور اس طرح وہ خلفاء کی گنتی کرتے ہوئے اپنے زمانے ۵۴۳ھ تک ۲۷

اور اشخاص کے نام لیتے ہیں اور اس کے بعد وہ کہتے ہیں:

”اگر ہم ابتدائے خلافت سے بارہ اشخاص گنیں اور ان اشخاص کو نظر میں رکھیں جو بظاہر خلافت نبوی کے حامل رہے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ سلیمان بن عبد الملک تک بارہ افراد پورے ہو جاتے ہیں لیکن اگر ہم انھیں شمار کریں جو درحقیقت اور صحیح معنوں میں خلافت نبوی کے حقدار تھے تو وہ پہلے چار خلفاء اور پانچویں عمر بن عبد العزیز تھے۔ لہذا اس حدیث کا معنی آج تک میری سمجھ میں نہیں آ سکا۔“ (شرح صحیح ترمذی ج ۹ ص ۶۸-۶۹)

اس سوال کے جواب میں کہ بارہ افراد سے زیادہ خلیفہ ہوئے ہیں۔ اہل سنت کے مشہور محدث قاضی عیاض کہتے ہیں:

”یہ اعتراض باطل ہے کیونکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے یہ نہیں فرمایا تھا کہ بارہ اشخاص کے علاوہ اور خلیفے نہیں ہوں گے۔ نہ انھوں نے کہا کہ اتنے خلیفہ ہی ہوں گے جتنے بلاشبہ ہوئے ہیں اور آنحضرتؐ کا یہ ارشاد اس بات سے مانع نہیں ہے کہ اس تعداد سے زیادہ بھی ہوں۔“

ایک اور عالم نے کہا: رسول اکرمؐ کی مراد یہ ہے کہ اسلام میں قیامت تک بارہ خلیفے ایسے ہوں گے جو حق پر عمل کریں گے اور اس گروہ میں تسلسل ضروری نہیں اس بنا پر ”اس کے بعد افراتفری ہوگی۔“

(شرح نووی بر مسلم ۲۰۱/۱۲۔ فتح الباری شرح صحیح بخاری ۳۳۹/۱۶)

کے جملے سے آنحضرتؐ کی مراد قیامت کی نشانیاں اور اس سے پہلے دجال کے خروج جیسے فتنے ہیں۔ بارہ خلفاء سے مراد پہلے چار خلفاء اور حسنؑ معاویہؑ عبد اللہ بن زبیر^(۱)

(۱) واضح رہے کہ عبد اللہ بن زبیر وہ شخص ہے جس نے نماز جمعہ کے چالیس خطبوں میں رسول اکرمؐ پر درود نہیں بھیجا اور کہتا تھا کہ میں اس لیے درود نہیں پڑھتا کہ اس سے بنی ہاشم مغرور ہو جاتے تھے اور وہ کہا کرتا تھا کہ میں اہل بیت سے عرصہ چالیس سال سے اپنے دل میں بغض اور دشمنی پال رہا ہوں۔ (مروج الذهب ۳/۷۹-۸۰)

اور عمر بن عبدالعزیز ہیں (جن کی مجموعی تعداد آٹھ بنتی ہے) اور اس بات کا احتمال ہے کہ ان میں مہدی عباسی (۱۲۸ تا ۱۶۹ ہجری) کا اضافہ بھی کیا جاسکے کیونکہ وہ عباسیوں میں ایسا ہی ہے۔ جیسا عمر بن عبدالعزیز امویوں میں ہے اور ظاہراً عدل و انصاف کی بنا پر اسے بھی اس فہرست میں شامل کیا جاسکتا ہے۔ نتیجہ کے طور پر دو اشخاص باقی رہ جاتے ہیں۔ جن میں سے ایک مہدی (موعود آخر الزماں) ہیں۔ جو اہل بیت میں سے ہوں گے۔

(الصواعق المحرقة ص ۲۱ مطبوعہ مصر۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۶۔ مطبوعہ پاکستان)

مزید کہا گیا کہ: اس حدیث میں رسول اکرم کی مراد یہ ہے کہ خلافت کسی عزت اور شوکت اور اسلام کی قوت اور انتظام امور کے زمانے میں بارہ خلیفہ ہوں گے۔ اس بنا پر آنحضرتؐ کے موردِ بحث خلفاء وہ اشخاص ہیں۔ جن کے ادوار میں اسلام عزیز رہا اور سب مسلمان ان کی شخصیت کے بارے میں اتفاق نظر رکھتے ہوں۔ (فتح الباری ۱/۱۶، ۳۲۸-۳۳۱۔ نووی شرح مسلم ۱۲/۲۰۲-۲۰۳۔ تاریخ الخلفاء ص ۱۲)

اہل سنت کے نامور محدث اور شارح بیہقی اس نظریے کے بارے میں توضیح کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ: مذکورہ صفات کے حامل ہونے کے ساتھ یہ تعداد ولید بن یزید بن عبدالملک کے زمانے تک مکمل ہو گئی اور اس کے بعد بہت بڑی افراتفری اور بد نظمی وجود میں آئی اور پھر حکومت عباسیوں کو حاصل ہو گئی بلاشبہ اگر ہم مذکورہ صفات کو نظر انداز کر دیں تو تعداد بارہ سے بڑھ جائے گی اور اگر ہم افراتفری کے بعد کے خلفاء کو فہرست میں شامل کر لیں تو یہ بھی یہی صورت ہوگی۔

(ابن کثیر۔ البدایہ والنہایہ ۶/۲۳۹)

اس نظریے کی مزید توضیح کرتے ہوئے کہا گیا کہ: جو اشخاص خلافت میں مورد اتفاق رہے ہیں ان میں سے ابتداء میں ہم تین خلفاء کو جانتے ہیں اور ان کے بعد جنگ صفین میں مسئلہ حکمین پیش آنے کے وقت تک علیؑ ہیں۔ تنحییم کے بعد معاویہ نے خود کو خلیفہ کا نام دیا (اور یوں علیؑ کی خلافت کے بارے میں اتفاق ختم

ہو گیا) اس کے بعد بھی حالات اسی نہج پر رہے حتیٰ کہ امام حسن کی صلح کے بعد سب نے معاویہ کی خلافت پر اتفاق کر لیا۔ اس کے بعد اس کے بیٹے یزید کے بارے میں کوئی اختلاف پیدا نہ ہوا۔ حسینؑ کے حالات اور ان کی خلافت کو بھی انتظام حاصل نہ ہوا وہ جلد ہی مارے گئے۔ یزید کی موت کے بعد دوبارہ اختلاف ہوا حتیٰ کہ نوبت عبدالملک بن مروان کی خلافت تک پہنچی۔ اس کے متعلق عمومی اتفاق پیدا ہو گیا۔ بلاشبہ ہم جانتے ہیں کہ یہ اتفاق عبداللہ بن زبیر کے قتل ہونے کے بعد ظاہر ہوا۔ عبدالملک کے بعد اس کے چار بیٹوں کی خلافت کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہوا اور یہ چار اشخاص ولید، سلیمان، یزید اور ہشام تھے۔ سلیمان اور یزید کے درمیان سلیمان کی وصیت کی بنا پر عمر بن عبدالعزیز خلیفہ بنے۔ اس گروہ کا بار ہواں شخص جس پر لوگوں نے اتفاق کیا تو وہ ولید بن عبدالملک تھا جس نے چار سال حکومت کی شافعی مذہب کے بزرگ محدث اور فقیہ ابن حجر کہتے ہیں:

”مذکورہ احادیث کی توجیہات میں سے یہ بہترین توجیہ ہے۔“

آٹھویں صدی کے نامور مورخ، محدث اور مفسر ابن کثیر لکھتے ہیں کہ وہ راستہ جس پر بیہتی چلا ہے اور ایک گروہ نے اس کے ساتھ موافقت کی ہے کہ اس حدیث سے مراد وہ خلفاء ہیں جو مسلسل ولید بن یزید بن عبدالملک فاسق تک گزرے ہیں، وہ ایک راستہ ہے جس کے بارے میں بہت تامل ہے۔ کہنے کا مقصد یہ ہے کہ اس ولید کے زمانے تک خلفاء کو جس بھی طریقے سے شمار کریں ان کی تعداد اس سے زیادہ بنتی ہے اور ہماری دلیل یہ ہے کہ چار خلفاء یعنی ابوبکرؓ، عمرؓ، عثمانؓ اور علیؓ کی خلافت مسلم اور متفق ہے۔ اس کے بعد حسنؓ بن علیؓ ہیں کیونکہ علیؓ نے ان کی خلافت کے بارے میں وصیت کی تھی اور اہل عراق نے بھی ان کے ہاتھ پر بیعت کی تھی پھر انھوں نے معاویہ سے مصالحت کر لی۔ معاویہ کے بعد یزید اور اس کے بعد معاویہ بن یزید اور پھر مروان، پھر عبدالملک، پھر سلیمان بن عبدالملک اور پھر عمر بن عبدالعزیز

پھر یزید بن عبد الملک اور پھر ہشام بن عبد الملک حاکم اور خلیفہ ہوتے رہے ہیں۔ یہ سب مل کر پندرہ اشخاص بنتے ہیں۔ ان کے بعد ولید بن یزید بن عبد الملک ہوا ہے جسے بیہتی نے بارہواں شمار کیا ہے اور اگر عبد الملک سے پہلے عبد اللہ بن زبیر کی حکومت کو شامل کیا جائے تو تیرہ اشخاص بنتے ہیں اور رسول خدا کے پسندیدہ بارہ خلفاء کے بارے میں ان تمام تر دشواریوں کے باوجود یزید بن معاویہ اس گنتی میں شامل ہو جاتا ہے اور عمر بن عبدالعزیز جیسا شخص جس کی سب بزرگوں نے تعریف کی ہے وہ اس فہرست سے خارج ہو جاتا ہے حالانکہ اسے خلفائے راشدین میں شمار کیا گیا ہے اور سبھی اس کی عدالت کے بارے میں متفق ہیں اور اس بات پر اعتقاد رکھتے ہیں کہ اس کا زمانہ اسلامی حکومت کے عادلانہ ترین زمانوں میں سے تھا حتیٰ کہ رافضی بھی اس کا اعتراف کرتے ہیں۔ اگر کوئی کہے کہ ہم فقط ان اشخاص کو معتبر خیال کرتے ہیں جن پر امت کا اجماع ہوا ہو تو انھیں اس مشکل سے دو چار ہونا پڑے گا کہ علی بن ابی طالب اور ان کے فرزند حسن کو خلفاء کی فہرست سے خارج کر دیں کیونکہ لوگوں نے ان کی خلافت پر اتفاق نہیں کیا اور تمام اہل شام نے ان دو اشخاص کی خلافت پر بیعت نہیں کی تھی۔

اس گفتگو کے بعد ابن کثیر ان الفاظ کا اضافہ کرتے ہیں ایک عالم معاویہ یزید اور معاویہ بن یزید کو بارہ خلفاء میں شمار کرتا ہے لیکن مروان اور عبد اللہ بن زبیر کو ان میں شامل نہیں کرتا کیونکہ امت نے ان میں سے کسی ایک پر بھی اتفاق نہیں کیا۔ میں کہتا ہوں کہ اگر ہم یہ مسلک قبول کر لیں تو ہمیں چاہیے کہ ان کی گنتی یوں کریں۔

ابوبکر، عمر، عثمان، معاویہ، یزید، عبد الملک، ولید، سلیمان، عمر بن عبدالعزیز، یزید ہشام، یہ سب مل کر بارہ افراد بنتے ہیں۔ ان کے بعد ولید بن یزید بن عبد الملک فاسق ہے لیکن اصولاً یہ راستہ اپنانا ناممکن ہے کہ علی اور اس کے فرزند حسن کو بارہ

افراد کی فہرست سے خارج کر دیں اور یہ بات اہل سنت اور شیعہ علماء کی تصریحات کے خلاف ہے۔ اور یہ بات اس روایت کے بھی خلاف ہے جو سفینہ نے آنحضرتؐ سے نقل کی ہے یعنی

”میرے بعد تیس سال تک خلافت ہے اس کے بعد کاٹنے والی ملوکیت قائم ہوگی۔“ (الہدایہ والنہایہ ۶/۲۵ مطبوعہ آفٹ بیروت)

ابن جوزی نے اپنی کتاب ”کشف المشکل“ میں ان احادیث کو حل کرنے کے دو طریقے بتائے ہیں۔

۱۔ رسول اکرمؐ نے اپنی حدیث میں ان حوادث کی طرف اشارہ فرمایا ہے جو خود آپ کے اور آپ کے اصحاب کے بعد رونما ہوئے تھے اور درحقیقت آنحضرتؐ اور آپ کے اصحاب اس سلسلہ میں منسلک اور یکساں ہیں۔ رسول اکرمؐ ان حکومتوں کے متعلق خبر دیتے ہیں جو آپ کے بعد قائم ہونی تھیں اور ان ارشادات کے ذریعے ان حکومتوں میں موجود خلفاء کی تعداد کی جانب اشارہ کرتے ہیں اور شاید ”لَا يَزَالُ الدِّينُ“ کے الفاظ سے یہ مراد ہے کہ جب تک بارہ خلفاء موجود ہوں گے اس وقت تک حکومت مستحکم، برقرار عالی قدر اور طاقت ور رہے گی اور اس کے بعد اس کی شکل بدل جائے گی اور اس کے حالات و واقعات بے حد مشکل ہو جائیں گے۔ آنحضرتؐ کے خلفاء میں پہلا فرد بنی امیہ میں سے ہے اور وہ یزید بن معاویہ ہے اور ان کا آخری فرد مروان ہمارے اور ان کی کل تعداد تیرہ ہے۔ عثمان، معاویہ اور عبداللہ بن زبیر اس گنتی میں شامل نہیں ہیں کیونکہ ان کا شمار صحابہ میں ہے پس اگر اس تعداد میں سے مروان بن الحکم کو اس بنا پر حذف کر دیں کہ اس کے صحابی ہونے میں شک ہے یا اس لیے کہ اس نے خلافت زور اور غلبہ سے حاصل کی اور اس زمانے کے لوگوں نے

برضا و رغبت عبداللہ بن زبیر کے ہاتھ پر بیعت کی تھی تو پھر بارہ افراد کی تعداد مکمل ہو جائے گی (اور یوں آنحضرتؐ کی پیشین گوئی درست ثابت ہو جاتی ہے) اور جب خلافت بنی امیہ کے خاندان سے نکل گئی تو بہت بڑا فساد برپا ہوا اور بڑے عظیم حوادث رونما ہوئے اور یہ صورت اس وقت تک قائم رہی جب تک بنی عباس کی خلافت قائم نہیں ہو گئی اور اس کے بعد بھی خلافت کے حالات میں بڑی واضح تبدیلیاں رونما ہوئیں۔

ابن حجر کتاب فتح الباری میں یہ الفاظ نقل کرنے کے بعد انھیں رد کرنے کی جانب متوجہ ہوئے اور اس میں مضمحل مشکلات گناتے ہیں۔ (فتح الباری ۱۶/۳۲۰)

۲۔ اس بات کا احتمال ہے کہ بارہ افراد سے مراد ایسے خلفاء ہیں جو امام مہدی کی عادلانہ حکومت کے بعد حکومت کریں گے۔ میں نے کتاب دانیال میں یہ دیکھا ہے کہ جب مہدی دنیا سے رحلت فرما جائیں گے تو ان کے بعد سبط اکبر حضرت امام حسن کی اولاد میں سے پانچ اشخاص حکومت حاصل کریں گے اور پھر سبط اصغر امام حسین کی اولاد میں سے پانچ اشخاص اس رتبہ پر فائز ہوں گے اور اس گروہ کا آخری فرد وصیت کرے گا کہ سبط اکبر کی اولاد میں سے ایک شخص اس کا جانشین ہو اور وہ خلافت کرے۔ پھر اس کا فرزند خلافت کی ذمہ داریاں سنبھالے گا اور یوں مذکورہ بالا بارہ حکام کی تعداد مکمل ہو جائے گی اور ان میں سے ہر ایک ہدایت یافتہ امام ہوگا۔ ان جملوں کے بعد ابن جوزی کہتے ہیں کہ ایسی روایت بھی موجود ہے جس کے مطابق اس (مہدیؑ) کے بعد بارہ افراد حکومت پر فائز ہوں گے جن میں سے چھ امام حسن اور پانچ امام حسین کی اولاد میں سے اور ایک دوسروں میں سے ہوگا جب وہ فوت ہوگا تو زمانہ فاسد ہو جائے گا۔

(فتح الباری ۱۶/۳۲۱ پہلا ایڈیشن مصر)

ابن حجر بیہمی اس حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ یہ روایت قطعاً بے

حقیقت ہے اور اس پر بھروسہ نہیں کیا جاسکتا۔ (الصواعق المحرقة ص ۲۱۔ دوسرا ایڈیشن مصر)
 علماء کے ایک گروہ نے کہا ہے کہ یوں معلوم ہوتا ہے کہ رسول خدا نے اس
 حدیث میں اپنے بعد رونما ہونے والے عجائب کی خبر دی ہے اور ان زمانوں میں
 وقوع پذیر ہونے والی بد نظمی اور افراتفری کے بارے میں پیش گوئی کی ہے۔ یہ وہ
 زمانے ہوں گے۔ جب لوگ بیک وقت بارہ امراء کے گرد جمع ہو جائیں گے اور اگر
 رسول خدا کوئی اور چیز کہنے کے خواہش مند ہوتے تو آپ یقیناً فرماتے کہ بارہ امیر
 ہوں گے جن میں سے ہر ایک یہ یہ کام کرے گا۔

چونکہ حضور نے ان افراد کے متعلق کوئی خبر نہیں دی لہذا ہم سمجھتے ہیں کہ
 آپ کا مقصد یہ تھا کہ تمام خلفاء ایک ہی وقت میں ہوں گے۔

کہا جاتا ہے کہ آپ کی یہ پیش گوئی متذکرہ بالا منہوم کے ساتھ پانچویں
 صدی میں پوری ہوئی کیونکہ اس زمانے میں اندلس میں چھ اشخاص ایسے تھے جن میں
 سے ہر ایک نے اپنے لیے خلیفہ کا لقب اختیار کر رکھا تھا۔ ان چھ افراد کے علاوہ مصر
 کا حاکم (فاطمی خلیفہ) اور بغداد میں عباسی خلیفہ بھی تھے (یوں مجموعی تعداد آٹھ ہو
 جاتی ہے) ان کے علاوہ کچھ اور مدعیان خلافت بھی تھے جو خوارج اور ان علویوں پر
 مشتمل تھے جنہوں نے اس زمانے میں خروج کیا اور عباسی خلفاء کی اطاعت کا جو
 گردن سے اتار پھینکا اور حکومت و خلافت کے دعویدار بن گئے۔ یہ قول نقل کرنے
 کے بعد ابن حجر کہتے ہیں: یہ باتیں بالخصوص وہ لوگ کرتے ہیں جنہیں صرف بخاری
 کی مختصر روایت کا علم ہے اور جنہوں نے حدیث کے دوسرے ذرائع پر نظر نہیں ڈالی
 (جن میں بارہ خلفاء کے بارے میں کافی وضاحت موجود ہے) علاوہ ازیں ان بہت
 سے خلفاء کی موجودگی بجائے خود تفاوت اور جدائی کا موجب ہے لہذا انہیں
 آنحضرت کی مراد اور مقصود قرار نہیں دیا جاسکتا۔

نتیجہ بحث

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی مذکورہ احادیث بیان کرنے کے باوجود مکتب خلافت کے علماء ان کے نام بتانے سے قاصر رہے اور اگر کسی نے بتانے کی کوشش بھی کی تو بھی اس میں یزید اور اولاد مروان جیسے ظالموں کے نام شامل کیے۔ جبکہ رسول خداؐ نے یہ فرمایا تھا کہ یہ میرے جانشین دین کے محافظ ہوں گے اور دین کی عظمت کے نگہبان ہوں گے اور اگر یزید و مروان جیسے لوگ اسلام کے محافظ تصور کر لیے جائیں تو ایسے اسلام پر سلام ہو۔

مکتب خلافت کے علماء نے ہر ممکن کوشش کی کہ خلفائے رسول کے عنوان سے صرف برسرِ اقدار طبقہ کو ہی متعارف کرایا جائے اور ان لوگوں نے ان حقیقی جانشینانِ رسول کا نام لکھنے سے گریز کیا جو اسلام اور قرآن کے وارث تھے اور جن کی امامت کی پیش گوئیوں سے مکتب امامت کی کتابیں بھری ہوئی ہیں۔ پیغمبر اکرمؐ کے بزرگ صحابہ نے جن کی امامت کی گواہی دی۔

یہاں ہم اجمالی طور پر اس مفہوم کی چند روایات نقل کرنے کی سعادت حاصل کرتے ہیں۔

مکتب خلافت میں بارہ آئمہ کے نام

۱۔ جوینی نے عبداللہ بن عباس سے روایت کی کہ رسول خداؐ نے فرمایا:

انا سید النبیین و علی سید الوصیین وان اوصیائی بعدی

اثنا عشر اولہم علی بن ابی طالب و اخرہم المہدی.

”میں انبیاء کا سردار ہوں اور علیؑ اوصیاء کا سردار ہے اور میرے

وصی بارہ ہوں گے جن میں سے پہلا علی بن ابی طالب اور

آخری مہدیؑ ہوگا۔“

۲۔ جوینی نے اپنی سند سے ابن عباس سے روایت کی۔ اس نے کہا کہ رسول
خدا نے فرمایا:

ان خلفائی و اوصیائی و حجج اللہ علی الخلق بعدی
الاثنی عشر اولہم اخی و اخرہم ولدی. قیل: یارسول
اللہ ومن اخوک قال علی بن ابی طالب قیل فمن
ولدک؟ قال المہدی الذی یملاہا قسطا وعدلا کما
ملئت جورا وظلما والذی بعثنی بالحق بشیرا و نذیرا
لؤلیم یبق من الدنیا الایوم واحد لطول اللہ ذلک الیوم
حتی ینخرج فیہ ولدی المہدی فینزل روح اللہ عینی
بن مریم فیصلی خلفہ و تشرق الارض بنور ربہا و ینبلغ
سلطانہ المشرق والمغرب.

”میرے خلفاء اور میرے اوصیاء اور میرے بعد بندوں پر اللہ
کی جتوں کی تعداد بارہ ہوگی جن میں سے پہلا میرا بھائی ہوگا
اور آخری میرا بیٹا ہوگا۔“

آپ سے پوچھا گیا: یا رسول اللہ! آپ کا بھائی کون ہے؟

آپ نے فرمایا: علی بن ابی طالب میرا بھائی ہے۔

آپ سے پوچھا گیا: آپ کا بیٹا کون ہے؟

آپ نے فرمایا: اس سے مراد میرا فرزند مہدی ہے جو دنیا کو عدل و
انصاف سے بھر دے گا جب کہ اس سے پہلے دنیا ظلم و جور سے بھری چکی ہوگی۔ اگر

دنیا کی بقا میں سے صرف ایک دن بھی رہتا ہو تو اللہ اس دن کو طویل کر دے گا یہاں تک میرے فرزند مہدی کا خروج ہوگا اور روح اللہ عیسیٰ بن مریم اتریں گے اور وہ ان کے پیچھے نماز پڑھیں گے اور زمین اپنے رب کے نور سے جگمگانے لگے گی اور اس کی سلطنت مشرق و مغرب تک پھیل جائے گی۔

۳۔ جوینی اپنی سند سے رقم طراز ہیں کہ راوی نے کہا کہ میں نے رسول خدا کو یہ فرماتے ہوئے سنا:

انا و علی والحسن والحسین و تسعة من ولد الحسين
مطهرون معصومون۔^۱

”میں اور علیؑ اور حسنؑ و حسینؑ اور نسل حسین کے نو افراد طاہر اور معصوم ہیں۔“

حکومتی پالیسی کے تحت کتب خلفاء کے علماء نے ایسی احادیث کو ہر دور میں مخفی رکھا اور ان پر پردہ ڈالے رکھا اور ہر ممکن طریقہ سے ان احادیث کو چھپایا۔ یہاں ہم ایسی احادیث کو بوجہ نقل کرنے سے قاصر ہیں۔ ذیل میں ہم رسول مقبول کے حقیقی خلفاء کا مختصر تعارف کرانا چاہتے ہیں۔ رسول خدا نے ان خلفاء کے متعلق اپنی بہت سی نصوص میں اشارہ فرمایا تھا:

۱۔ یہ تینوں احادیث فرائد السطین کے باتصویر قلمی نسخہ میں موجود ہیں اور یہ نسخے تہران یونیورسٹی کی مرکزی لائبریری میں ۱۱۶۳-۱۶۹۰-۱۶۹۱ نمبر پر موجود ہیں یہ احادیث ورقہ نمبر ۱۶۰ پر موجود ہیں۔ ذہبی نے اپنے شیوخ کے حالات زندگی کے تحت تذکرۃ الکھاظ ص ۱۵۰۵ پر جوینی کے متعلق یہ الفاظ لکھے۔

الامام المحدث الاوحد الاکمل فخر الاسلام صدر الدین ابراہیم بن محمد بن حمویہ.

جوینی اشافعی صوفیا کے شیخ تھے اور انہیں احادیث سے والہانہ عشق تھا۔ غازان بادشاہ ان کے

ہاتھ پر اسلام لایا تھا۔

ائمہ معصومین کا مختصر تعارف

پہلا امام: حضرت امیر المومنین علی بن ابی طالب علیہ السلام
 آپ کے والد کا نام ابو طالب بن عبدالمطلب بن ہاشم بن عبدمناف اور
 آپ کی والدہ کا نام فاطمہ بنت اسد بن ہاشم بن عبدمناف تھا۔
 کنیت: ابوالحسن، ابوالحسین اور ابو تراب
 لقب: وصی۔ امیر المومنین

ولادت باسعادت: آپ کعبہ شریف میں ۳۰ عام الفیل کو پیدا ہوئے۔
 شہادت: عبدالرحمن بن ملجم خارجی نے ماہ رمضان ۴۰ھ کو آپ کو مسجد کوفہ
 میں ضرب لگائی، جس سے آپ شدید زخمی ہوئے اور دو دن بعد اکیس (۲۱) ماہ
 رمضان کو شہید ہوئے اور کوفہ کے قریب نجف اشرف میں دفن ہوئے۔

دوسرا امام: حسن بن علی بن ابی طالب

آپ کی والدہ حضرت فاطمہ زہراؑ دختر رسول خدا تھیں۔
 کنیت: ابو محمد۔
 لقب: سبط اکبر، مجتبیٰ۔

ولادت باسعادت: آپ ۳ھ پندرہ رمضان المبارک کو مدینہ منورہ میں پیدا
 ہوئے۔

شہادت: پچیس (۲۵) ربیع الاول ۵۰ھ کو آپ کی شہادت ہوئی اور مدینہ
 کے قبرستان بقیع میں دفن ہوئے۔

تیسرا امام: حسین بن علی بن ابی طالب علیہما السلام
 آپ کی والدہ ماجدہ حضرت فاطمہ زہراؑ دختر پیغمبر تھیں۔
 کنیت: ابو عبد اللہ۔

لقب: سبط اصغر، شہید کربلا۔

ولادت باسعادت۔ آپ شعبان ۴ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔
شہادت: لشکر یزید بن معاویہ نے کربلا میں تین دن کا بھوکا پیاسا رکھ کر آپ
کو آپ کے اہل خاندان اور انصار کے ساتھ شہید کیا۔ آپ کی قبر عراق کے مشہور شہر
کربلا میں واقع ہے۔

چوتھا امام: علیؑ بن الحسین علیہما السلام

آپ کی والدہ کا نام غزالہ تھا اور ایک اور قول کے مطابق ان کا نام شاہ
زنان تھا۔
کنیت: ابوالحسن۔

لقب: زین العابدین، سجاد۔

ولادت باسعادت: آپ کے سن پیدائش میں اختلاف ہے بعض نے ۳۳ھ
بعض نے ۳۷ھ اور بعض نے ۳۸ھ میں آپ کی ولادت بیان کی ہے۔
شہادت: آپ نے ۹۴ھ میں شہادت پائی اور مدینہ کے قبرستان بقیع میں
اپنے چچا حسنؑ مجتبیٰ کے پہلو میں دفن ہوئے۔

پانچواں امام: محمدؑ بن علی علیہما السلام

آپ کی والدہ امام حسنؑ مجتبیٰ کی صاحبزادی ام عبداللہ تھیں۔
کنیت: ابوجعفرؑ

لقب: باقرؑ

ولادت باسعادت: ۴۵ھ کو مدینہ منورہ میں آپ کی ولادت ہوئی۔
شہادت: آپ نے ۱۱۷ھ ہجری کو امام شہادت نوش کیا اور مدینہ کے قبرستان
بقیع میں اپنے والد کے پہلو میں دفن ہوئے۔

چھٹا امام: جعفر بن محمد علیہما السلام

آپ کی والدہ کا نام ام فردہ بنت قاسم بن محمد بن ابی بکر تھا۔

کنیت: ابو عبد اللہ

لقب: صادقؑ

ولادت باسعادت: آپ ۷۳ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔

شہادت: آپ نے ۱۲۸ھ کو مدینہ میں شہادت پائی اور قبرستان بقیع میں

اپنے والد کے پہلو میں دفن ہوئے۔

ساتواں امام: موسیٰ بن جعفر علیہما السلام

والدہ: حمیدہ خاتون

کنیت: ابوالحسنؑ

لقب: کاظمؑ

ولادت: آپ ۱۲۸ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔

شہادت: آپ نے ۱۸۳ھ کو زندان ہارون میں جام شہادت نوش کیا اور

آپ کو بغداد کے مغربی کونے میں مقابر قریش میں دفن کیا گیا اور آج کل اسے

مدینۃ الکاظمیہ کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔

آٹھواں امام: علی بن موسیٰ علیہما السلام

والدہ: خیزران

کنیت: ابوالحسنؑ

لقب: رضاؑ

ولادت باسعادت: آپ ۱۵۳ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔

شہادت: آپ نے ۲۰۳ھ ساغر شہادت پی کر ملک عدم ہوئے آپ کا

دفن طوس میں واقع ہے۔

نواں امام: علیؑ بن موسیٰؑ علیہما السلام

والدہ: سکینہ

کنیت: ابو عبد اللہ

لقب: جواد

ولادت باسعادت: آپ ۱۹۵ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔

شہادت: آپ نے ۲۲۰ھ کو بغداد میں شہادتِ عظمیٰ پائی اور اپنے دادا کے

پہلو میں مدینۃ الکاظمیہ میں دفن ہوئے۔

دسواں امام: علیؑ بن محمدؑ علیہما السلام

والدہ: سمانہ مغربیہ۔

کنیت: ابوالحسن العسکری

لقب: ہادی

ولادت باسعادت: آپ ۲۱۴ھ کو مدینہ منورہ میں پیدا ہوئے۔

شہادت: آپ نے ۲۵۴ھ کو عراق کے شہر سامرا میں شہادت پائی اور وہیں

دفن ہوئے۔

گیارہواں امام: حسنؑ بن علیؑ علیہما السلام

والدہ: آپ کی والدہ ام ولد تھیں جنہیں سوسن کہا جاتا تھا۔

کنیت: ابو محمد

لقب: عسکری

ولادت باسعادت: آپ ۲۳۱ھ کو سامرا میں پیدا ہوئے۔

شہادت: آپ نے ۲۶۰ھ کو سامرا میں شہادت پائی اور وہیں دفن کیے گئے۔

بقیع کے چار ائمہ کے علماء وہ باقی تمام آئمہ ہدی کے عالی شان مزارات ہیں۔ بقیع میں بھی بنت رسول اور ان کی اولاد کے خوبصورت مزار تھے لیکن وہابیوں کے اقتدار کے ساتھ ہی بہت سی امہات المؤمنین اور صحابہ رسول کے ساتھ ساتھ ان کے مزارات بھی مسمار کر کے زمین بوس کر دیے۔

بارہواں امام: محمد بن حسن عسکری علیہما السلام
والدہ: آپ کی والدہ ایک ام ولد تھیں جن کا نام نرجس تھا اور بعض مورخین کے نزدیک ان کا نام صیقل تھا۔

کنیت: ابو عبد اللہ ابو القاسم۔

لقب: قائم، منتظر، خلف مہدی صاحب الزمان۔

• ولادت: آپ ۲۵۵ھ کو عراق کے شہر سامرا میں پیدا ہوئے اور آپ آخری

امام ہیں اور اللہ کے حکم سے زندہ ہیں اور اس وقت پردہ غیبت میں ہیں جب اللہ تعالیٰ کا ارادہ ہو گا تو آپ ظہور فرمائیں گے اور اسلام کی عادلانہ و منصفانہ حکومت قائم کریں گے۔

ایک ضروری تشبیہ

بارہ آئمہ کی نصوص کے ضمن میں ہم پیغمبر اکرم کے یہ فرمان نقل کر چکے

ہیں کہ آپ نے فرمایا:

يَمْضِي مِنْهُمْ اثْنَا عَشَرَ خَلِيفَةً كُلَّهُمْ مِنْ قُرَيْشٍ ثُمَّ يَكُونُ

الْمَرْحُ وَالْهَرَجُ.

”میری امت میں بارہ امام گزریں گے وہ سب کے سب

قریش سے ہوں گے پھر افراتفری پھیل جائے گی۔“

ایک اور حدیث میں یہ الفاظ وارد ہیں:

مَنْ بَزَالَ هَذَا الَّذِينَ قَائِمًا إِلَى اثْنَيْ عَشَرَ مِنْ قُرَيْشٍ فَاذَا

ہلکوا ماجت الارض باہلہا.

”یہ دین قریش کے بارہ خلفاء تک ہرگز زائل نہ ہوگا اور جب وہ رخصت ہو جائیں گے تو زمین اپنے اہل سمیت تباہ و برباد ہو جائے گی۔“

ان احادیث نبویہ سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ دنیا بارہویں امام تک قائم ہے اور جب بارہویں امام دنیا سے رخصت ہو جائیں گے تو یہ دھرتی تباہ و برباد ہو جائے گی۔ اسی لیے اللہ تعالیٰ نے رسول خدا کے بارہویں جانشین کو طویل عمر دے کر پردہ غیبت میں چھپا دیا تاکہ دنیا اپنی طبعی عمر پوری کر سکے۔

بارہ آئمہ کی پیش گوئی پر مبنی احادیث آل رسول کے بارہ ائمہ کے علاوہ کسی پر بھی منطبق نہیں ہوتیں اور آنحضرت کی مذکورہ احادیث انہی ائمہ ہدیٰ پر ہی صادق آتی ہیں۔





فصل چہارم

دونوں مکاتیبِ فکر میں بحث
امامت کا خلاصہ





- صدرِ اسلام میں خلافت کیسے قائم ہوئی؟
- مکتبِ خلافت کے نزدیک خلافت کیا ہے؟
- خلافت و امامت کے متعلق مکتبِ خلافت کی آراء پر تنقید
- حضرت علیؑ کے کلام سے استدلال
- خلیفہ خواہ فاسق و مجرم ہی ہو اس کی اطاعت واجب ہے اور
- اسے معزول کرنا جائز نہیں ہے؟
- مکتب اہل بیت کی نظر میں امامت کا مقام
- نبی اکرمؐ کے بارہ اوصیاء
- تیرہ صدیوں کی کوششیں



صدر اسلام میں خلافت کیسے قائم ہوئی؟

امامت و خلافت کے متعلق دونوں مکاتیبِ فکر کی آراء کا جائزہ لینے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ ہم تاریخی واقعات کے تحت قیامِ خلافت پر ایک نظر ڈالیں۔

معاملات کی ابتداء

رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنی بیماری کے ایام میں اسامہ بن زید کی زیر سرکردگی ایک لشکر تشکیل دیا اور اس لشکر میں مہاجرین و انصار کی چیدہ چیدہ تمام شخصیات کو شامل فرمایا جن میں حضرت ابوبکر و عمر ابو عبیدہ اور سعد بن ابی وقاص خصوصی طور پر قابل ذکر تھے۔ اسامہ نے مقام جرف پر پڑاؤ ڈالا۔ بزرگ صحابہ نے اسامہ کی سپہ سالاری پر اعتراض کیا تو رسول خداؐ نے فرمایا کہ تمہارا اعتراض غلط ہے وہ سالاری کے قابل ہے۔ اس پر لوگ بوجھل قدموں کے ساتھ مقام جرف پر پہنچے۔ اسامہ آخری سلام کے لیے حاضر خدمت ہوئے تو رسول خداؐ نے بڑی تاکید سے فرمایا کہ اسامہ کے لشکر کو فی الفور روانہ کرو۔ ابھی یہ لشکر روانہ نہیں ہوا تھا کہ مدینہ سے یہ اطلاعات آنے لگیں کہ آنحضرتؐ کی طبیعت روز بروز خراب ہوتی جا رہی ہے۔ چنانچہ لشکر میں شامل اکثر افراد مدینہ واپس آئے اور جمرات کے دن یہ لوگ رسول خداؐ کی عیادت کے لیے حجرہ میں آ کر بیٹھے کہ رسول خداؐ نے فرمایا میرے پاس

کاغذ و دوات لاؤ میں ایک نوشتہ تحریر کرنا چاہتا ہوں جس کی وجہ سے تم گمراہی سے بچ جاؤ گے۔

حضرت عمرؓ نے کہا: اس وقت نبی پر درد کا غلبہ ہے اور تمہارے پاس اللہ کی کتاب موجود ہے اور وہ ہمارے لیے کافی ہے۔ جب دربار نبوت میں شور و غل بڑھا تو رسول اکرمؐ نے فرمایا:

”میرے یہاں سے اٹھ کر چلے جاؤ نبی کے پاس جھگڑنا اچھا نہیں ہوتا۔“
ابن عباس انہی واقعات کو یاد کر کے روایا کرتے تھے اور کہتے تھے:
ان لوگوں نے نبی کے پاس جھگڑا کیا جب کہ نبی کے پاس جھگڑنا نامناسب تھا اور انہوں نے کہا تھا کہ رسول ہذیان بک رہے ہیں۔ (نعوذ باللہ)
ابن عباس اس واقعہ کو یاد کر کے اتنا روتے تھے کہ ان کے آنسوؤں کی وجہ سے زمین پر پڑے ہوئے سنگریزے تر ہو جاتے تھے۔

وفات رسولؐ پر حضرت عمرؓ کا موقف

لوگوں کے تاخیری حربوں کی وجہ سے لشکرِ اسامہ روانہ نہ ہو سکا۔ آخر کار رسول خداؐ کی وفات ہو گئی۔ اس وقت حضرت ابو بکرؓ اپنی بیوی کے پاس مدینہ کے باہر سخ نامی ایک محلہ میں تھے۔

حضرت عمرؓ نبی اکرمؐ کے مکان پر آئے اور لوگوں کو دھمکانے لگے اور کہا:
رسول خداؐ کی وفات نہیں ہوئی۔ آپ اپنے رب کے پاس گئے ہیں۔ جس طرح سے موسیٰؑ اپنی قوم سے چالیس دن کے لیے گئے تھے اور پھر واپس آ گئے تھے اسی طرح سے رسول خداؐ بھی کچھ دنوں کے لیے خدا کے پاس گئے ہیں اور وہ جلد واپس آ جائیں گے اور جو منافق یہ سمجھ رہے ہیں کہ آپ فوت ہو چکے ہیں آپ ان کے ہاتھ پاؤں کاٹیں گے اور خردار جس نے کہا کہ محمدؐ کی وفات ہو چکی ہے تو میں اس کی گردن اپنی تلوار سے اڑا دوں گا۔ لوگوں نے ان کے سامنے قرآن مجید کی یہ

آیت پڑھی:

(وَمَا مُحَمَّدٌ إِلَّا رَسُولٌ قَدْ خَلَتْ مِنْ قَبْلِهِ الرُّسُلُ أَفَإِنَّ

مَاتَ أَوْ قُتِلَ انْقَلَبْتُمْ عَلَىٰ أَعْقَابِكُمْ)

”محمدؐ بس ایک رسول ہیں ان سے پہلے بہت سے رسول گزر

چکے ہیں تو کیا اگر وہ طبعی موت میں یا قتل ہو جائیں تو تم

اٹنے پاؤں پھر جاؤ گے؟“

رسول خدا کے چچا حضرت عباسؓ نے کہا:

بے شک رسول خدا وفات پا چکے ہیں اگر تم میں سے کسی شخص کو رسول خدا

نے یہ بتایا ہو کہ ان کی وفات نہیں ہوگی تو وہ آکر ہمیں اس بات کی اطلاع دے۔

مگر ان باتوں کا حضرت عمرؓ پر کوئی اثر نہ ہوا اور وہ مسلسل اپنے منہ سے

جھاگ اڑاتے رہے۔ پھر حضرت ابو بکرؓ آئے اور انھوں نے (وما محمد الا رسول.....)

کی آیت پڑھی تو حضرت عمرؓ خاموش ہو گئے۔

سقیفہ بنی ساعدہ کی کارروائی

رسول خداؐ کے افراد خاندان آپ کو غسل دینے کی تیاریاں کر رہے تھے کہ

انصار نے سقیفہ میں اجتماع کیا اور سعد بن عبادہ جو کہ اس وقت بیمار تھے انھیں کھینچ

کھاڑ کر اجلاس میں لے آئے۔ اس نے انصار کی اسلامی خدمات بیان کیں اور

انھیں ترغیب دی کہ حکومت و اقتدار پر قبضہ کر لو۔ انصار نے ان کی تجویز کو سراہا اور

ان سے کہا ہم ہر معاملہ میں آپ کا ساتھ دیں گے اور ہم آپ کو ہی اپنا خلیفہ بنائیں

گے۔ حضرت عمرؓ کو اس کارروائی کی اطلاع ملی تو انھوں نے حضرت ابو بکرؓ کو بلایا اور وہ

ابو عبیدہ کو ساتھ لے کر سقیفہ بنی ساعدہ آئے جہاں پہلے سے انصار کا اجتماع ہو رہا

تھا۔ حضرت ابو بکرؓ نے اس اجلاس میں مہاجرین کی اسلامی خدمات بیان کیں اور پھر

انصار سے کہا: ہم رسول خدا کے رشتہ دار اور ان کے اہل خاندان ہیں اور ہم ہی اس اقتدار کے زیادہ حقدار ہیں اور جو ہم سے جھگڑا کرے گا وہ ظالم ہوگا۔

حباب بن منذر نے کہا:

اے گروہ انصار! تم لوگ اپنی بات پر قائم رہو۔ یہ لوگ تمہاری زیر سرپرستی زندگی بسر کر رہے ہیں اور کسی شخص کو تمہاری مخالفت کی جرأت نہیں ہے اور اگر یہ لوگ ہماری حکومت تسلیم نہ کریں تو پھر ہماری دوسری پیش کش یہ ہے کہ ایک امیر ہم میں سے ہو اور ایک امیر ان میں سے ہو۔

حضرت عمرؓ نے کہا:

ایسا کرنا ناممکن ہے کیونکہ بیک وقت ایک نیام میں دو تلواریں جمع نہیں ہو سکتیں..... اور عرب اس بات پر ہرگز راضی نہ ہوں گے کہ ان کا نبی کسی اور خاندان سے ہو اور اس کا جانشین کسی دوسرے خاندان سے تعلق رکھتا ہو۔

حباب اور حضرت عمرؓ میں کافی تند و تلخ جملوں کی توللکار ہوئی اور دونوں نے ایک دوسرے کو قتل کی دھمکیاں تک دیں۔ اتنے میں انصار میں سے کچھ افراد نے یہ کہا کہ اگر حکومت انصار کا حق نہیں ہے اور یہ صرف مہاجرین میں سے قریش کے لیے مخصوص ہے تو ہم حضرت علیؓ کی بیعت کر لیتے ہیں۔ جب حضرت عمرؓ نے یہ جملے سنے تو انھیں اپنی تمام بازی الٹی ہوئی نظر آئی انھوں نے حضرت ابوبکرؓ سے کہا آپ ہاتھ بڑھائیں میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ حضرت ابوبکرؓ نے ہاتھ بڑھایا تو حضرت عمرؓ سے بھی پہلے بشیر بن سعد انصاری نے بیعت کی پھر حضرت عمرؓ نے بیعت کی۔ اس پر حباب بن منذر نے چیخ کر کہا: تو نے اپنے ابن عم سے حسد کیا اور اس حسد نے تجھے اس بیعت پر مجبور کر دیا۔ عمرو ابوعبیدہ کی بیعت کے بعد قبیلہ اوس کے افراد نے کہا اگر حکومت قبیلہ خزرج میں ایک دفعہ چلی گئی تو وہ قبیلہ ہم پر ہمیشہ فخر کرنا رہے گا اسی لیے بہتر یہی ہے کہ خزرج کی بجائے مہاجرین کا ساتھ دیا جائے۔

چنانچہ انھوں نے بھی حضرت ابوبکرؓ کی بیعت کی اور لوگوں کا اس قدر انہوہ بیعت کے لیے ٹوٹ پڑا کہ سعد بن عبادہ کے کچلے جانے کا خطرہ پیدا ہو گیا۔ سعد کے ساتھیوں نے کہا: سعد کو مت کچلو۔ حضرت عمرؓ نے کہا: اسے مار ڈالو! خدا اسے عارت کرے۔

بعد ازاں حضرت عمرؓ نے سعد کے سر ہانے کھڑا ہو کر کہا: میں چاہتا تھا کہ تجھے کچل دوں اور تیرے بدن کے اعضا جدا جدا کر دوں۔ سعد کا بیٹا قیس یہ بات برداشت نہ کر سکا اور اس نے ان کی داڑھی پکڑ کر کہا۔ اگر سعد کا ایک بال بھی بیکا ہوا تو میں تیری نیستی باہر نکال دوں گا۔ حضرت ابوبکرؓ نے کہا: اے عمر! نرمی سے کام لو یہاں کے حالات کے مطابق نرمی ہی بہتر ہے۔

یہ سن کر عمر خاموش ہو گئے۔

قبیلہ اسلم ایک صحرائی قبیلہ تھا۔ وہ مدینہ میں غلہ لینے کے لیے آیا تھا۔ جب انھیں پتہ چلا کہ سقیفہ میں حضرت ابوبکرؓ کی بیعت ہو چکی ہے تو وہ لوگ آئے اور انھوں نے حضرت ابوبکرؓ کے ہاتھ پر بیعت کی۔ ابوبکرؓ کے ساتھی انھیں اپنے ساتھ لے کر مسجد نبوی میں آئے اور حضرت ابوبکرؓ منبر پر بیٹھے اور وہ پورا دن بیعت لینے میں گزر گیا اور رسول خداؐ کی تدفین نہ ہو سکی یہاں تک کہ منگل کا دن بھی گزر گیا۔ بدھ کے دن یہ جماعت پھر مسجد میں آئی حضرت ابوبکرؓ منبر پر بیٹھے اور حضرت عمرؓ نے لوگوں سے کہا کہ وفات رسول کے دن میں نے جو کچھ کہا تھا وہ اپنے جذبات اور شدت غم سے مغلوب ہو کر کہا تھا۔ میری باتوں کی بنیاد کتاب و سنت پر نہیں تھی۔ البتہ میں یہ سمجھتا تھا کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کی ہدایت کے لیے اپنے نبی کو زندگی دے گا اور وہ آخر دم تک ہمارے ساتھ رہیں گے۔ اب جبکہ رسول خداؐ ہم سے جدا ہو گئے ہیں مگر ان کا دیا ہوا قرآن ہمارے پاس موجود ہے۔ لوگوں نے رسول خداؐ کے ساتھی پر اجماع کیا ہے لہذا میں باقی لوگوں سے بھی کہتا ہوں کہ وہ بھی اٹھ کر ان کی بیعت کریں۔ اس کے بعد لوگوں نے ان کی بیعت کی اور اس بیعت میں وہ لوگ بھی

شامل تھے جنہوں نے سقیفہ میں ان کی بیعت کی تھی۔

اس کے بعد حضرت ابو بکرؓ نے خطبہ دیا اور کہا: لوگو! مجھے تمہارا حاکم مقرر کیا گیا ہے جبکہ میں تم سے بہتر نہیں ہوں اگر میں اچھا کام کروں تو تم میری مدد کرو اور اگر میں ٹیڑھا ہو جاؤں تو تم مجھے سیدھا کرو.....

بدھ کے دن رسول خداؐ کی نماز جنازہ پڑھی گئی۔ مسلمان گروہ گروہ بن کر آئے اور حضور کا جنازہ پڑھتے رہے۔ عام مسلمان رسول خداؐ کی تدفین میں شامل نہیں۔ آپ کے اہل بیت نے آپ کو دفن کیا اور عجیب بات یہ ہے کہ شیخین رسول خداؐ کے غسل و کفن اور دفن میں شامل نہیں تھے۔ بی بی عائشہ کا بیان ہے:

ماعلمنا بدفن الرسول حتی سمعنا صوت المساحی فی
جوف اللیل.

”ہمیں رسول خداؐ کی تدفین کا علم اس وقت ہوا جب رات کے
وقت ہم نے بیچوں کی آوازوں کو سنا۔“

مہاجرین و انصار اور بنی ہاشم کی ایک جماعت نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت سے انحراف کیا اور وہ حضرت علیؓ کی جانب مائل ہوئے اور وہ لوگ حضرت عباس کے پاس گئے تاکہ وہ حضرت علیؓ کو اس طرف مائل کریں مگر حضرت عباس نے ان کی اس تجویز کو مسترد کر دیا۔ بنی ہاشم اور مہاجرین و انصار کی ایک جماعت حضرت زہراء کے گھر میں بیٹھ گئی حضرت ابو بکرؓ نے حضرت عمر کو بھیجا کہ تم جا کر انھیں گھر سے نکال باہر کرو اور اگر وہ باہر نہ نکلیں تو ان سے جنگ کرو۔ حضرت عمرؓ آگ لے کر حضرت زہراء کے گھر کی طرف چل پڑے۔ جب دروازہ پر پہنچے تو حضرت زہراء نے کہا کیا تو ہمارا گھر جلانے کے لیے آیا ہے؟ اس نے کہا: جی ہاں اگر تم اس میں داخل نہ ہوئے جس میں امت داخل ہوئی ہے تو میں تمہارے گھر کو جلا کر خاکستر کر دوں گا۔

یہی وجہ ہے کہ حضرت ابو بکرؓ کو مرتے وقت اس چیز نے بے چین کیا تھا اور

انہوں نے کہا تھا کہ میں نے تین کام ایسے کیے کاش میں نے یہ نہ کیے ہوتے تو میرے لیے بہتر ہوتا۔ کاش میں فاطمہؓ کا گھر نہ کھولتا، اگرچہ وہ لوگ جنگ کے لیے اس کا دروازہ بند کرتے اور کاش میں نے الفجاءؓ سلمیٰ کو نہ جلایا ہوتا۔ اس کی بجائے اسے باندھ کر قتل کراتا یا اسے آزاد چھوڑ دیتا اور کاش سقیفہ کے دن میں نے امامت کا بوجھ نہ اٹھایا ہوتا اور یہ بوجھ عمر یا ابو عبیدہ کے سر ڈال دیتا اور میں ان کا وزیر ہوتا۔

حضرت علیؓ نے لوگوں کی حمایت حاصل کرنے کی مقدور بھرکوشش کی اور آپ اپنی زوجہ کو ساتھ لے کر رات کے وقت انصار کے گھروں میں گئے اور انہیں اپنی نصرت کی دعوت دی۔ اس کے جواب میں انصار یہ کہتے ہیں کہ بنت بنی مبر! اگر علی ہمیں پہلے بلاتے تو ہم ضرور ان کی مدد کرتے لیکن اب ہم اس شخص کی بیعت کر چکے ہیں اب بھلا ہم کیا کر سکتے ہیں؟ حضرت علیؓ جواب میں کہتے تھے: کیا میں رسول خداؐ کے جنازہ کو بے گور و کفن چھوڑ حکومت کے جھگڑوں میں ملوث ہو جاتا؟

حضرت زہراؓ فرماتی تھیں۔ ابو الحسنؓ نے وہی کچھ کیا جو انہیں کرنا چاہیے تھا اور جو کچھ لوگوں نے کیا ہے اس کا حساب ان سے خدا لے گا۔ معاویہ اسی بات کے حضرت علیؓ کو طعن دیا کرتا تھا اور کہتا تھا:

مجھے تیرا کل کا دن اچھی طرح سے یاد ہے جب تو اپنی زوجہ کو گدھے پر سوار کر کے اپنے بیٹوں کا ہاتھ پکڑ کر تمام اہل بدر و فضیلت کے پاس گیا تھا اور تو نے ان لوگوں کو اپنی دعوت دی تھی اور تو نے ان سے رسول خداؐ کے ساتھی کے خلاف مدد طلب کی تھی..... مگر چار یا پانچ افراد کے علاوہ کسی نے تیری دعوت کو قبول نہیں کیا تھا اور اگر میں یہ تمام باتیں بھول بھی جاؤں تو مجھے یہ بات کبھی نہیں بھولے گی جب ابوسفیان نے تجھے تحریک و ترغیب کی تھی تو تو نے اس سے کہا تھا کہ اگر پختہ ارادہ رکھنے والے چالیس افراد بھی مجھے مل جاتے تو میں ان سے ضرور جنگ کرتا۔

صحیح بخاری میں بنت پیغمبر کا مطالبہ میراث مذکور ہے۔ اس کے بعد امام بخاری نے بی بی عائشہ کے یہ الفاظ نقل کیے ہیں: بی بی فاطمہؓ نے ابو بکر سے تعلق ختم کر دیا اور اس سے کلام کرنا چھوڑ دیا اور چھ ماہ بعد بی بی زہراءؓ کی وفات ہوئی۔ بی بی کے خاندان علیؓ نے رات کے وقت انھیں دفن کیا اور ابو بکرؓ کو اطلاع تک نہ دی۔ فاطمہؓ کی زندگی میں لوگ علیؓ کا احترام کرتے تھے۔ بی بی کی وفات کے بعد لوگوں نے اپنے چہرے علیؓ سے پھیر لیے۔ ان چھ ماہ کے دوران علیؓ اور ان کے علاوہ کسی بھی ہاشمی نے ابو بکرؓ کی بیعت نہیں کی تھی۔ جب علیؓ نے دیکھا کہ لوگ ان سے منحرف ہو چکے ہیں تو انھوں نے مجبور ہو کر ابو بکر سے مصالحت کر لی۔ بلاذری کہتے ہیں جب تک علیؓ نے بیعت نہ کی اس وقت تک کوئی شخص دشمن سے جنگ کرنے کے لیے نہیں گیا۔

حضرت علیؓ کے علاوہ فروہ بن عمرو خالد ابان اور عمر نے جو کہ سعید اموی کے بیٹے تھے نے حضرت ابو بکرؓ کی بیعت نہیں کی تھی۔ جب بنی ہاشم نے بیعت کی تو اس کے بعد انھوں نے بھی بیعت کی۔ سعد بن عبادہ نے بھی بیعت نہیں کی تھی۔ ارباب حکومت نے یہ فیصلہ کر لیا تھا کہ ہر قیمت پر اس سے بیعت لی جائے مگر انصار نے انھیں ایسا کرنے سے منع کیا اور کہا وہ قتل ہونا پسند کرے گا لیکن تمہاری بیعت نہیں کرے گا اور وہ اکیلا بھی قتل نہ ہوگا بلکہ اس کے ساتھ اس کی اولاد اور تمام رشتہ بھی دار قتل ہوں گے۔

انصار کی یہ بات سن کر سعد بن عبادہ سے جبری بیعت کا ارادہ ترک کر دیا گیا۔ حضرت عمرؓ نے اپنی خلافت کے ابتدائی ایام میں انھیں دیکھ کر کہا تھا: جسے ہمسایہ اچھا نہ لگتا ہو تو اسے چاہیے کہ وہ اس جگہ کو چھوڑ کر کسی اور جگہ چلا جائے۔ سعد بن عبادہ نے مدینہ کو خیر باد کہا اور شام چلے گئے۔ حضرت عمرؓ نے ایک شخص کو بھیجا اور اس سے کہا کہ تم سعد سے بیعت کا مطالبہ کرو اگر وہ بیعت کر لے تو بہتر اور اگر انکار

کرے تو خدا کا نام لے کر اس کا کام تمام کر دو۔ وہ شخص ملک شام گیا۔ حلب کے قریب حواریں کے مقام پر اس نے سعد سے ملاقات کی اور اسے بیعت کی دعوت دی۔ سعد نے انکار کیا اس وقت تو وہ شخص اٹھ کر چلا گیا مگر رات کے وقت اس نے تیر مار کر سعد کا کام تمام کر دیا۔ بعد ازاں یہ بات مشہور کر دی گئی کہ سعد کو جنات نے تیر مارے تھے اور جنات کی زبانی اس مفہوم کے شعر بھی تخلیق کر لیے گئے۔

بیعتِ عمر

حضرت ابو بکرؓ نے اپنی زندگی کے آخری لمحات میں عثمان کو طلب کیا اور اس سے کہا تم میری وصیت لکھو اور وصیت میں یہ الفاظ لکھو: بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ یہ وہ عہد ہے جسے ابو بکرؓ بن ابی قحافہ نے مسلمانوں کے لیے تحریر کیا ہے۔ اما بعد! یہ الفاظ لکھا کر حضرت ابو بکرؓ بے ہوش ہو گئے۔ ان کی بے ہوشی کے دوران حضرت عثمانؓ نے یہ الفاظ تحریر کیے: میں عمر بن الخطاب کو تم پر خلیفہ بنا رہا ہوں اور میں نے اس ذریعہ سے تمہاری خیر خواہی میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔

جب انہیں ہوش آیا تو حضرت عثمانؓ نے انہیں وہ تحریر سنائی۔ تحریر سن کر حضرت ابو بکرؓ نے اس کی توثیق کر دی۔ حضرت عمرؓ حضرت ابو بکرؓ کی لکھی ہوئی وصیت لے کر مسجد نبوی میں آئے اور کہا: اے لوگو! رسول خداؐ کے خلیفہ کی بات سنو اور اطاعت کرو کیونکہ وہ کہہ رہے ہیں کہ میں نے تمہاری خیر خواہی کے لیے کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی۔ اس کے بعد لوگوں نے عمرؓ کی بیعت کی۔

شوریٰ اور بیعتِ عثمان

ابولولو فیروز کے وار سے حضرت عمر شدید زخمی ہوئے۔ ان سے کہا گیا کہ آپ کسی کو اپنا جانشین نامزد کریں۔ انہوں نے کہا اگر آج سالم یا ابو عبیدہ میں سے کوئی زندہ ہوتا تو میں اسے اپنا جانشین نامزد کرتا۔

پھر انہوں نے قریش کے چھ افراد کی ایک شوریٰ تشکیل دی اور اس کے ساتھ انہوں نے ابو طلحہ زید بن اسہل انصاری کو پچاس افراد کے دستے کا انچارج مقرر کیا۔ اور کہا اگر یہ افراد تین دن تک کسی کو خلیفہ مقرر نہ کر سکیں تو انھیں قتل کر دینا اور اگر وہ کسی کو خلیفہ بنا دیں اور کوئی اس کی خلافت کو تسلیم نہ کرے تو مخالفت کرنے والے فرد کو بے دریغ قتل کر دینا اور اس کے ساتھ انہوں نے صہیب کو حکم دیا کہ وہ لوگوں کو نماز پڑھاتے رہیں۔

اور مجلس شوریٰ کی کارروائی کچھ اس طرح سے تقرر کی کہ اگر تین افراد ایک طرف ہوں اور تین دوسری طرف ہوں تو خلیفہ وہی بنے گا جس کی حمایت عبدالرحمن بن عوف کرے گا اور جس کی عبدالرحمن بیعت کرے گا تو باقی افراد کے لیے بھی اس کی بیعت ضروری ہوگی اور جو اس سے انکار کرے اس کی گردن جدا کر دی جائے۔ شوریٰ کا طریق کار وضع کرنے کے بعد حضرت عمرؓ کی وفات ہو گئی۔ اس کے بعد شوریٰ کی کارروائی شروع ہوئی تو عبدالرحمن نے کہا کہ میں اور سعد اپنے آپ کو اس شرط پر باہر نکالتے ہیں کہ تم مجھے اپنے میں سے ایک فرد کے انتخاب کا حق دے دو۔ حضرت علیؓ کے علاوہ باقی تمام افراد نے اس کی تائید کی جب حضرت علیؓ پر اس شرط کو قبول کرنے کے لیے دباؤ ڈالا گیا تو آپ نے فرمایا میں عبدالرحمن کے اس کردار کو اس شرط پر قبول کرتا ہوں کہ پہلے وہ قسم کھائے کہ وہ اپنی خواہشات کی وجہ سے کسی کی طرف نہیں جھکے گا اور یہ کہ وہ حق کو ترجیح دے گا اور اپنی کسی رشتہ داری کو درمیان میں نہیں لائے گا۔ عبدالرحمن نے قسم کھا کر اس کا اقرار کیا تو حضرت علیؓ نے فرمایا: اب منصف مزاج بن کر کسی کا انتخاب کرو۔ اس کے بعد مسجد نبوی میں ان افراد کا اجتماع ہوا۔ عبدالرحمن نے حضرت علیؓ کی طرف ہاتھ بڑھا کر کہا۔ میں آپ کے ہاتھ پر بیعت کرتا ہوں اور میری شرط یہ ہے کہ آپ کتاب اللہ اور سنت رسول اور سیرت پیشین پر عمل کریں گے۔

حضرت علیؑ نے جواب میں کہا۔ میں مقدمہ اور کتاب اللہ اور سنت رسولؐ پر عمل کروں گا۔ اس کے بعد اس نے حضرت عثمانؓ کی طرف ہاتھ بڑھا کر اپنی یہی شرائط پیش کیں۔ حضرت عثمانؓ نے اس کی تمام شرائط کو قبول کرنے کا وعدہ کیا۔ اس کے بعد عبدالرحمنؓ نے حضرت علیؑ سے تین بار اپنی شرائط کا تذکرہ کیا اور ہر بار حضرت علیؑ نے یہی کہا کہ میں کتاب اللہ اور سنت رسولؐ پر عمل کروں گا۔ پھر اس نے تین بار حضرت عثمانؓ کے سامنے اپنی شرائط دہرائی۔ ہر بار حضرت عثمانؓ نے ان تمام شرائط کو قبول کیا۔ اس کے نتیجہ میں عبدالرحمنؓ نے حضرت عثمانؓ کی بیعت کی۔ عبدالرحمنؓ کا یہ طرز عمل دیکھ کر حضرت نے فرمایا:

ہمارے خلاف تمہارے ایسا کرنے کا یہ پہلا دن نہیں ہے۔ اب میں صبر اختیار کرتا ہوں اور میں اس کے لیے اللہ سے مدد طلب کرتا ہوں۔ خدا کی قسم میں چاہتا ہوں تو نے عثمانؓ کو اقتدار اس لیے سپرد کیا ہے تاکہ کل وہ یہی اقتدار تیرے سپرد کرے۔ مگر یہ یاد رکھو خدا کے اپنے ہی فیصلے ہوتے ہیں۔

اصحاب شوریٰ نے حضرت عثمانؓ کی بیعت کی۔ حضرت علیؑ ناراض ہو کر اٹھ کھڑے ہوئے۔ عبدالرحمنؓ نے کہا: اگر تو نے بیعت نہ کی تو میں تجھے قتل کر دوں گا۔ اس کے ساتھ باقی اصحاب شوریٰ نے بھی آپؑ کو یہی دھمکی دی۔ آخر کار مجبور ہو کر آپؑ کو بیعت کرنا پڑی۔

حضرت علیؑ کی بیعت

حضرت عثمانؓ کے قتل کے بعد جب مسلمان تمام سابقہ بیعتوں سے آزاد ہو گئے۔ تو انہوں نے حضرت علیؑ کی خلافت کا نعرہ بلند کیا۔ طلحہ و زبیر سمیت تمام مہاجرین و انصار حضرت کی خدمت میں آئے اور کہا کہ ہم آپؑ کی بیعت کرنا چاہتے ہیں آپؑ نے فرمایا: اس مرحلہ پر مجھے تمہاری بیعت کی کوئی ضرورت نہیں۔ تم جس کا انتخاب کرو گے میں تمہارا ساتھ دوں گا۔ صحابہ نے کہا: ہم آپؑ کے علاوہ کسی اور کا

انتخاب نہیں کرنا چاہتے۔ اس وقت آپ ہی مسلمانوں کی کشتی کو اس گرداب سے بچا سکتے ہیں مگر حضرت علیؑ نے ان کی اس پیش کش کو مسترد کر دیا اور یوں کئی بار لوگ آپ کے پاس آئے اور مایوس ہو کر واپس پلٹتے رہے۔ آخر میں تمام صحابہ کا وفد آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ سے درخواست کی کہ حکومت کے بغیر لوگوں کی اصلاح ناممکن ہے۔ اب کافی وقت گزر چکا ہے۔ ہم آپ کو خلیفہ بنائے بغیر یہاں سے ہرگز نہیں جائیں گے۔

آپ نے فرمایا:

”اگر ایسا ہی ہے تو پھر میری بیعت مسجد کے آزادانہ ماحول میں

ہوگی۔ میری بیعت خفیہ نہ ہوگی اور مسلمانوں کی باہمی رضا

مندی کے بغیر میں یہ منصب قبول نہیں کروں گا۔“

لوگ بہت بڑی تعداد میں مسجد میں آئے اور سب سے پہلے طلحہ نے آپ کے دست حق پرست پر بیعت کی اور پھر باقی مہاجرین و انصار نے آپ کی بیعت کا شرف حاصل کیا۔^(۱)



امر خلافت کے متعلق مکتب خلفاء کا نظریہ

چاروں خلافتوں کے مختصر تاریخی جائزہ کے بعد اب ہم مکتب خلفاء کی طرف سے امر خلافت کا جائزہ لیتے ہیں اور اس سلسلہ میں ان کی آراء کو نقل کرتے ہیں۔
۱۔ حضرت ابو بکرؓ نے سفینہ کی تقریر میں کہا:

”امر خلافت کے حامل ہیں اور میں تمہارے سامنے عمر اور ابو عبیدہ کو پیش کرتا ہوں تم ان میں سے جس کی بھی چاہو بیعت کر لو۔“ (صحیح بخاری، کتاب الہدود، باب رجم الجہلی م/۱۲۰)

حضرت ابو بکرؓ نے سفینہ کی تقریر میں کہا: مہاجرین رسول خدا کے وارث اور ان کے اہل خاندان ہیں اور آنحضرتؐ کی خلافت کے وہی حقدار ہیں اور میں سمجھتا ہوں کہ ان کے اس حق میں سوائے ظالم کے اور کوئی ان سے تنازع نہیں کرے گا۔

(تاریخ طبری طبع یورپ ۱۸۳۰ء)

(۲) حضرت عمر نے سفینہ میں انصار کو مخاطب کرتے ہوئے کہا: خدا کی قسم! عرب ہرگز اس بات کو نہیں مانیں گے کہ تم ان پر حکومت کرو جب کہ ان کے نبی تمہارے علاوہ دوسرے قبیلہ کے ہوں۔ ہاں عربوں کو اس قبیلے کی حکومت تسلیم کرنے میں تامل نہ ہوگا جس میں نبوت تھی اور اس میں سے ان کے امیر ہونے چاہئیں اور اس شکل میں اگر کوئی عرب ان کی امارت ماننے سے انکار کرے گا تو اس کے مقابلے میں ہمارے پاس کھلی ہوئی دلیل اور واضح حق ہوگا۔ محمد کی حکومت اور امارت میں

کون ہم سے تنازع کر سکتا ہے کیونکہ ہم ان کے وارث اور ان کے اہل خاندان ہیں اور ہماری مخالفت صرف وہی کرے گا جو گمراہ، گناہگار ہوگا یا وہ ہماری مخالفت کرے گا جو ورطہ ہلاکت میں گرفتار ہوگا۔ حضرت عمرؓ کو مکہ میں معلوم ہوا کہ ایک شخص یہ کہہ رہا ہے کہ جب امیر المومنین مرے گا تو میں فلاں کی بیعت کروں گا۔ حضرت عمرؓ نے وہاں سے مدینہ آ کر اپنا پالیسی بیان جاری کیا اور کہا: جو شخص مسلمانوں سے مشورہ کیے بغیر کسی کی بیعت کرے تو بیعت کرنے والے اور بیعت لینے والے دونوں افراد کو قتل کر دیا جائے۔ (صحیح بخاری باب رجم الجلیلی ۱۲۰/۳)

جب زخمی ہوئے اور چھ افراد کی شورئی تشکیل دے چکے انہوں نے کہا تھا: اگر آج سالم مولیٰ ابی حذیفہ اور ابو عبیدہ بن جراح میں سے کوئی بھی زندہ ہوتا تو میں خلافت اس کے سپرد کر کے مطمئن ہو جاتا۔ (طبقات ابن سعد طبع بیروت دار صادر ۳/۳۲۳) اور انہوں نے یہ بھی کہا: اگر آج سالم زندہ ہوتا تو مجھے شورئی بنانے کی ضرورت ہی نہیں تھی۔ (الاستیعاب اسد الغابہ در حالات سالم مولیٰ ابی حذیفہ)

(۳) مکتب خلافت کے پیروکاروں کا نظریہ یہ ہے:

(الف) امام سابق کی نص سے خلافت منعقد ہوتی ہے جیسا کہ حضرت ابوبکرؓ نے حضرت عمرؓ پر نص کی تھی اور اسے خلیفہ نامزد کیا تھا اور اس کے لیے صحابہ کی رضا مندی کے حصول کو ضروری نہیں سمجھا گیا تھا۔

(ب) اہل حل و عقد کسی کا انتخاب کریں تو بھی خلافت صحیح ہے۔ البتہ اہل حل و

عقد کی تعداد کتنی ہونی چاہیے۔ مکتب خلافت کے کچھ علماء کہتے ہیں کہ پانچ افراد کی بیعت کافی ہے۔ کیونکہ حضرت ابوبکر کی بیعت بھی ابتداء میں پانچ افراد نے کی تھی اور حضرت عمرؓ نے بھی چھ رکنی شورئی تشکیل دی تھی جن میں سے ایک نے خلیفہ بنا تھا اور پانچ نے بیعت کرنی تھی۔ مکتب خلافت کے علماء کی اکثریت کا نظریہ یہ ہے کہ ایک فرد کی بیعت سے بھی خلافت کا

انعتقاد صحیح ہے کیونکہ حضرت عباس نے حضرت علیؑ سے کہا تھا: آپ ہاتھ دراز کریں تو میں آپ کی بیعت کرتا ہوں۔ اس انعتاد کے صحیح ہونے کی وجہ یہ ہے کہ عباسی حکم تھے اور ایک حاکم کا حکم بھی نافذ العمل ہوتا ہے۔

(ج) جو شخص تلوار کے ذریعہ سے حکومت پر غلبہ حاصل کرے اور اپنے آپ کو امیر المومنین کے لقب سے ملقب کرے تو بھی اس کی خلافت درست ہے اور خدا و رسولؐ و آخرت پر ایمان رکھنے والے کسی بھی شخص کے لیے یہ جائز نہیں کہ وہ ایک رات اس حالت میں بسر کرے کہ اسے امام نہ جانتا ہو۔ امیر المومنین کے لیے نیک و بد کی کوئی شرط نہیں ہے۔ (حوالہ کے لیے کتب خلافت میں بحث امامت کے باب کی طرف رجوع فرمائیں)

کتب خلافت کے علماء نے رسول خدا سے اس سلسلہ کی یہ حدیث نقل کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا:

تسمع و تطیع الامیر و ان ضرب ظہرک و اخذ مالک.

”تجھے امیر کا فرمان سننا چاہیے اور اطاعت کرنی چاہیے اگرچہ وہ تیری پشت پر تازیانے مارے اور تیرا مال تجھ سے ناحق چھین لے۔“

(د) خلیفہ کوفہ و عظم سے معزول نہیں کیا جاسکتا اور اس کے خلاف خروج کرنا جائز نہیں ہے البتہ احادیث میں مذکور ہے کہ اسے وعظ و نصیحت کی جائے۔ مسئلہ خلافت کے متعلق کتب خلافت کی آراء کا یہ جامع خلاصہ تھا اور تنقید و تبصرہ سے قبل ہم مناسب سمجھتے ہیں کہ ہم ایک بار اس بحث کی اصطلاحات کی دوبارہ تعریف کریں تاکہ اس کے بعد مذکورہ آراء کا تحلیل و تجزیہ کیا جاسکے۔

باردگر چند اصطلاحات کی تعریف

(۱) شوری

”التَّشَاوُزُ اور المَشَاوَرَةُ“ کا مفہوم یہ ہے کہ ایک دوسرے سے صلاح کر کے رائے معلوم کی جائے اور قرآن مجید میں بھی یہ لفظ اسی مفہوم کے لیے استعمال ہوا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

”وَأْمُرُهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ“

”یعنی وہ اپنے امور میں مشورہ کرتے ہیں۔“

چنانچہ یہ لفظ اصطلاح شرعی نہیں ہے۔“

(۲) بیعت

۱- عربی لغت میں بیعت کا لفظ بیع سے بنا ہے اور بیعت کے معنی ہیں خرید و فروخت کی تکمیل پر دوکاندار اور گاہک کا ایک دوسرے سے ہاتھ ملانا۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ باہمی معاہدے مختلف طریقوں سے کرتے تھے کبھی ایک برتن میں خوشبو رکھ دیتے اور معاہدہ کرنے والے افراد اس میں ہاتھ ڈبو کر اپنے معاہدہ کی پابندی کا اعلان کرتے اور کبھی کسی برتن میں خون بھر کر اس میں ہاتھ ڈبو کر اپنے حلیف ہونے کا اظہار کرتے تھے۔

(۲) اسلام میں بیعت وفاداری کے اظہار کے لیے کی جاتی تھی اور ایک شخص اپنی وفاداری کے اظہار کے لیے دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہے اور یوں معاہدہ کی پابندی کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔ قرآن مجید میں بیعت رضوان کا تذکرہ ان الفاظ سے کیا گیا ہے:

(إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ

أَيْدِيهِمْ) (الف: ۱۰)

باردگر چند اصطلاحات کی تعریف

(۱) شوریٰ

”التَّشَاوُزُ اور المَشَاوِرَةُ“ کا مفہوم یہ ہے کہ ایک دوسرے سے صلاح کر کے رائے معلوم کی جائے اور قرآن مجید میں بھی یہ لفظ اسی مفہوم کے لیے استعمال ہوا ہے جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

”وَأْمُرْهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ“

”یعنی وہ اپنے امور میں مشورہ کرتے ہیں۔“

چنانچہ یہ لفظ اصطلاح شرعی نہیں ہے۔“

(۲) بیعت

۱۔ عربی لغت میں بیعت کا لفظ بیع سے بنا ہے اور بیعت کے معنی ہیں خرید و فروخت کی تکمیل پر دوکاندار اور گاہک کا ایک دوسرے سے ہاتھ ملانا۔ اہل عرب کی عادت تھی کہ وہ باہمی معاہدے مختلف طریقوں سے کرتے تھے کبھی ایک برتن میں خوشبو رکھ دیتے اور معاہدہ کرنے والے افراد اس میں ہاتھ ڈبو کر اپنے معاہدہ کی پابندی کا اعلان کرتے اور کبھی کسی برتن میں خون بھر کر اس میں ہاتھ ڈبو کر اپنے حلیف ہونے کا اظہار کرتے تھے۔

(۲) اسلام میں بیعت و فاداری کے اظہار کے لیے کی جاتی تھی اور ایک شخص اپنی وفاداری کے اظہار کے لیے دوسرے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھتا ہے اور یوں معاہدہ کی پابندی کرنے کا وعدہ کرتا ہے۔ قرآن مجید میں بیعت رضوان کا تذکرہ ان الفاظ سے کیا گیا ہے:

(إِنَّ الَّذِينَ يُبَايِعُونَكَ إِنَّمَا يُبَايِعُونَ اللَّهَ يَدُ اللَّهِ فَوْقَ

أَيْدِيهِمْ) (الفتح: ۱۰)

”بے شک جن لوگوں نے آپ کی بیعت کی انہوں نے اللہ کی

بیعت کی۔ ان کے ہاتھوں پر خدا کا ہاتھ تھا۔“

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے مسلمانوں سے پہلی بیعت عقبہ اولیٰ کے پاس مکہ میں لی تھی وہ بیعت اسلام قبول کرنے کی بیعت تھی اور آپ نے دوسری بیعت بھی اسی مقام پر ایک سال بعد لی تھی وہ اسلامی معاشرے کے قیام کے لیے تھی۔ چنانچہ پہلی بیعت کو بیعت نساء کہا گیا کیونکہ اس میں کسی جنگ کا معاہدہ شامل نہیں تھا۔

مکہ کی ان دو بیعتوں کے بعد آپ نے مقام حدیبیہ پر لوگوں سے ایک درخت کے نیچے بیعت لی تھی اور اس بیعت کی ضرورت یوں محسوس ہوئی کہ آپ عمرہ کے لیے مکہ جانا چاہتے تھے اور اہل مکہ کی طرف سے جنگ کرنے کی دھمکیاں موصول ہونے لگی تھیں۔ ان معروضی حالات کے تحت آپ نے صحابہ سے اس بات پر بیعت لی کہ جنگ کی صورت میں راہ فرار اختیار نہ کریں گے۔ اس بیعت کا یہ فائدہ ہوا کہ مشرکین مکہ ڈر گئے اور انہوں نے جنگ کی بجائے مذاکرات کو ترجیح دی جس کے نتیجہ میں صلح حدیبیہ کا معاہدہ طے پایا۔

رسول خدا نابالغ افراد سے بیعت نہیں لیتے تھے۔ سنت رسول کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ بیعت کے تین عناصر ہیں۔

(۱) بیعت کرنے والا۔ (۲) بیعت لینے والا۔

(۳) وہ امر جس کے لیے بیعت لی گئی۔

بیعت سے قبل لوگوں کو اس امر کی اطلاع دی جاتی ہے کہ کس کام کے سلسلہ ان کی بیعت مطلوب ہے اور جب وہ سوچ سمجھ لیں اور معاہدہ کرنا چاہیں تو وہ بیعت لینے والے کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ کر اس سے پاسداری کا اقرار کرتے ہیں اور اس عمل کو اسلامی اصطلاح میں بیعت سے تعبیر کیا جاتا ہے۔ بیعت کے لیے چند

شرائط ضروری ہیں اور وہ یہ ہیں۔

- (۱) بیعت اس سے لی جائے جو بیعت کرنے کے قابل ہو اسی لیے بچے اور پاگل کی بیعت درست نہیں ہے کیونکہ وہ غیر مکلف ہیں اور بیعت کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ برضا و رغبت سے لی جائے کیونکہ بیعت بھی بیع کی طرح سے ہے جس طرح کسی شخص سے زبردستی رقم وصول کرنا ناجائز ہے اسی طرح سے کسی بھی شخص سے بزور شمشیر بیعت لینا بھی ناجائز ہے۔
- (۲) کسی بھی ایسے شخص کی بیعت ناجائز ہے جو کھل کر احکام خداوندی کی نافرمانی کرتا ہو کیونکہ رسول خدا کا ارشاد ہے:

لا طاعة لمن عصى الله تبارك و تعالیٰ

”جو اللہ کی نافرمانی کرتا ہے اس کے لیے کوئی اطاعت نہیں ہے۔“

- (۳) جن امور سے خدا و رسول نے منع کیا ہے ایسے امور کی انجام دہی کے لیے بیعت ناجائز ہے کیونکہ رسول خدا کا فرمان ہے:

فاذا امر بمعصية فلا سمع ولا طاعة.

”جب امیر خدا کی نافرمانی کا حکم دے تو سمع و طاعت ضروری نہیں ہے۔“

(۴۳) خلیفہ و امیر المؤمنین

لغت عرب میں خلافت نیابت کے معنی میں مستعمل ہوتی ہے اور خلیفہ کسی کے جانشین اور قائم مقام کو کہا جاتا ہے اور قرآن مجید کی اس آیت میں بھی یہ لفظ اسی معنی میں استعمال ہوا ہے:

وَأذْكُرُوا إِذْ جَعَلَكُمْ خُلَفَاءَ مِنْ بَعْدِ قَوْمِ نُوحٍ. (الاعراف: ۶۹)

”اور یاد کرو جب اس نے تمہیں قوم نوح کے بعد جانشین بنایا۔“

اور رسول خدا کی اس حدیث میں بھی لفظ خلیفہ انہی معنوں میں استعمال

ہوا ہے۔ آپ نے فرمایا:

اللهم ارحم خلفائي:

”خدا یا میرے جانشینوں پر رحم فرما“

پھر آپ نے اپنے جانشین افراد کا تعارف ان الفاظ سے کرایا:

الذین باتون بعدی و یروون حدیثی و سنتی.

”جو میرے بعد آئیں گے اور میری حدیث اور سنت کو بیان کریں گے۔“
قرآن و حدیث میں لفظ خلیفہ رسول خدا کے جانشین کے لیے استعمال نہیں
ہوا بلکہ یہ سنتِ اولیٰ اور عام مفہوم میں استعمال ہوا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت عمر کو خلیفہ
خلیفۃ الرسول کہہ کر کچھ حرصہ تک پکارا جاتا رہا۔ بعد ازاں کسی نے انہیں
امیر المؤمنین کہہ دیا تو انہوں نے اس لقبے چوڑے لقب کو ترک کر دیا۔ عیاشی عہد تک
مسلمانوں کے بادشاہ کو امیر المؤمنین اور خلیفہ کہہ کر پکارا جاتا تھا اور بعض اوقات انہیں
”خلیفۃ اللہ“ کے لقب سے بھی یاد کیا جاتا تھا۔ عثمانی ترکوں کے عہد حکومت میں انہیں
لفظ خلیفہ سے یاد کیا جاتا تھا اور یہ لفظ آج تک مسلمانوں میں اسی مفہوم کے تحت
راج اور متداول ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ لفظ خلیفہ مسلمانوں کی مخصوص اصطلاح
نہیں ہے اور اسے اصطلاح شرعی بھی نہیں کہا جا سکتا اور یہی حال لفظ امیر المؤمنین کا
ہے۔

(۵) امام

نخت میں امام مقتدا کو کہا جاتا ہے اور قرآن مجید میں بھی یہ لفظ پیشوا اور
رہبر کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔ البتہ قرآن مجید میں اسے چند شرائط کے ساتھ
مشروط کیا گیا ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جب حضرت ابراہیم کو منصبِ امامت پر فائز
کیا تو اس واقعہ کی ترجمانی قرآن مجید میں ان الفاظ سے کی گئی:

قَالَ إِنِّي جَاعِلُكَ لِلنَّاسِ إِمَامًا قَالَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِي قَالَ

إِنِّي نَالُ عَهْدِي الظَّالِمِينَ. (البقرہ)

”اللہ نے کہا با تحقیق میں تجھے لوگوں کا امام مقرر کرتا ہوں“
 ابراہیم نے کہا اور میری نسل میں سے بھی امام مقرر کرنا اللہ
 نے کہا میرا عہدہ ظالموں کو نہیں ملے گا۔“

اس آیت مجیدہ سے ثابت ہوتا ہے کہ امامت ایک خدائی عہدہ ہے اور یہ
 خدا کی طرف سے عطا ہوتا ہے اور امام کے لیے یہ ضروری ہے کہ اس کا تعلق نسل
 ابراہیم سے ہو اور پھر پوری نسل ابراہیم بھی منصب امامت کی اہلیت نہیں رکھتی۔ امام
 بننے کا استحقاق صرف اسی کو حاصل ہے جس کی زندگی ظلم سے پاک ہو۔ ظلم خواہ شرک
 و کفر کی صورت میں ہو یا اپنے نفس پر ظلم کی شکل میں ہو یا دوسروں پر کسی طرح کے ظلم
 کی شکل میں ہو۔ بہر حال امام کا ظلم سے پاک ہونا انتہائی ضروری ہے۔ لفظ امام ایک
 اصطلاح شرعی اور ایک اسلامی نام ہے۔

۶۔ امر اور اولوالامر

لغت عرب، عرف مسلمین اور نصوص اسلامیہ میں امر لوگوں پر حکومت کے
 معنی میں استعمال ہوا ہے۔ لفظ اولوالامر کو ہم ایک اسلامی اصطلاح قرار دے سکتے
 ہیں کیونکہ یہ لفظ قرآن مجید میں حاکم مسلمین کے معانی میں استعمال ہوا ہے جیسا کہ
 ارشاد قدرت ہے:

يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا أَطِيعُوا اللَّهَ وَأَطِيعُوا الرَّسُولَ وَأُولِي
 الْأَمْرِ مِنْكُمْ (النساء: ۵۹)

”ایمان والو: اللہ کی اطاعت کرو اور رسول اور جو تم میں سے
 صاحبان امر ہوں ان کی اطاعت کرو۔“

اولی الامر کی تشخیص و تعیین کے متعلق دونوں مکاتب فکر کے نظریات میں
 اختلاف پایا جاتا ہے۔ مکتب آل محمد کا نظریہ یہ ہے کہ رسول کے بعد تعیین امام کا حق

صرف خدا کو حاصل ہے خدا جسے چاہے امت کا امام اور اولی الامر مقرر کر دے اور خدا کی طرف سے تقرر کی خبر رسول خدا دیں گے۔ اس کے برعکس مکتب خلفاء کا نظریہ یہ ہے کہ ہر صاحب اقتدار امام خلیفہ اور اولی الامر ہے۔ خواہ اس کا تقرر بیعت سے ہو یا وہ فوجی قوت کی وجہ سے اقتدار میں آیا ہو۔ بہر نوع جو کسی بھی طریقہ سے اقتدار کی منہ پر فائز ہو جائے اس کی اطاعت تمام مسلمانوں پر واجب ہو جائے گی۔

اس مکتب کے پیروکاروں نے لفظ خلیفہ کو اس قدر عام کیا کہ یزید بن معاویہ جیسا خبیث جس نے ذریت رسول کو قتل کیا اور جس نے خاندان پیغمبر کو قید کر کے شہر بہ شہر پھرایا اور جس نے مدینہ منورہ کو تباہ کیا اور جس کے حکم کے تحت ہزاروں خواتین کی عصمت دری کی گئی اور جس نے کعبہ پر منجلیق سے سنگ باری کرائی ایسا لعین بھی آج تک خلیفہ اور امیر المؤمنین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور آج بھی اس کے دفاع میں کتابیں شائع ہو رہی ہیں۔

(۷) وصی اور وصی نبی

کتاب و سنت میں وصی کا تصور موجود ہے اور وصی وہ ہے جسے کوئی شخص یہ وصیت کر جائے کہ وہ میرے بعد میرے فلاں فلاں کام سرانجام دے اور وصیت کرنے والا اپنے وصی کا تقرر حسب ذیل الفاظ سے کر سکتا ہے۔ مثلاً وہ یہ کہہ سکتا ہے:

اوصیک ان تفعل کذا و کذا من بعدی.

”میں تجھے وصیت کرتا ہوں کہ میرے بعد یہ کام سرانجام دینا۔“

اس طرح سے کوئی شخص بھی اس طرح کے الفاظ سے کسی کو بھی اپنا وصی بنا

سکتا ہے

اعهد اليك ان تفعل كذا و كذا من بعدى .

”میں تیرے ذمہ لگاتا ہوں کہ تو میرے بعد یہ یہ کام بجالانا۔“

وصیت کرنے والا شخص لوگوں کو اپنے وصی کے تقرر سے اس طرح کے الفاظ سے باخبر کر سکتا ہے۔

فلان وصی من بعدى .

”میرے بعد فلاں میرا وصی ہے۔“

یا کوئی اس طرح کے الفاظ کہے تو بھی صحیح ہے۔

فلان يقوم بعدى بعمل كذا و كذا .

”فلاں شخص میرے بعد میرے فلاں فلاں کام کرے گا۔“

الغرض اس طرح کے الفاظ سے وصی کا اعلان صحیح ہے۔

اس مفہوم کے تحت وصی نبی اس انسان کو کہا جاتا ہے جسے نبی نے اپنے

بعد امر شریعت اور امت کے امور کی نگہداشت کا حکم دیا ہو۔



خلافت و امامت کے متعلق مکتب خلافت کی آراء کا تنقیدی جائزہ

(۱) شورئ

العقاد خلافت کے لیے حضرت عمرؓ نے سب سے پہلے شورئ کو متعارف کرایا اور اس کے لیے انہوں نے کتاب و سنت کی کوئی دلیل پیش نہیں کی تھی۔ انہوں نے صرف اپنے اجتہاد پر انحصار کیا تھا۔ لہذا جس شخص کی نظر میں سیرت صحابہ اور اقوال صحابہ قرآن و حدیث کی طرح معتبر ہوں تو اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ ان کی شورئ کو دین کا حصہ سمجھ سکتا ہے۔ لیکن ہم یہ واضح کرنا چاہتے ہیں کہ شورئ کی تشکیل سنت ابو بکر کی عملی نفی ہے اور اگر شورئ کو دین کا حصہ سمجھ لیا جائے تو حضرت عمر کی اپنی خلافت ہی مشکوک ہو جائے گی کیونکہ حضرت عمرؓ نے خود اپنی زبانی یہ اقرار کیا تھا کہ حضرت ابو بکر کی خلافت مسلمانوں کی رضا اور مشورہ سے منعقد نہیں ہوئی تھی بلکہ وہ اچانک قائم ہوئی تھی جس کے شر سے اللہ نے مسلمانوں کو بچا لیا۔ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت ابو بکر کی خلافت شورئ پر قائم نہیں تھی۔ اور خود حضرت عمر کی اپنی خلافت بھی شورئ کی اساس پر قائم نہیں تھی۔ ان کی خلافت حضرت ابو بکرؓ کی وصیت اور پامردگی کی وجہ سے قائم ہوئی تھی۔

علاوہ ازیں اگر شورئ دین کا حصہ ہوتا تو حضرت عمرؓ شورئ کے وقت یہ کبھی نہ کہتے کہ اگر آج ابو حذیفہ کا آزاد کردہ غلام سالم زندہ ہوتا تو میں اسے خلیفہ بناتا اور

اگر ابو عبیدہ بن جراح زندہ ہوتا تو میں اسے تمہارا خلیفہ مقرر کرتا۔ حضرت عمرؓ کا یہ قول شوریٰ کی نفی کرتا ہے اور اگر شوریٰ کو سنت عمر سمجھ کر دین کا حصہ بھی تسلیم کر لیا جائے تو پھر یہ سوال پیدا ہوگا کہ شوریٰ کی ہیئت کدائی کیسی ہونی چاہیے اور شوریٰ کے ارکان کی تعداد کتنی ہونی چاہیے؟ ہمیں اس سوال کا جواب بھی معلوم ہے۔ ہم جانتے ہیں کہ ہمیں یہ جواب دیا جائے گا کہ شوریٰ کے ارکان کی تعداد کم از کم چھ افراد پر ضرور مشتمل ہونی چاہیے۔ اس کے جواب میں ہم یہ کہیں گے کہ اگر ایسا ہی ہے تو پھر ایک شخص عبدالرحمن بن عوف کی رائے کو تمام افراد کی رائے پر فوقیت کیوں دی گئی۔ سب کی رائے کے وزن کو یکساں قرار کیوں نہیں دیا گیا اور فرد واحد کی رائے کو فیصلہ کن حیثیت دینے میں کیا راز مضمر تھا؟ اور اس کے ساتھ ساتھ ہم یہ بھی دیکھتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے یہ فرمان بھی صادر کیا تھا کہ ارکان شوریٰ میں سے جو بھی عبدالرحمن کی رائے کی مخالفت کرے اسے بے دروغ قتل کر دیا جائے۔

سوال یہ ہے کہ کیا صحابہ اور وہ بھی ممتاز صحابہ کا خون اس قدر ارزاں ہو چکا تھا کہ عبدالرحمن کی رائے تسلیم نہ کرنے سے وہ لائق گردن زدنی ہوئے اور اگر مزاج پر ناگوار نہ گزرے تو ہمیں یہ بھی بتایا جائے کہ ارکان شوریٰ میں سے وہ رکن کون سا تھا جس کے متعلق یہ اندیشہ تھا کہ یہ عبدالرحمن کی رائے کو تسلیم نہیں کرے گا؟ اور اس سلسلہ کا ہمارا آخری سوال یہ ہے کہ اگر سنت عمر کے تحت شوریٰ کی حیثیت ایک دینی رکن کی ہے تو ہمیں یہ بتایا جائے کہ اس شوریٰ پر پوری تاریخ خلافت میں کتنی مرتبہ عمل کیا گیا؟ مکتب خلافت کے پیروکار شوریٰ کے جواز کے لیے قرآن مجید کی یہ آیت پیش کرتے ہیں:

وَأْمُرْهُمْ شُورَىٰ بَيْنَهُمْ.

”وہ اپنے باہمی معاملات کو شوریٰ سے طے کرتے ہیں۔“

اس آیت مجیدہ کے متعلق ہمارا موقف یہ ہے کہ اس آیت سے باہمی

مشورہ کی بہتری کی طرف اشارہ کیا گیا ہے اس کے وجوب کا حکم نہیں دیا گیا۔ اگر یہ مشورہ واجب ہوتا تو اللہ تعالیٰ اس کے لیے وجوب کی آیت نازل فرماتا۔ مکتب خلافت کے پیروکار جواز شوریٰ کے لیے قرآن مجید کی (وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ) کی آیت بھی پیش کرتے ہیں۔ اس آیت کا زیادہ سے زیادہ مفہوم یہی ہے کہ اللہ نے اپنے حبیب کو حکم دیا کہ وہ جنگ کے لیے اپنے صحابہ سے مشورہ کیا کریں تاکہ وہ احساس کمتری کا شکار نہ ہوں تاکہ وہ یہ نہ سمجھیں کہ نہ ہی ان سے کوئی مشورہ لیا جاتا ہے نہ ہی ان کی رائے کو کوئی اہمیت دی جاتی ہے۔ اس حکم کے باوجود بھی اللہ نے اپنے حبیب کو صحابہ کے مشورہ کی پابندی کا حکم نہیں دیا اور فرمایا (فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ) جب آپ مصمم ارادہ کر لیں تو پھر اللہ پر بھروسہ کریں۔ قرآن مجید کی یہ آیت اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ اسلام کی ہر ایک مہم عزم رسول کی مرہون منت تھی۔ ویسے بھی مشورہ کا اصول یہ ہے کہ تھوڑی عقل اور تجربہ والا شخص جب کسی کام کے متعلق مذہب ہو تو وہ اپنے سے زیادہ عقل و تجربہ رکھنے والے شخص سے مشورہ کرتا ہے جبکہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کو خداوند عالم نے عقل وافر سے نوازا ہوا تھا اور حضور کا کوئی بھی صحابی آپ سے زیادہ عقل و ذہن نہیں تھا تو پھر حبیب خدا ان کے مشورہ کے محتاج کیسے ہو سکتے تھے؟

بس اصل بات یہی تھی کہ آپ نے مشورہ صرف اس لیے لیا تاکہ صحابہ یہ نہ سمجھیں کہ ہمیں کوئی اہمیت نہیں دی جاتی۔ آپ نے ان سے مشورہ کر کے ان کی تالیف قلب فرمائی تھی اور یہ نکتہ بھی ذہن نشین رہنا چاہیے کہ مشورہ احکام اسلام کے نفاذ کے لیے کیا گیا حکم شرعی کے استنباط کے لیے نہیں کیا گیا۔ حکم شرعی کے لیے خدا و رسول کا فیصلہ حتمی ہوتا ہے اس میں کسی مؤمن کو چوں چوں کرنے کی اجازت نہیں ہوتی۔ جیسا کہ ارشاد خداوندی ہے:

وَمَا كَانَ لِمُؤْمِنٍ وَلَا مُؤْمِنَةٍ إِذَا قَضَى اللَّهُ وَرَسُولُهُ أَمْرًا أَنْ

يَكُونُ لَهُمُ الْخَيْرَةُ مِنْ أَمْرِهِمْ وَمَنْ يَعْصِ اللَّهَ وَرَسُولَهُ فَقَدْ
ضَلَّ ضَلَالًا مُّبِينًا. (الاحزاب ۳۶)

”نہ کسی ایمان دار مرد کو مناسب ہے اور نہ کسی ایمان دار عورت
کو یہ مناسب ہے کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی کام کا فیصلہ
کر دیں تو ان کو اپنے امر کا اختیار ہو اور جس نے خدا اور اس
کے رسول کی نافرمانی کی تو وہ یقیناً کھلم کھلا گمراہی میں مبتلا ہو
چکا۔“

مشورہ صرف ایسے کام میں کیا جانا چاہیے جس کے متعلق خدا و رسول کا
قطعی فیصلہ موجود نہ ہو اور جس مسئلہ کے متعلق خدا و رسول کا واضح فیصلہ موجود ہو تو
اس کے متعلق مشورہ کرنا خدا و رسول کی نافرمانی اور کھلم کھلا گمراہی ہے۔

(۲) بیعت

ہم سابقہ بحث میں عرض کر چکے ہیں کہ خدا کی نافرمانی اور علانیہ فسق و فجور
کرنے والے شخص کی بیعت جائز نہیں ہے اور زبردستی اپنی قوت و طاقت کے بل پر
بھی بیعت لینا صحیح نہیں ہے۔ مکتب خلافت کے پیروکاروں کا نظریہ ہے کہ خلافت
پانچ افراد کی بیعت سے منعقد ہو جاتی ہے۔ اس مکتب کے بعض علماء کا خیال ہے کہ
خلافت ایک شخص کی بیعت سے بھی منعقد ہو جاتی ہے اور انہوں نے اپنے نظریات
کے لیے عمل صحابہ سے استدلال کیا ہے۔

(۳) عمل صحابہ

مکتب خلافت میں عمل صحابہ کو دین کا جزو قرار دیا جاتا ہے لیکن ہم یہ سمجھتے
ہیں کہ سیرت صحابہ دین کا جزو تب بنے گی جب اسے کتاب و سنت کی طرح سے
اسلامی شریعت کا سرچشمہ تسلیم کیا جائے اور ایسا ہونا عملی لحاظ سے ناممکن ہے کیونکہ

تاریخ کے اوراق میں ہمیں یہ حقیقت دکھائی دیتی ہے کہ صحابہ کی آراء ایک دوسرے سے مختلف تھیں اور انہی آراء کی وجہ سے مکتب خلافت کے بیروکاروں میں اختلاف پیدا ہوا۔ جب صحابہ کا عمل خود ہی اختلاف کا شکار تھا تو ہم کس صحابی کے عمل کو اپنے لیے حجت بنائیں اور کس کے عمل کو مسترد کریں؟

کلام علیؑ سے استدلال

مکتب خلافت کے علماء حضرت علیؑ کے ایک خط سے استدلال پیش کرتے ہیں کہ حضرت علیؑ نے اپنے خط میں اس حقیقت کو تسلیم کیا کہ اجماع صحابہ حجت ہے۔ اس کے جواب میں ہم سابقہ صفحات میں یہ بحث کر چکے ہیں کہ صحابہ کا وہ اجماع واقعی حجت ہے جس میں علیؑ اور حسنؑ و حسینؑ شامل ہوں اور امیر المومنین کے مکتوب کا بھی یہی مفہوم ہے۔

حاکم کی اطاعت کا واجب ہونا اور فسق و معصیت سے معزول نہ ہونا مکتب خلافت سے وابستہ علماء کی تعلیمات یہ ہیں کہ حاکم جسے وہ اپنی مخصوص اصطلاح میں امام کہتے ہیں اگر فسق و فجور اختیار کرے اور کھلم کھلا احکام خداوندی سے روگردانی کرے وہ تب بھی اپنے منصب پر بحال رہے گا اور فسق و فجور کی وجہ سے اسے معزول نہیں کیا جاسکتا مسلمانوں کو تو اپنے فاسق و فاجر امام کی اطاعت کرنی چاہیے خواہ وہ انہیں تازیانے ماریں یا ان کا مال بھی غصب کریں اس کے خلاف خروج کرنا ناجائز ہے۔ اس نظریہ بیعت کی وجہ سے یزید کو امیر المومنین کا درجہ دیا گیا اسی عقیدہ سے یہ نتیجہ اخذ ہوا کہ اس لعین کے حکم پر مسلمانوں نے فرزند رسولؐ کو شہید کیا اور خانوادہ رسولؐ تاریخ کیا افراد خاندان کو قید کیا اس نظریہ کا یہ ثمریوں پھولا پھولا کہ یزید کے حکم پر مسلمانوں نے مدینہ پر فوج کشی کی صحابہ رسولؐ کو قتل کیا گیا صحابہ کی بہو بیٹیوں کی عصمت دری کی اور آخر میں بقیۃ السیف المل مدینہ سے یزید کی بیعت لی گئی کہ وہ یزید کے غلام ہیں۔

اسی نظریے کے تحت بیت اللہ پر مخبیطیں داغی گئیں اور سنگ باری کی گئی۔ ان تمام گھناؤنے جرائم کے باوجود آج بھی یزید کو امیر المومنین کے نام سے یاد کیا جاتا ہے اور اس کی مدح و ثنا میں کتابیں لکھی جا رہی ہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

کتب اہل بیت میں امامت کا تصور

ابھی آپ نے امامت و خلافت کے متعلق کتب خلافت کے نظریہ کا مطالعہ کیا۔ کتب اہل بیت میں امامت کا نظریہ اس کے بالکل برعکس ہے اور امامت کے متعلق کتب اہل بیت اس آیت سے (اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا قَالًا وَّمِنْ ذُرِّیَّتِیْ قَالًا لَا یَنَالُ عَهْدِیَ الظَّالِمِیْنَ) بالتحقیق میں تجھے لوگوں کا امام مقرر کرتا ہوں۔ انہوں نے کہا کہ میری ذریت میں سے بھی امام مقرر کرنا۔ خدا نے کہا میرا یہ عہدہ ظالموں کو نہیں ملے گا۔

اس آیت سے تین باتیں ثابت ہوتی ہیں۔

- ۱۔ امامت ایک خدائی منصب ہے اور خدا ہی انسانوں کی ہدایت درہنمائی کے لیے امام مقرر کرتا ہے۔ لوگوں کو امام مقرر کرنے کا اختیار حاصل نہیں ہے۔
- ۲۔ نام کے لیے ضروری ہے کہ وہ نسل ابراہیم سے تعلق رکھتا ہو۔ جو نسل ابراہیم سے نہ ہو وہ امام نہیں بن سکتا۔
- ۳۔ کوئی بھی ظالم منصب امامت کے قابل نہیں ہے اور ہر گناہ گار کسی نہ کسی شکل میں ظالم ہوتا ہے اسی لیے گناہ گار امام نہیں بن سکتا۔ امام کے لیے عصمت شرط ہے اور یہی وجہ ہے کہ جن ذوات عالیہ کو خدا نے منصب امامت پر مقرر کرنا تھا ان کے لیے آیت تطہیر نازل کر کے قرآن میں ان کی عصمت کی گواہی دی۔

سیرت اہل بیت سے ان کی عصمت ثابت ہے۔ علاوہ ازیں اہل بیت کا مدرّس دشمن بھی ان کی کوئی غلطی گنوانے میں آج تک کامیاب نہیں ہو سکا اور اوراق

تاریخ میں ان کے خطا کار ہونے کا ایک واقعہ تک بھی موجود نہیں جب ہم سیرت نبوی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس دور کے لوگ مسئلہ خلافت و امامت سے غافل نہیں تھے اور رسول کریم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بھی اس اہم مسئلہ سے لاتعلق نہیں تھے۔ ہمیں آنحضرت کی کئی زندگی میں یہ بات دکھائی دیتی ہے کہ ایک شخص نے آپ سے کہا تھا کہ ہمارا قبیلہ اس شرط پر آپ کی تائید و نصرت کرنے پر آمادہ ہے کہ آپ کے بعد خلافت ہماری ہوگی۔ اس کے جواب میں رسول خدا نے فرمایا:

الامر الی اللہ بضعہ حیث یشاء.

”حکومت و امامت کا فیصلہ خدا کے ہاتھ میں ہے وہ جسے چاہے

گا اس عہدہ پر متعین کرے گا۔“

رسول خدا نے اسلامی معاشرہ کے قیام کے لیے اہل مدینہ سے بیعت لی جس کے شرائط میں سے ایک شرط یہ بھی تھی (ان لاینار عوا الامر اہلہ) کہ حقدار حکومت سے حکومت کے متعلق جھگڑا نہ کریں گے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے دعوت اسلام کے آغاز کے موقع پر ہی اپنے وزیر اور خلیفہ کا اعلان کر دیا تھا۔

علاوہ ازیں اگر سیرت نبوی کا گہرائی سے مطالعہ کیا جائے تو ہمیں یہ بات دکھائی دے گی کہ آپ مدینہ کو ایک دن کے لیے بھی حاکم سے خالی نہیں چھوڑتے تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جو شخصیت ایک دن کے لیے بھی باہر جاتی تھی تو کسی نہ کسی کو اپنا جانشین مقرر کرتی تھی وہی شخصیت یہ بات کیسے گوارا کر سکتی تھی کہ دنیا سے رخصت ہوتے وقت کسی کو بھی امت کا گورنر مقرر کیے بغیر دنیا سے چلے جائیں اور امت قیامت تک خلافت کے مسئلہ کے لیے آپس میں حتم گتھا ہوتی رہے۔ رسول خدا سے پہلے جتنے بھی انبیاء گزرے ہیں ان سب نے اپنے اپنے جانشین مقرر کیے تھے۔ سنت انبیاء کے تقاضے کے تحت رسول خدا نے بھی اپنے جانشین کا متعدد مواقع پر مختلف الفاظ کے ساتھ اعلان کیا۔ ایک مرتبہ جب سلمان فارسی نے آپ سے پوچھا

کہ آپ کا وصی کون ہے؟ حضورؐ نے فرمایا: میرا وصی اور میرے رازوں کا مقام.....
 ملی ابن ابی طالب ہے۔ رسول خداؐ نے اتنی بار حضرت علیؑ کی خلافت و امامت کا
 اعلان کیا کہ حضرت علیؑ کا لقب ہی وصی پڑ گیا اور اس لقب کو اتنی شہرت نصیب ہوئی
 کہ ہر دور کے خطباء و ادباء و شعراء اور مناظرین نے اس کا تذکرہ کیا۔ لطف یہ ہے
 کہ لفظ وصی کی شہرت دوسری تیسری صدی میں نہیں ہوئی بلکہ صحابہ و تابعین کے دور
 میں بھی حضرت علیؑ اس لقب سے ملقب تھے اور حضرت علیؑ کی وصایت کی نصوص
 قطعاً مکتب خلافت کو کانٹنے کی طرح سے چبھتی تھیں اسی لیے انہوں نے ہر ممکن طریقہ
 پر اسے چھپانے کی کوشش کی اور اس سلسلہ میں کتمانِ حق کے دس مختلف حربے
 آزمائے گئے اور چشمِ فلک نے یہ منظر بھی دیکھا کہ (وصی و خلیفتی فیکم) کے
 الفاظ پیغمبر کو لفظ (کذا و کذا) لکھ کر مبہم بنانے کی سعی نا تمام کی گئی اور بعض اوقات
 نصوص نبویہ کی من مانی تاویلات کی گئیں۔ نصوص امامت کو مخفی رکھنے کے لیے لوگوں
 کو حدیث کی کتابت سے منع کیا گیا۔ اور آخر میں قتل کا پرانا حربہ بھی آزمایا گیا اور
 امامِ نسانی کو فضائلِ علیؑ بیان کرنے پر بے دردی سے قتل کر دیا گیا۔

مکتب خلافت نے آئمہ اثنا عشریہ کے نصوص کو مخفی رکھنے پر ہی اکتفا نہیں
 کیا بلکہ انہوں نے حکمران طبقہ کے خلاف تمام روایات کو مخفی رکھنے کی بھرپور کوشش
 کی۔ حکمران طبقہ کی جساتیں اس قدر بڑھ گئی تھیں کہ جب عبداللہ بن زبیر نے یزید
 کی مخالفت کی اور اعلان کیا کہ میں نے یزید کو اس کے فسق و فجور کی وجہ سے معزول
 کر دیا ہے اور اب یزید کی بجائے میں خود خلیفۃ المسلمین ہوں۔

ابن زبیر نے یزید کے شہر سے نچنے کے لیے کعبہ شریف میں پناہ لے رکھی
 تھی اور اپنے آپ کو حرم کا کبوتر کہلاتا تھا۔ ابن زبیر کے اس باغیانہ اعلان کے بعد
 یزید بن معاویہ کہ آیا اور اس نے بیت اللہ کے صحن میں بیٹھ کر ابن زبیر سے کہا۔
 ابن زبیر! تیری یہ مجال کہ تو منبر پر بیٹھ کر امیر المؤمنین کے خلاف بری باتیں کرے

اور اپنے آپ کو حرم کے کبوتر سے تشبیہ دے!! پھر اس نے اپنے نوکر کو صدادے کر کہا کہ میرا تیر کمان لاؤ۔ یہ حکم سن کر نوکر تیر کمان لایا۔ یزید نے کمان میں تیر رکھ کر حرم کے ایک کبوتر کا نشانہ لیا اور کہا: کبوتر! بول کیا امیر المومنین شراب پیتا ہے؟ اگر تو نے کہا کہ ہاں امیر المومنین شراب پیتا ہے تو میرا یہ تیر تجھ سے ہرگز نہیں چو کے گا۔ کبوتر! بول کیا امیر المومنین بندروں اور چیتوں سے کھیلتا ہے؟ اگر تو نے کہا جی ہاں امیر المومنین ایسا کرتا ہے تو میرا یہ تیر تجھ سے ہرگز نہیں چو کے گا۔^(۱) اہل حکومت کو وحی پیغمبر سے اس قدر چوتھی کہ انہوں نے پورے نوے سال تک جمعہ وعیدین کے خطبات میں ان پر لعنت و سب و شتم کو رواج دیا اور اہل سیستان کے علاوہ تمام اسلامی شہروں میں اس پر عمل کیا گیا۔ حضرت علیؑ کے دوستوں کو چن چن کر شہید کیا گیا اور فضائل علیؑ کو صفحہ تواریخ سے مٹانے کے لیے متعدد کتب خانوں کو نذر آتش کیا گیا جہاں لاکھوں کی تعداد میں نایاب اور قیمتی کتابیں موجود تھیں۔

ان تمام تر کوششوں کے باوجود ذخیرہ سنت میں حضرت علیؑ اور ائمہ ہدیٰ کی فضیلت کی چند احادیث پھر بھی باقی رہ گئیں۔ جن میں مندرجہ ذیل احادیث سرفہرست ہیں:

علی منی بمنزلہ ہارون من موسیٰ الا انہ لانبیٰ بعدی.
 ”علیؑ کو مجھ سے وہی نسبت ہے جو ہارون کو موسیٰ سے تھی مگر میرے بعد کوئی نبی نہیں ہے۔“

قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت مجیدہ نازل فرمائی:

يَا أَيُّهَا الرَّسُولُ بَلِّغْ مَا أُنزِلَ إِلَيْكَ مِنْ رَبِّكَ وَإِنْ لَمْ تَفْعَلْ فَمَا بَلَّغْتَ رِسَالَتَهُ وَاللَّهُ يَعْصِمُكَ مِنَ النَّاسِ إِنَّ اللَّهَ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ الْكَافِرِينَ: (المائدہ: ۶)

۱۔ اس واقعہ کی پوری تفصیل ہماری اس کتاب کی تیسری جلد کے باب ”اہل حرمین کا انقلاب“ میں ملاحظہ فرمائیں۔

”اے رسول اس امر کی تبلیغ کر جسے تیرے رب کی طرف سے تجھ پر نازل کیا گیا اور اگر تو نے ایسا نہ کیا تو تو نے اللہ کی رسالت کا کوئی کام نہیں کیا۔ اللہ تجھے لوگوں کے شر سے محفوظ رکھے گا۔ اللہ کافروں کو ہدایت نہیں کرتا۔“

اس آیت مجیدہ کے حوالے سے تمام تر کوششوں کے باوجود بھی حدیث عذیر آج بھی مصادر اسلامیہ میں باقی ہے۔ چنانچہ کتب حدیث و تفسیر میں مرقوم ہے کہ اس آیت کے بعد رسول کریمؐ نے پالانوں کا نمبر بنایا اور خطبہ ارشاد فرمایا:

اللہ مولای وانا مولاکم فمن کنت مولاہ فہذا علی
مولاہ اللہ، وال من والاہ وعاذ من عاذاہ.

”اللہ میرا مولا ہے اور میں تمہارا مولا ہوں۔ جس جس کا میں مولا ہوں اس اس کا علی مولا ہے۔ خدایا جو علی سے دوستی رکھے تو اس سے دوستی رکھ اور جو علی سے دشمنی رکھے تو اس سے دشمنی رکھ۔“

پھر آپ نے حضرت علی کی دستار بندی کرائی اور اس وقت اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی یہ آیت نازل فرمائی:

الْيَوْمَ اكْمَلْتُ لَكُمْ دِينَكُمْ وَأَتَمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِي
وَرَضِيْتُ لَكُمْ الْإِسْلَامَ دِينًا. (المائدہ: ۳)

”آج میں نے تمہارے لیے تمہارے دین کو مکمل کیا اور تم پر اپنی نعمت تمام کر دی اور تمہارے لیے دین اسلام کو پسند کیا۔“

حضرت علیؑ کے فضائل چھپانے کی سر توڑ کوششوں کے باوجود آج بھی اسلامی مصادر میں یہ روایت دکھائی دیتی ہے کہ ایک دفعہ حضرت علیؑ نماز نوافل پڑھنے میں مصروف تھے کہ ایک غریب نے آ کر صدا دی۔ آپ نے اسے انگلی کا

اشارہ کیا وہ اشارہ پا کر آیا اور آپ کی انگشتی اتار لی۔ ابھی وہ سائل در مسجد سے باہر نہیں گیا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کی یہ آیت نازل فرمائی۔

إِنَّمَا وَلِيُّكُمُ اللَّهُ وَرَسُولُهُ وَالَّذِينَ آمَنُوا الَّذِينَ يُقِيمُونَ
الصَّلَاةَ وَيُؤْتُونَ الزُّكُوتَ وَهُمْ رَاكِعُونَ.

”مسلمانو! تمہارا ولی بس اللہ اور اس کا رسول ہے اور وہ اہل
ایمان تمہارے ولی ہیں جو نماز قائم کرتے ہیں اور حالت رکوع
میں زکوٰۃ دیتے ہیں۔“

حکومتی کوششوں کے باوجود اس طرح کی احادیث آج بھی کتب حدیث
میں جگمگا رہی ہیں۔ رسول خداؐ نے حسنؓ و حسینؓ دونوں کے لیے ”ہذا منی“ کے
الفاظ ارشاد فرمائے اور آپؐ نے (الحسن والحسين سبطان من الاسباط) کی
حدیث ارشاد فرمائی یعنی حسن و حسین اسباط میں سے دو سبط ہیں۔

آپؐ نے لوگوں کو بتایا: (يا ايها الذين امنوا اطيعوا الله واطيعوا
الرسول واولى الامر منكم) کی آیت مجیدہ میں جن صاحبان امر کی اطاعت
کا حکم دیا گیا ہے اس سے مراد علی اور ان کے گیارہ فرزند ہیں۔
آپؐ نے فرمایا:

مثل اهل بيتي فيكم كسفينة نوح من ركبها نجا ومن
تخلف عنها غرق.

”میری اہل بیت کی مثال کشتی نوح جیسی ہے جو اس پر سوار ہوا
اس نے نجات پائی اور جو پیچھے رہ گیا وہ غرق ہوا۔“

رسول خدا نے اپنی اہل بیت کو قرآن کے ہموزن قرار دیتے ہوئے ارشاد فرمایا:

انبي تارك فيكم الثقلين كتاب الله وعترتي اهل بيتي ما
ان تمسكتم بهما لن تضلوا من بعدي و قد انبأني

اللطف الخبير انهما لا يفترقان حتى يردا على الحوض.

”میں تم میں دو گرانقدر چیزیں چھوڑے جاتا ہوں اللہ کی کتاب اور میری عترت اہل بیت۔ جب تک تم ان دونوں سے وابستہ رہو گے ہرگز گمراہ نہ ہو سکو گے۔ اور مجھے لطیف و خبیر خدا نے یہ خبر دی ہے کہ یہ دونوں ایک دوسرے سے ہرگز جدا نہ ہوں گے یہاں تک کہ میرے پاس حوض کوثر پر آ جائیں۔“

اب جب کہ اس وقت دنیا میں قرآن باقی ہے تو حدیث نبوی کے تقاضے کے تحت اہل بیت نبوی کے فرد کا ہونا بھی ضروری ہے اور جب تک قرآن باقی رہے گا فرد اہل بیت کا اس کی حفاظت کے لیے باقی رہے گا۔ آپ نے اپنے خلفاء کی تعداد کا اعلان کرتے ہوئے فرمایا:

لا يزال هذا الدين قائما حتى تقوم الساعة او يكون عليكم اثنا عشر.

”یہ دین قیامت تک قائم رہے گا اور یہ دین اس وقت تک قائم رہے گا جب تک بارہ امام رہیں گے۔“
یہ حدیث ان الفاظ سے بھی مروی ہے۔

لا يزال امر الناس ماضيا الى اثني عشر ثم يكون المرج والهرج.

”لوگوں کے کام اس وقت تک چلتے رہیں گے یہاں تک کہ بارہ امام ہوں۔ ان کے بعد افراتفری پھیل جائے گی۔“
ایک اور روایت میں یہ الفاظ مروی ہیں:

فاذا هلكوا ما جت الارض باهلها.

”جب بارہ امام دنیا سے رخصت ہو جائیں گے تو زمین اپنے اہل سمیت تباہ و برباد ہو جائے گی۔“

ایک اور حدیث میں یہ جملے وارد ہیں:

انہم الناعشر عدۃ نقباء بنی اسرائیل.

”نقبائے بنی اسرائیل کی تعداد کے مطابق میرے جانشینوں کی تعداد بھی بارہ ہوگی۔“

آئمہ اثنا عشر کی یہ روایات اہل بیت طاہرین کے بارہ آئمہ کے علاوہ کسی پر منطبق نہیں ہوتیں۔ اللہ تعالیٰ نے دنیا کو باقی رکھنے کے لیے بارہویں امام کو طولانی زندگی دی ہے اور جب بارہویں امام کی وفات ہوگی تو دنیا بھی فنا ہو جائے گی۔ مکتب خلافت کو بارہ خلفاء کی احادیث نے سخت پریشانی میں مبتلا کر رکھا ہے اور انہوں نے اپنی طرف سے بارہ نام گنجانے کی متعدد کوششیں کیا ہیں لیکن آج تک اپنے بیان کردہ آئمہ پر نہ تو خود ہی مطمئن ہیں اور نہ ہی کسی کو مطمئن کر سکے۔ رسول خدا کی مذکورہ احادیث میں جن بارہ آئمہ کا تذکرہ کیا ہے ان کے نام نامی یہ ہیں۔

- ۱۔ حضرت امام علی علیہ السلام
- ۲۔ حضرت امام حسن علیہ السلام
- ۳۔ حضرت امام حسین علیہ السلام
- ۴۔ حضرت علی زین العابدین علیہ السلام
- ۵۔ حضرت محمد باقر علیہ السلام
- ۶۔ حضرت جعفر صادق علیہ السلام
- ۷۔ حضرت موسیٰ کاظم علیہ السلام
- ۸۔ حضرت علی رضا علیہ السلام
- ۹۔ حضرت محمد تقی علیہ السلام
- ۱۰۔ حضرت علی نقی علیہ السلام
- ۱۱۔ حضرت حسن عسکری علیہ السلام
- ۱۲۔ حضرت محمد مہدی علیہ السلام

حکمرانوں کی حیرہ سو سالہ کاوشیں

ہم نے آئمہ اہل بیت کے بارہ آئمہ کے دلائل کے لیے مکتب خلافت کے یقین تریں مصادر پر اکتفا کیا ہے ورنہ مکتب اہل بیت کے مصادر اسلامیہ میں رسول خدا سے امامت آل محمد پر احادیث متواترہ موجود ہیں جن کی تعداد ہزاروں میں ہے اور ان احادیث میں ہر امام کا نام اور اس کی صفات گنہ مذکور ہیں۔

مکتب اہل بیت کے علماء کا موقف یہ ہے کہ صدر اسلام کے خلفاء اور اموی و عباسی اور عثمانی خلفاء اور ان کے حکام اور ان کے آئمہ جمعہ و جماعت کی ملازمت، حضرت علیؑ اور دیگر آئمہ اہل بیت کی امامت کو مخفی رکھنے پر موقوف ہے۔ اس امر کی وضاحت کے لیے بطور مثال ہم یہ کہتے ہیں کہ ہارون الرشید کے زمانہ خلافت میں ابو یوسف قاضی القضاة کے عہدہ پر فائز تھے اور انہیں اس عہدہ پر ہارون الرشید نے مامور کیا تھا اور اگر ہارون کی خلافت ہی باطل ثابت ہو جائے تو قاضی القضاة کا تقرر بھی باطل قرار پائے گا۔ ہارون رشید کے دور خلافت میں برا مکہ اس کے وزیر تھے اور انہوں نے امت اسلامیہ کے خزانوں سے اپنی تجوریاں بھر رکھی تھیں۔ اگر ہارون رشید کی خلافت ناجائز قرار دے دی جائے تو البرامکہ کی وزارت بھی ناجائز قرار پائے گی۔ اسی طرح سے ہارون کے دور خلافت میں اس نے بہت سے افراد کو امیر لشکر مقرر کیا تھا اور ہر امیر لشکر ہزاروں افراد پر حکومت کرتا تھا۔ اگر ہارون رشید کی خلافت غلط قرار دے دی جائے تو امرائے لشکر کی امارت بھی مشکوک ہو جائے گی۔

الغرض اس دور میں بلاد افریقہ سے لے کر حجاز، یمن، شام، ماوراء النہر اور سندھ تک اس کے مقرر کردہ حکام اور آئمہ جمعہ و جماعت کے مناصب اور ان کی عیش و عشرت اس بات پر موقوف ہے کہ ہارون رشید کی خلافت کو صحیح ثابت کیا جائے اور اگر ہارون رشید کو ہی غاصب قرار دے دیا جائے تو اس کے ساتھ اس کے ہزاروں لاکھوں متعلقین بھی غاصب قرار پائیں گے۔

اسی لیے اس دور کی پوری بیوروکریسی امام موسیٰ کاظمؑ کی بجائے ہارون الرشید کو جائز حکمران ماننے پر مجبور تھی اور یہی حال یزید و معاویہ اور دیگر حکومتوں کے دور میں تھا۔ اگر صدر اسلام میں برسراقتدار گروہ کو غاصب قرار دے دیا جاتا تو اس سے صرف ان کے ہی مفادات متاثر نہیں ہوتے تھے بلکہ ان کی وجہ سے ان سے وابستہ لاکھوں افراد کے مفادات ختم ہوتے تھے اور ان مفادات کو تحفظ دینے کے لیے

ہر دور میں ائمہ اہل بیت کی امامت و خلافت کا انکار کیا گیا اور ان کے حق میں وارد احادیث کو چھپایا گیا کیونکہ اگر ایسا نہ کیا جاتا تو ان کے مفادات مجروح ہوتے تھے۔ صحابیت اور امامت کے متعلق دونوں مکاتب فکر کی آراء کا جائزہ ہم یہاں پر ختم کرتے ہیں اور اگلی جلد میں آپ شریعت اسلامیہ کے مصادر کے متعلق دونوں مکاتب فکر کی آراء ملاحظہ فرمائیں گے۔

الحاق

کتاب ہذا میں ہم نے یہ عرض کیا تھا کہ رسول خدا عذیر خم میں حضرت علیؑ کی امامت و ولایت کا اعلان کرنے کے بعد واپس مدینہ آ رہے تھے کہ منافقین نے آپ کو شہید کرنے کے لیے ایک منصوبہ تیار کیا اور عقبہ ہرشی میں چھپ کر بیٹھ گئے تھے۔ یہ روایت مصادر اہل بیتؑ میں موجود ہے۔ ”مجم البلدان میں ”ہرشی“ کا محل وقوع یوں بیان کیا گیا۔ ”ہرشی“: ححفہ کے قریب مکہ کے راستے میں ایک گھاٹی ہے۔ جہاں سے سمندر دکھائی دیتا ہے اور اس تک پہنچنے کے دو راستے ہیں۔ آدی کسی بھی راستے سے جائے وہاں تک پہنچ جاتا ہے۔ اس کی اس خصوصیت کے پیش نظر شاعر نے کہا تھا:

خدا انف ہرشی او قفاھا فانما

کلا جانبی ہرشی لہن طریق

”تم بلندی کے راستے سے جاؤ یا پستی کے راستے سے جاؤ آخر

کار ہرشی پہنچ ہی جاؤ گے کیونکہ دونوں راہ وہاں جاتے ہیں۔“

یہ گھاٹی ”ححفہ“ کے قریب ہے اسی لیے ہم سمجھتے ہیں کہ منافقین نے عذیر خم

کے بعد اسی جگہ اپنی کارستانی سرانجام دی تھی۔ جب کہ اکثر مورخین نے لکھا کہ

منافقین نے یہ کارروائی تبوک سے واپسی پر کی تھی جبکہ حقیقت یہ ہے کہ تبوک سے

مدینہ کے راستے پر ایسی کسی گھاٹی سے ہم واقف نہیں ہیں۔

تمت بالخیر





۷۸۶
۹۲-۱۱۰
پاصاحب الزماں اور کئی



لبیک یا حسینؑ

نذر عباس
خصوصی تعاون: رضوان رضوی

اسلامی کتب (اردو) DVD

ڈیجیٹل اسلامی لائبریری -

www.ziaraat.com

SABEEL-E-SAKINA

Unit#8,

Latifabad Hyderabad

Sindh, Pakistan.

www.sabeelesakina.co.cc

sabeelesakina@gmail.com

NOT FOR COMMERCIAL USE